فوز و سعادت
کے
ایک سو پچاس (۱۵۰) چراغ

رضوان اللہ علیہم اجمعین

طالب الہاشمی

ترتیب

صفحہ	عنوان	
۱۳	انتساب	○
۱۵	اصحابؓ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) (نظم) حفیظ الرحمٰن احسن ایم اے	○
۱۶	شانِ اصحابؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم (نظم) علیم ناصری ایم اے	○
۱۷	انسانیت کی صحیح گرہ کشائی مولانا سید ابوالحسن علی ندوی	○
۲۵	کچھ اس کتاب کے بارے میں مؤلف	○
۲۹	مقدمہ طالبؔ الہاشمی	○

فہرست اسمائے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین

صفحہ	اسمائے گرامی	نمبر شمار
		آ
۳۸	حضرت آبی اللحمؓ غفاری	۱
۴۱	حضرت آنسہؓ مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	۲
		ا
۴۲	حضرت اَبانؓ بن سعید اُموی	۳

۴	حضرت ابواحمدؓ بن جحش اَسدی	۵۱
۵	حضرت ابوجَہمؓ بن حُذَیفہ عدوی	۵۶
۶	حضرت ابوجُحیفہؓ عامری السوائی	۵۹
۷	حضرت ابوسنانؓ بن محصن اسدی	۶۳
۸	حضرت ابوشیخ انصاریؓ	۶۶
۹	حضرت ابوالطفیل لیثیؓ	۶۸
۱۰	حضرت ابوعامر اشعریؓ	۷۱
۱۱	حضرت ابوعمرہ انصاریؓ	۷۵
۱۲	حضرت ابومالک اشعریؓ	۷۹
۱۳	حضرت ابوہاشم عبشیؓ —— رجلِ صالح	۸۲
۱۴	حضرت اُسیدؓ بن ظُہیر انصاری	۸۵
۱۵	حضرت اشجؓ عبدالقیس	۸۸
۱۶	حضرت اشعثؓ بن قیس کِندی	۹۱
۱۷	حضرت ایمنؓ بن اُمّ ایمنؓ	۱۰۹
ب		
۱۸	حضرت بُدَیلؓ بن ورقاء خزاعی	۱۱۱
۱۹	حضرت بلالؓ بن حارث مُزَنی	۱۱۷
ث		
۲۰	حضرت ثابتؓ بن اقرم انصاری	۱۱۹
۲۱	حضرت ثابتؓ بن ضحاک انصاری	۱۲۲
۲۲	حضرت ثعلبہؓ بن عمرو انصاری	۱۲۶
۲۳	حضرت ثقف بن عمرو اَسدی	۱۲۸

ج

۲۴	حضرت جابرؓ بن سلیم ہجیمی تمیمی	۱۳۰
۲۵	حضرت جابرؓ بن عتیک انصاری	۱۳۳
۲۶	حضرت جرہدؓ بن زراح اسلمی	۱۳۵
۲۷	حضرت جعشم الخیرؓ صدفی محریمی	۱۳۷
۲۸	حضرت جعیلؓ بن سراقہ	۱۳۹
۲۹	حضرت جُندُبؓ بن عبداللہ بَجلی	۱۴۲

ح

۳۰	حضرت حارثؓ بن حاطب انصاری	۱۵۰
۳۱	حضرت حارثؓ بن خالد تیمی	۱۵۲
۳۲	حضرت حاطبؓ بن حارث جمحی	۱۵۴
۳۳	حضرت حاطبؓ بن عمرو عامری	۱۵۶
۳۴	حضرت حبابؓ بن جزء انصاری	۱۵۸
۳۵	حضرت جُبیش الاشعرؓ خزاعی	۱۵۹
۳۶	حضرت حجاجؓ بن علاط بہزی سُلمی	۱۶۴
۳۷	حضرت حُجرؓ بن عدی الکندی	۱۶۹
۳۸	حضرت حَکمؓ بن ابی العاص ثقفی	۱۸۷
۳۹	حضرت حَکمؓ بن حارث سُلمی	۱۹۴
۴۰	حضرت حمزہؓ بن عمرو اسلمی	۱۹۶
۴۱	حضرت حُنَیفؓ بن رئاب انصاری	۲۰۲

خ

۴۲	حضرت خارجہؓ بن حذافہ عَدَوی	۲۰۳

۴۳	حضرت خالدؓ بن عُر فطہ عذری قضاعی	۲۰۸
۴۴	حضرت خبّابؓ مولائے حضرت عتبہؓ بن غزوان	۲۱۲
۴۵	حضرت خِراشؓ بن امیہ کعبی خزاعی	۲۱۴
۴۶	حضرت خِفافؓ بن ایماء غِفاری	۲۱۶
ر		
۴۷	حضرت رافع طائیؓ	۲۲۱
۴۸	حضرت ربیعہؓ بن حارث قرشی ہاشمی	۲۲۶
۴۹	حضرت رُویفعؓ بن ثابت انصاری	۲۲۹
ز		
۵۰	حضرت زرارہؓ بن عمرو نخعی	۲۳۳
س		
۵۱	حضرت ساریہؓ بن زنیم کنانی	۲۳۶
۵۲	حضرت سالمؓ بن عمیر انصاری	۲۳۹
۵۳	حضرت سائبؓ بن العوام اَسدی	۲۴۱
۵۴	حضرت سائب بن یزید اَسدی	۲۴۳
۵۵	حضرت سراقہؓ بن کعب انصاری	۲۴۹
۵۶	حضرت سکرانؓ بن عمرو عامری	۲۵۰
۵۷	حضرت سلمانؓ بن عامر ضبّی	۲۵۲
۵۸	حضرت سُلیمؓ بن ثابت انصاری	۲۵۴
۵۹	حضرت سہلؓ بن حنظلیہ انصاری	۲۵۶
۶۰	حضرت سہلؓ بن عتیک انصاری	۲۶۱

ش		
۶۱	حضرت شمعونؓ بن زید القرظی	۲۶۳
۶۲	حضرت شیبہؓ بن عثمان عبدری	۲۶۸
ص		
۶۳	حضرت صعبؓ بن جثامہ لیثی	۲۷۲
۶۴	حضرت صعصعہؓ بن ناجیہ تمیمی	۲۷۵
۶۵	حضرت صفوانؓ بن اُمیہ جمحی	۲۸۵
۶۶	حضرت صفوانؓ بن عسال مرادی	۳۰۷
ط		
۶۷	حضرت طارقؓ بن شہاب اسلمی بَجَلی	۳۱۰
۶۸	حضرت طفیلؓ بن حارث مُطلبی	۳۱۶
۶۹	حضرت طفیلؓ بن نعمان انصاری	۳۱۹
ظ		
۷۰	حضرت ظُہیرؓ بن رافع	۳۲۰
ع		
۷۱	حضرت عائذؓ بن عمرو مُزَنی	۳۲۲
۷۲	حضرت عامرؓ بن امیہ انصاری	۳۲۴
۷۳	حضرت عبدؓ بن قوال انصاری	۳۲۹
۷۴	حضرت عبدالحمیدؓ بن حفص مخزومی	۳۳۰
۷۵	حضرت عبدالرحمٰنؓ بن ابزیٰ	۳۳۴
۷۶	حضرت عبدالرحمٰنؓ بن خالدؓ (سیف اللہ) مخزومی	۳۳۷
۷۷	حضرت عبدالرحمٰنؓ بن سہل انصاری	۳۴۵

۷۸	حضرت عبدالرحمٰنؓ بن شِبل انصاری	۳۵۰
۷۹	حضرت عبدالرحمٰنؓ بن معاذؓ انصاری	۳۵۳
۸۰	حضرت عبداللہؓ بن ابی ربیعہ مخزومی	۳۵۶
۸۱	حضرت عبداللہؓ بن بدر جُہنی	۳۶۰
۸۲	حضرت عبداللہؓ بن ثعلبہ عذری قضاعی	۳۶۳
۸۳	حضرت عبداللہؓ بن سلمہ بلوی انصاری	۳۶۴
۸۴	حضرت عبداللہؓ بن قرط ازدی ثمالی	۳۶۶
۸۵	حضرت عبداللہؓ بن قیس انصاری	۳۶۹
۸۶	حضرت عبداللہؓ بن مالک بن بحینہ ازدی	۳۷۱
۸۷	حضرت عبداللہؓ بن مربع انصاری	۳۷۳
۸۸	حضرت عبداللہؓ بن یزید انصاری	۳۷۵
۸۹	حضرت عبدیالیل ثقفیؓ	۳۸۳
۹۰	حضرت عتبہؓ بن مسعود ہُذلی	۴۱۳
۹۱	حضرت عدیؓ بن ابی الزغباء انصاری	۴۱۵
۹۲	حضرت عروہؓ بن ابی الجعد البارقی	۴۱۷
۹۳	حضرت عقیلؓ بن ابی طالب قرشی ہاشمی	۴۲۰
۹۴	حضرت عمروؓ بن ابی سرح فہری	۴۳۵
۹۵	حضرت عمروؓ بن حُرَیث مخزومی	۴۳۷
۹۶	حضرت عمروؓ بن عثمان تیمی	۴۴۲
۹۷	حضرت عمروؓ بن معدی کرب زبیدی	۴۴۴
۹۸	حضرت عمیرؓ بن رئاب سہمی	۴۷۲

غ		
۹۹	حضرت غیلانؓ بن سلمہ ثقفی	۴۷۴
ف		
۱۰۰	حضرت فراسؓ بن النضر عبدری	۴۸۴
۱۰۱	حضرت فروہؓ بن عمرو انصاری	۴۸۶
۱۰۲	حضرت فروہؓ بن مسیک مرادی	۴۸۹
۱۰۳	حضرت فضالہؓ لیثی	۴۹۴
۱۰۴	حضرت فیروزؓ دیلمی	۴۹۷
ق		
۱۰۵	حضرت قبیصہؓ بن مخارق ہلالی	۵۰۲
۱۰۶	حضرت قرظہؓ بن کعب انصاری	۵۰۷
۱۰۷	حضرت قیسؓ بن خرشہ قیسی	۵۱۳
۱۰۸	حضرت قیسؓ بن زید جُذامی	۵۱۶
ک		
۱۰۹	حضرت کہمسؓ ہلالی	۵۱۸
ل		
۱۱۰	حضرت لجلاجؓ عامری	۵۲۲
۱۱۱	حضرت لقیطؓ بن صَبرہ عقیلی	۵۲۴
م		
۱۱۲	حضرت مالکؓ بن الحویرث لیثی	۵۲۹
۱۱۳	حضرت مالکؓ بن دُخشم انصاری	۵۳۱
۱۱۴	حضرت مالکؓ بن قیس انصاری	۵۳۳

۱۱۵	حضرت مُجمّعؓ بن جاریہ انصاری	۵۳۶
۱۱۶	حضرت مُحمّد بن حاطبؓ جمحی	۵۴۳
۱۱۷	حضرت محمودؓ بن لبید انصاری	۵۴۶
۱۱۸	حضرت مُحیصہؓ بن مسعود انصاری	۵۴۹
۱۱۹	حضرت مخرمہؓ بن نوفل زُہری	۵۵۵
۱۲۰	حضرت مسطحؓ بن اُثاثہ مطلّبی	۵۵۹
۱۲۱	حضرت مسعودؓ بن اوس انصاری	۵۶۶
۱۲۲	حضرت مسعودؓ بن سعد انصاری	۵۶۷
۱۲۳	حضرت مُسیّبؓ بن حزن انصاری	۵۶۸
۱۲۴	حضرت مطیعؓ بن اسود عدوی	۵۷۱
۱۲۵	حضرت مُظہّرؓ بن رافع انصاری	۵۷۴
۱۲۶	حضرت معاذؓ بن ماعص انصاری	۵۷۵
۱۲۷	حضرت معاویہؓ بن حکم سُلمی	۵۷۷
۱۲۸	حضرت معاویہؓ بن حیدہ قُشَیری	۵۸۰
۱۲۹	حضرت معاویہؓ بن خدیج سکونی	۵۸۳
۱۳۰	حضرت مُعتّبؓ بن عوف خزاعی	۵۸۸
۱۳۱	خضرت معقلؓ بن سنان الاشجعی	۵۹۰
۱۳۲	حضرت معمرؓ بن حارث جمحی	۵۹۵
۱۳۳	حضرت مِقدامؓ بن معدی کرب کِندی	۵۹۸
ن		
۱۳۴	حضرت نبیشۃ الخیر ہُذَلیؓ	۶۰۱
۱۳۵	حضرت نضیرؓ بن حارث عبدری	۶۰۴

۱۳۶	حضرت نعمانؓ بن عجلان انصاری	۶۰۶
۱۳۷	حضرت نعمانؓ بن عصر بلوی الانصاری	۶۱۰
۱۳۸	حضرت نواسؓ بن سمعان عامری کلابی	۶۱۲
۱۳۹	حضرت نوفلؓ بن معاویۃ الدّیلی	۶۱۵
و		
۱۴۰	حضرت وابصہؓ بن معبد اَسَدی	۶۱۶
۱۴۱	حضرت ودقہؓ بن ایاس انصاری	۶۱۹
۱۴۲	حضرت وہبانؓ بن صیفی الغفاری	۶۲۰
ہ		
۱۴۳	حضرت ہبّارؓ بن سفیان مخزومی	۶۲۲
۱۴۴	حضرت ہشامؓ بن حکیم اَسَدی قرشی	۶۲۵
۱۴۵	حضرت ہلال بن اُمیّہ واقفی انصاری	۶۲۹
۱۴۶	حضرت ہندؓ بن ابی ہالہ تمیمی — (وصّاف النبی صلی اللہ علیہ وسلم)	۶۳۷
۱۴۷	حضرت ہندؓ بن حارثہ اسلمی	۶۴۰
۱۴۸	حضرت ہویجہؓ بن بجیر الضّبی	۶۴۱
ی		
۱۴۹	حضرت یعلیٰؓ بن اُمیّہ تمیمی	۶۴۳
۱۵۰	حضرت یعلیٰؓ بن مُرّہ ثقفی	۶۵۲
	کتابیات	۶۵۴

فہرست (اہم) حواشی

نمبرشمار	عنوان	صفحہ	نمبرشمار	عنوان	صفحہ
۱	حضرت عبداللہ بن سعید اُموی	۴۳	۱۹	حضرت عمیرؓ بن وہب	۲۹۰
۲	وَبَر	۴۸	۲۰	حضرت خبیبؓ بن عدی	۲۹۴
۳	بئر معونہ	۶۷	۲۱	حضرت کلدہؓ بن حنبل	۲۹۹
۴	جعرانہ (الجعرانہ)	۶۹	۲۲	حضرت عبداللہؓ بن صفوان	۳۰۵
۵	حضرت اُمّ فروہؓ	۹۲	۲۳	حضرت فاطمہؓ بنت قیس کا واقعہ طلاق	۳۳۰
۶	حضرت نافعؓ بن بدیل	۱۱۲	۲۴	حضرت عبداللہؓ بن شبل	۳۵۱
۷	حضرت ثابتؓ بن ضحاک بن اُمیہ	۱۲۳	۲۵	سجدۂ سہو	۳۷۲
۸	حضرت جعالؓ	۱۳۹	۲۶	حضرت بسبسؓ	۴۱۵
۹	حضرت جعیلؓ	۱۴۰	۲۷	حضرت حویطبؓ بن عبدالعزیٰ	۴۲۱
۱۰	حضرت عبدالرحمٰن بن حارث مخزومی	۱۸۲	۲۸	حضرت عبداللہؓ بن سعد بن ابی سرح	۴۳۰
۱۱	حضرت مالکؓ بن ہبیرہ	۱۸۳	۲۹	حضرت سعیدؓ بن حُرَیث	۴۳۸
۱۲	ابنِ اخت نمر	۲۴۴	۳۰	طلیحہؓ بن خویلد اسدی	۴۵۷
۱۳	حضرت ریحانہؓ	۲۶۳	۳۱	معرکہ عین التمر	۴۷۳
۱۴	ودّان	۲۷۲	۳۲	حضرت عبداللہؓ بن مخرمہ	۴۸۷
۱۵	ابوآ	۲۷۲	۳۳	نمازِ کسوف	۵۰۵
۱۶	وفد بنی تمیم	۲۷۶	۳۴	منافقین	۵۳۷
۱۷	فرزدق (الفرزدق)	۲۸۳	۳۵	حضرت خولہؓ بنت قیس	۶۰۶
۱۸	ایساریا ازلام	۲۸۵		☆☆☆	

یادِ یارِ مہرباں آید ہمی

انتساب

اپنے نہایت ہی پیارے دوست
الحاج خواجہ عبدالمنان رازؔ کاشمیری کے نام

جو

۲۹؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۶ھ ہجری مطابق ۹؍ فروری ۱۹۸۶ء عیسوی (یکشنبہ)
کو اُس سفر پر روانہ ہو گئے جہاں سے کبھی کوئی لوٹ کر نہیں آیا ؎

بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رُت ہی بدل گئی
اک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا

(ناصر کاظمی)

انا للہ وانا الیہ راجعون

جناب رازؔ کاشمیری رحمتہ اللہ علیہ

علم دوستی میں اپنی مثال آپ تھے۔

انتہائی بلند کردار انسان اور سچے مسلمان تھے۔

رحمتِ دوعالم ﷺ، آپؐ کے صحابہ کرامؓ اور دوسرے سلف صالحین سے گہری عقیدت اور محبت رکھتے تھے۔

اسلام کو سربلند دیکھنے کی گہری تڑپ رکھتے تھے۔

ایک بہترین معلّم، صاحب طرز ادیب اور نغز گو شاعر تھے۔

مِدحتِ رسول ﷺ میں حضرت حسانؓ بن ثابت کے پیرو تھے۔

بچوں کے لیے بڑی پیاری اور اخلاق آموز نظمیں کہتے تھے جن سے ان کے دلوں میں دین سے گہرا لگاؤ پیدا ہوتا تھا۔

راقم الحروف کی تحریروں اور ادبی کاوشوں کے بے حد قدر دان تھے۔ دامے درمے قدمے سخنے ہر طریقے سے حوصلہ افزائی فرمایا کرتے تھے۔

احقر کی ہر تازہ تالیف کی اشاعت پر ان کی مسرت دیدنی ہوتی تھی۔ ہر ملاقات میں راقم الحروف کے دل میں اپنی عظمتِ کردار کا نقش گہرا کر دیتے تھے۔

یزیدك وجهه حسناً

اِذا ما زدته نظراً

(ممدوح کے چہرے کا حسن اتنا ہی بڑھتا جاتا ہے جتنا اس کو دیکھتے جاؤ۔)

حقیقت یہ ہے کہ وہ ان اشعار کا عکس جمیل تھے:

بے تکلّف، بے ریا، بے نفس، بے خود بے غرض
مہربانے، دلنوازے، دوستدارے ایں چنیں
چشم من بسیار گروید است و کم کم دیدہ است
ایں قدر عالی وقارے خاکسارے ایں چنیں
در ہمہ عالم نہ بینی جز بہ خاصانِ خدا
با چنیں طبعے بلندے انکسارے ایں چنیں

رَبّ غفور و رحیم سے نہایت عجز و الحاح سے دعا ہے — کہ وہ خواجہ عبد المنان رآز کاشمیری کی لغزشوں سے در گزر فرمائے اور ان کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ قارئین کرام سے استدعا ہے کہ ازراہِ کرم وہ بھی اس دُعا میں احقر کے شریک ہو جائیں۔ اللّٰھم اغفرلہ مغفرۃ واسعۃ

احقر العباد

طالبؔ الہاشمی غفرلہ

اصحابِ رسولؐ

اللہ اللہ، شانِ اصحابؓ رسولؐ
دیدنی ہے آنِ اصحابِؓ رسولؐ

عظمتِ کردار کی تاریخ میں
ہے جلی عنوانِ اصحابِؓ رسولؐ

پرتوِ نورِ نبوت کا امیں
اُسوۂ تابانِ اصحابِؓ رسولؐ

ہے طلب راہِ ہدایت کی اگر
تھام لو دامانِ اصحابِؓ رسولؐ

خود کریں فاقہ، بھریں مہماں کا پیٹ
کیا عجب تھا خوانِ اصحابِؓ رسولؐ

تجھ سے اُمت پر کھلی اک راہِ خیر
شکریہ، مہمانِ اصحابِؓ رسولؐ

وہ شہادت کی خبر، عثمانؓ کی
اور وہ پیمانِ اصحابِؓ رسولؐ

جگمگاتی ہے بیاضِ عشق میں
بیعتِ رضوانِ اصحابِؓ رسولؐ

تھی شہادت کی تمنّائے جلی
حاصلِ ایمانِ اصحابِؓ رسولؐ

تھا اطاعت کا شعورِ تابناک
مایۂ عرفانِ اصحابِؓ رسولؐ

قہر تھا خاشاکِ باطل کے لیے
شعلۂ ایقانِ اصحابِؓ رسولؐ

خوئے تسلیم و رضا، فقرِ غیور
تھا سر و سامانِ اصحابِؓ رسولؐ

اے خوشا، لطفِ نگاہِ پاک سے
کیا سبک تھی جانِ اصحابِؓ رسولؐ

سائبانِ خیر کی صورت محیط
ہم پہ ہے احسانِ اصحابِؓ رسولؐ

کیا لہکتا ہے سرِ اوجِ فلاح
طرّۂ فیضانِ اصحابِؓ رسولؐ

عظمتیں اُن کی جلالت پر نثار
رفعتیں قربانِ اصحابِؓ رسولؐ

ساری اُمّت پر فضیلت کی سند
کیوں نہ ہو شایانِ اصحابِؓ رسولؐ

تھے ابوبکرؓ و عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ
بالیقیں اعیانِ اصحابِؓ رسولؐ

کیسے ہو توصیف کا یارا ہمیں
کیا کہیں شایانِ اصحابِؓ رسولؐ

بس وہی تعریف میں کھولے زباں
ہو جسے عرفانِ اصحابِؓ رسولؐ

حبّذا حسانؓ بن ثابت! کہ تھے
بلبلِ بستانِ اصحابِؓ رسولؐ

گُنگ ہے احسنؔ زبانِ ہیچ کار
کیا بیاں ہو شانِ اصحابِؓ رسولؐ

۲۲؍محرم الحرام ۱۴۱۱ھ (حفیظ الرحمٰن احسنؔ) ۱۴؍اگست ۱۹۹۰ء

شانِ اصحابِؓ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

شانِ اصحابِ نبیؐ کیسے کرے کوئی بیاں — نطق بھی بے دست و پا ہے اور عاجز ہے زباں
بے نوا مجھ سا کرے کیوں کر ثنا صدیقؓ کی — بے بدل ہے سارے عالم میں وفا صدیقؓ کی
مصطفیٰ کے منہ سے نکلی جب صدا توحید کی — سب سے پہلے اُس نے اس اعلان کی تائید کی
وہ نمونہ ثانی اثنین اذ ھما فی الغار کا — وہ امن الناس حضرت سید الابرارؐ کا
سب سے پہلا جانشیں رحمۃ للعالمینؐ — جس کا ثانی صفحۂ تاریخ میں کوئی نہیں
دوسرا یارِ نبیؐ وہ ضیغمِ ملت عمرؓ — جس نے کر دی وقت کی ہر سلطنت زیر و زَبر
وہ مرادِ مصطفیٰ تھا وہ مرید مصطفیٰ — عشق و مستی کی شریعت میں شہید مصطفیٰ
تیغِ بے زنہار تھا وہ قوم کی للکار تھا — مصطفیٰ کی تربیت کا بے بدل شہکار تھا
جسکے قدموں میں گرے تھے قیصر و کسریٰ کے تاج — پیش کرتے تھے جسے خود آکے روم و رَے خراج
جانشیں اس کا وہ مردِ پاک طینت پاک باز — یعنی عثمانِ غنیؓ جود و سخا میں سرفراز
مصطفیٰ بھی جس کی عفت کی قسم کھانے لگے — وہ حیا جس پر فرشتوں کو حیا آنے لگے
جس نے کی ملت کی خاطر بے بہا دولت نثار — لن تنالوا البر حتی تنفقوا کا رازدار
جانشیں اس کا علیؓ مرحب فگن خیبر شکن — دودمانِ ہاشمی کا نوجواں شمشیر زَن
حافظ ناموسِ ملت غازیِ بدر و حنین — حیدرِ کرار، عم مصطفیٰ کا نورِ عین
اپنے ہر ایک پیشرو کا خالص و مخلص مشیر — فقر میں بھی بادشہ اور بادشاہی میں فقیر
طلحہؓ و سعدؓ و زبیرؓ و ابن مسعودؓ ابنِ عوفؓ — پاس تک جن کے نہ پھٹکا کوئی غم اور کوئی خوف
اور کتنے جاں نثارانِ نبیؐ گنوایئے — کرتے کرتے ذکر ان کا آپ ہی کھو جایئے
ان کے دم سے آج ہم اسلام سے ہیں فیضیاب — مل گئی سنت نبیؐ کی اور اللہ کی کتاب

مصطفیٰ کے پاک سیرت ان مریدوں کو سلام
دینِ حق کے سرفروشوں کو، شہیدوں کو سلام

(علیم ناصری)

انسانیت کی صحیح گرہ کشائی

از حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی صاحب

حضور نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی رہنمائی سے دعوت و اصلاح کا کام اس کے صحیح راستہ سے شروع کیا، آپؐ نے طبیعت انسانی کے قفل میں ٹھیک چابی لگائی، یہ وہ قفل تھا جس کے کھولنے میں اپنے وقت کے تمام مصلحین ناکام رہے تھے۔ آپؐ نے لوگوں کو سب سے پہلے اللہ پر ایمان لانے کی دعوت دی اور معبودانِ باطل کے انکار کی تلقین فرمائی اور طاغوت (خدا کے سوا ہر ہستی جس کی عبادت و اطاعتِ مطلق کی جائے) کی نافرمانی کی ہدایت فرمائی، لوگوں میں کھڑے ہو کر آپؐ نے بآوازِ بلند فرمایا:

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قُوْلُوْا لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اللّٰهُ تُفْلِحُوْا.

لوگو! کہو کہ اللہ کے سوا کوئی قابل عبادت نہیں، کامیاب ہو گے۔

جاہلیت اسلام کے مقابلہ پر

جاہلی معاشرے نے اس دعوت اور اس کے مقاصد کے سمجھنے میں غلطی نہیں کی اور اس میں اس کو کچھ پیچیدگی محسوس نہیں ہوئی۔ جیسے ہی آپؐ کی آواز سے سننے والوں کے کان آشنا ہوئے وہ اچھی طرح سمجھ گئے کہ یہ دعوت ایسا تیر ہے جو جاہلیت کے نشانہ پر بیٹھ جائے گا اور جگر کے پار ہو جائے گا۔ خطرہ کے اس احساس سے جاہلیت کے کڑھاؤ میں ابال پیدا ہوا، جاہلیت کے سورما جاہلیت کے آخری

معرکے کے لیے میدان میں کیل کانٹے سے لیس ہو کر اتر آئے — **وَانْطَلَقَ الْمَلَأُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا وَاصْبِرُوْا عَلٰٓى اٰلِهَتِكُمْ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ يُّرَادُ.**

(پ۲۳، آیت ۶، سورۂ صٓ)

اور ان کے ذمہ دار لوگ نکل پڑے کہ چلو اور اپنے معبودوں پر جمے رہو، یہ تو یقیناً کوئی سمجھی چیز معلوم ہوتی ہے۔ (یعنی یہ بات تو کسی اور ہی غرض یا اپنی اطاعت کرانے کے لیے کہی جا رہی ہے۔)

اس زندگی کے ہر رکن نے صاف محسوس کیا کہ جاہلی تہذیب کی عمارت متزلزل ہے اور پورا نظامِ زندگی خطرے میں ہے، اس موقع پر سختی، دباؤ، ظلم و زیادتی کے وہ لرزہ خیز واقعات پیش آئے جو تاریخ اسلام میں محفوظ ہیں۔ یہ اس بات کی علامت تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے جاہلیت پر زد لگانے کے لیے بالکل صحیح جگہ کا انتخاب کیا اور آپؐ کا تیر نشانہ پر صحیح بیٹھا۔ آپؐ نے جاہلیت کی شہ رگ پر وار کیا جس سے جاہلیت تلملا اٹھی اور سارا عرب جو جاہلیت کا شاید سب سے بڑا قلعہ تھا، لڑنے کے لیے آ گیا۔ رسول اللہ ﷺ اپنی دعوت پر پہاڑ کی طرح جمے رہے، مخالفت کے طوفان اٹھے، فتنہ کی آندھیاں آئیں اور نکل گئیں، مگر آپؐ نے اپنی جگہ سے ذرا جنبش نہ کی۔ آپؐ نے اپنے چچا سے صاف کہہ دیا، میرے چچا! اگر میرے ایک ہاتھ میں سورج اور دوسرے ہاتھ پر چاند بھی رکھ دیا جائے تو بھی اس کام کو چھوڑ نہیں سکتا، یہاں تک کہ یا اللہ تعالیٰ اس کو کامیاب کرے یا میں کام آ جاؤں۔

آپؐ مکہ میں تیرہ سال تک مقیم رہے۔ مسلسل توحید، رسالت، آخرت پر یقین کی دعوت پوری صراحت کے ساتھ دیتے رہے۔ آپؐ نے اس کے لیے ذرا بھی ہیر پھیر کا راستہ اختیار نہیں کیا، نہ مخالفوں کی ادنیٰ رعایت کی، نہ وقت کی مصلحت کے لیے اپنی دعوت میں لوچ اور لچک گوارا کی۔ اسی دعوت کو ہر مرض کی دوا، اور ہر بند قفل کی کنجی سمجھا اور ایک لمحہ کے لیے بھی آپؐ کو اس بارہ میں ادنیٰ تذبذب بھی نہیں ہوا۔

اوّلیں مسلمان

قریش اس دعوت کے جواب میں جاہلیت کے جھنڈے کے نیچے آپؐ کے مقابلے پر آگئے اور انہوں نے تمام ملک میں آپؐ کے خلاف آگ لگادی اور اسلام کا راستہ روک کر کھڑے ہو گئے۔ اب آپؐ پر ایمان لانا اسی شیر دل مرد کا کام تھا جو موت سے نہ ڈرتا ہو، جو اپنے عقیدہ اور یقین کے لیے آگ میں کودنے اور انگاروں پر لوٹنے کے لیے تیار ہو جو دنیا کی تمام ترغیبات سے منہ موڑ چکا ہو اور ساری دنیا سے رشتہ توڑ چکا ہو۔ قریش کے چند جوان مرد آگے بڑھے، یہ عجلت کا فیصلہ اور نوجوانی کا اقدام نہ تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ وہ اپنی زندگی کو خطرے میں ڈال رہے ہیں اور زندگی کے دروازے اپنے لیے بند کر رہے ہیں، کوئی دنیاوی لالچ یا ترغیب اس کی محرک نہ تھی کہ اس فیصلہ سے صرف خطرات کا دروازہ کھلتا تھا اور ہر طرح کے دنیاوی فوائد اور راحت کے دروازے بند ہوتے تھے، یہاں صرف یقین کی ایک طاقت تھی اور آخرت کا لالچ تھا، انہوں نے ایمان کی طرف بلانے والوں کو پکارتے سن پایا تھا کہ اپنے پروردگار پر ایمان لے آؤ۔ یہ پکار سنتے ہی زمین ان پر تنگ ہوگئی۔ طبیعتیں بھنچنے لگیں۔ راتوں کی نیند اڑگئی، نرم بستر کانٹوں کی طرح چبھنے لگے۔ انوہس نے دیکھا اللہ ورسول پر ایمان لانا اور اپنے یقین کا ساتھ دینا ان کے لیے ضروری ہوگیا ہے۔ وہ دل ودماغ کے فیۓلہ اور اپنے یقین کی مخالفت کر کے خوش نہیں رہ سکتے تھے، حقیقت ان پر ظاہر ہوگئی تھی۔ وہ اس حقیقت کو ٹال نہیں سکتے تھے۔ حیوانی زندگی سے ان کا دل اچاٹ ہوگیا تھا۔ وہ اس کی دوبارہ پھنسا نہیں سکتے تھے، ایک کانٹا تھا جو ان کے دل میں چبھ رہا تھا۔ وہ اس کانٹے کوپال نہیں سکتے تھے، آخر انہوں نے رسول اللہ ﷺ تک پہنچنے اور اسلام لانے کا فیصلہ کر لیا۔ رسول اللہ ﷺ ان کے شہر کے محلّہ میں تھے۔ چند گز کا فاصلہ! مگر قریش نے آپؐ کو اتنا دور کر دیا تھا اور راستہ اتنا پر خطر بنا دیا تھا کہ آپؐ تک پہنچنا ایک دور دراز اور نہایت خطرناک سفر تھا۔ شام ویمن کو تجارتی قافلہ لے جانا اور عرب کے رہزنوں سے بچ

کر جانا اتنا مشکل نہ تھا جتنا مکہ کے اندر محمد ﷺ تک پہنچنا اور آپؐ سے ملنا مشکل تھا۔ لیکن وہ آپؐ تک پہنچے، آپؐ کے ہاتھ میں ہاتھ دیا اور اپنی زندگی آپ کے حوالے کر دی۔ ان کی زندگی کا خطرہ تھا اور آزمائش و مشکلات کا یقین تھا مگر انہوں نے قرآن کی یہ آیت سنی تھیں:

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْا اَنْ یَّقُوْلُوْا آمَنَّا وَهُمْ لاَ یُفْتَنُوْنَ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَلَیَعْلَمَنَّ الْکَاذِبِیْنَ.

(العنکبوت: آیت ۲)

کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ یہ کہہ کر چھوٹ جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور ان کی آزمائش نہ ہو گی۔ ہم نے تو ان سے پہلے لوگوں کو خوب آزمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ضرور جان لے گا جو سچے ہیں اور وہ جھوٹوں کو ضرور معلوم کر لے گا۔

اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی سنا تھا کہ:

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا یَاْتِکُمْ مَّثَلُ الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِکُمْ مَّسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰی یَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰی نَصْرُ اللّٰهِ اَلاَ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ. (البقرہ : ع۲۶)

کیا تم نے سمجھ رکھا ہے کہ جنت میں یوں ہی داخل ہو جاؤ گے اور تم پر وہ حالات نہیں گزریں گے جو پہلوں پر گزر چکے ہیں۔ ان کو مصیبت اور نقصانات سے سابقہ پڑا اور وہ ہلا کر رکھ دیے گئے حتیٰ کہ رسول اور ان کے ساتھی ایمان لانے والے کہنے لگے کب مدد آئے گی؟ معلوم ہوا کہ مدد بس قریب ہے۔

آخر وہی پیش آیا جس کی قریش سے توقع تھی، قریش نے اپنا ترکش ان بے بسوں پر خالی کر دیا اور سب تیر آزمائے مگر ان کی پختگی اور یقین بڑھتا ہی گیا (اور کہنے لگے اسی کا تو ہم سے اللہ اور اس کے رسول نے وعدہ فرمایا تھا اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا تھا۔ اور اس نے ان کے ایمان اور سپردگی میں اضافہ ہی

کیا) ان آزمائشوں اور ابتلاؤں سے ان کے عقیدہ میں مزید پختگی، ان کے یقین میں استحکام، ان کے دینی احساس میں ترقی اور ان کے ایمان میں لذت و حلاوت پیدا ہوئی، ان کی طبیعتوں میں نکھار پیدا ہوا اور وہ اس بھٹی سے کھرا سونا بن کر نکلے۔

صحابہ کرامؓ کی ایمانی تربیت

اس کے ساتھ ساتھ رسول اللہ ﷺ ان کو قرآن کی روحانی غذا پہنچا رہے تھے، اور ایمان کے ذریعہ ان کی تربیت فرما رہے تھے۔ اور آپؐ ان کو طہارت بدنی و خشوع قلبی، خضوع جسمانی اور حاضر دماغی کے ساتھ دن میں پانچ بار رب العالمین کے حضور میں جھکاتے۔ ان میں روز بروز روحانیت کی بلندی، قلب کی صفائی، اخلاق کا ستھرا پن، مادی گرفت سے آزادی اور خواہشات سے چھٹکارا حاصل ہو رہا تھا اور مالک ارض و سما کا عشق اور شوق بڑھ رہا تھا، آپؐ ان کو تکلیف میں صبر، درگزر اور ضبط نفس کی تلقین فرماتے تھے، لڑائی ان کے خمیر میں داخل تھی، تلوار سے ان کا ازلی رشتہ تھا، وہ لوگ اس قوم سے تھے جس کی تاریخ بسوس وداحس وغیرہ کی خونیں داستانوں سے پر ہے، یوم الفجار کو ابھی زیادہ دن نہیں گزرے تھے لیکن رسول اللہ ﷺ ان جنگی سرشت انسانوں کو تھامے ہوئے تھے اور ان کی عربی نخوت کو ایمان کی طاقت سے دبائے ہوئے تھے، آپ ان سے کہتے (اپنے ہاتھوں کو روکے رہو اور نماز قائم کرو) وہ آپؐ کے حکم سے موم ہو گئے تھے۔ بغیر ادنی بزدلی کے انہوں نے اپنے ہاتھوں کو روک لیا۔ وہ سب برداشت کر رہے تھے۔ جو دنیا کی کسی قوم نے برداشت نہیں کیا، تاریخ نے ایک واقعہ بھی ایسا پیش نہیں کیا جس میں کسی مسلمان نے اپنے نفس کی طرف سے مدافعت کی ہو اور جوابی یا انتقامی کارروائی کی ہو۔ ضبط و تحمل کی یہ انتہائی مثال ہے جو ہمیں کسی جماعت کی تاریخ میں نہیں ملتی ہے۔

مدینۃ الرسولؐ میں

قریش جب حد سے بڑھ گئے اور پانی سر سے اونچا ہو گیا تو اللہ نے اپنے رسول کو اور آپ کے اصحاب کو ہجرت کر جانے کی اجازت دے دی۔ یہ لوگ یثرب کو ہجرت کر گئے، اسلام ان سے پہلے یثرب پہنچ چکا تھا، اہل مکہ یثرب والوں میں خوب گھل مل گئے حالانکہ ان کے درمیان کی کڑی صرف یہ نیا مذہب تھا، تاریخ نے دین کی طاقت واثر کا یہ انوکھا منظر پیش کیا۔ اوس و خزرج نے جنگ بعاث سے ابھی دامن بھی نہ جھاڑا تھا اور ان کی خون آشام تلواروں سے ابھی تک خون ٹپک رہا تھا۔ ایسے حالات میں اسلام نے دلوں میں الفت و محبت پیدا کی۔ اس مصالحت کے لیے اگر کوئی شخص پوری دنیا کا خزانہ خرچ کر دیتا تو بھی یہ اس کی طاقت سے باہر تھی۔ نبی ﷺ نے انصار و مہاجرین کے درمیان بھائی چارہ کرایا۔ ایسا بھائی چارہ جس کے سامنے سگے بھائیوں کی محبت گرد، اور دنیا کی ساری دوستیاں بے حقیقت تھیں۔ تاریخ میں ایسی محبت و خلوص کی مثال نہیں ملتی۔

یہ نوزائیدہ جماعت جو مہاجرین مکہ اور انصار مدینہ پر مشتمل تھی ایک عظیم الشان اسلامی امت کی اساس اور اسلام کا سرمایہ تھی۔ اس جماعت کا ظہور ایسی کٹھن گھڑی میں ہوا جب کہ دنیا موت و زندگی کی کش مکش میں مبتلا تھی۔ اس جماعت نے آکر اس کی زندگی کا پلڑا جھکا دیا اور ان تمام خطرات کو دور کر دیا جو اس کو درپیش تھے، اس جماعت کا ظہور اور اس کا استحکام انسانیت کی بقا کے لیے ضروری تھا اسی لیے جب اللہ تعالیٰ نے انصار و مہاجرین کی اخوت و محبت پر زور دیا تو فرمایا (اگر ایسا نہ کرو گے تو زمین میں بڑا فتنہ و فساد برپا ہو گا۔)

صحابہ کرامؓ کی ایمانی تکمیل

ادھر رسول اللہ ﷺ کی رہنمائی میں صحابہ کرامؓ کی ایمانی تربیت و تکمیل کا سلسلہ جاری رہا۔ قرآن برابر ان کے قلوب کو طاقت اور گرمی بخشتا رہا۔ رسول

اللہ ﷺ کی مجالس سے ان کو استحکام، خواہشات نفس پر قابو، رضائے الٰہی کی سچی طلب اور اس کی راہ میں اپنے آپ کو مٹانے کی عادت، جنت سے عشق، علم کی حرص، دین کی سمجھ اور احتساب نفس کی دولت حاصل ہوئی۔ وہ لوگ چستی و سستی میں رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرتے جس حال میں ہوتے خدا کی راہ میں اٹھ کھڑے ہوتے۔ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی معیت میں دس سال کے اندر ستائیس بار جہاد کے لیے نکلے اور آپ کے حکم سے سو مرتبہ سے زائد کمربستہ ہوکر میدان جنگ کی طرف گئے۔ ان کے لیے دنیا سے بے تعلقی آسان بن گئی تھی۔ اہل وعیال کے مصائب برداشت کرنے کے عادی بن گئے تھے۔ قرآن کی آیات وہ بیشمار احکام لائیں جو ان کے لیے پہلے سے مانوس نہ تھے۔ نفس ومال اولاد خاندان کے بارے میں احکام نازل ہوئے جن کی تعمیل کچھ ہنسی کھیل نہ تھی، لیکن خدا اور رسول کی ہر بات ماننے کی عادت پڑ گئی تھی۔ شرک وکفر کی گتھی جب سلجھ گئی تو ساری گتھیاں ہاتھ لگاتے ہی سلجھ گئیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک بار ان کے ایمان کے لیے کوشش فرمائی، پھر ہر امر و نہی اور ہر نئے حکم کے لیے مستقل کوشش اور جدو جہد کی ضرورت نہ رہی۔ اسلام و جاہلیت کے پہلے معرکہ میں اسلام نے جاہلیت پر فتح حاصل کرلی۔ پھر تو ہر موقع کے لیے ہر مرتبہ نئے معرکہ کی ضرورت باقی نہ رہی، وہ لوگ مع اپنے قلوب کے، مع اپنے ہاتھ پاؤں کے مع اپنی روحوں کے اسلام کے دامن میں آگئے، ان پر جب حق واضح ہوگیا تو رسول اللہ ﷺ سے کوئی کشاکش باقی نہ رہی۔ آپ کے فیصلہ پر ان کو ذہنی یا قلبی کشمکش پیش نہ آتی۔ جس بات کا آپ فیصلہ فرمادیتے ذرا اختلاف کی گنجائش باقی نہ رہتی یہ لوگ تھے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے روبرو اپنے چھپے قصوروں کا اقرار کیا اور اگر کسی گناہ میں مبتلا ہوگئے تو اپنے جسموں کو حدود اور سزاؤں کے لیے پیش کردیا۔ جب شراب کی حرمت کا نزول ہوا تھا تو چھلکتے ہوئے جام ہتھیلیوں پر تھے، اللہ کا حکم، ان کے بھڑکتے ہوئے جگر، آلودہ لبوں اور شراب کے پیالوں کے درمیان حائل ہوگیا۔

پھر کیا تھا ہاتھ کو ہمت نہ تھی کہ اوپر کو اٹھ سکے۔ لبوں کی تمنائیں وہیں خشک ہوگئیں، شراب کے برتن توڑ دیئے گئے اور شراب مدینہ کی گلیوں اور نالیوں میں بہہ رہی تھی۔

جب شیطان کے اثرات ان کے نفوس سے دھل گئے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ جب ان کے نفوس کے اثرات ان کے خلوص سے زائل ہوگئے۔ نفسانیت کا خاتمہ ہوگیا اور وہ لوگ اپنے نفسوں سے ویسا ہی برتاؤ کرنے لگے جیسا کہ وہ دوسروں سے کرتے تھے، دنیا میں رہتے ہوئے مردان آخرت اور نقد سودے کے بازار میں آخرت کے قرض کو دنیا کے نقد پر ترجیح دینے والے بن گئے، نہ کسی مصیبت سے گھبراتے، نہ کسی نعمت پر اتراتے۔ فقر ان کی راہ میں رکاوٹ نہ بن سکتا، دولت سرکشی پیدا نہ کرسکتی۔ تجارت غافل نہ کرتی، کسی طاقت سے نہ دبتے۔ اللہ کی زمین پر اکڑنے کا خیال بھی نہ آتا، بگاڑ اور تخریب کا وہم بھی نہ ہو سکتا، لوگوں کے لیے وہ میزان عدل تھے، وہ انصاف کے علمبردار تھے۔ اللہ تعالیٰ کے گواہ تھے خواہ ان کو اپنے نفس کے خلاف گواہی دینی پڑے، خواہ والدین اور اعزا کے مخالف جانا پڑے تو اللہ تعالیٰ نے اپنی زمین کو ان کے قدموں میں ڈال دیا اور دنیا کو ان کے لیے مسخر کردیا۔ وہ اس وقت عالم کے محافظ اور اللہ کے دین کے داعی بن گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو اپنا جانشین بنایا، اور آپؐ خود ٹھنڈی آنکھوں کے ساتھ رسالت اور امت کی طرف سے اطمینان لے کر رفیق اعلیٰ کی طرف سفر کر گئے۔

اللّٰهم صلی علی سیدنا محمد وعلی آل سیدنامحمد وبارك وسلم

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم

کچھ اس کتاب کے بارے میں

رب ذوالجلال والاکرام کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے اس ہیچمدان کو جس چمن کی آبیاری کی توفیق بخشی آج وہ اس کا تیرھواں گلدستہ قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔ اس سلسلے میں اس سے پہلے جو گلدستے پیش کیے جا چکے ہیں، ان کے نام یہ ہیں:

(۱) تیس پروانے شمع رسالت کے
(۲) خیر البشرؐ کے چالیس ۴۰ جاں نثار
(۳) سرور کائنات کے پچاس ۵۰ صحابہ
(۴) آسمان ہدایت کے ستر ۷۰ ستارے
(۵) رحمت دارینؐ کے سو ۱۰۰ شیدائی
(۶) سیرت خلیفۃ الرسول سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ
(۷) سیرت حضرت فاطمۃ الزہراؓ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
(۸) تذکار صحابیاتؓ
(۹) سیرت حضرت سعدؓ بن ابی وقاص، فاتح عراقِ عرب
(۱۰) سیرت حضرت ابوایوب انصاریؓ، میزبانِ رسولؐ
(۱۱) سیرت حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، شاہین قریش
(۱۲) یہ تیرے پراسرار بندے۔

یہ بارہ کتابیں چھ سو سے زائد صحابہ کرامؓ اور صحابیات کے تذکروں پر محیط ہیں اور یہ کتاب جو آپ کے ہاتھ میں ہے اس تعداد میں ایک سو پچاس کا اضافہ کر رہی ہے۔ ان تالیفات کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے جو کتابیں مرتب کرنے کی توفیق ارزانی فرمائی ان میں سے چند خاص کتابوں کے نام یہ ہیں:

(۱) ہمارے رسول پاک ﷺ (قوم کے نونہالوں کے لیے-صدارتی ایوارڈیافتہ) (۲) اخلاقِ پیغمبریؐ (۳) ارشاداتِ دانائے کونینؐ (۴) معجزات سرور کونین ﷺ (۵) سفر نامہ آخرت (۶) وفود عرب بارگاہ رسالت میں (۷) سلطان نورالدین محمود زنگیؒ (۸) الملک الظاہر بیبرس (۹) سلطان ملک شاہ سلجوقی (۱۰) یعقوب المنصور باللہ (۱۱) تاریخ اسلام کی چار سو باکمال خواتین (۱۲) حکایات سعدیؒ (۱۳) حکایات رومیؒ (۱۴) حکایات صوفیہ (۱۵) تذکرہ جامیؒ (۱۶) تذکرہ خواجہ اجمیریؒ (۱۷) تذکرہ شاہ جیلانؒ (۱۸) تذکرہ بابا فریدالدین مسعود گنج شکرؒ (۱۹) تذکرہ حضرت موج دریاؒ (۲۰) آج کے بچے کل کے نوجوان۔

راقم الحروف بارگاہ الٰہی میں سربسجود ہو کر اپنے خالق و مالک کا بار بار شکر ادا کرتا ہے کہ اس علیم و خبیر نے احقر کی کم سوادی اور علمی بے بضاعتی کے باوجود اسے اپنے محبوب بندوں کی سیرت نگاری اور تاریخ اسلام کے متعدد مشاہیر کی سوانح نگاری کی توفیق ارزانی فرمائی۔ فی الحقیقت رب بزرگ و برتر کے خاص کرم اور فضل کے بغیر مولف جیسے گنہگار اور ناکارہ آدمی کے لیے اتنا پھیلا ہوا کام انجام دینا ممکن نہ تھا۔ اپنی حکمتوں کو وہی بہتر جانتا ہے اور وہی اپنے کمزور بندوں کا سہارا ہے۔ وہ چاہے تو ناممکن، ممکن ہو جائے اور دنیا کا مشکل ترین کام بھی آسان ہو جائے۔ وہ نہ چاہے تو بے چارے انسان کی کیا مجال کہ ایک قدم بھی اٹھا سکے، ایک حرف بھی لکھ سکے اور کوئی آسان سے آسان کام بھی انجام دینے پر قادر ہو سکے۔ مقصد ان معروضات کا یہ ہے کہ راقم الحروف کا جو کام بھی آپ کے سامنے ہے اس میں اس کا اپنا مطلق کوئی کمال نہیں ہے۔ بلکہ یہ صرف اللہ تعالیٰ کی توفیق اور تائید سے

ہوا ہے ؎

من کجا و نغمہ کجا ساز سخن بہانہ ایست
سوئے قطارمی کشم ناقۂ بے زمام را

جن ایک سو پچاس بزرگوں کے تذکرے اس کتاب کے صفحات کی زینت ہیں ان سب کو سید الانبیاء والمرسلین ﷺ کے جمال جہاں آرا سے اپنی آنکھیں روشن کرنے اور حضورؐ کی صحبت بابرکت سے (مختصر یا طویل عرصے کے لیے) بہرہ ور ہونے کی سعادت حاصل ہوئی۔ ان میں السابقون الاولون، مہاجرین، انصار، اہل عقبہ، اہل بدر، اصحاب الشجرہ، اہل مشاہدوغیرہ ہر طریقے کے صحابہ کرام شامل ہیں۔ ان میں کچھ ایسے صحابہ کرام بھی ہیں جن کے حالات زندگی کے بارے میں کتب سیر میں بہت کم (نہ ہونے کے برابر) معلومات ملتی ہیں تاہم ان سے مروی احادیث سے ان کی زندگی کے بعض پہلوؤں کے بارے میں تھوڑی بہت باتیں ضرور معلوم ہو جاتی ہیں۔ حالات زندگی کی کمیابی، ان صحابہ کرام کو نظر انداز کر دینے اور اردو دان طبقہ کو ان سے یکسر نا آشنا رکھنے کا معقول جواز نہیں ہے، اس لیے ان صحابہ کرام کے تذکرے بھی (مختصر سہی) اس کتاب میں شامل کر دیے گئے ہیں اور ان سے مروی کچھ احادیث بھی نقل کر دی گئی ہیں۔

کوشش کی گئی ہے کہ تمام صحابہ کرامؓ کے اسمائے گرامی پر اعراب ڈال دیے جائیں تاکہ تلفظ کی غلطی سے بچا جا سکے۔

بعض مضامین کے آخری صفحوں میں کافی جگہ بچ گئی تھی۔ اسے خالی چھوڑنے کے بجائے وہاں کوئی حدیث نبویؐ درج کر دی گئی ہے۔ اس طرح یہ کتاب ایک چھوٹے سے مجموعہ حدیث کا کام بھی دے گی۔ ہو سکتا ہے کہ ان میں سے کوئی حدیث کسی خاص مسلک کے قارئین کے نزدیک قابل قبول نہ ہو (یعنی ان کے نزدیک یہ غریب یا ضعیف ہو) اس مضمون میں گزارش ہے کہ اس کتاب میں کوئی حدیث کسی خاص مسلک کی تائید یا مخالفت کے لیے نقل نہیں کی گئی اور نہ ان سب

احادیث کو جرح و تعدیل کی کسوٹی پر پرکھا گیا ہے اس لیے ان کو قبول کرنا یا نہ کرنا قارئین کی اپنی صوابدید اور تحقیق پر منحصر ہے۔

ضمنی طور پر کتاب کے حواشی میں بھی کچھ صحابہ کرام کے مختصر حالات بیان کر دیے گئے ہیں۔ ان کو ایک سو پچاس کی تعداد میں اضافہ سمجھئے۔

سیر الصحابہ کے موضوع پر راقم الحروف کی اس سے پہلے شائع ہونے والی کتابیں جن اصحاب کی نظر سے گزری ہیں ان کو ان کتابوں اور زیر نظر کتاب کے اسلوب نگارش میں نمایاں فرق محسوس ہو گا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ پہلے جن صحابہ کرامؓ کے تراجم پیش کیے گئے ان کے بارے میں مفصل معلومات کتب سیر میں آسانی سے مل جاتی ہیں اس لیے ان کو احاطہ تحریر میں لاتے وقت ایک خاص طرز نگارش اختیار کرنے میں کوئی دقت پیش نہ آئی۔ مگر اب جن اصحاب کے تذکرے پیش کیے جارہے ہیں ان میں سے بیشتر کے بارے میں بہت کم معلومات کتب سیر میں ملتی ہیں اس لیے مختلف ماخذ و مصادر سے جو کچھ ملا اسے سیدھے سادے انداز میں مرتب کر کے پیش کر دیا گیا۔ اہل علم حضرات سے مودبانہ گزارش ہے کہ کتاب کا مطالعہ کرتے ہوئے انہیں کسی نوعیت کی کوئی غلطی نظر آئے تو ازراہِ کرم اس سے مولف کو مطلع فرمائیں۔ یہ اس پر ان کا احسان عظیم ہو گا جس کے لیے وہ عند اللہ ماجور ہوں گے۔

آخر میں بارگاہ رب العزت میں بصد عجز والحاح دعا ہے کہ وہ خاکسار مؤلف کی اس ناچیز محنت کو قبول فرما کر اس کا ثواب مؤلف کے مرحوم والدین، اس کی جوانا مرگ بہن حفیظ بیگم اور جوانا مرگ بیٹی راشدہ ناہید کے نامۂ اعمال میں ثبت فرمائے۔ (ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم)

المذنب راجی شفاعت وغفران

طالب الہاشمی

۲ رصفر ۱۴۱۱ ہجری جمعۃ المبارک بمطابق ۲۴ راگست ۱۹۹۰ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین وہ نفوس قدسی ہیں جن کو خاتم الانبیاء والمرسلین ﷺ کے جمال جہاں آرا سے اپنی آنکھیں روشن کرنے اور آپ ﷺ کی مجلس نشینی کی سعادت نصیب ہوئی۔ محسن انسانیت ﷺ کے فیض صحبت نے ان کو شرف انسانی کی جیتی جاگتی تصویر بنادیا۔ ان کا ہر فرد خشیت الٰہی، حق گوئی، ایثار، قربانی، تقویٰ، دیانت، عدل اور احسان کا پیکر جمیل تھا۔ تمام علماء حق کا اس بات پر کامل اتفاق ہے کہ صحبت رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر کوئی شرف اور بزرگی نہیں۔ اس صحبت سے متمتع ہونے والی پاک نفس ہستیوں کی عظمت اور حسن کردار پر اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں جا بجا مہر تصدیق ثبت فرمائی اور جن کے بارے میں حبیب کبریا ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”میرے صحابہ کے معاملے میں اللہ سے ڈرو، میرے صحابہ کے معاملے میں اللہ سے ڈرو (یعنی ان کے بارے میں کوئی ایسی بات نہ کہو جو ان کی عزت وعظمت کے خلاف ہو) میرے بعد ان کو طعن و تشنیع کا نشانہ مت بنانا۔ جو شخص ان سے محبت کرتا ہے وہ مجھ سے محبت رکھتا ہے (میری محبت کی وجہ سے ان کو محبوب رکھتا ہے) اور جو شخص اُن سے بغض رکھتا ہے تو گویا ان سے بغض رکھنے کی بناء پر مجھ سے بغض رکھتا ہے، اور جس نے ان کو اذیت پہنچائی گویا اس نے مجھے اذیت پہنچائی۔ اور جس نے مجھے اذیت پہنچائی گویا اس نے اللہ کو اذیت پہنچائی۔ اور جس نے اللہ کو اذیت پہنچائی قریب ہے کہ

اللہ اسے پکڑ لے۔" (ترمذی شریف عن عبداللہؓ بن مغفل)

"سیر الصحابہ" کے سلسلے میں اس سے پہلے جو کتابیں شائع ہو چکی ہیں، ان میں عظمت صحابہؓ کے موضوع پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ یہاں لغت اور علمائے سلف کی آرا کی روشنی میں صاحب / صحابی / صحابہ کی تعریف اور ان کے مدارج کے بارے میں چند نکات پیش کیے جاتے ہیں۔

صاحب کے لغوی معنی

صاحب کے لغوی معنی ہیں۔ یار، دوست، ساتھی، ملازم، مالک، مختار، بادشاہی اُمور کا نگران، وزیر۔ یہ کلمۂ تعظیم بھی ہے۔

"صاحبِ رسول" کا مطلب ہے رسول اللہ ﷺ کے مؤمن دوست یا ساتھی (واحد)۔ مثلاً قرآنِ کریم میں خود اللہ تعالیٰ نے سیدنا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان الفاظ میں صاحبِ رسول قرار دیا۔

اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِہٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا (التوبہ: ۴۰)

(جب وہ (رسول اللہؐ) اپنے ساتھی (یا صاحبِ نبی حضرت ابو بکر صدیق) سے کہہ رہے تھے، "غم نہ کر، اللہ ہمارے ساتھ ہے۔")

صاحب کی جمع اصحاب ہے اور صاحبِ رسولؐ کی جمع اصحابِ رسولؐ یا اصحاب نبیؐ۔ صحب اور صحاب بھی صاحب کی جمع ہے۔ کتب لغت میں صاحب کی جمع اور بھی کئی اوزان پر آتی ہے لیکن حضور کے ساتھیوں کے لیے بطور جمع صحابہ اور اصحاب کے الفاظ خصوصیت اور کثرت سے استعمال ہوئے ہیں۔

صحابی

صحابی کے لغوی معنی رسول اللہ ﷺ کے مؤمن ساتھی یا ہم مجلس کے ہیں۔ اس کی جامع اور کامل تعریف آگے آتی ہے۔ صحابی کی جمع صَحابہ یا صحابہ ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے ''صحابی، صحابہ اور اصحاب'' کے الفاظ ایک دوسرے کے مترادف ہیں یعنی ایک ہی معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔

کن بزرگوں پر لفظ ''صحابی'' کا اطلاق ہوتا ہے

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''ہر وہ شخص جس نے (ایمان کی حالت میں) ایک سال، یا ایک مہینہ یا ایک دن یا ایک ساعت رسول اللہ ﷺ کی صحبت اٹھائی یا صرف آپؐ کی زیارت کی، وہ صحابی ہے اس کو صحبت کی مدت، اس میں سبقت اور زیارت کی مقدار کے مطابق ثواب ملے گا۔'' (کفایہ فی علم الروایہ ص ۵۵)

امام المحدثین حضرت محمد بن اسمٰعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''جس مسلمان نے نبی ﷺ کی صحبت اٹھائی یا آپؐ کو دیکھا وہ صحابی ہے۔
(صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۱۵)

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے:

''صحابی کی سب سے بہتر تعریف یہ ہے کہ جس شخص نے ایمان کی حالت میں رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کی اور اسلام پر فوت ہوا وہ صحابی ہے۔'' (تدریب الراوی شرح تقریب النووی ص ۳۹۶)

قاضی ابوبکر محمد بن طیب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

''اہلِ لغت کا اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ صحابی مشتق ہے ''صحبة'' سے اور وہ صحبت کی کسی مخصوص مقدار سے مشتق نہیں ہے بلکہ اس کا استعمال ہر اس شخص کے لیے ہوتا ہے جس نے صحبت اٹھائی خواہ کم خواہ زیادہ۔ اس وجہ سے لوگ بولتے ہیں کہ میں فلاں شخص کی صحبت میں ایک سال یا ایک مہینہ یا ایک گھڑی رہا۔ پس صحبت کا اطلاق قلیل صحبت اور کثیر صحبت سب پر ہوتا ہے مگر باوجود اس کے لوگ بالعموم اصطلاحاً اس شخص پر صحابی کے

لفظ کا اطلاق کرتے ہیں جو کثیر الصحبت ہو، اس پر نہیں جس نے رسول اللہ ﷺ سے گھڑی بھر ملاقات کی ہو یا آپؐ کے ساتھ ایک قدم چلا ہو یا آپؐ سے کوئی حدیث سنی ہو۔ ہاں پرہیزگار اور امانت دار شخص کی روایت ایسے شخص سے مقبول ہوتی ہے۔ اگرچہ اس کی صحبت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ زیادہ نہ ہو اور اس نے آپ سے صرف ایک ہی حدیث سنی ہو۔"

(اسد الغابہ ج ۱ ص ۱۲)

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

"صحابی وہ شخص ہے جس نے حالتِ ایمان میں رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کی ہو اور اسلام پر فوت ہوا ہو۔ پس ہر وہ شخص صحابی ہوگا، جس نے طویل عرصہ آپ کی صحبت اٹھائی یا تھوڑی دیر کے لیے۔ اور جس نے آپ سے حدیث روایت کی ہو یا نہ کی ہو اور جس نے آپ کی رفاقت میں جہاد کیا ہو یا نہ کیا ہو اور وہ بھی جس نے ایک ہی بار آپ کو دیکھا ہو اور اسے آپ کے پاس بیٹھنا نصیب نہ ہوا ہو اور وہ بھی جو کسی عارضے مثلاً اندھے پن کی وجہ سے آپ کو دیکھ نہ سکا ہو۔" (الاصابہ فی تمییز الصحابہ ج ۱ ص ۷)

رئیس التابعین حضرت سعید بن مسیّب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صحابی صرف اس شخص کو کہہ سکتے ہیں جس نے سال دو سال تک رسول اللہ ﷺ کی صحبت اٹھائی ہو اور آپ کے ساتھ ایک یا دو غزووں میں شریک ہونے کا شرف حاصل کیا ہو۔ (اسد الغابہ ج ۱ ص ۱۲)

علامہ سخاویؒ کی رائے میں کسی شخص کے صحابی ہونے کے لیے نہ صرف رسول اللہ ﷺ کی طویل صحبت ضروری ہے بلکہ یہ بھی کہ اس نے حضور کی صحبت بغرضِ حصول علم و عمل اختیار کی ہو۔ (فتح المغیث ص ۳۷۱)

بعض کے نزدیک صحابی صرف اس کو کہتے ہیں جس نے رسول اللہ ﷺ سے احادیث روایت کی ہوں۔ بعض نے صحابی ہونے کے لیے یہ شرط رکھی ہے کہ

حالتِ بلوغ، حالتِ ایمان اور حالتِ صحتِ عقل میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی ہو۔

اس موضوع پر تمام علمائے سلف کی آراء پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ جمہور کے نزدیک "صحابہ" کے لفظ کا اطلاق ان تمام بزرگوں پر ہوتا ہے جو صرف یہ تین شرطیں پوری کرتے ہوں۔

(۱) رسول اللہ ﷺ پر ایمان۔

(۲) ایمان کی حالت میں آپؐ سے ملاقات (اللقاء)

(۳) اسلام کی حالت میں وفات (موت علی الاسلام)

ان میں ایسے اصحاب بھی شامل ہیں جو شرف صحابیت حاصل کرنے کے بعد کسی وقت فتنۂ ارتداد میں ملوث ہوگئے مگر پھر سچے دل سے تائب ہو کر اسلام کی طرف پلٹ آئے اور حالتِ اسلام میں فوت ہوئے جیسے حضرت اشعثؓ بن قیس، حضرت عمروؓ بن معدی کرب وغیرہ۔ حافظ تقی الدین عراقیؒ کے نزدیک ایسے لوگوں کا صحابہ میں داخل ہونا محلِ نظر ہے کیونکہ امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ کے قول کے مطابق ارتداد سے عمل ضائع ہو جاتا ہے مگر حافظ ابن حجرؒ فتح الباری میں اور علامہ بدرالدین عینیؒ عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں لکھتے ہیں کہ جمہور کا مسلک یہ ہے:

"اگر کوئی مسلمان (صحابی) مرتد ہو کر پھر اسلام لایا لیکن پھر رسول اللہ ﷺ کو نہ دیکھ سکا تو صحیح بات یہ ہے کہ وہ صحابہ میں شمار ہوگا کیونکہ محدثین کا اتفاق ہے کہ حضرت اشعثؓ بن قیس اور ان جیسے جن لوگوں سے ارتداد ہوا تھا—وہ صحابی ہیں۔" (فتح الباری ج ۷ ص ۳، عمدۃ القاری ج ۷ ص ۵۸۴)

کتبِ حدیث وسیر میں مذکورہ طبقے سے تعلق رکھنے والے اصحاب سے احادیث نقل ہوئی ہیں اس لیے مرجح یہی ہے کہ یہ لوگ صحابہ کی جماعت میں داخل ہیں۔

خود رسول اکرم ﷺ نے حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کی معذرت (توبہ)

قبول فرمالی تھی۔[1] اسی طرح خلیفۃ الرسول سیدنا حضرت ابو بکر صدیق اور خلیفۂ ثانی سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ایسے اصحاب کی معذرت (توبہ) قبول فرمالی تھی۔ ان میں حضرت اشعثؓ بن قیس، حضرت عمروؓ بن معدی کرب اور طلیحہ بن خویلد اسدی کے نام خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔ ان اصحاب نے توبہ کے بعد جہاد فی سبیل اللہ میں سرفروشانہ حصہ لیا اور بڑے بڑے کارنامے انجام دیئے۔ یہاں تک کہ اپنی جان بھی راہِ حق میں قربان کر دی۔

بعض اصحاب عہدِ رسالت میں کم سن تھے۔ مگر انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا اور آپؐ سے دعائے خیر و برکت لی۔ حافظ ابن حجرؒ، صحابہ میں ان کا ذکر الحاقی متصور کرتے ہیں مگر جمہور محدثین اور اربابِ سیر کے نزدیک وہ بھی صحابہ میں داخل ہیں۔ چنانچہ مولانا عبدالحیؒ ان کے بارے میں "ظفر الامانی" میں لکھتے ہیں:

"مرجح یہ ہے کہ یہ لوگ بھی صحابہ میں داخل ہیں البتہ ان کی حدیث مرسل ہے لیکن وہ مرسل مقبول ہے۔" (ظفر الامانی ص ۳۰۸)

ایسے صحابہ کو "الصغار من الصحابة" یا "صغائر صحابہ" کہا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بہت سے اربابِ سیر نے تو ان میں سے بعض کو بزرگ صحابہ میں شمار کیا ہے مثلاً حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن حارثؓ بن ہشام، حضرت مسلمہؓ بن مخلد انصاری، حضرت نعمان بن بشیر انصاریؓ وغیرہ۔

صحابہؓ کی تعداد

رسولِ اکرم ﷺ کی رحلت کے وقت صحابہ کرامؓ عرب کے طول و عرض میں

---

[1] حضرت عبداللہؓ بن سعد ایک موقع پر ارتداد میں مبتلا ہو گئے تھے اور مدینہ سے مکہ چلے گئے تھے۔ فتح مکہ کے بعد دوبارہ ایمان لائے۔ حضورؐ نے انہیں سیدنا حضرت عثمانِ غنیؓ کی سفارش پر معاف فرمادیا۔

پھیلے ہوئے تھے اور ان کی صحیح تعداد بتانا ناممکن ہے۔ مختلف علماء اور اہلِ سیر نے اپنے اندازے اور قیاس کے مطابق ان کی تعداد بیان کی ہے۔ کسی نے ساٹھ ہزار لکھی ہے، کسی نے ایک لاکھ سے زائد اور کسی نے لاکھوں سے متجاوز لکھی ہے۔ صحیح تعداد اللہ ہی کو معلوم ہے۔

مدارجِ صحابہؓ و صحابیاتؓ

اگرچہ تمام صحابہؓ و صحابیاتؓ شرفِ صحابیت کے اعتبار سے ارشادِ خداوندی رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ (اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے) کے مصداق ہیں مگر قبولِ اسلام میں سبقت اور دوسرے فضائل و مناقب کے لحاظ سے ان کے مدارج میں فرق ہے۔ بحیثیتِ مجموعی فتح مکہ (رمضان المبارک ۸ھ) سے پہلے ایمان لانے والے تمام صحابہ و صحابیات ان تمام صحابہؓ و صحابیاتؓ سے افضل ہیں جو فتح مکہ کے بعد ایمان لائے جیسا کہ سورۃ الحدید میں ارشاد ہوا ہے:

لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ ط اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا ط وَكُلًّا وَّعَدَاللّٰهُ الْحُسْنٰى ط (الحدید۔۱)

"تم میں سے جن لوگوں نے فتح سے پہلے (راہِ خدا میں) مال خرچ کیا اور جہاد کیا (دشمنوں سے لڑے) وہ درجہ میں ان مسلمانوں سے بڑھ کر ہیں جنہوں نے فتح کے بعد مال خرچ کیا اور لڑے۔ اگرچہ اللہ نے دونوں ہی سے اچھے وعدے فرمائے ہیں۔"

جمہور علمائے اسلام نے فضائل و مناقب کے اعتبار سے صحابہؓ و صحابیاتؓ کے مدارج اس طرح قائم کئے ہیں۔

۱۔ خلفاءِ اربعہ (راشدین) یعنی حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمانِ غنیؓ اور حضرت علی المرتضیٰؓ تمام صحابہ سے افضل ہیں۔ ان میں

باہم افضلیت ترتیبِ خلافت کے مطابق ہے——ان کے بعد

۲۔ ازواجِ مطہرات‌ؓ سب سے افضل ہیں——ان کے بعد

۳۔ "السّابِقُونَ الْاَوّلُونَ" اور مہاجرین اوّلین سب سے افضل ہیں لیکن ان میں باہم ایک کو دوسرے پر فضیلت نہیں دی جاسکتی۔ ان کے بعد

۴۔ اہل عقبہ (یعنی وہ اہل مدینہ جو ۱۱، ۱۲، ۱۳، بعدِ بعثت میں مکّہ جاکر عقبہ کی گھاٹی میں رسول اکرم ﷺ سے ملے، ایمان لائے اور آپ کی بیعت کی) تمام صحابہ سے افضل ہیں——ان کے بعد

۵۔ اہل بدر سب سے افضل ہیں———ان کے بعد

۶۔ اہلِ مشاہد درجہ بدرجہ سب سے افضل ہیں۔ یعنی جو غزوہ پہلے ہوا اس میں شریک ہونے والے ان صحابہ سے افضل ہیں جو بعد کے غزوات میں شریک ہوئے۔

مذکورہ بالا طبقاتِ صحابہ کے باہم مدارجِ فضیلت کے بارے میں بعض علماء نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ فضیلت سے مقصود اگر درجۂ اُخروی ہے تو اس کا حال اللہ ہی کو معلوم ہے لیکن دنیاوی حیثیت سے حقیقت یہ ہے کہ ان کے فضائل مختلف الجہات ہیں۔ مثلاً صحابیات کو لیجئے اگر نسبی شرافت کا اعتبار ہے تو حضرت فاطمۃ الزہراؓ سب سے افضل ہیں (کہ ان کو سیدۃ نساء اہل الجنۃ فرمایا گیا ہے)۔ اگر ایمان کی سابقیت، اسلام کی ابتدائی مشکلات کے مقابلہ اور اس زمانہ میں رسول اللہ ﷺ کی اعانت و تسکینِ خاطر کی حیثیت سے دیکھئے تو ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کی بزرگی سب پر مقدم ہے لیکن اگر علمی کمالات، دینی خدمات اور آنحضور ﷺ کی تعلیمات و ارشادات کے نشر و اشاعت کی فضیلت کا پہلو سامنے ہو تو ان میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کا کوئی حریف نہیں۔

(سیرۃ عائشہؓ بحوالہ زرقانی بر مواہب جلد ۱ صفحہ ۳۶۹)

صحابہؓ کا زمانہ

صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا مبارک زمانہ ابتدائے بعثتِ نبوی سے شروع ہو کر پہلی صدی ہجری کے آخر یا دوسری صدی ہجری کے آغاز میں ختم ہو گیا۔ جمہور اہل سیر کے نزدیک سب سے آخری صحابی سیدنا حضرت ابوالطفیل عامرؓ بن واثلہ تھے جو بہ اختلافِ روایت ۱۰۰ھ یا ۱۱۰ھ میں فوت ہوئے۔ آخری عمر میں وہ خود فرمایا کرتے تھے کہ آج میرے سوا روئے زمین پر کوئی ایسا نہ ملے گا جو تم سے کہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے۔

صحابۂ کرامؓ محسنِ انسانیت خاتم الانبیاء والمرسلین ﷺ کے ارشادات و افعال، اخلاق و عادات، رہن سہن، رفتار و گفتار اور طرزِ معاشرت کے عینی شاہد تھے۔ انہوں نے حضورؐ کے اسوۂ حسنہ پر چلنے کی نہ صرف دل و جان سے کوشش کی بلکہ آپ کے ارشادات اور حیات طیبہ کے تمام پہلوؤں سے اگلوں کو بھی آگاہ کیا۔ امت مرحومہ پر ان کا یہ احسان قیامت تک باقی رہے گا۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں ان نفوسِ قدسی کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور آخرت میں ان کے قدموں میں جگہ دے۔ آمین!

(طالب الہاشمی)

حضرت آبی اللحمؓ غفاری

(۱)

ان کے شرفِ صحابیت پر سب اہلِ سیَر کا اتفاق ہے۔ علامہ ابنِ اثیرؒ کے بیان کے مطابق وہ قدیم الصحبت ہیں یعنی انہوں نے دعوتِ توحید کے ابتدائی سالوں میں اسلام قبول کرلیا تھا۔ نسبی تعلق قبیلہ غفار سے تھا۔ ان کے نام میں بہت اختلاف ہے۔ کسی نے عبداللہ بن عبدالملک لکھا ہے، کسی نے خلف بن مالک (بن عبداللہ بن حارثہ بن غفار) اور کسی نے حویرث بن عبداللہ بن خلف بن مالک بن عبداللہ بن ثعلبہ (یا حارثہ) بن غفار بن ملیل لکھا ہے۔

نام ونسب میں اس قدر اختلاف کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ انہوں نے اپنے لقب آبی اللحم سے شہرت پائی اور لوگ اصل نام بھول گئے۔

آبی اللحم کا مطلب ہے گوشت کھانے سے پرہیز کرنے والا، چونکہ وہ بتوں کے نام پر ذبح کیے ہوئے جانوروں کا گوشت قطعاً نہیں کھاتے تھے اس لیے اس لقب سے مشہور ہوگئے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں فطرتِ سلیم سے نوازا تھا اور وہ قبولِ اسلام سے پہلے ہی بتوں سے متنفر تھے۔ بعض نے لکھا ہے کہ وہ گوشت بالکل نہ کھاتے تھے۔

ارباب سیر نے ان کے قبولِ اسلام کا صحیح زمانہ تو متعین نہیں کیا مگر قیاس یہ ہے کہ وہ حضرت ابوذر غفاریؓ کی تبلیغ سے حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ حضرت ابوذر غفاریؓ نے بعثتِ نبویؐ کے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد بارگاہِ رسالت میں حاضر

ہو کر اسلام قبول کیا تھا اور پھر واپس اپنے قبیلے میں جا کر تبلیغ شروع کر دی تھی۔ ان کی تبلیغی مساعی کے نتیجے میں آدھا قبیلہ تو اسی وقت مسلمان ہو گیا تھا اور آدھا ہجرت نبویؐ کے بعد احاطۂ اسلام میں داخل ہوا۔ حضرت آبی اللحم پہلے ہی بتوں سے متنفر تھے اس لیے وہ یقیناً ان لوگوں میں شامل ہوں گے جنہوں نے دعوتِ توحید ملتے ہی اسے فوراً قبول کر لیا۔

(۲)

حضرت آبی اللحمؓ اپنے وطن سے ہجرت کر کے مدینہ آگئے تھے اور ان کے شب و روز فیضانِ نبویؐ سے بہرہ یاب ہونے میں گزرتے تھے مگر کسی سیرت نگار نے یہ وضاحت نہیں کی کہ وہ کب مدینہ پہنچے۔ حضرت ابوذر غفاریؓ کے متعلق سب کو معلوم ہے کہ وہ بدر، احد اور خندق وغیرہ غزوات گزرنے کے بعد مدینہ منورہ پہنچے تھے۔ قیاسِ غالب یہی ہے کہ حضرت آبی اللحم بھی ابتدائی غزوات گزرنے کے بعد مدینہ پہنچے ہوں گے کیونکہ ان کا نام سب سے پہلے غزوۂ خیبر (محرم ۷ھ) کے شرکاء میں نظر آتا ہے۔ بعض اربابِ سیر نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ جو اصحاب بیعتِ رضوان (ذیقعدہ ۶ھ) میں شریک تھے۔ وہی غزوۂ خیبر میں آنحضورﷺ کے ہمرکاب تھے۔ ہو سکتا ہے کہ حضرت آبی اللحم کو بھی بیعتِ رضوان کا شرف حاصل ہوا ہو مگر کسی سیرت نگار نے اس کا ذکر نہیں کیا۔

غزوۂ خیبر میں حضرت آبی اللحمؓ کے ساتھ ان کے غلام عمیر بھی تھے۔ دونوں نے غزوے میں دادِ شجاعت دی۔ فتح کے بعد مالِ غنیمت کی تقسیم شروع ہوئی تو حضرت آبی اللحمؓ، عمیرؓ کو ساتھ لے کر بارگاہِ رسالتؐ میں حاضر ہوئے اور عرض کی: یا رسول اللہؐ! (گو قاعدہ کی رو سے کوئی غلام مالِ غنیمت میں حصہ دار نہیں ہوتا) میری درخواست (سفارش) ہے کہ عمیر کو بھی کچھ عنایت فرمائیے۔ اس پر حضورﷺ نے حضرت عمیرؓ کو ایک تلوار عنایت فرمائی۔ عمیرؓ کہتے ہیں کہ یہ تلوار اتنی بڑی تھی کہ جب میں نے اس کو باندھا تو وہ زمین پر گھسٹتی جاتی تھی۔

پس آپؐ (رسول اللہ ﷺ) نے حکم دیا کہ مجھ کو کوئی اور چیز دی جائے۔

اہلِ سیر نے غزوۂ خیبر کے بعد حضرت آبی اللحمؓ کا ذکر غزوۂ حنین کے شرکاء میں کیا ہے، اور فتح مکہ کے سلسلے میں ان کا نام ترک کر دیا ہے۔ حالانکہ غزوۂ حنین میں مکہ کے نو مسلموں کے علاوہ وہی صحابہ شریک تھے جو فتح مکہ میں رسولِ اکرم ﷺ کے ہمرکاب تھے۔ اس لیے حضرت آبی اللحمؓ یقیناً غزوۂ فتح میں بھی شریک تھے۔

حافظ ابن عبد البرؒ نے لکھا ہے کہ حضرت آبی اللحمؓ غزوۂ حنین میں بنو ہوازن کے خلاف دادِ شجاعت دیتے ہوئے شہید ہوئے۔ (الاستیعاب)

حضرت آبی اللحمؓ سے یہ حدیث مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو احجار زیت میں بارش کی دعا مانگتے دیکھا۔ آپ اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے (پانی برسنے کی) دعا مانگ رہے تھے۔ (جامع ترمذی)

رضی اللہ عنہ

—— • ——

ایک دفعہ مدینہ منورہ اور اس کے نواحی علاقوں میں خشک سالی کی وجہ سے قحط پڑ گیا۔ آنحضور ﷺ جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے کہ ایک شخص کھڑا ہو گیا اور عرض کی۔ ”یارسول اللہؐ! مویشی ہلاک ہو گئے، لوگ بھوکوں مر گئے، دعا کریں کہ اللہ ہمیں سیراب کر دے۔“

حضور ﷺ نے دُعا کے لیے ہاتھ اٹھائے، اسی وقت تیز ہوا چلنے لگی اور مطلع ابر آلود ہو گیا، پھر موسلا دھار بارش ہونے لگی۔ لوگ نمازِ جمعہ سے فارغ ہوئے تو بارش میں بھیگتے ہوئے اپنے گھروں تک پہنچے۔ (صحیحین)

حضرت آنسہؓ

(۱)

آنسہ نام تھا اور ابو مسروح یا ابو مسرح کنیت — سراۃ میں پیدا ہوئے۔ اہل سیر نے ان کا نسب نامہ نہیں لکھا اور صرف اتنا بیان کیا ہے کہ غلاموں کی اولاد سے تھے۔ مگر ان کے نسب کے لیے یہی شرف کافی ہے کہ وہ سید الانبیاء والمرسلین ﷺ کے مولیٰ (غلام) تھے۔

حضرت آنسہؓ دعوتِ حق کی ابتداء میں شرف اسلام سے بہرور ہوئے اس لحاظ سے وہ "السابقون الاولون" میں شامل ہیں۔ ہجرت کا اِذن ہوا تو وہ مکّہ سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچے اور حضرت سعد بن خیثمہ انصاریؓ کے مہمان ہوئے۔ جب تک سرورِ عالم ﷺ اس دنیا میں رونق افروز رہے، حضرت آنسہؓ برابر آپ کی خدمت گزاری کرتے رہے۔ حضورؐ جس وقت رونق افروز مجلس ہوتے حضرت آنسہؓ دربانی کی خدمت انجام دیا کرتے تھے۔ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے اس قدر فرمانبردار تھے کہ آپ کی اجازت کے بغیر کبھی نہ بیٹھتے تھے۔

(۲)

ہجرت کے بعد حضرت آنسہؓ کو اصحابِ بدر میں شامل ہونے کا عظیم الشان شرف حاصل ہوا۔ اس کے بعد انہوں نے غزوۂ احد میں دادِ شجاعت دی۔ ایک روایت کے مطابق حضرت آنسہؓ نے غزوۂ بدر میں شہادت پائی لیکن جمہور اہلِ سیر نے لکھا ہے کہ انہوں نے سیدنا صدیق اکبرؓ کے عہدِ خلافت میں وفات پائی۔

علامہ واقدیؒ نے صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ غزوۂ بدر میں حضرت آنسہؓ کی شہادت والی روایت صحیح نہیں اور وہ غزوۂ احد میں بھی شریک ہوئے۔ اس کے بعد وہ عرصہ تک زندہ رہے اور رسولِ اکرم ﷺ کے بعد حضرت ابو بکرؓ کی خلافت میں فوت ہوئے۔ ہو سکتا ہے حضرت آنسہؓ نے عہدِ رسالت کے کچھ اور غزوات میں بھی حصہ لیا ہو مگر اربابِ سیر اس بارے میں خاموش ہیں۔

حضرت اَبانؓ بن سعید اموی

(۱)

اَبان نام۔ خاندانی تعلق قریش کے خاندان ''بنوامیہ'' سے تھا۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:

اَبانؓ بن سعید بن عاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لویٔ قرشی۔

عبد مناف پر جا کر ان کا سلسلۂ نسب رسولِ اکرم ﷺ کے نسب نامہ سے مل جاتا ہے۔

حضرت اَبانؓ کے والد ابو اُحیحہ سعید بڑے دبدبہ و شکوہ کے رئیس تھے ان کا لقب ذوالتاج (تاج والے) تھا۔ وہ جس رنگ کا عمامہ باندھتے تھے مکہ میں کوئی دوسرا اس رنگ کا عمامہ نہ باندھ سکتا تھا۔

والدہ کا نام بہ اختلافِ روایت ھند یا صفیہ تھا۔ وہ بنو مخزوم سے تھیں اور مغیرہ بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم کی بیٹی تھیں۔ حضرت خالدؓ بن ولید بن مغیرہ ان کے بھتیجے تھے۔

علّامہ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ ابو اُحیحہ سعید (ذوالتاج) بن عاص کے آٹھ بیٹے تھے۔ ایک بیٹا احیحہ جنگِ فجار میں مارا گیا۔ دو بیٹے عاص اور عبیدہ (ابوذات الکرش) غزوۂ بدر میں بحالتِ کفر مقتول ہوئے، عاص حضرت علیؓ کے ہاتھ سے مارا گیا اور عبیدہ حضرت زبیرؓ بن العوام کے ہاتھ سے۔ پانچ بیٹے شرف اسلام و صحابیت سے

بہرور ہوئے۔ ان میں سے ایک حضرت ابانؓ تھے۔ [1]

(۲)

سرورِ عالم ﷺ نے دعوتِ حق کا آغاز فرمایا تو حضرت ابانؓ نے اپنے دوسرے اہلِ خاندان کی طرح اسلام کی شدید مخالفت کی۔ جب ان کے دو بھائی حضرت خالد بن سعید اور حضرت عمرو بن سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہما اسلام کے سرچشمۂ سعادت سے سیراب ہوئے تو حضرت ابانؓ کے غم و غصہ کی کوئی انتہا نہ رہی۔ وہ ایک قادر الکلام شاعر بھی تھے۔ غیظ و غضب کے عالم میں اپنے ان بھائیوں کے خلاف کچھ چبھتے ہوئے اشعار کہے ان میں ایک شعر یہ ہے۔ [2]

---

[1] ابو احیحہ سعید بن عاص کے مشرف بہ اسلام ہونے والے بیٹوں میں سے تین نے تاریخِ اسلام میں بڑی شہرت پائی۔ ان کے نام ہیں خالدؓ، عمروؓ اور اَبانؓ۔ حضرت خالدؓ بن سعید اور حضرت عمروؓ بن سعید کے حالات ہم اپنی کتابوں "سرورِ کائناتؐ کے پچاس صحابہ" اور "رحمتِ دارینؐ کے سو شیدائی" میں تفصیل سے بیان کر چکے ہیں۔ حافظ ابن عبد البرؒ اور علامہ ابن اثیرؒ نے ابو احیحہ سعید بن عاص کے ایک صاحبِ ایمان بیٹے عبد اللہؓ کا ذکر بڑے اختصار کے ساتھ کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ان کا اصل نام حکم تھا، وہ ہجرت کر کے بارگاہِ رسالتؐ میں حاضر ہوئے تو حضورؐ نے پوچھا، تمہارا نام کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا "حکم" آپؐ نے فرمایا: "نہیں! تمہارا نام عبد اللہ ہے۔" انہوں نے عرض کیا کہ "میں عبد اللہ تو ہوں ہی۔" اس دن کے بعد وہ عبد اللہ کے نام سے مشہور ہو گئے۔ وہ زمانہ جاہلیت میں لکھنا جانتے تھے اور بہت اچھے کاتب تھے۔ حضورؐ نے انہیں حکم دیا کہ وہ اہلِ مدینہ کو لکھنا سکھا دیں۔ انہوں نے تعمیل ارشاد کی — ان کی وفات کے بارے میں سخت اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ غزوۂ بدر میں شہید ہوئے (لیکن جمہور اربابِ سیر نے غزوہ بدر کے شرکا اور شہداء کی جو فہرست دی ہے اس میں ان کا نام کہیں نظر نہیں آتا) بعض کہتے ہیں کہ وہ جنگِ مؤتہ میں شہید ہوئے اور بعض کا بیان ہے کہ انہوں نے جنگِ یمامہ میں جامِ شہادت پیا۔ (واللہ اعلم بالصواب)
اس کے سوا ان کے حالاتِ زندگی پردۂ خفا میں ہیں۔

اَلا لَیتَ مَیتاً بالظُّرَیبَۃِ شَاھِدٌ
لَمَا یُفتَرِیٰ فِی الدِّیْنِ عَمْرٌ وخَالِدٌ

"کاش ظریبہ[1] میں موت کی نیند سونے والا (باپ جو ظریبہ میں دفن تھا) دیکھتا کہ عمرو اور خالد نے دین میں کیا افترا پردازی کی۔"

ان کے بھائی حضرت عمروؓ بن سعید بھی ایک اچھے شاعر تھے۔ انہوں نے حضرت ابانؓ کے اشعار کا جواب اشعار ہی میں دیا۔ ان کی نظم کا آخری شعر یہ تھا ؎

فَدَعْ عَنكَ مَیْتاً قَدْ مَضٰی بِسَبِیْلِہٖ
وَاقْبِلْ عَلَی الْحَقِّ الَّذِیْ ھُوَ اَظْھَرُ

(اب اس مرنے والے کا تذکرہ چھوڑو جو اپنا راستہ لے چکا اور اس حق کی طرف آؤ جس کی سچائی بالکل ظاہر اور عیاں ہے)۔

مگر حضرت عمروؓ بن سعید کے اشعار کا حضرت ابانؓ پر کچھ اثر نہ ہوا۔ اسی اثناء میں حضرت خالدؓ بن سعید اور حضرت عمروؓ بن سعید مکہ سے ہجرت کر کے حبش چلے گئے۔ حضرت ابانؓ نے بھائیوں کی جدائی کی بھی پروانہ کی اور اپنی ڈگر پر قائم رہے۔[2] یہاں تک کہ رسولِ اکرم ﷺ کو ہجرت کا حکم ہو گیا اور آپؐ مدینہ تشریف لے گئے۔ ہجرت نبوی کے بعد بھی حضرت ابانؓ کا دل نرم نہ ہوا اور وہ

---

[1] ظریبہ نواحِ طائف میں ایک پہاڑ کا نام ہے۔

[2] ابنِ مندہؒ کا بیان ہے کہ پہلے اَبانؓ کے بھائی عمروؓ بن سعید اسلام لائے اس کے بعد ابانؓ حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے۔ پھر یہ دونوں بھائی ہجرت کر کے حبش چلے گئے۔ لیکن دوسرے تمام اربابِ سیر نے ابن مندہؒ کے قول کی تردید کی ہے۔ ان کا بیان ہے کہ پہلے حضرت خالدؓ بن سعید مشرف بہ اسلام ہوئے۔ ان کے چند دن بعد حضرت عمروؓ بن سعید سعادتِ ایمان سے بہرہ ور ہوئے۔ حبش کو ہجرت کرنے والے یہی دونوں بھائی ہیں۔ حضرت ابانؓ تو ۶ھ تک کفر و شرک کی بھول بھلیوں میں بھٹکتے رہے۔ ان کے حبش کو ہجرت کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ حضرت خالدؓ اور حضرت عمروؓ کا شمار السابقون الاوّلون میں ہوتا ہے۔

مدت تک دشمنانِ حق کی صفوں ہی میں شامل رہے۔

رمضان ۲ھ میں غزوۂ بدر پیش آیا تو حضرت ابانؓ اپنے دو مشرک بھائیوں عاص اور عبیدہ (ابوذات الکرش) کے ساتھ کفار کے لشکر میں شامل ہو کر مسلمانوں سے لڑنے گئے۔ عاص اور عبیدہ تو لڑائی میں مارے گئے مگر ابانؓ بچ کر نکل گئے۔ اگلے سال ۳ھ میں غزوۂ احد میں بھی کفار کی طرف سے شریک ہوئے۔ غرض ان کے لیل و نہار اسی طرح گزرتے رہے۔

(۳)

صلح حدیبیہ (ذیقعدہ ۶ھ) سے کچھ پہلے حضرت ابانؓ اپنے کاروبار (تجارت) کے سلسلے میں شام گئے۔ اتفاق سے وہاں ان کی ایک عیسائی راہب سے ملاقات ہو گئی۔ (ایک روایت میں اس راہب کا نام "یکا" تھا) انہوں نے اس راہب سے کہا کہ میں مکّہ کے قبیلہ قریش سے تعلق رکھتا ہوں۔ ہمارے قبیلے میں ایک شخص نے دعویٰ کیا ہے کہ اللہ نے اسے رسول بنا کر بھیجا ہے جس طرح موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو رسول بنا کر بھیجا تھا۔

راہب نے پوچھا: "اس کا نام کیا ہے؟"

انہوں نے کہا: "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)" ایک روایت کے مطابق محمد اور احمد دو نام بتائے۔

نام سننے کے بعد راہب نے کہا کہ ہماری آسمانی کتابوں میں ایک نبی کی آمد کی پیشین گوئی کی گئی ہے اور اس کا سن، نسب اور دوسری علامات و صفات یہ بیان کی گئی ہیں۔

حضرت ابانؓ نے کہا: "یہ سب علامات و صفات تو اس میں موجود ہیں۔" یہ سُن کر راہب نے کہا: "اگر یہ بات ہے تو خدا کی قسم! وہ بزرگ سارے عرب پر غلبہ واقتدار حاصل کر لے گا اور اس کا دین ساری دنیا پر چھا جائے گا۔"

ابانؓ نے پوچھا: "میں نے تو ہمیشہ اس کی مخالفت کی ہے۔ مجھے اب کیا کرنا

چاہیے۔"

راہب نے کہا: "دنیا کی سج دھج محض ایک سراب ہے اس لیے فرصت کو غنیمت جانو، واپس جاکر اس نبیؐ برحق پر ایمان لاؤ اور میری طرف سے اس مردِ صالح تک میرا سلام پہنچاؤ۔"

حضرت ابانؓ پر راہب کی باتوں کا بڑا اثر ہوا۔ واپس مکہ گئے تو اسلام اور داعیٔ اسلام ﷺ کے بارے میں دل میں نرم گوشہ پیدا ہو چکا تھا مگر کچھ جاہلیت کی عصبیت کی بناء پر اور کچھ اپنے مشرک اقرباء واحباب کی ناراضی کے خوف کی وجہ سے علانیہ قبولِ حق کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ البتہ اب وہ رسولِ اکرم ﷺ اور آپؐ کے صحابہؓ کے خلاف کوئی بات کرنے سے گریز کرتے تھے۔ اسی اثناء میں سرورِ عالم ﷺ حدیبیہ تشریف لائے۔ آپؐ کا ارادہ عمرہ کرنے کا تھا مگر مشرکینِ قریش کو اہلِ حق کا مکہ میں داخل ہونا کسی صورت میں گوارا نہ تھا۔ حضورؐ نے ان سے گفت و شنید کے لیے سیدنا حضرت عثمان ذوالنورینؓ کو مکے بھیجا۔ بقولِ بعض اس موقع پر ان کی حفاظت اور سلامتی کی ذمہ داری حضرت ابانؓ نے قبول کی اور ان کو اپنا گھوڑا سواری کے لیے پیش کر کے کہا کہ آپ مکہ میں جہاں اور جس کے پاس جانا چاہیں بے خوف و خطر جائیں۔

صلح حدیبیہ (ذیقعدہ ۶ھ) کے بعد حضورؐ واپس مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو حضرت اَبانؓ اپنے جذبۂ حق کو نہ دبا سکے اور مدینۃ الرسول جاکر سرورِ عالم ﷺ کی بیعت اور شرفِ ایمان سے بہرہ ور ہو گئے۔ حضور ﷺ نے ان کی سابقہ غلطیوں اور لغزشوں پر خطِ عفو کھینچ دیا۔ محرم ۷ھ کے آغاز میں آپؐ نے حضرت اَبانؓ کو ایک سریہ پر امیر بنا کر نجد کی طرف روانہ فرمایا۔ ان کی غیر حاضری میں سرورِ عالم ﷺ غزوۂ خیبر کے لیے تشریف لے گئے۔ جب حضرت ابانؓ نجد کی مہم سے فارغ ہو کر واپس آئے تو حضورؐ خیبر فتح کر چکے تھے اور وہیں تشریف فرما تھے۔ حضرت اَبانؓ بھی اپنے ساتھیوں کو لے کر خیبر پہنچ گئے اور بارگاہِ رسالت

میں حاضر ہو کر عرض کی، یا رسول اللہ! ہمیں بھی خیبر کے مالِ غنیمت میں سے حصہ عنایت فرمائیے۔

اس موقع پر حضرت ابوہریرہؓ بھی موجود تھے (جو اسی زمانے میں اپنے وطن یمن سے ہجرت کر کے بارگاہِ رسالتؐ میں حاضر ہوئے تھے)۔ انہوں نے عرض کیا: "یارسول اللہ! ان لوگوں کو نہ دیجئے (کیونکہ وہ غزوۂ خیبر میں شریک نہیں تھے اور مالِ غنیمت میں ان کا کوئی حق نہیں۔)[1]

حضرت ابوہریرہؓ کی بات سُن کر حضرت ابانؓ کو غصہ آگیا اور انہوں نے حضرت ابوہریرہؓ سے مخاطب ہو کر کہا:

---

[1] ایک روایت میں یہ واقعہ حضرت ابوہریرہؓ کی زبانی اس طرح نقل ہوا ہے:

"میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس وقت حاضر ہوا جب کہ فتح خیبر کے بعد آپؐ ابھی خیبر ہی میں تشریف فرما تھے اور غنیمت تقسیم ہو رہی تھی۔ پس میں نے عرض کیا: "یارسول اللہ! مجھے بھی حصہ دلائیے۔" سعید بن عاص کے بیٹوں میں سے کسی نے کہا، یارسول اللہ! اس کو نہ دیجئے۔ میں نے کہا، یہ ابنِ قوقل کا قاتل ہے (یہ غزوۂ اُحد میں بقولِ بعض حضرت ابانؓ کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔ نام ان کا نعمان تھا اور قبیلہ خزرج سے تھے) اس پر سعید بن عاص کے بیٹے نے کہا، اِس پہاڑی بلے پر تعجب ہے جو ہمارے پاس "قدوم ضان" سے آیا ہے، مجھ پر ایک مردِ مسلم کے قتل کا الزام لگاتا ہے، جسے اللہ نے میرے ہاتھ سے (شہادت کی) عزت دی اور مجھے اس کے ہاتھوں سے ذلیل نہیں کیا۔

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ مجھے علم نہیں کہ اسے حصہ ملایا نہیں۔

(صحیح بخاری، بدل القوۃ از مخدوم محمد ہاشم سندھی)

اس روایت میں "قدوم ضان" کے جو الفاظ آئے ہیں بعض شارحین نے ان کی یہ تشریح کی ہے کہ قدوم ایک موضع کا نام ہے اور ضان قبیلہ دوس کی ایک پہاڑی کا نام ہے۔

"اے وبر! جو ابھی پہاڑ سے اُتر کے آیا ہے تو یہ بات کہتا ہے؟"[۲]

اس طرح دونوں کی گفتگو میں تلخی پیدا ہو گئی۔ رسولِ اکرم ﷺ نے دونوں کو سمجھا بُجھا کر خاموش کیا۔ (سنن ابی داؤد)

علامہ ابن اثیرؒ نے "اسد الغابہ" میں لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابانؓ کو (خیبر کی غنیمت سے) حصہ نہیں دیا۔

صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے خیبر کے مالِ غنیمت سے حصے کی درخواست کی تھی۔ حضرت ابانؓ نے اس کی مخالفت کی جس کی بناء پر دونوں کی گفتگو میں تلخی آ گئی۔ اس کے ساتھ سننِ ابی داؤد کی روایت کو ملا کر پڑھا جائے تو یہی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ دونوں نے حصہ مانگا اور پھر رسولِ اکرم ﷺ نے جو فیصلہ کیا اس پر دونوں راضی ہو گئے۔

مولانا شاہ معین الدین احمد ندویؒ نے اپنی کتاب مہاجرین (حصہ دوم) میں لکھا ہے کہ نجد کے علاوہ رسولِ اکرم ﷺ نے حضرت ابانؓ کو دوسرے سریوں کی امارت بھی عطا فرمائی تھی۔

(۴)

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے کچھ عرصہ بعد ملک کے مختلف حصوں

---

[۲] دبر ایک جنگلی جانور کو کہتے ہیں جو قد و قامت میں بلّی کے مشابہ ہوتا ہے۔ مولانا عبد الشکور لکھنویؒ کے خیال میں حضرت ابانؓ کا مطلب یہ تھا کہ تم ایک جنگلی پہاڑی آدمی ہو تم ان امور کو کیا سمجھ سکتے ہو اور ایسی باتوں میں تم کیوں مشورہ دیتے ہو۔

(اردو ترجمہ اسد الغابہ)

مخدوم محمد ہاشم سندھیؒ کی کتاب "بذل القوۃ" کے حاشیے میں یہ رائے ظاہر کی گئی ہے کہ حضرت ابانؓ نے یہ جو کہا کہ "ایک بلا پہاڑ سے اتر آیا" اس میں حضرت ابو ہریرہؓ کی کنیت سے لطیفہ پیدا کیا۔ "ابو ہریرہ" کا لفظی ترجمہ ہے "بلی کے بچے کا باپ" اس لیے مزاحاً ان کو بِلا کہا۔

یمن دلاۃ کا تقرر فرمایا تو حضرت علاءؓ الحضرمی کو بحرین کا حاکم بنایا مگر کچھ مدت کے بعد ان کو معزول کر دیا اور ان کی جگہ حضرت اَبانؓ بن سعید کو بحرین کے بَرّی اور بحری دونوں حصوں کا حاکم بنایا۔ یہ حافظ ابنِ عبدالبرؒ اور علامہ ابنِ اثیرؒ دونوں کا بیان ہے۔

علامہ شبلی نعمانیؒ نے سیرۃ النبیؐ میں لکھا ہے کہ حضورؐ نے ۹ھ ہجری میں حضرت اَبانؓ کو بحرین کا محصّلِ زکوٰۃ و جزیہ مقرر فرمایا تھا۔ (شاید بعد میں ان کو بحرین کا حاکم مقرر فرمایا ہو) بہر صورت وہ حضورؐ کی وفات تک بحرین میں اپنے فرائض نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیتے رہے۔

۱۱ھ ہجری میں سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی رحلت کی خبر سُنی تو سخت صدمہ پہنچا اور اپنے عہدے سے دست کش ہو کر مدینہ منوّرہ آگئے۔ ان کے دونوں بھائیوں حضرت خالدؓ بن سعید اور حضرت عمروؓ بن سعید نے بھی ایسا ہی کیا وہ حضورؐ کی طرف سے بالترتیب یمن اور تیماء کی امارت پر مامور تھے۔

سیّدنا حضرت ابوبکر صدّیقؓ سریر آرائے خلافت ہوئے تو قریش کے معدودے چند افراد نے بعض وجوہ کی بناء پر ان کی بیعت میں قدرے توقف کیا ان میں یہ تینوں بھائی بھی شامل تھے مگر بہت تھوڑے عرصے کے بعد انہوں نے خوشدلی سے صدّیقِ اکبرؓ کی بیعت کرلی۔ سیّدنا ابوبکر صدّیقؓ کو رسول اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے مقرر کیے ہوئے کسی عامل کا اپنے عہدے سے دستکش ہونا پسند نہ تھا۔ انہوں نے حضرت اَبانؓ سے فرمایا کہ آپ بحرین واپس جائیں اور رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے جو ذمہ داری آپ کے سپرد کی تھی اس کو انجام دیتے رہیں مگر انہوں نے بحرین جانے سے یہ کہہ کر معذرت کر دی کہ میں رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے بعد اس عہدے پر کام نہیں کرنا چاہتا۔

ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ بعض لوگوں کے قول کے مطابق انہوں نے کچھ عرصہ بعد خلیفۃ الرسول حضرت ابوبکر صدّیقؓ کے اصرار پر یمن کے بعض اضلاع کی امارت

قبول کرلی تھی۔

سلطنتِ روم سے معرکہ آرائیوں کا آغاز ہوا تو حضرت اَبانؓ اسلامی لشکر میں شامل ہو کر شام کے میدانِ جہاد میں پہنچ گئے۔ ان کے زمانۂ وفات کے بارے میں اربابِ سِیَر میں بہت اختلاف ہے۔ بعض نے لکھا ہے کہ وہ جنگِ اجنادین میں شہید ہوئے۔ بعض ان کی شہادت جنگِ مرج الصفر میں بتاتے ہیں اور بعض جنگِ یرموک میں۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ وہ مختلف معرکوں میں دادِ شجاعت دے کر صحیح سلامت مدینہ واپس آگئے اور ۲۹ھ ہجری میں بعہدِ خلافت حضرت عثمان ذوالنّورینؓ وفات پائی۔ اس روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت زیدؓ بن ثابت انصاری کاتبِ وحی نے انہی کی نگرانی میں مصحفِ عثمانی کی کتابت کی تھی۔ واللہ اعلم بالصواب

حضرت اَبانؓ بن سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے ایک حدیث بدیں الفاظ مروی ہے کہ انہوں نے (ایک دن) خطبہ پڑھا جس میں بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمانۂ جاہلیت کے تمام خون معاف کر دیئے ہیں۔ (اُسدُ الغابہ)

رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ



حضرت ابُو احمدؓ بن جحشؓ اسدی

(۱)

عبد نام تھا اور "ابو احمد" کنیت تھی۔ انہوں نے اپنی کنیت ہی سے شہرت پائی۔ ان کا تعلق بنو اسد بن خزیمہ سے تھا۔ اس خاندان کو بنی غنم بن دُودان بھی کہا جاتا ہے۔ نسب نامہ یہ ہے:

ابو احمد عبدؓ بن جحش بن رئاب بن یعمر بن جبیرہ (یا صبرہ) بن کثیر بن غنم بن دودان بن اسد بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر۔

والدہ کا نام اُمیمہ بنت عبد المطلب تھا جو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھیں اس نسبت سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابو احمدؓ کے ماموں زاد بھائی تھے۔ اُمّ المؤمنین حضرت زینبؓ بنت جحش حضرت ابو احمدؓ کی حقیقی بہن اور جلیل القدر صحابی حضرت عبد اللہؓ بن جحش (شہیدِ اُحد) ان کے حقیقی بھائی تھے۔

حضرت ابو احمدؓ کا خاندان زمانۂ جاہلیت میں، مکّہ میں حرب بن امیہ (یا بنی عبد شمس) کا حلیف تھا۔ حرب بن امیہ بنی عبد شمس ہی کا ایک فرد تھا۔

(۲)

حضرت ابو احمدؓ نورِ بصارت سے محروم تھے مگر اللہ تعالیٰ نے انہیں نورِ بصیرت کی نعمت عطا کر دی تھی۔ چنانچہ وہ دعوت حق کے بالکل ابتدائی زمانے میں اپنے بھائیوں (عبد اللہؓ اور عبید اللہ) کے ساتھ مُشرّف بہ ایمان ہو گئے۔ معتبر روایات کے مطابق وہ دعوتِ توحید کے ابتدائی تین سالوں کے اندر حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک دارِ ارقم میں تشریف نہیں لے

گئے تھے۔ اس طرح ان کو السَّابِقُونَ الْاَوَّلُونَ کی مقدس جماعت میں امتیازی مقام حاصل ہو گیا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ نابینا ہونے کے باوجود مکہ کے بالائی اور زیریں حصہ میں بغیر کسی رہبر کے چلکر لگایا کرتے تھے۔ وہ ایک خوشگو شاعر بھی تھے۔

ابن اثیرؒ نے "اُسدُ الغابہ" میں حضرت ابواحمد عبد کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ جن لوگوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی ان میں سے یہ بھی ہیں۔ حضرت عبداللہؓ بن جحش کے ترجمہ میں بھی انہوں نے یہی بات دہرائی ہے۔ ان کے تتبع میں مولانا حاجی معین الدین ندویؒ نے سیر الصحابہ جلد دوم (مہاجرین حصہ اول) میں حضرت عبداللہؓ بن جحش کے ترجمہ میں یہ عبارت لکھی ہے:

"انہوں (حضرت عبداللہؓ بن جحش) نے دو دفعہ سرزمین حبش کی طرف ہجرت فرمائی۔ آخر سفر میں تمام خاندان یعنی دو بھائی ابواحمدؓ، عبیداللہ اور تین بہنیں زینبؓ، اُمِ حبیبہ، حمنہ بنت جحش نیز عبیداللہ کی بیوی اُمِ حبیبہؓ بنت ابوسفیان ساتھ تھیں۔ عبیداللہ نے حبش میں نصرانیت اختیار کرلی اور وہیں پیوند خاک ہوا۔ حضرت عبداللہؓ بن جحش اپنے بقیہ خاندان کو پھر مکہ واپس لائے اور یہاں سے اپنے قبیلہ یعنی بنی غنم بن دودان کے تمام ممبروں کو جو سب کے سب دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے تھے، ساتھ لے کر مدینہ پہنچے۔"

یہ روایت اس اعتبار سے محل نظر ہے کہ ابن ہشامؒ نے سیرۃ میں امام ابن اسحاقؒ کے حوالے سے اور حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تاریخ میں مہاجرین حبشہ کی جو فہرست دی ہے اس میں پہلی ہجرت حبشہ (۵ سنہ بعد بعثت) کے مہاجرین میں بنی اسد بن خزیمہ کے کسی بھی فرد کا نام شامل نہیں ہے البتہ دوسری ہجرت حبشہ کے مہاجرین میں اس گھرانے کے ان تین افراد کے نام شامل ہیں۔

(۱) حضرت عبداللہؓ بن جحش

(۲) عبیداللہ بن جحش (افسوس کہ حبش پہنچ کر وہ گمراہ ہو گیا — اور نصرانی ہو کر مرا)

(۴) اس کی بیوی اُمِّ حبیبہؓ بنت ابی سفیانؓ (عبیداللہ کے مرنے کے بعد انہیں اُمُّ المؤمنین بننے کا شرف حاصل ہوا۔)

مہاجرین حبشہ کی اس فہرست میں نہ حضرت ابو احمد کا نام شامل ہے ورنہ اُن کی کسی بہن کا۔ اکثر دوسرے اربابِ سیَر نے بھی ان کو مہاجرین حبشہ میں شامل نہیں کیا۔ اس لیے ہمارے نزدیک صحیح یہی ہے کہ حضرت ابو احمدؓ نے حبش کی طرف ہجرت نہیں کی اور ہجرتِ مدینہ تک مکّہ ہی میں مقیم رہے۔ حبش کی طرف ہجرت نہ کرنے کا سبب بظاہر یہ تھا کہ وہ نابینا تھے اور مشرکین قریش نے ان پر کبھی دستِ تظلّم دراز نہیں کیا تھا۔ ایک اور سبب یہ بھی تھا کہ ان کی بیوی فارعہ سردارِ قریش ابوسفیانؓ کی بیٹی تھیں۔ اس رشتہ کی بناء پر بھی مشرکین ان پر ہاتھ اٹھانے سے گریز کرتے تھے۔

(۳)

حضرت عبداللہؓ بن جحش حبش میں چند سال قیام کے بعد رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی ہجرتِ الی المدینہ سے پہلے مکّہ واپس آ گئے۔ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے صحابہ کو ہجرتِ مدینہ کا اذن دیا تو حضرت عبداللہؓ اپنے بھائی حضرت ابو احمدؓ اور خاندان کے دوسرے تمام افراد کو ساتھ لے کر مدینہ پہنچ گئے۔ مشہور روایت کے مطابق ان سب کو حضرت عاصمؓ بن ثابت افلح انصاری نے اپنا مہمان بنایا۔ (طبقات ابن سعد، اُسُدُ الغابہ)

ایک اور روایت کے مطابق حضرت ابو احمدؓ نے مہاجرین میں سے سب سے آخر میں (الگ) ہجرت کی اور مدینہ میں ان کے میزبان حضرت مبشّرؓ بن عبدالمنذر انصاری تھے۔ واللہ اعلم (حیاۃ الصحابہ جلد اوّل و مہاجرین حصہ دوم)

اربابِ سیَر کا بیان ہے کہ اس خاندان نے اس طرح ہجرت کی کہ ان کا محلہ ویران ہو گیا اور بہت سے گھروں پر تالے پڑ گئے۔

حضرت ابو احمدؓ کی اہلیہ کی مرضی تھی کہ مدینہ کی بجائے کسی دوسرے شہر کی طرف ہجرت

کریں مگر حضرت ابو احمدؓ نے اس سے اتفاق نہ کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق مدینہ کی طرف ہی ہجرت کی۔ ان کے خسر ابو سفیانؓ کو ان کی ہجرت بہت ناگوار گزری (وہ ابھی ایمان نہیں لائے تھے) انہوں نے حضرت ابو احمدؓ کے جانے کے بعد ان کا مکان ابن علقمہ عامری کے ہاتھ بیچ ڈالا۔

فتح مکہ (رمضان المبارک ۸ھ ہجری) کے موقع پر حضرت ابو احمدؓ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے مگر کسی دوسرے غزوے میں ان کا ذکر نہیں آتا۔ شاید نابینا ہونے کی وجہ سے لڑائی میں عملاً حصہ لینا ان کے لیے ممکن نہ تھا۔

حضرت ابو احمدؓ کی ہجرت کے بعد ایک دفعہ ابو جہل، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، حویطب بن عبد العزیٰ اور حضرت عباسؓ بن عبد المطلب کا گزر ان کے مکان کی طرف ہوا۔ اس مکان کی ویرانی کو دیکھ کر عتبہ بن ربیعہ نے ٹھنڈی سانس بھری اور یہ شعر پڑھا:

وَكُلُّ دَارٍ وَإِنْ طَالَتْ سَلَامَتُهَا
يَوْمًا سَتُدْرِكُهَا النَّكْبَاءُ وَالْحُوبُ

(ترجمہ) ہر مکان اگرچہ ایک مدت تک آباد رہا ہو ایک نہ ایک دن اس پر ویرانی آتی ہے اور ہوا کے جھکڑ چلتے ہیں۔

اس موقع پر ابو جہل نے حضرت عباسؓ سے مخاطب ہو کر اپنی کینہ توزی کا اظہار اس طرح کیا ــــ "یہ سب تمہارے بھتیجے کا کیا دھرا ہے۔"

فتح مکہ کے دن حضرت ابو احمدؓ نے سب کے سامنے اپنے مکان کا مطالبہ کیا لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذریعہ سے چپکے سے کچھ کہلا دیا۔ انہوں نے حضورؐ کا ارشاد حضرت ابو احمدؓ کے گوش گزار کیا تو وہ خاموش ہو گئے اور پھر عمر بھر اس مکان کا نام تک بھی زبان پر نہ لائے۔ بعد میں ان کے اہل خاندان سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے یہ فرمایا تھا کہ تم اس مکان کا خیال چھوڑ دو، تم کو اس کے عوض خلد بریں

میں محل ملے گا ۔۔۔۔۔ حضرت ابواحمدؓ نے حضرت عُمَر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں ۲۰ھ ہجری سے پہلے کسی وقت وفات پائی ۔ اولاد کوئی نہیں چھوڑی ۔

(۴)

حضرت ابو احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ ایک خوش گو شاعر تھے ۔ انہوں نے اپنی ہجرت کے بارے میں ایک طویل نظم کہی تھی اس کے ابتدائی چار شعر یہ ہیں ۔

(۱) وَلَمَّا رَأَتْنِیْ اُمُّ اَحْمَدَ غَادِیًا
بِذِمَّةِ مَنْ اَخْشٰی بِغَیْبٍ وَاَرْهَبُ

(۲) تَقُوْلُ فَاَمَّا كُنْتَ لَا بُدَّ فَاعِلًا
فَيَمِّمْ بِنَا الْبُلْدَانَ وَلْتَنْأَ يَثْرِبُ

(۳) فَقُلْتُ لَهَا مَا يَثْرِبُ بِمَظِنَّةٍ
وَمَا يَشَأِ الرَّحْمٰنُ فَالْعَبْدُ يَرْكَبُ

(۴) اِلَى اللّٰهِ وَجْهِیْ وَالرَّسُوْلِ وَمَنْ يُّقِمْ
اِلَى اللّٰهِ يَوْمًا وَجْهَهٗ لَا يُخَيَّبُ

(ترجمہ)

(۱) جب میری اہلیہ اُمِّ احمد نے مجھے دیکھا کہ میں اس ذات کے بھروسے پر جس سے میں خلوت میں بھی ڈرتا ہوں ، میں نے سفر کا ارادہ کیا ہے ۔

(۲) کہنے لگی اگر تمہیں یہ کام کرنا ہی ہے اور تمہارے لیے یہ سفر ضروری ہے تو ہم لوگوں کو لے کر اور شہروں کا ارادہ کرو اور یثرب نہ جاؤ ۔

(۳) میں نے اس سے کہا ، یثرب کوئی بُری جگہ نہیں ہے اور جو اللہ نے چاہا ہے بندہ وہی کرتا ہے ۔

(۴) اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف میرا ارادہ ہے اور جو ایک دن کے لیے بھی اللہ کے لیے اٹھ کھڑا ہوتا ہے وہ رسوا نہیں کیا جاتا ۔

مدینہ منوّرہ میں جب انہیں معلوم ہوا کہ ابوسفیانؓ نے ان کا گھر بیچ ڈالا ہے تو انہوں نے ایک نظم میں اس کی شکایت لکھی ۔ اس کے دو شعر یہ ہیں ؎

اَقْطَعْتَ عَقْدَكَ بَيْنَنَا | وَالْجَارِيَاتُ اِلٰى نَدَامَه
دَارَ ابْنِ عَمِّكَ بِعْتَهَا | تَشْرِیْ بِهَا عَنْكَ النَّدَامَه

(الاستیعاب)

حضرت ابُوجَہم رضؓ بن حُذیفہ عَدَوی

(۱)

اصل نام کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض نے عبید لکھا ہے اور بعض نے عامر۔ البتہ ان کی کنیت ابوجہم پر سب کا اتفاق ہے اور اسی کنیت سے انہوں نے شہرت پائی۔ نسب نامہ یہ ہے:

ابوجہمؓ بن حذیفہ بن غانم بن عامر بن عبداللہ بن عبید بن عویج بن عدی بن کعب بن لُوّی قرشی۔

ابن مُندہؒ نے لکھا ہے کہ یہ انصاری تھے لیکن جمہور ارباب سیر کا بیان ہے کہ وہ قریش کی شاخ بنو عدی سے تھے اور یہی صحیح ہے۔ ابن مُندہؒ کو کسی وجہ سے تسامح ہوا۔

حضرت ابوجہمؓ کی والدہ کا نام یسیرہ بنت عبداللہ تھا۔ وہ بھی بنو عدی سے تھیں۔ ان کا نسب نامہ یہ ہے:۔

یسیرہ بنت عبداللہ بن اداہ بن ریاح بن عبداللہ بن قرط بن رزاح بن عدی بن کعب۔

حضرت ابوجہمؓ کا شمار مکہ کے بزرگ اور با اثر لوگوں میں ہوتا تھا۔ قریش کے سبھی قبیلے ان کی بہت تعظیم و تکریم کرتے تھے۔ وہ علم الانساب میں غیر معمولی دسترس رکھتے تھے۔

حافظ ابن عبدالبرؒ نے "الاستیعاب" میں لکھا ہے کہ ابوجہمؓ ان چار علمائے نسب میں سے ایک تھے جو زمانۂ جاہلیت میں سارے عرب میں استاد تسلیم کیے جاتے تھے۔ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ وہ اپنی روزی خمیصہ بیچ کر کماتے تھے۔ خمیصہ ایک قسم کا کُرتا ہوتا ہے جو صوف کے کپڑے سے بنایا جاتا ہے۔

(۲)

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ حق کا آغاز فرمایا تو حضرت ابوجہمؓ پختہ عمر کو پہنچ چکے تھے۔ انہوں نے آپؐ کی دعوت کی طرف توجہ نہ کی مگر آپؐ کو ستانے سے ہمیشہ اجتناب کیا۔ ان کو فتح مکہ کے زمانے (۸ سنہ ہجری) میں قبولِ اسلام کا شرف حاصل ہوا۔ انہوں نے اپنی کبرسنی اور اخلاص فی الدین کی وجہ سے بارگاہِ رسالتؐ میں تقرب حاصل کر لیا تھا۔ ایک دفعہ انہوں نے ایک قمیص جس پر بوٹے بنے ہوئے تھے، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہدیۃً پیش کی۔ آپؐ نے قبول فرمالی، مگر جب اسے پہن کر نماز پڑھی تو اس کے بوٹوں کی طرف دھیان چلا گیا۔ اس لیے نماز پڑھنے کے بعد یہ قمیص حضرت ابوجہمؓ کو واپس دے دی۔

ایک روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک چادر عنایت فرمائی جو انہوں نے عمر بھر حرزِ جان بنا کر رکھی۔

ایک دفعہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوجہمؓ کو بنولیث سے صدقہ وصول کرنے پر مامور فرمایا۔ انہوں نے یہ فرض پورے احساسِ ذمہ داری کے ساتھ انجام دیا مگر ایک دن جب وہ صدقہ وصول کر رہے تھے، ایک ناخوشگوار واقعہ پیش آگیا۔ ہوا یوں کہ ایک صاحب نے صدقہ دینے میں جھگڑا کیا۔ حضرت ابوجہمؓ کو غصہ آگیا اور انہوں نے ان کو زدوکوب کیا، یہاں تک کہ وہ زخمی ہو گئے۔ بنولیث کے لوگ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہمارے زخمی آدمی کو قصاص کے طور پر مناسب معاوضہ دلایا جائے۔ حضورؐ نے ایک رقم کا تعین کر کے فرمایا کہ اتنی رقم لے لو۔ وہ لوگ اس پر رضامند نہ ہوئے۔ آپؐ نے دوسری مرتبہ پھر فرمایا، انہوں نے پھر انکار کیا۔ حضورؐ نے تیسری مرتبہ فرمایا تو وہ راضی ہو گئے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ آج رات کو میں مجمع عام میں خطبہ دوں گا اور لوگوں کو تمہاری رضامندی سے آگاہ کروں گا۔ انہوں نے کہا، بہتر ہے۔ چنانچہ رات کو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کے سامنے تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ بنولیث کے یہ لوگ اپنے زخمی آدمی کا معاوضہ

مانگنے کے لیے آئے تھے میں نے ان کے سامنے اتنی رقم پیش کی انہوں نے یہ رقم قبول کرنے پر رضامندی ظاہر کی ہے۔ پھر آپؐ نے بنولیث کے آدمیوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم یہ رقم لینے پر راضی ہو۔ معلوم نہیں ان لوگوں کے دل میں کیا خیال آیا کہ وہ اپنی بات سے پھر گئے اور کہا ہم راضی نہیں ہیں۔ ان کے اس رویہ پر بعض صحابہ (مہاجرین) کو غصہ آگیا اور انہوں نے ان کو مارنے کا ارادہ کیا لیکن حضورؐ نے انہیں ہاتھ اٹھانے سے منع کر دیا۔ اس کے بعد آپؐ نے معاوضے کی رقم میں کچھ اضافہ کر کے فرمایا، اب راضی ہو؟ انہوں نے کہا، جی ہاں۔ آپؐ نے فرمایا، اب میں پھر مجمع عام میں تقریر کر کے تمہاری رضامندی کا اعلان کروں گا، تمہیں اس کی تصدیق کرنی ہوگی۔ انہوں نے یہ بات منظور کر لی۔ چنانچہ حضورؐ نے پھر صحابہ کے سامنے ان لوگوں کی رضامندی کا اعلان فرمایا۔ اب کی بار انہوں نے اپنی رضامندی کی تصدیق کر دی۔ اس طرح یہ معاملہ کسی الجھن کے بغیر طے پا گیا۔

(۳)

۳۵ھ ہجری میں امیر المؤمنین حضرت عثمان ذو النورین رضؓ نے شہادت پائی تو مدینہ منورہ پر باغیوں کا قبضہ تھا اور خلیفۂ شہید کی تدفین نہایت جان جوکھوں کا کام تھا اس موقع پر چند اصحاب نے جان ہتھیلی پر رکھ کر میت اٹھائی، اس پر نماز جنازہ پڑھی اور پھر اس کو دفن کیا، ان میں حضرت ابوجہمؓ بھی شریک تھے۔ اس وقت وہ بہت بوڑھے ہو چکے تھے اور یہ کام ان کے لیے بہت دشوار تھا مگر انہوں نے اسے اپنا مقدس فریضہ سمجھ کر انجام دیا۔

حضرت ابوجہمؓ نے بہت طویل عمر پائی۔ اہل سیر کا بیان ہے کہ انہوں نے کعبہ کی دو تعمیریں دیکھیں۔ ایک زمانۂ جاہلیت میں بعثت نبویؐ سے پانچ سال پہلے اور دوسری ۶۴ ہجری میں جب حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے اسے از سرِ نو تعمیر کرایا۔ حافظ ابن عبد البرؒ نے "الاستیعاب" میں لکھا ہے کہ حضرت ابوجہمؓ نے ۶۵ھ سے ۸۵ھ کے درمیان کسی وقت وفات پائی۔ یہ عبدالملک بن مروان کا زمانۂ خلافت تھا۔ بعض روایات میں ان کی وفات حضرت امیر معاویہؓ کے دورِ خلافت میں بیان کی گئی ہے (یعنی ۶۰ھ ہجری سے پہلے) مگر پہلی روایت زیادہ مستند ہے۔

حضرت ابوجہمؓ کے ایک بیٹے محمدؓ کا شمار صغار صحابہ میں ہوتا ہے۔ وہ ایام حرہ (ذی الحجہ ۶۳ھ) میں مدینہ منورہ میں فوت ہوئے اس وقت ان کی عمر تریسٹھ ۶۳ برس کی تھی۔

حضرت ابو جُحیفہ رضؓ

(۱)

اصل نام وہبؓ بن عبداللہ تھا۔ خاندانی تعلق بنو سوائر یا عامر بن صعصعہ سے تھا۔ نسب نامہ یہ ہے:

وہب بن عبداللہ بن مسلم بن جنادہ بن جندب بن حبیب بن سوأۃ بن عامر بن صعصعۃ العامری السوائی۔

حضرت وہبؓ کی کنیت ابو جُحیفہ تھی۔ اس کنیت نے اتنی شہرت پائی کہ ان کا اصل نام نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

رسول اللہ صَلَّی اللہ علیہ وسَلَّم کی وفات کے وقت وہ سن بلوغت کو نہیں پہنچے تھے تاہم ان کو حضورؐ کے متعدد ارشادات اور عہد رسالت کے کئی واقعات یاد تھے جنہیں وہ لوگوں کو بڑے لطف و انبساط سے سنایا کرتے تھے۔

(۲)

حضرت ابو جحیفہؓ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے قابل اعتماد کارگزاروں میں شامل تھے۔ ان کو حضرت علیؓ وہب الخیر فرمایا کرتے تھے اور اپنے عہد خلافت میں ان کو سامان کا خمس وصول کرنے پر مامور فرمایا تھا۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے "تہذیب التہذیب" میں لکھا ہے کہ حضرت ابو جحیفہؓ حضرت علیؓ کے محافظین کے افسر اعلیٰ تھے۔ ایک اور روایت کے مطابق وہ امیر المومنین حضرت علیؓ کے محکمہ پولیس میں تھے۔ ("معارف" اعظم گڈھ اکتوبر ۱۹ء قاضی اطہر مبارکپوری)

علامہ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ حضرت ابو جُحیفہؓ حضرت علیؓ کے منبر کے پاس کھڑے ہوتے تھے اور حضرت علیؓ نے ان کو خمس میں اپنے حصے کا نگران

مقرر کیا تھا۔ ایک دفعہ انہوں نے حضرت علیؓ سے سوال کیا کہ کیا آپ کے پاس قرآن کے علاوہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی احادیث میں سے کوئی چیز ہے؟ تو انہوں نے فرمایا:

لَا، وَالَّذِیْنَ فَلَقَ الحَبَّۃَ وبرأ النسمۃَ اِلَّا ان یعطی اللہ عبداً فہما فی کتابہ وَمَاھٰذِہِ الصَّحِیْفَۃِ

(نہیں اس ذات کی قسم، جس نے زمین سے دانہ اُگایا اور جسم میں جان ڈالی البتہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کسی بندے کو اپنی کتاب کی سمجھ دے دے (مجھے دی ہے) اور جو کچھ اس صحیفہ میں ہے۔)

حضرت ابوجحیفہؓ نے پوچھا: "اس صحیفہ میں کیا ہے؟"

حضرت علیؓ نے فرمایا:۔

"العقل وفکاک الاسیر وان لا یقتل مسلم بکافر"

(اس میں دیت اور مسلمان قیدی کے آزاد کرنے کرانے اور کافر کے بدلے مسلمان کو قتل نہ کیے جانے کے بارے میں احادیث ہیں)

حضرت ابوجُحیفہؓ نے کوفہ میں مستقل سکونت اختیار کرلی تھی وہیں انہوں نے ۷۴ھ میں وفات پائی۔

(۳)

حضرت ابوجُحیفہؓ سے مروی ۴۵ احادیث کُتُبِ حدیث میں ملتی ہیں۔ ان میں سے کچھ یہ ہیں:۔

(۱) رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا، میں ٹیک لگا کر کھانا نہیں کھایا کرتا۔ (صحیح بخاری)

(۲) رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے (ہجرت کے بعد) حضرت ابوالدرداءؓ اور حضرت سلمان فارسیؓ کو آپس میں (مواخاتی) بھائی بنایا تھا۔ ایک دن حضرت سلمان فارسیؓ حضرت ابوالدرداءؓ کے یہاں ملاقات کو گئے تو اُمِّ الدرداءؓ (حضرت ابوالدرداء کی بیوی) کو معمولی لباس میں دیکھا (کوئی بناؤ سنگار نہیں تھا) حضرت سلمانؓ

نے ان سے کہا، "تم نے یہ کیا حالت بنا رکھی ہے؟"
انہوں نے جواب دیا۔ "تمہارے بھائی ابو الدرداءؓ کو دنیا کی کوئی حاجت نہیں رہی۔" اتنے میں ابو الدرداءؓ بھی آگئے اور سلمانؓ کے لیے کھانا تیار کرایا۔ پھر حضرت سلمانؓ سے کہا "کھاؤ میں تو روزہ سے ہوں۔" سلمانؓ نے کہا، "جب تک تم نہ کھاؤ گے میں نہیں کھاؤں گا۔" تو ابو الدرداءؓ نے روزہ توڑ دیا (رمضان کے دن نہ تھے یہ نفلی روزہ تھا) اور سلمانؓ کے ساتھ کھانا کھایا۔
پھر جب رات آئی تو ابو الدرداءؓ نوافل کے ارادہ سے اٹھے۔ سلمانؓ نے کہا، "نہیں سونے کا وقت ہے۔" وہ سو گئے پھر تھوڑی دیر کے بعد اٹھے سلمانؓ نے دوبارہ کہا، نہیں ابھی سونے کا وقت ہے۔ وہ دوبارہ سو گئے۔
رات کے آخری حصے میں سلمانؓ نے فرمایا، اٹھو اب تہجد کا وقت ہے۔ چنانچہ دونوں نے اکٹھے تہجد کی نماز پڑھی۔ پھر سلمانؓ نے ابو الدرداءؓ سے کہا: "دیکھو! تم پر تمہارے رب کا حق بھی ہے، تمہارے نفس کا بھی تم پر حق ہے، تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے۔ پس تم ہر حق والے کا حق ادا کرو۔"
پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا قصہ بیان کیا تو آپؐ نے فرمایا، "سلمان نے جو کہا سچ کہا۔"

(صحیح بخاری)

(۳) میں نے ایک دفعہ لذیذ سالن کھایا جس میں چکنا گوشت تھا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو (بار بار) ڈکار لے رہا تھا۔ آپؐ نے فرمایا، اے ابو جحیفہ! تم اپنی ڈکار کو ہم سے روکو، جو لوگ دنیا میں زیادہ پیٹ بھرتے ہیں وہی قیامت کے دن زیادہ بھوکے رہیں گے۔
(کہا جاتا ہے کہ اس کے بعد حضرت ابو جحیفہؓ نے کبھی پیٹ بھر کر نہیں کھایا یہاں تک کہ دنیا چھوڑ گئے۔ اگر وہ صبح کو کھا لیتے تو شام کو نہ کھاتے اور اگر شام کو کھا لیتے تو صبح کو نہ کھاتے)
(حیاۃ الصحابہ حصہ سوم بحوالہ طبرانی، ہیثمی، حافظ ابن عبد البر و حافظ ابو نعیم)

(۴) میں نے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم کو مکہ میں دیکھا آپؐ مقام ابطح میں سرخ چمڑے کے ایک خیمے میں تشریف فرما تھے اور بلالؓ کو دیکھا کہ وہ رسول اللہ صَلَّی اللہ علیہ وسلم کے وضو کا بچا ہوا پانی لائے۔ لوگوں نے اس پانی کو دوڑ دوڑ کر لیا جس کو مل گیا اس نے چہرے پر مل لیا اور جس کو نہ ملا اس نے دوسروں کے ہاتھ کی تری سے اٹھایا۔ پھر میں نے دیکھا کہ بلالؓ نے ایک نیزہ گاڑا۔ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم سرخ لباس میں جس کے اندر دھاریاں تھیں تشریف لائے اور نیزہ کی طرف کھڑے ہو کر (رخ کر کے) لوگوں کو دو رکعت نماز پڑھائی اور میں نے دیکھا کہ آدمی اور جانور نیزہ کے پرلی طرف سے گزر رہے تھے۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیہِ صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۵) حضرت علیؓ منبر پر چڑھے۔ اللہ کی حمد و ثنا کی اور رسول اللہ صَلَّی اللہ علیہ وَسَلَّم پر درود بھیجا اور فرمایا، اس اُمَّت میں اس اُمَّت کے نبی کے بعد سب سے بہتر ابوبکرؓ ہیں اور دوسرے حضرت عمرؓ ــــ اور فرمایا اللہ جہاں پسند کرتا ہے وہی خیر رکھتا ہے۔ (مُسندِ احمد)

علّامہ ابن اثیرؒ نے "اُسُد الغابہ" میں یہ روایت اس طرح بیان کی ہے:۔

"امیر المؤمنین (حضرت علیؓ) نے ابو جُحَیفہؓ سے فرمایا، کیا میں تمہیں بتاؤں کہ اس امت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد افضل کون ہے؟

میں نے عرض کیا، ضرور بتایئے۔

دل میں خیال آیا کہ خود امیر المؤمنین سے بڑھ کر کون ہو سکتا ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اول ابوبکرؓ اور دوم عمرؓ اور تیسرے درجے پر ایک اور صاحب ہیں جن کا نام امیر المؤمنین نے نہیں لیا۔"

حضرت ابوسنانؓ بن محصن الاسدی

(۱)

اسمِ گرامی وہب تھا مگر انہوں نے اپنی کنیت ابوسنان سے شہرت پائی۔ بنو اسد بن خزیمہ کے چشم و چراغ تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:

ابوسنان وہب بن محصن بن حرثان بن قیس بن مرہ بن کثیر بن غنم بن دودان بن اسد بن خزیمہ۔

مشہور صاحب رسولؐ حضرت عکاشہؓ بن محصن کے بڑے بھائی تھے۔ زمانۂ جاہلیت میں مکہ میں بنو عبد شمس کے حلیف تھے۔

اربابِ سیر نے یہ تصریح نہیں کی کہ انہوں نے بعثت نبویؐ کے کتنے عرصہ بعد اسلام قبول کیا البتہ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ وہ ہجرتِ نبوی سے پہلے شرفِ ایمان سے بہرہ ور ہو چکے تھے۔ اِذنِ ہجرت ہوا تو کسی وقت موقع پا کر ارضِ مکہ کو خیرباد کہا اور مدینہ منوّرہ پہنچ گئے۔

(۲)

غزوات کا آغاز ہوا تو سب سے پہلے حضرت ابوسنانؓ نے غزوۂ بدرالکبریٰ میں دادِ شجاعت دی۔ اس طرح ان کو بدری صحابی ہونے کا عظیم الشان شرف حاصل ہو گیا۔

اگلے سال (۳ھ ہجری میں) غزوۂ اُحد میں بڑے جوش اور جذبے کے ساتھ شریک ہوئے اور اپنی تلوار کے جوہر دکھائے۔ اس کے بعد غزوۂ احزاب (۵ھ ہجری) میں سرفروشانہ شریک ہوئے۔ اس غزوے کے معاً بعد غزوۂ بنی قریظہ پیش آیا۔ اس کا مقصد یہودِ بنی قریظہ کو ان کی غداری

کی سزا دینا تھا (ان بدبختوں نے غزوۂ احزاب کے دوران میں مسلمانوں کی پیٹھ میں خنجر گھونپنے کا منصوبہ بنایا تھا) سرورِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّم نے بنو قریظہ کے محلے کا محاصرہ کیا تو حضرت ابو سنانؓ بھی آپؐ کے ہمرکاب تھے۔ تقدیرِ الٰہی سے اسی زمانے میں ان کو پیغامِ اجل پہنچا اور عین محاصرے کے دوران میں فوت ہو گئے آنحضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّم نے انہیں بنو قریظہ کے محلے سے ملحقہ قبرستان میں سپردِ خاک کیا۔ علامہ ابن عبدالبرؒ نے "الاستیعاب" میں لکھا ہے کہ حضرت ابو سنانؓ بیعتِ رضوان (ذیقعدہ ۶ھ ہجری) میں بھی شریک تھے اور سب سے پہلے انہوں نے ہی رسولِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّم کے دستِ مبارک پر بیعت کی تھی، گویا وہ غزوۂ بنی قریظہ کے بعد بھی حیات تھے لیکن ——— مولوی شاہ معین الدین احمد ندویؒ نے "مہاجرین حصہ دوم (سیر الصحابہ جلد سوم)" میں علامہ ابن عبدالبرؒ کے بیان پر یہ تبصرہ کیا ہے:

"علامہ موصوف کو التباس ہو گیا ہے کیونکہ ابی سنانؓ بیعتِ رضوان کے قبل (غزوۂ) بنو قریظہ میں وفات پا چکے تھے بیعت (رضوان) کرنے والے یہ نہیں بلکہ ان کے لڑکے سنانؓ بن ابو سنانؓ تھے۔"

حضرت ابو سنانؓ کے فرزند حضرت سنانؓ کا شمار بھی بڑے عظیم المرتبت صحابہ میں ہوتا ہے۔ وہ بدر، اُحد، خندق، خیبر، تبوک اور دوسرے تمام غزوات میں رسولِ اکرم صلی اللّٰہ علیہ وسلّم کے ہمرکاب رہے۔ حدیبیہ میں بھی موجود تھے۔ جب سرورِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّم نے ایک درخت کے نیچے اپنے جاں نثاروں سے موت کی بیعت لینی شروع کی تو سب سے پہلے حضرت سنانؓ بیعت کے لیے آگے بڑھے۔

حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّم نے ان سے پوچھا: ———

"کس چیز پر بیعت کرتے ہو؟"

انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! جو آپؐ کے دل میں ہے۔" (ابنِ سعد)

آپؐ نے پوچھا، ”میرے دل میں کیا ہے؟“
انہوں نے عرض کیا۔ ”فتح یا شہادت“
چنانچہ حضرت سنانؓ نے اسی عہد کے ساتھ سب سے پہلے حضور کی بیعت کی۔ اس کے بعد جو بھی آتا وہ یہی کہتا کہ میں سنان کی بیعت پر آپؐ سے بیعت کرتا ہوں۔

علامہ ابنِ اثیرؒ نے یہ واقعہ واقدی کے حوالے سے حضرت سنانؓ سے منسوب کیا ہے۔ ساتھ ہی لکھا ہے کہ واقدی کے سوا اور لوگ کہتے ہیں کہ سنان نہیں بلکہ ان کے والد ابوسنانؓ نے سب سے پہلے بیعتِ (رضوان) کی تھی اور یہی مشہور ہے۔ اگر حضرت ابوسنانؓ کی بیعتِ رضوان میں شرکت کو تسلیم کر لیا جائے تو پھر محاصرۂ بنی قریظہ کے دوران میں ان کی وفات والی روایت محلِ نظر ٹھہرتی ہے۔ اس صورت میں انہوں نے بیعتِ رضوان کے بعد وفات پائی ہو گی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حضرت سنان بن ابی سنانؓ نے ۳۲ھ ہجری میں وفات پائی۔ اس میں کسی کو اختلاف نہیں۔

حضرت ابوشیخ انصاری رضؓ

(۱)

انصار کے قبیلہ خزرج کی شاخ بنو مغالہ سے تعلق تھا۔ اکثر ارباب سیر نے لکھا ہے کہ ان کا نام اُبَیّ بن ثابت تھا اور وہ شاعرِ (مداحِ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسانؓ بن ثابت اور مشہور صحابی حضرت اوسؓ بن ثابت (شہیدِ اُحد) کے بھائی تھے۔ انہوں نے ان کا شجرہٗ نسب اس طرح لکھا ہے:

اُبَیؓ بن ثابت بن منذر بن حرام بن عمرو بن زید مناۃ بن عدی بن عمرو بن مالک بن نجّار انصاری خزرجی (عمرو بن عدی کی اولاد کو بنو مغالہ کہا جاتا تھا)۔

بعض کا بیان ہے اُبَیّ بن ثابت کا زمانۂ جاہلیّت میں انتقال ہو گیا تھا اور ابوشیخؓ ان کے فرزند تھے۔ اس صورت میں وہ حضرت حسانؓ بن ثابت اور حضرت اوسؓ بن ثابت کے بھتیجے ہوتے ہیں مگر ترجیح پہلی روایت کو حاصل ہے۔

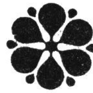
حضرت ابوشیخؓ بڑے مخلص اور بہادر مسلمان تھے۔ سب سے پہلے ان کو ان نفوسِ قدسی میں شامل ہونے کا شرف حاصل ہوا جو رمضان المبارک ۲ھ ہجری میں تعداد اور سروسامان کی شدید کمی کے باوجود میدانِ بدر میں طاغوت کی مہیب قوت سے بھڑ گئے اور اللہ تعالیٰ سے اصحابِ بدر کا خطاب پاکر مغفرت کی بشارت حاصل کرلی۔ اس کے بعد ۳ھ ہجری میں انہوں نے غزوۂ اُحد میں دادِ شجاعت دی۔

(۲)

۴ھ ہجری میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مبلّغین کی ایک جماعت نجد کی طرف بھیجی۔ یہ باختلافِ روایت چالیس ۴۰ یا ستّر صحابہ پر مشتمل تھی حضرت ابوشیخؓ

بھی ان میں شامل تھے۔

جب یہ جماعت عسفان اور مکّہ معظّمہ کے درمیان بئر معونہ[1] کے مقام پر پہنچی تو بنی عامر اور بنی سُلیم وغیرہ کے مشرکین نے اس پر حملہ کر دیا۔ مسلمانوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا لیکن مشرکین کی تعداد بہت زیادہ تھی حضرت عمرو رضؓ بن امیۃ الضمری کے سوا سب ایک ایک کر کے شہید ہو گئے۔ ایک روایت کے مطابق حضرت ابو شیخ رضؓ نے غزوۂ اُحد میں شہادت پائی لیکن یہ صحیح نہیں غزوۂ اُحد میں شہادت پانے والے ان کے بھائی حضرت اوس رضؓ بن ثابت انصاری تھے۔ حضرت ابو شیخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غزوۂ بئر معونہ میں جامِ شہادت پیا۔ حضرت عمرو رضؓ بن امیہ صرف اس لیے بچ گئے کہ بنی عامر کے سردار عامر بن طفیل کی ماں نے ایک قیدی کو آزاد کرنے کی منّت مانی تھی۔ اپنے ساتھیوں کی شہادت کے وقت حضرت عمرو رضؓ مویشی چرانے گئے ہوئے تھے۔ واپس آئے تو عامر بن طفیل نے انہیں گرفتار کر لیا اور پھر ماں کی منّت پوری کرنے کے لیے آزاد کر دیا۔ حضرت عمرو رضؓ نے مدینہ منوّرہ واپس آکر اس سانحہ کی خبر رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو دی تو آپ کو سخت صدمہ ہوا اور آپ کئی روز تک مشرکین بنی عامر و بنی سُلیم کے لیے بد دعا کرتے رہے۔



---

[1] بئر معونہ فی الحقیقت بنی سُلیم کے علاقے میں ایک کنواں تھا۔ اسی کی نسبت سے اس مقام کو بئر معونہ کہا جاتا تھا۔ یہ مکّہ معظّمہ سے مدینہ منوّرہ جانے والے راستے پر واقع ہے۔ مدینہ منوّرہ سے عسفان کا فاصلہ ۳۴۸ کلومیٹر ہے اور مکّہ معظّمہ سے ۱۰۳ کلومیٹر۔ (جزیرۃ العرب از مولانا محمد رابع حسنی)

حضرت ابو الطفیلؓ لیثی

(۱)

اصل نام عامر بن واثلہ تھا مگر انہوں نے اپنی کنیت "ابو الطفیل" سے شہرت پائی۔ بنو کنانہ کی شاخ بنی لیث سے تعلق تھا۔ شجرۂ نسب یہ ہے:

ابو الطفیل عامرؓ بن واثلہ بن عبداللہ بن عمیر بن جابر بن عدی بن سعد بن لیث بن بکر بن عبد مناۃ بن کنانہ۔

ان کے والد حضرت واثلہؓ بن عبداللہ کو بھی شرفِ صحابیت حاصل ہے۔ حضرت ابو الطفیلؓ غزوہ اُحد کے سال (یعنی ۳ھ ہجری میں) پیدا ہوئے اور عہدِ رسالت کی صرف آٹھ بہاریں دیکھیں اس لیے ان کا شمار صغائر صحابہ میں ہوتا ہے۔

حضرت ابو الطفیلؓ کے دماغ میں عہدِ رسالت کے کئی واقعات محفوظ تھے جو انہوں نے کمسنی کے زمانہ میں دیکھے تھے۔ فرمایا کرتے تھے میں نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو طواف کے دوران حجرِ اسود کو بوسہ دینے اور رکنِ یمانی کو ہاتھ سے چھوتے دیکھا ہے۔

علامہ ابن اثیرؒ نے "اُسدُ الغابہ" میں عمار بن ثوبان کے حوالے سے حضرت ابو الطفیلؓ کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو مقام جعرانہ میں دیکھا تھا کہ آپؐ گوشت تقسیم فرما رہے تھے۔ اتنے میں ایک خاتون آئیں تو آنحضورؐ نے ان کے لیے (ازراہِ احترام) اپنی ردائے مبارک بچھا دی۔ میں نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ خاتون کون ہے تو لوگوں نے کہا کہ یہ آپؐ کی رضاعی ماں (حضرت حلیمہ سعدیہ) ہیں۔ انہوں نے آپ کو (بچپن میں) دودھ پلایا ہے۔[۱]

---

[۱] یہ واقعہ غزوہ حُنَین (شوال ۸ھ ہجری) کے بعد اس وقت پیش آیا جب آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ایک روایت میں بیان کرتے ہیں کہ بنولیث کے ایک صاحب فراسؓ بن عمرؓو دردِ سر میں مبتلا ہوئے تو ان کے والد ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گئے اور بیٹے کی بیماری کا حال عرض کیا۔ آپؐ نے فراسؓ کو بلا کر اپنے پاس بٹھایا اور ان کی آنکھوں کے درمیان کی کھال کو پکڑ کر کھینچا۔ اس مقام پر ایک بال نکل آیا اور ان کا دردِ سر جاتا رہا۔ (اُسدُ الغابہ)

(۲)

علامہ ابن اثیرؒ نے لکھا ہے کہ حضرت ابو الطفیلؓ پہلے کوفہ میں رہتے تھے پھر مکہ مکرمہ چلے آئے لیکن انہوں نے یہ تصریح نہیں کی کہ حضرت ابو الطفیلؓ نے کوفہ کی سکونت کب اختیار کی، حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں کوفہ آباد ہونے کے بعد یا حضرت علیؓ کے عہدِ خلافت میں جب انہوں نے دارالخلافہ مدینہ منورہ سے کوفہ منتقل کیا۔ اس طرح انہوں نے حضرت ابو الطفیلؓ کے مکہ معظمہ میں قیام پذیر ہونے کے زمانے کی وضاحت بھی نہیں کی۔ صحیح مسلم کی ایک روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عُمَر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں حضرت ابو الطفیلؓ مکہ میں تھے۔ ان کا بیان ہے کہ "حضرت عمرؓ نے نافع بن عبدالحارث کو مکہ کا گورنر مقرر کیا تھا۔ عسفان کے مقام پر نافع کی حضرت عمرؓ سے ملاقات ہوئی تو امیر المؤمنین نے ان سے پوچھا، تم اہلِ وادی پر کس کو اپنا جانشین مقرر کر کے آئے ہو؟

انہوں نے کہا: "ابن ابزیٰ[1] کو جانشین مقرر کر کے آیا ہوں۔"

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) حنین کے مالِ غنیمت وغیرہ کی تقسیم کے لیے جعرانہ میں تشریف فرما تھے۔ یہ مقام مکہ معظمہ کے شمال میں، ۲۰ کلومیٹر کے فاصلے پر طائف کے راستہ پر واقع ہے۔ وہاں پانی بہت ہی میسر تھا اس لیے حضورؐ نے وہاں قیام فرمایا۔

[1] ابن ابزیٰ سے مراد حضرت عبدالرحمٰنؓ بن ابزیٰ ہیں۔ ان کے حالات اسی کتاب میں دوسری جگہ بیان کیے گئے ہیں۔

حضرت عمرؓ نے پوچھا: "ابنِ ابزیٰ کون ہے؟"

نافعؓ نے عرض کیا: "ہمارے غلاموں میں سے ایک شخص ہے۔"

حضرت عمرؓ نے فرمایا: "کیا تو نے ایک غلام کو امیر مقرر کر دیا ہے؟"

نافعؓ نے جواب دیا: "جی ہاں، اس لیے کہ وہ کتاب اللہ کا سب سے بڑا قاری اور علم الفرائض کا سب سے بڑا عالم ہے۔"

حضرت عمرؓ یہ سن کر خوش ہو گئے اور فرمایا:

"ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ ہی تو فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعے کچھ لوگوں کو اوپر اٹھائے گا اور دوسروں کو اس کی وجہ سے نیچے گرا دے گا۔"

(۳)

حضرت ابو الطفیلؓ کو حضرت علی کرّم اللہ وجہہ سے بڑی عقیدت اور محبت تھی چنانچہ ان کے عہدِ خلافت میں جو لڑائیاں پیش آئیں، وہ ان سب میں ان کی طرف سے شریک ہوئے اور اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر لڑے۔ ان کا بیان ہے کہ امیرالمؤمنین حضرت علیؓ لوگوں کو تفقہ کے بغیر حدیث روایت کرنے سے منع فرمایا کرتے تھے، میں نے ان کو منبر پر فرماتے سنا، لوگو! کیا تم چاہتے ہو کہ خدا اور رسول کی تکذیب کی جائے ایسی باتیں بیان نہ کرو جن سے لوگ مانوس نہیں۔ (جامع بیان العلم و فضلہ ابن عبدالبرؒ)

حضرت ابو الطفیلؓ نے طویل عمر پائی اور ۱۱۰ھ ہجری میں فوت ہوئے۔ کہا جاتا ہے کہ تمام صحابۂ کرامؓ میں وہ سب سے آخر میں فوت ہوئے۔ سعید جریریؒ کا بیان ہے کہ وہ اپنی آخری عمر میں کہا کرتے تھے کہ میرے سوا روئے زمین پر (اس وقت) کوئی ایسا نہ ملے گا جو تم سے کہے کہ میں نے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو دیکھا ہے۔ میں (سعید جریری) نے کہا کہ آپ کچھ حلیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان کر سکتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا، ہاں بیان کر سکتا ہوں۔ آپؐ میانہ قامت تھے آپؐ کا رنگ سفید تھا، ملیح تھے۔

بعض اہلِ سیر کا بیان ہے کہ حضرت ابو الطفیلؓ حدیث میں حضرت حبابؓ بن منذر بن جموح انصاری کے شاگرد تھے۔ ابن اثیرؒ کہتے ہیں کہ حضرت ابو الطفیلؓ ثقہ تھے، امانت دار تھے ان کی وفات رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے دیکھنے والوں میں سب سے پیچھے ہوئی (اُسد الغابہ)

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت ابو عامر اشعری رضؓ

(۱)

عبید نام تھا اور ابو عامر کنیت۔ یمنی قبیلہ بنی اشعر کے چشم و چراغ تھے۔ انہوں نے اپنی کنیت "ابو عامر" سے شہرت پائی۔

نسب نامہ یہ ہے:

عبید بن سلیم بن حضار بن حرب بن عامر بن عنز بن بکر بن عامر بن
عذر بن وائل بن ناجیہ بن جماہر بن اشعر بن ادد بن زید بن یشجب اشعری

مشہور صحابی سیدنا ابو موسیٰ عبداللہؓ بن قیس بن سلیم اشعری ان کے بھتیجے تھے۔

ارباب سیر نے یہ تو لکھا ہے کہ حضرت ابو عامرؓ دعوتِ توحید کے اوائل میں شرفِ ایمان سے بہرہ ور ہوئے مگر انہوں نے یہ صراحت نہیں کی کہ دعوت توحید ان تک کیسے پہنچی اور وہ بارگاہِ رسالت میں کب حاضر ہوئے۔ اس بات پر سب اہل سیر کا اتفاق ہے کہ وہ فتح مکہ (رمضان ۸ ہجری) میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے۔ اس لیے یہ بات یقینی طور پر کہی جا سکتی ہے کہ وہ فتح مکہ سے پہلے اپنے وطن سے مدینہ منورہ آ چکے تھے اس طرح ان کو ہجرت کا شرف حاصل ہو گیا تھا۔[1]

---

[1] مولوی شاہ معین الدین احمد ندوی مرحوم نے اپنی تالیف "سیر الصحابہ" (حصہ ہفتم) میں لکھا ہے کہ "بعض ارباب سیر نے انہیں (حضرت ابو عامرؓ کو) مہاجرین کے زمرہ میں شامل کیا ہے مگر یہ صحیح نہیں ہے۔"

مولوی شاہ معین الدین احمدؒ نے یہ وضاحت نہیں کی کہ جب حضرت ابو عامرؓ کے بھتیجے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ بالاتفاق مہاجرین داخل ہیں تو حضرت ابو عامرؓ کو مہاجر

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(۲)

فتح مکّہ کے بعد حضرت ابو عامرؓ نے غزوۂ حُنین میں دادِ شجاعت دی۔ مشرکین کو حُنین میں شکست ہوئی تو وہ تین گروہوں میں تقسیم ہو کر بھاگے۔ ایک گروہ بطنِ نخلہ کی طرف چلا گیا، دوسرا قلعۂ طائف میں پناہ گزین ہوا اور تیسرا اوطاس کی وادی میں جا ٹھہرا۔ اس کی قیادت درید بن صمہ کر رہا تھا۔ اس گروہ کی سرکوبی کے لیے رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے حضرت ابو عامرؓ کو مامور فرمایا اور کچھ فوج دے کر انہیں اوطاس کی جانب روانہ فرمایا۔ اس فوج میں کئی جلیل القدر صحابہ حضرت زبیرؓ بن العوام، حضرت سلمہؓ بن الاکوعؓ اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ (حضرت ابو عامرؓ

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

تسلیم نہ کرنے کا کیا سبب ہے۔

مختلف روایات سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ دعوتِ توحید کے اوائل میں حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ یمن سے چل کر مکّہ آئے۔ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا اور پھر بنو عبد شمس سے حلیفانہ تعلق قائم کر کے وطن کو مراجعت کی۔ وہاں ان کی تبلیغی مساعی سے بنو اشعر کے بہت سے لوگ حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے۔ ۶ھ بعد بعثت میں وہ تقریباً پچاس اشعریوں کے ساتھ ایک کشتی میں بیٹھ کر حجاز کی جانب روانہ ہوئے مگر بادِ مخالف نے اس کشتی کو حبش پہنچا دیا۔ وہاں حضرت جعفرؓ بن ابی طالب سمیت مہاجرین کی ایک جماعت پہلے ہی موجود تھی۔ چند دن کے بعد یہ جماعت عازمِ مدینہ ہوئی تو تمام اشعری حضرات بھی اس کے ساتھ ہو لیے۔ یہ سب اصحاب اس وقت مدینہ منوّرہ پہنچے جب خیبر فتح ہو چکا تھا (محرم ۷ھ ہجری) اور حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ابھی وہیں مقیم تھے۔ یہ لوگ حضورؐ کے شوقِ لقا میں مدینہ منوّرہ سے خیبر پہنچ گئے۔ حضورؐ ان کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور سب کو خیبر کے مالِ غنیمت سے حصہ عطا فرمایا۔

قیاس غالب ہے کہ حضرت ابو عامرؓ بھی ان اشعریین میں شامل تھے اس لیے ان کو مہاجرین سے خارج کرنے کا کوئی جواز نہیں۔ (طالب ہاشمی)

کے برادر زادے) وغیرہ بھی شامل تھے۔

حضرت ابو عامرؓ اس شان سے مشرکین سے نبرد آزما ہوئے کہ سریّہ کی امارت کا حق ادا کر دیا۔ انہوں نے ایک ایک کر کے نو مشرکوں کو جہنم واصل کیا۔ ایک روایت کے مطابق مشرکین کا سردار درید بن صمہ بھی ان کے ہاتھ سے قتل ہوا۔ آخر میں حارث بن جشم کے دو بیٹوں علاء اور اوفیٰ نے ان کو اپنے تیروں کی زد میں لے لیا۔ ان میں سے ایک کا تیر حضرت ابو عامرؓ کے گھٹنے میں لگا (ایک اور روایت کے مطابق ایک تیر ان کے سینے میں بھی لگا) اور وہ زمین پر گر گئے۔ ان کا یہ زخم مہلک ثابت ہوا۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے یہ واقعہ اس طرح بیان کیا ہے:

"جب ہم لوگوں نے حُنین کے بھگوڑوں کا تعاقب کیا اور مقام اوطاس میں ان کو جا لیا تو فریقین میں (خونریز) لڑائی شروع ہو گئی۔ اثنائے جنگ میں بنی جشم کے ایک شخص نے ابو عامر کے زانو (یا گھٹنے) پر تیر مارا۔ وہ (شدید زخمی ہو کر) زمین پر گر پڑے۔ میں ان کے پاس گیا اور پوچھا، یا عم (چچا جان) آپ کو کس نے تیر مارا؟ انہوں نے انگلی سے اشارہ کر کے بتایا، وہ شخص ہے میں فوراً اس تیر افگن کی طرف لپکا۔ وہ مجھ کو دیکھ کر بھاگ کھڑا ہوا میں بھی اس کے پیچھے دوڑتا جاتا تھا اور کہتا جاتا تھا، کیا تجھے شرم نہیں آتی، مردوں کے مقابلہ سے بھاگتا ہے اور مقاتلہ سے جی چراتا ہے۔ آخر وہ غیرت کھا کر رک گیا اور تلوار نکال کر میرے مقابل ہوا۔ میں نے اس کو قتل کر ڈالا۔ پھر میں واپس آیا اور ابو عامر کو خوشخبری دی کہ خدا نے آپ کے دشمن کو ہلاک کر ڈالا۔ تیر ابھی تک ابو عامرؓ کے زانو (یا گھٹنے) میں پیوست تھا۔ انہوں نے کہا میرے زانو (گھٹنے) سے تیر نکالو۔ تیر نکلتے ہی ابو عامرؓ کے زخم سے خون کا فوارہ اچھلا (اور اس قدر خون نکلا کہ ان کے جسم میں کچھ نہ رہا اور زخم سے پانی بہنے لگا) حضرت ابو عامرؓ کو جانبری کی امید نہ رہی تو انہوں نے مجھ سے کہا، میرے بھتیجے

میرا اسلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جاکر عرض کرنا اور آپؐ سے میری مغفرت کے لیے دعا کرنے کی استدعا کرنا۔ پھر انہوں نے علمِ امارت میرے ہاتھ میں دیا اور اپنی جان جان آفریں کے سپرد کردی۔ اوطاس کی جنگ میں اللہ نے ہمیں فتح عطا کی۔ واپس (مدینہ منورہ) آکر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور لڑائی کا سارا حال بیان کیا اور ابو عامرؓ کا سلام اور پیغام بھی آپؐ کی خدمت میں عرض کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت پانی منگوا کر وضو فرمایا، دو رکعت نماز پڑھی اور پھر دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کی:

اے اللہ! ابو عامر کی مغفرت فرما اور قیامت کے دن اپنی مخلوق میں اس کو سر بلند فرما۔

اس کے بعد میں نے اپنے لیے بھی دعا کی درخواست کی تو آپؐ نے یوں دعا کی، اے اللہ! عبداللہ بن قیس کی خطائیں بخش دے اور قیامت کے دن اس کا (جنت میں) باعزت داخلہ فرما۔"

(صحیح بخاری، کتاب المغازی)

ابن سعدؒ کا بیان ہے کہ شہادت کے وقت حضرت ابو عامرؓ نے حضرت ابو موسیٰؓ کو یہ وصیت بھی کی تھی کہ میرے اسلحہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دینا۔ چنانچہ حضرت ابو موسیٰؓ نے ان کا گھوڑا، ہتھیار اور دوسرے متروکات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیئے۔ حضورؐ نے یہ سب چیزیں ان کے بیٹے کو مرحمت فرما دیں۔

حافظ ابن عبدالبرؒ کہتے ہیں کہ حضرت ابو عامرؓ اکابر صحابہ میں تھے۔

(الاستیعاب)

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت ابوعمرہ انصاریؓ

(۱)

ان کے نام میں اختلاف ہے بعض نے بشر لکھا ہے اور بعض نے بشیر البتہ ان کی کنیت ابوعمرہ پر سب کا اتفاق ہے اور اسی سے انہوں نے شہرت پائی۔ خزرج کے خاندان نجار کے چشم و چراغ تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:

ابوعمرہؓ (بشر یا بشیر) بن عمرو بن محصن بن عمرو بن عتیک بن عمرو بن مبذول بن مالک بن نجار بن ثعلبہ بن عمرو بن خزرج۔

والدہ کا نام کبشہ بنت ثابت تھا وہ بھی بنو نجار سے تھیں اور دربارِ رسولؐ کے شاعر حضرت حسانؓ بن ثابت کی ہمشیرہ تھیں۔ اس نسبت سے حضرت ابوعمرہؓ، حضرت حسانؓ بن ثابت کے بھانجے تھے۔

مولانا سعید انصاری مرحوم نے "سیر انصار" میں لکھا ہے کہ حضرت ابوعمرہؓ بیعتِ عقبہ میں مشرف بہ اسلام ہوئے لیکن جمہور اربابِ سیر نے بیعتِ عقبہ (۱۳ نبوت) کے شرکاء کی جو فہرست دی ہے اس میں حضرت ابوعمرہؓ کا نام شامل نہیں ہے۔ بہر صورت اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ انصار کے قدیم الاسلام اصحاب میں سے ہیں یعنی وہ اصحاب جنہوں نے ہجرتِ نبوی سے پہلے یا ہجرتِ نبوی کے فوراً بعد یا کچھ عرصہ بعد اسلام قبول کیا۔

(۲)

علامہ ابن اثیرؒ نے "اسد الغابہ" میں لکھا ہے کہ حضرت ابوعمرہؓ ان اصحاب میں سے ہیں جن کو غزوۂ بدر میں شریک ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ اس طرح وہ ان خوش بخت ہستیوں میں شامل ہو گئے جن کے بارے میں صحیح

اور متفق علیہ حدیثوں میں وارد ہوا ہے کہ ان کے تمام گناہ اور تسامحات اللہ نے معاف کر دیئے۔

"سیر انصار" میں ہے کہ غزوۂ بدر کے بعد حضرت ابو عمرہؓ نے اُحُد اور (عہدِ رسالت کے) دوسرے غزوات میں بھی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا۔

ایک روایت میں ہے کہ وہ بدر یا خیبر میں اپنے چار بھائیوں کے ساتھ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں (بغرضِ جہاد) حاضر ہوئے۔ ان کے ساتھ ایک گھوڑا بھی تھا۔ جب مالِ غنیمت تقسیم ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چاروں بھائیوں کو ایک ایک حصہ اور گھوڑے کو دو حصے دیئے۔

(اُسُد الغابہ)

حضرت ابو عمرہؓ خلفاء ثلاثہ کے دور میں کہیں نظر نہیں آتے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دورِ خلافت آیا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان کے اختلافات میں شدت پیدا ہوئی تو حضرت ابو عمرہؓ نے ضعیف العمر ہونے کے باوجود بڑی سرگرمی سے حضرت علیؓ کی حمایت کی اور جنگِ صفین میں ان کی طرف سے شریک ہوئے۔

حافظ ابن حجرؒ کا بیان ہے کہ انہوں نے اس جنگ کے اخراجات کے لیے حضرت علیؓ کی خدمت میں ایک لاکھ درہم پیش کیے۔ ایک دن روزے کی حالت میں میدان میں نکلے اور فریقِ مخالف کی طرف تین تیر چلائے پھر لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔

حضرت ابو عمرہؓ کی شادی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا مقوم بن عبد المطلب کی بیٹی سے ہوئی۔ ان سے اُن کے دو بیٹے ہوئے عبد اللہؒ اور عبد الرحمٰنؒ۔

(۲)

کتبِ حدیث میں حضرت ابو عمرہؓ سے مروی کچھ احادیث موجود ہیں۔ ان میں سے

تین یہ ہیں:۔

(۱) حضرت ابو عمرہ رضؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ! اگر کوئی شخص آپ پر ایمان لائے اور اس نے آپؐ کو دیکھا نہ ہو (اس کے بارے میں کیا ارشاد ہے) آپؐ نے فرمایا، وہ ہماری جماعت میں سے ہے اور وہ ہمارے ہمراہ ہوگا۔ (اُسُدُ الغابہ)

(۲) ہم رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے ہمراہ ایک غزوہ میں تھے (کہ خوراک کی قلت پیدا ہوگئی اور) تمام لشکر کو بہت بھوک لگی تو صحابہ نے حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے اپنی سواریوں میں سے کچھ کو ذبح کرنے کی اجازت چاہی اور عرض کیا کہ اللہ ہم کو (باقی) تھوڑی ہی سواریوں (اونٹوں) کے ذریعے (منزل پر) پہنچادے گا۔ جب حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ان لوگوں کو اپنی سواریاں ذبح کرنے کی اجازت دینے کا ارادہ فرمارہے ہیں تو انہوں نے عرض کیا، یا رسول اللہؐ! ہمارا کیا حال ہوگا کہ جب ہم دشمن کا سامنا کریں گے تو بعض ہم میں بھوکے ہوں گے اور بعض پیادہ لیکن یا رسول اللہؐ! اگر آپ مناسب سمجھیں تو ہمارے باقیماندہ توشوں (یعنی جو تھوڑی بہت خوراک کسی کے پاس موجود ہے) جمع کرکے ان میں برکت کی دعا کریں۔ ہمیں یقین ہے کہ آپؐ کی دعا کی بدولت اللہ ہم کو (منزل پر) پہنچا بھی دے گا اور ہم پر برکت بھی نازل فرمائے گا۔

پس آپؐ نے سب لوگوں کو اپنے اپنے باقیماندہ توشے لانے کا حکم دیا سب نے لانے شروع کیے ان کی مقدار بہت قلیل تھی۔ سب سے زیادہ توشہ جو ایک صاحب لائے ایک صاع (تقریباً ۲½ سیر) کھجور کا تھا۔ حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ان سب کو جمع کیا۔ اس کے بعد آپؐ کھڑے ہوئے اور دعا کی یہ دعا ایسی ہی تھی جیسی اللہ نے چاہی۔ پھر آپؐ نے لشکر کو آواز دی کہ اپنے برتن لے آؤ اور (توشوں کے ڈھیر میں سے) مُٹھی مُٹھی کرکے (اپنے برتن)

بھر دو تو لشکر کے تمام آدمیوں نے اپنے اپنے برتن بھر لیے مگر وہ ڈھیر اسی طرح باقی رہا ـــــــ تو آپؐ یہاں تک ہنسے کہ آپؐ کی ڈاڑھیں ظاہر ہو گئیں اور آپؐ نے فرمایا:

اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ

جب کبھی کوئی بندہ ان دو کلموں پر ایمان لائے گا اور اللہ کے سامنے حاضر ہو گا تو اللہ قیامت کے دن اس کو جہنّم سے روک دے گا۔

(مُسندِ احمد، سُنن نسائی، البدایہ وَالنہایہ وغیرہ)

(۳) جنگ صفّین کے موقع پر حضرت علیؓ نے لوگوں کو ترغیب دیتے ہوئے فرمایا، بیشک اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کو ایسی تجارت بتائی ہے جو تم کو دردناک عذاب سے نجات دینے والی ہے اور تم کو ایک بھلے راستے پر لگانے والی ہے۔ یہ ہے اللہ عزّ و جلّ اور اس کے رسول پر ایمان لانا اور جہاد فی سبیل اللہ۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا ثواب گناہوں سے مغفرت اور جنّات عدن میں پاکیزہ قیام گاہیں بیان فرمائی ہیں پھر میں تم سے کہے دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو دوست رکھتا ہے جن کی صفیں اللہ کے راستے کی لڑائی میں اس طرح ہوتی ہیں جیسی وہ دیواریں جن کی رانگ سے جڑائی کی گئی ہو تم اپنی صفوں کو سیدھی رکھنا جیسا کہ رانگ سے جُڑی ہوئی دیواریں ہوتی ہیں۔ جن لوگوں کے پاس زرہیں ہیں انہیں آگے رکھنا اور جن کے پاس زرہیں نہیں انہیں پیچھے رکھنا اور اس مضبوطی سے جمے رہنا جیسا کہ منہ میں ڈاڑھ جمی رہتی ہے۔ (طبری جلد ۴)

حضرت ابو مالک اشعری رضؓ

(۱)

مشہور صحابی ہیں مگر اربابِ سِیَر ان کے نسب نامہ کے بارے میں خاموش ہیں۔ نام میں بھی بڑا اختلاف ہے۔ کسی نے کعب کسی نے عمرو اور کسی نے عبید لکھا ہے۔ ابنِ اثیرؒ نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ ان کا نام کعب بن عاصم تھا۔ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ وہ یمن کے قبیلہ اشعر کے چشم و چراغ تھے۔

ابنِ اثیرؒ نے "اُسدُ الغابہ" میں لکھا ہے کہ "حضرت ابو مالک اشعری اصحابِ سَفینہ میں سے تھے۔" اصحابِ سَفینہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی تبلیغ سے مُشرّف بہ اسلام ہوئے۔ ان کی تعداد پچاس کے لگ بھگ تھی۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ ان سب کو ساتھ لے کر بحری راستے سے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہونے کے لیے حجاز کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں طوفان آگیا اور بادِ مخالف نے ان کی کشتی کو حجاز کے بجائے حبش پہنچا دیا۔ وہاں حضرت جعفرؓ بن ابی طالب سمیت مکّہ سے ہجرت کر کے آنے والے بہت سے مسلمان موجود تھے۔ وہ ۶ھ ہجری کے اخیر یا ۷ھ ہجری کے آغاز میں مدینہ منوّرہ کے قصد سے روانہ ہوئے تو حضرت ابو موسیٰؓ اور ان کے اشعری ساتھی بھی اس قافلے میں شامل ہو گئے۔ یہ قافلہ اس وقت مدینہ مُنوّرہ پہنچا جب خیبر فتح ہو چکا تھا۔ جب یہ اصحاب بارگاہِ رسالتؐ میں حاضر ہوئے تو حضورؐ بہت مسرور ہوئے اور ان سب کو خیبر کے مالِ غنیمت سے حصہ مرحمت فرمایا۔ حضرت ابو مالکؓ بھی یقیناً اس سے بہرہ یاب ہوئے ہوں گے۔

(۲)

رمضان المبارک ۸ھ ہجری میں حضرت ابو مالکؓ اشعری کو فتح مکہ کے موقع پر سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی ہمرکابی کا شرف حاصل ہوا اس کے بعد وہ غزوۂ حُنین میں شریک ہوئے۔ ابن سعدؒ کا بیان ہے کہ جب بنو ہوازن شکست کھا کر منتشر ہوئے تو حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے حضرت ابو مالکؓ کو سواروں کا ایک دستہ دے کر ان کی نقل و حرکت کا پتہ لگانے کے لیے بھیجا۔

۱۰ھ ہجری میں سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم حجۃ الوداع کے لیے تشریف لے گئے تو آپؐ کے ہمرکاب صحابہ میں حضرت ابو مالک اشعریؓ بھی شامل تھے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے "تہذیب التہذیب" میں لکھا ہے کہ حضرت ابو مالک اشعریؓ نے امیر المؤمنین حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں وفات پائی۔

(۳)

حضرت ابو مالک اشعریؓ سے ستائیس احادیث مروی ہیں۔ ان کے راویوں میں ابو صالح اشعری، ربیعہ بن عمرو جرشی، عبد الرحمٰن بن غنم اور شریح بن عبید الحضرمی وغیرہ شامل ہیں۔

حضرت ابو مالک اشعریؓ سے مروی احادیث میں سے تین یہ ہیں:

(۱) رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا کہ طہارت و پاکیزگی ایمان کا (لازمی) حصہ ہے اور کلمہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ میزانِ اعمال کو بھر دیتا ہے اور سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ آسمانوں اور زمین کو بھر دیتے ہیں اور نماز نور ہے اور صدقہ دلیل و برہان ہے اور صبر اُجالا ہے اور قرآن یا تو حُجّت ہے تمہارے حق میں اور یا تمہارے خلاف۔ ہر آدمی صبح کرتا ہے پھر وہ اپنی جان کا سودا کرتا ہے پھر یا تو اسے نجات دلا دیتا ہے یا اس کو ہلاک کر دیتا ہے۔

(صحیح مسلم)

(۲) حضرت ابو مالک اشعریؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے لوگوں سے کہا میں تم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا حال بیان کروں؟ پھر انہوں نے بیان کیا کہ آپ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) نے نماز قائم فرمائی پہلے آپؐ نے مردوں کو صف بستہ کیا، ان کے پیچھے بچوں کی صف بنائی۔ پھر آپؐ نے ان کو نماز پڑھائی۔ اس کے بعد فرمایا کہ میری اُمت کی نماز کا یہی طریقہ ہے۔ (سُنن ابی داوٗد)

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو ایک سریہ میں روانہ فرمایا اور ہم پر سعدؓ بن ابی وقاص کو امیر بنایا چنانچہ ہم لوگ چلے اور ایک منزل پر پڑاؤ ڈالا۔ ایک آدمی کھڑا ہوا اور اس نے اپنے گھوڑے پر زین کسی، میں نے اس سے پوچھا، تم نے کہاں کا ارادہ کیا؟ اس نے کہا، میرا ارادہ ہے چارہ لے آؤں۔ میں نے اس سے کہا جب تک ہم اپنے امیر سے نہ پوچھ لیں تم ایسا نہ کرو۔ ہم نے ابو موسیٰ اشعریؓ کے پاس آکر اس کا تذکرہ کیا انہوں نے اس آدمی سے کہا، شاید تیرا ارادہ اپنے بال بچوں کے پاس لوٹ جانے کا تھا۔ اس نے کہا، نہیں۔ ابو موسیٰ نے کہا، سوچ لے کہ تو کیا کہہ رہا ہے۔ اُس نے کہا، میرا گھر جانے کا ارادہ نہیں۔ ابو موسیٰ اشعریؓ نے کہا تو جا خدا تجھے ہدایت دے۔ چنانچہ وہ آدمی چلا گیا اور کافی رات گزرنے کے بعد واپس آیا۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے اس سے کہا کہ شاید تو اپنے گھر گیا تھا۔ پہلے تو اس نے انکار کیا پھر اقرار کر لیا۔ حضرت ابو موسیٰؓ نے فرمایا، تو (اپنے امیر کی اجازت کے بغیر) اپنے اہل کے پاس کیا گیا تھا آگ میں گیا تھا اور آگ میں بیٹھا تھا اور آگ ہی سے لوٹا ہے۔ (ابنِ عساکر، کنز العمال)

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت ابو ہاشم عبشمیؓ

رجلِ صالح

(۱)

اصل نام شَیبہ تھا مگر اپنی کنیت ابو ہاشم سے مشہور ہوئے۔ قریش کے خاندان بنوعبد شمس سے تھے۔ نسب نامہ یہ ہے :

ابو ہاشم شیبہؓ بن عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قُصَیّ قرشی

عبدِ مناف پر ان کا نسب نامہ سرورِ عالم صَلَّی اللّٰہُ علیہ وسلّم کے نسب نامہ سے مل جاتا ہے۔ والدہ کا نام جناس بنتِ مالک تھا۔ وہ قریش کے خاندان بنو عامر بن لُوَیّ سے تھیں۔ شجرۂ نسب یہ ہے:

جناس بنتِ مالک بن مالک بن مضرب بن حجیر بن عبد بن معیص بن عامر بن لُوَیّ۔

حضرت ابو ہاشمؓ، حضرت ابوسفیانؓ کی زوجہ اور حضرت امیر معاویہؓ کی والدہ حضرت ہندؓ بنتِ عتبہ کے علّاتی بھائی تھے۔ (حضرت ہندؓ کی والدہ کا نام صفیہ بنتِ امیہ تھا) اس نسبت سے وہ امیر معاویہؓ کے ماموں تھے۔

حضرت ابو ہاشمؓ کے والد عتبہ بن ربیعہ قریش کے رؤسا میں سے تھے اور بڑے اثر و اقتدار کے مالک تھے۔ وہ ایک شریف اور سمجھ دار آدمی تھے مگر افسوس کہ قبولِ اسلام کی سعادت سے محروم رہے تاہم انہوں نے رسولِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو ایذا پہنچانے سے ہمیشہ اجتناب کیا۔ یہ عتبہ اور ان کے بھائی شیبہ بن ربیعہ ہی تھے جنہوں نے آنحضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو طائف سے نکلتے وقت اپنے باغ میں

پناہ دی تھی اور اپنے غلام عداس رضؓ کو آپؐ کی خدمت میں انگور پیش کرنے کا حکم دیا تھا۔ مگر قومی عصبیت کا برا ہو کہ وہ ان کے قبولِ اسلام میں مانع رہی۔ ۲ہجری میں مشرکینِ قریش بدر کی لڑائی کے لیے مکّہ سے روانہ ہوئے تو انہوں نے عتبہ بن ربیعہ کو اپنا سپہ سالار بنایا۔ اسی لڑائی میں عتبہ اور ان کے بھائی شیبہ مارے گئے۔ عتبہ کے دوسرے بیٹے ابو حذیفہؓ کو اللہ تعالیٰ نے توفیق دی کہ وہ دعوتِ توحید کے ابتدائی زمانے ہی میں شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہو گئے اور نہایت عظیم المرتبت صحابہ میں شمار ہوئے مگر ابو ہاشمؓ ایک شریف النفس انسان ہونے کے باوجود فتح مکّہ تک کفر و شرک کی دلدل سے نہ نکل سکے۔ فتح مکّہ کے موقع پر دوسرے اہلِ مکّہ کی طرح وہ بھی حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے۔

(۲)

قبولِ اسلام کے بعد حضرت ابو ہاشمؓ کی زندگی میں زبردست انقلاب آگیا۔ اب ان کا زیادہ وقت عبادتِ الٰہی میں گزرتا تھا اور وہ فیضانِ نبویؐ سے بہرہ یاب ہونے کا کوئی موقع بھی ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ دوسرے صحابہؓ میں رجل صالح (نیک آدمی) کے لقب سے مشہور ہو گئے اور علم و فضل کے اعتبار سے بھی ایک ممتاز شخصیت متصوّر ہونے لگے۔ امام حاکمؒ نے اپنی "مستدرک" میں حضرت ابوہریرہؓ کی زبانی یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ قبار کے مقام پر ہم لوگوں (اصحابِ رسولؐ) میں "صلوٰۃِ وسطیٰ" کے بارے میں اختلاف پیدا ہوا (یعنی یہ کون سی نماز ہے) ہم میں ایک رجل صالح ابو ہاشم بن عتبہ موجود تھے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بلا جھجک مسائل پوچھ لیا کرتے تھے۔ انہوں نے یہ اختلاف دیکھا تو فوراً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گئے اور آپؐ سے یہ مسئلہ دریافت کیا۔ پھر واپس آکر ہمیں بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "صلوٰۃِ وسطیٰ" عصر کی نماز ہے۔

(۳)

عہدِ رسالت اور عہدِ صدیقی میں اعدائے اسلام کے خلاف جو لڑائیاں پیش آئیں،

ان میں حضرت ابو ہاشمؓ کی شرکت کے بارے میں کُتُبِ سِیَر خاموش ہیں۔ البتہ ابن اثیرؒ، امام حاکمؒ اور کئی دوسرے اربابِ سِیَر نے لکھا ہے کہ وہ عہدِ فاروقی میں جہاد فی سبیل اللہ کے لیے گھر سے نکلے اور شام کی مشہور لڑائی "جنگِ یرموک" میں سرفروشانہ حصہ لیا۔ اس لڑائی میں ان کی ایک آنکھ شہید ہو گئی۔ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شام کی کئی دوسری لڑائیوں میں بھی شریک ہوئے ہوں گے۔

(۴)

حضرت ابو ہاشمؓ پر خشیتِ الٰہی کا بہت غلبہ تھا۔ مسلمانوں میں مال و دولت کی کثرت دیکھ کر رویا کرتے تھے۔ مرضِ وفات میں مبتلا ہوئے تو ان کے بھانجے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہٗ خبر گیری کے لیے آئے۔ حضرت ابو ہاشمؓ رونے لگے۔ حضرت معاویہؓ نے پوچھا، ماموں جان آپ روتے کیوں ہیں۔ بیماری کی تکلیف ہے یا دنیا چھوڑنے کا غم؟ فرمایا، ان میں سے کوئی بات نہیں۔ میں اس بات پر روتا ہوں کہ میرے پاس دنیا کا بہت سا سامان اور اسباب جمع ہے حالانکہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے مجھ سے عہد لیا تھا کہ ابو ہاشم ہو سکتا ہے تم اس وقت تک زندہ رہو جب مسلمانوں کے پاس دولت کی ریل پیل ہو گی اس زمانے میں تمہارے لیے جہاد فی سبیل اللہ کے لیے ایک سواری اور ایک خادم کافی ہے۔

شام کی فتح کے بعد حضرت ابو ہاشمؓ نے وہیں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی وہیں حضرت عثمان ذو النورینؓ کے عہدِ خلافت میں وفات پائی۔ یہ حافظ ابن عبد البرؒ کا بیان ہے (الاستیعاب)۔ ابنِ اثیرؒ نے "اُسدُ الغابہ" میں لکھا ہے کہ وہ حضرت امیر معاویہؓ کے عہدِ خلافت میں فوت ہوئے۔ (واللہ اعلم)

اہلِ سِیَر نے حضرت ابو ہاشمؓ کو فُضَلاءِ صحابہ میں شمار کیا ہے۔ کُتُبِ حدیث میں ان سے مروی چند احادیث موجود ہیں۔ ابو ہاشم اوسیؒ اور ابو وائلؒ ان کے رواۃِ حدیث ہیں۔

حضرت اُسَیدؓ بن ظُہیرؓ انصاری

(۱)

اوس کے خاندان بنی حارثہ سے تھے۔ ابنِ اثیرؒ نے ان کا نسب نامہ اس طرح بیان کیا ہے:-

اُسَیدؓ بن ظُہیرؓ بن رافع بن عدی بن زید بن عمرو بن زید بن جشم بن حارثہ بن حارث بن خزرج بن عمرو بن مالک بن اوس۔

مگر ابن مندہؒ اور حافظ ابو نُعَیمؒ نے ان کا شجرۂ نسب اس طرح بیان کیا ہے:

اُسَیدؓ بن ظُہیرؓ بن رافع بن عدی بن زید بن جشم بن حارثہ بن حارث بن خزرج بن عمرو بن مالک بن اوس۔

گویا انھوں نے عدی بن زید کے اجداد میں سے عمرو اور زید کو نکال دیا ہے اور عدی کو جشم بن حارثہ کا پوتا بتایا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

والدہ کا نام فاطمہ بنت بشر (بن عدی بن غنم بن عوف) تھا۔

حضرت اُسَیدؓ کی کنیت ابو ثابت تھی۔ ان کے والد حضرت ظُہیرؓ بن رافع کا شمار نہایت عظیم المرتبت صحابہ میں ہوتا ہے۔ وہ بیعتِ عقبہ کبیرہ (سـ۱۳ بعدِ بعثت) کے شرکاء میں سے تھے۔ امام محمد بن اسحاقؒ کے قول کے مطابق وہ غزوۂ بدر میں بھی شریک تھے مگر حافظ ابن عبد البرؒ اور بعض دوسرے اہلِ سِیَر نے لکھا ہے کہ وہ غزوۂ بدر میں شریک نہ ہو سکے البتہ غزوۂ اُحد اور مابعد کے تمام غزواتِ نبوی میں شریک ہوئے۔ حضرت اُسَیدؓ کے حقیقی بھائی حضرت انسؓ بن ظہیرؓ اور اخیافی بھائی حضرت عبادؓ بن بشر کو بھی شرفِ صحابیت حاصل ہوا۔ حضرت عبادؓ بن بشر کو تو اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ انصار کے تین بہترین آدمیوں میں شمار کرتی تھیں۔ دوسرے دو

حضرت سعدؓ بن معاذ اور حضرت اُسیدؓ بن حضیر الکتائب تھے۔

(۲)

غزوۂ بدر اور غزوۂ اُحد کے وقت حضرت اُسیدؓ بن ظُہیرؓ کمسن تھے یعنی ان کی عمر پندرہ برس سے کم تھی اس لیے ان دونوں غزوں میں شریک نہ ہو سکے۔ سب سے پہلے وہ غزوۂ احزاب (۵ ہجری) میں شریک ہوئے۔ اس کے بعد عہدِ رسالت کے کئی دوسرے غزوات میں بھی سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد خلفائے راشدینؓ کے دور میں حضرت اُسیدؓ بن ظُہیرؓ کے مشاغل اور سرگرمیوں کے بارے میں کُتُبِ تراجم خاموش ہیں۔ البتہ ان کا نام امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں دوبارہ منظرِ عام پر آتا ہے۔ ابنِ جریجؒ نے عکرمہ بن خالد مخزومی سے روایت کی ہے کہ اُسیدؓ بن ظُہیرؓ انصاری جن کا تعلق قبیلہ بنو حارثہ سے تھا، (امیر معاویہؓ کی طرف سے) یمامہ کے حاکم تھے۔ ایک مرتبہ مروان بن الحکم نے انہیں ایک خط بھیجا جس میں لکھا کہ حضرت معاویہؓ کا خط میرے پاس اس مضمون کا آیا ہے کہ جس شخص کی کوئی چیز چوری ہو جائے تو وہ اس چیز کا زیادہ حقدار ہے جہاں کہیں اس کو پائے (یعنی وہ اپنا مال جس کے پاس دیکھ لے، اس سے لے سکتا ہے)

حضرت اُسید بن ظُہیرؓ نے مروان کو جواب میں لکھا:-

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ اگر چور سے کسی دوسرے شخص نے جو مشتبہ نہ ہو، اس مال کو خرید لیا ہو تو مالک کو اختیار دیا جائے گا چاہے تو اپنے مال کو قیمت دے کر خرید لے یا پھر چور کو تلاش کرے۔ اس کے بعد ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ نے بھی اسی کے مطابق فیصلہ کیا ہے۔"

مروان نے حضرت اُسیدؓ کا خط حضرت معاویہؓ کو بھیج دیا۔ انہوں نے مروان کو لکھا کہ نہ تم میرے حاکم ہو اور نہ اُسید بلکہ میں نے اپنی طرف سے تم کو یہ حکم دیا

ہے (یعنی اجتہاد سے کام لیا ہے)۔

مروان نے امیر معاویہؓ کا خط حضرت اُسَیدؓ کو بھیج دیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ جب تک میں حاکم ہوں ہرگز امیر معاویہؓ کے کہنے کے مطابق فیصلہ نہ کروں گا[1]

(۳)

علامہ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ حضرت اُسَیدؓ بن ظُہَیرؓ نے عبدالملک بن مروان کے عہدِ خلافت (۶۵ھ تا ۸۶ھ) کے درمیان کسی وقت وفات پائی۔ اوپر کی حدیث کے علاوہ کچھ اور حدیثیں بھی ان سے مروی ہیں ان میں سے دو یہ ہیں:

① رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم نے فرمایا ہے کہ مسجدِ قُبا میں ایک نماز پڑھنے کا ثواب عمرہ کے برابر ہے۔ (جامع ترمذی)

② رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم نے زمین کو کرایہ پر دینے سے منع فرمایا ہے۔ (اُسدُ الغابہ)

رضی اللہ تعالیٰ عنہ



---

[1] امام اہل سنت و جماعت مولانا عبدالشکور لکھنوی ؒ نے "اُسدُ الغابہ" کے اردو ترجمہ میں یہ واقعہ بیان کرتے ہوئے حاشیہ میں لکھا ہے:-

"اس مقام سے صحابہ کی حق پرستی کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ جو بات وہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم سے سن لیتے تھے پھر اس کو ترک نہ کرتے تھے چاہے کچھ ہو جائے۔"

(اردو ترجمہ اسد الغابہ جلد اول صفحہ ۱۳۴ شائع کردہ مکتبۂ نبویہ لاہور)

حضرت اشجؓ عبد القیس

(۱)

قبیلہ عبد القیس کے چشم و چراغ تھے۔ ان کے نام کے بارے میں اختلاف ہے بعض نے عبد اللہ بن عوف الاشج (معروف بہ عبد الاشج یا اشج) لکھا ہے اور بعض نے مُنذر بن حارث۔ علامہ ابن اثیرؒ نے "اُسدُ الغابہ" میں "منذر بن حارث کو ترجیح دی ہے اور ان کا نسب نامہ اس طرح بیان کیا ہے:

مُنذِرؓ بن حارث بن زیاد بن عصر بن عوف بن عمرو بن عوف بن خزیمہ بن عوف بن بکر بن عوف بن انمار بن عمرو بن ودیعہ بن لکیز بن افصیٰ بن عبد القیس بن افصیٰ بن دعمی بن جدیلہ بن اسد بن ربیعہ بن نزار بن سعد بن عدنان۔

قبیلہ عبد القیس بحرین کا رہنے والا تھا۔ یہ سعید الفطرت لوگ تھے اور فتح مکہ (۸ ہجری) سے کئی سال پہلے دعوتِ اسلام پر لبیک کہہ چکے تھے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ مسجدِ نبویؐ کے بعد سب سے پہلا جمعہ عبد القیس ہی کی مسجد میں قائم ہوا جو انہوں نے بحرین کے مقام جواثی میں تعمیر کی تھی۔ اس قبیلے کے نمائندے احکامِ دین سیکھنے کے لیے دو مرتبہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے۔ پہلی مرتبہ ۵ ہجری میں یا اس سے کچھ پہلے یا بعد اور دوسری مرتبہ ۹ھ یا ۱۰ ہجری میں۔ پہلی مرتبہ ان کے وفد میں تیرہ ۱۳ یا چودہ ۱۴ آدمی تھے۔ ان ارکین وفد میں ایک حضرت اشجؓ تھے اور وہی اس وفد کے سردار تھے۔

(۲)

عبد القیس کے پہلے وفد کے وُرُودِ مدینہ کے بارے میں زرقانیؒ نے "شرح مواہب"

میں بیہقی سے نقل کیا ہے کہ ایک دن رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اپنے صحابہ سے فرمایا: ــــــ " ابھی تمہارے پاس کچھ لوگ آ رہے ہیں جو اہلِ مشرق میں سب سے بہتر ہیں "۔

سیّدنا حضرت عُمرِ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ارشاد سُنا تو فرطِ اشتیاق سے ان لوگوں کو دیکھنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ مسجدِ نبوی سے باہر نکلے تو انہیں تیرہ آدمیوں کا ایک قافلہ ملا۔ انہوں نے اہلِ قافلہ کو رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ علیہ وَسَلَّم کے ارشاد سے آگاہ کیا اور پھر انہیں ساتھ لے کر بارگاہِ رسالت کی طرف روانہ ہوئے۔

ان لوگوں نے دُور سے رسولِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو دیکھا تو فرطِ مسرّت سے بے خود ہو گئے۔ اپنا سامان وہیں چھوڑ چھاڑ دیوانہ وار حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی طرف دوڑ پڑے۔ قریب پہنچ کر آپؐ کو سلام کیا اور پھر والہانہ انداز میں آپؐ کے دستِ مبارک چومنے لگے۔ مگر ان لوگوں میں ان کے سردار اشجؓ شامل نہیں تھے۔ وہ اگرچہ نوجوان تھے لیکن بڑے بردبار اور زیرک تھے۔ انہوں نے اپنے گرد آلود لباس میں ہادیٔ اکرم صَلَّی اللّٰہُ علیہ وَسَلَّم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہونا مناسب نہ سمجھا اور عمداً پیچھے رہ گئے۔

(۳)

ساتھیوں کے جانے کے بعد حضرت اشجؓ نے پہلے تو اپنے قافلے کے اونٹ باندھے پھر اپنی گٹھڑی کھول کر سفر کے کپڑے اتارے اور دوسرا صاف ستھرا لباس پہنا۔ پھر نہایت اطمینان کے ساتھ رسولِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے پہلے آپؐ کو ادب سے سلام کیا اور پھر آپؐ کے دستِ اقدس کو بوسہ دیا۔ حضرت اشجؓ معمولی شکل وصورت کے آدمی تھے اور ان کے خدوخال میں کوئی دلکشی نہیں تھی۔ حُضور صلی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا تو انہوں نے عرض کیا:

" یا رسول اللہؐ! آدمی کی قدر و قیمت اس کے قد و قامت اور شکل وصورت

سے نہیں ہوتی۔ اس کی قدر و قیمت اس کے دو چھوٹے سے اعضاء سے
ہوتی ہے، دل سے اور زبان سے۔"

ایک دوسری روایت میں ہے کہ اس موقع پر خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ الفاظ ارشاد فرمائے: ——— "انسان کی کھال کی مشک نہیں بنائی جاتی البتہ اس کی دو چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے، ایک اس کی زبان کی اور دوسرے اس کے دل کی۔"

پھر آپؐ نے حضرت اشجؓ سے مخاطب ہوکر فرمایا:

"تم میں دو خصلتیں ایسی ہیں کہ اللہ ان کو پسند کرتا ہے۔"

حضرت اشجؓ نے عرض کیا۔ "یا رسول اللہؐ! وہ دو خصلتیں کونسی ہیں۔"

آپؐ نے فرمایا: "بردباری اور عاقبت اندیشی (بروایت دیگر بردباری اور حیا)"

انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہؐ! یہ خصلتیں مجھ میں اب پیدا ہو گئی ہیں یا پہلے ہی سے تھیں (یعنی پیدائشی یا خلقی)۔

حضورؐ نے فرمایا۔ "ہمیشہ سے ہیں (پہلے ہی سے ہیں)۔

حضرت اشجؓ کا اپنا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سن کر کہا، تمام تعریف اس اللہ پاک کے لیے ہے جس نے میری فطرت میں دو ایسی عادتیں پیوست کر دیں جن کو وہ دوست رکھتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وفد کو حضرت رملہؓ بنت حارث کے مکان پر ٹھہرایا اور دس دن تک مہمان رکھا۔ اس دوران میں حضرت اشجؓ حضورؐ سے قرآن اور دینی مسائل سیکھتے رہے اس کے بعد انہوں نے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ وطن کو مراجعت کی۔ کتب سیر ان کے سال وفات کے بارے میں خاموش ہیں البتہ ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں حیات تھے اور بصرہ میں رہتے تھے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت اشعث رضؓ بن قیس کِندی

(۱)

اصل نام معدی کرب تھا مگر انہوں نے اشعث کے نام سے شہرت پائی۔ کنیت ابو محمدؒ تھی۔ والد کا اصل نام اشج تھا مگر وہ قیس کے نام سے مشہور ہوئے۔ ان کے نسب نامہ میں اختلاف ہے اور ارباب سِیَر نے اسے دو طریقوں سے لکھا ہے۔ ابن مندہؒ اور حافظ ابو نعیمؒ کے نزدیک ان کا شجرۂ نسب اس طرح تھا:۔

اشعثؓ بن قیس بن معدی کرب بن معاویہ بن ثعلبہ بن عدی بن ربیعہ بن حارث بن معاویہ بن ثور کِندی۔

علامہ ابن اثیرؒ نے ان کا نسب نامہ اس طرح بیان کیا ہے:

اشعثؓ بن قیس بن معدی کرب بن معاویہ بن جبلہ بن عدی بن ربیعہ بن معاویہ اکبر بن حارث اصغر بن معاویہ بن حارث اکبر بن معاویہ بن ثور بن مرتع (عمرو) بن معاویہ بن ثور بن عفیر۔

ثور بن عفیر کو کندہ بھی کہا جاتا ہے اس لیے کہ انہوں نے اپنے باپ کو چھوڑ دیا تھا۔ ابن اثیرؒ کی رائے میں یہی نسب نامہ صحیح ہے۔

(۲)

حضرت اشعثؓ بن قیس کندہ کے شاہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور اپنے قبیلے کے سردار تھے۔ ۱۰ ہجری وہ حضر موت سے ساٹھ ۶۰ (یا بروایت دیگر اسّی) آدمیوں کا ایک وفد لے کر مدینہ منوّرہ آئے اور بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے۔ اس وفد کے سبھی اراکین صاحب حیثیت لوگ تھے اور ایک روایت کے مطابق کچھ عرصہ پہلے مشرّف بہ اسلام ہو چکے تھے مگر ابھی انہوں نے وہ سادگی اختیار نہیں کی تھی جس

کی اسلام تعلیم دیتا ہے۔ چنانچہ وہ مدینہ منوّرہ میں اس شان سے وارد ہوئے کہ سب نے اپنے کندھوں پر حیرہ کی زرّیں چادریں ڈال رکھی تھیں جن کے سنجاف حریر کے تھے۔ رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے انہیں دیکھ کر استعجاب کا اظہار فرمایا اور ان سے پوچھا:—

"کیا تم لوگ اسلام قبول نہیں کر چکے؟"

انہوں نے عرض کیا، "یا رسول اللہ! ہم اللہ کے فضل سے نعمتِ اسلام سے بہرہ یاب ہو چکے ہیں۔"

حضور نے فرمایا۔ "پھر یہ حریر کیسا؟"

اہلِ وفد کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا اور سب نے فوراً اپنی چادریں پھاڑ پھاڑ کر زمین پر پھینک دیں۔ حضور ان کا جذبۂ اخلاص دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ اس وفد کے اراکین نے اسی موقع پر اسلام قبول کیا۔

ابن اثیرؒ نے "اُسدُ الغابہ" میں لکھا ہے کہ دورانِ گفتگو میں حضرت اشعثؓ بن قیس نے رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے پوچھا: "یا رسول اللہ! آپ ہمارے قبیلہ (بنو قحطان) سے ہیں؟"

آپؐ نے فرمایا، "نہیں، ہم نضر بن کنانہ کی اولاد سے ہیں، نہ ہم اپنی ماں کو گالی دیتے ہیں اور نہ ہم اپنے باپ سے علیحدہ ہوتے ہیں۔"

چنانچہ حضرت اشعثؓ کہا کرتے تھے کہ اگر میرے سامنے کوئی شخص قریش کے نضر بن کنانہ کی اولاد ہونے سے انکار کرے گا تو میں اس کو دُرّے ماروں گا۔

مدینہ مُنوّرہ کے اثنائے قیام میں حضرت اشعثؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو ان کی بیوہ بہن اُمِّ فروہؓ کے لیے پیغام بھیجا جو انہوں نے منظور کر لیا مگر نکاح اور رخصتی کو کسی آئندہ وقت کے لیے اٹھا رکھا[1]۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ انہوں نے

---

[1] اہلِ سیر نے حضرت اُمِّ فروہؓ کے قبولِ اسلام کا زمانہ نہیں لکھا لیکن ان کے شرفِ ایمان اور

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حضرت اُمِّ فروہؓ کا نکاح اسی وقت اشعثؓ سے کر دیا۔ البتہ رخصتی بعد میں کی۔

جب یہ وفد مدینہ منوّرہ سے رخصت ہونے لگا تو حضورؐ نے رئیسِ وفد حضرت اشعثؓ کو بارہ اوقیہ اور دوسرے اراکینِ وفد کو دس دس اوقیہ چاندی بطورِ انعام مرحمت فرمائی۔ (ایک اوقیہ ۴۳ گرام یا پونے تین تولہ وزن کے مساوی ہوتا تھا۔)

(۳)

۱۱ سنہ ہجری میں سرورِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی رحلت کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ سریر آرائے خلافت ہوئے تو دفعتہً سارے عرب میں فتنہ ارتداد (الرِّدَّۃ) کے شعلے بھڑک اٹھے۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ قریشِ مکّہ، مہاجرین و انصارِ مدینہ، بنو ثقیف طائف، قبائلِ مزینہ، غفار، بلی، اشجع، اسلم اور خزاعہ کے سوا قریب قریب سارے قبائلِ عرب اس فتنے کی لپیٹ میں آگئے۔ حافظ ابنِ کثیرؒ

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

صحابیت پر سب کا اتفاق ہے۔ ان کی شادی پہلے قبیلہ ازد کے ایک صاحب سے ہوئی جن سے ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ ایک روایت کے مطابق پہلے شوہر کی وفات کے بعد ان کا نکاح ثانی حضرت تمیم داریؓ سے ہوا جو ۹ سنہ ہجری میں اپنے وطن شام سے مدینہ منوّرہ آئے اور بارگاہِ رسالتؐ میں حاضر ہو کر مشرّف بہ اسلام ہوئے۔ میاں بیوی میں کسی وجہ سے نباہ نہ ہو سکا اور دونوں میں تفریق ہو گئی۔ مگر بعض اربابِ سیر نے اس روایت کی صحت میں شبہ کا اظہار کیا ہے۔ البتہ حضرت اشعثؓ بن قیس سے حضرت اُمِّ فروہؓ کی شادی کے بارے میں قریب قریب سبھی اہلِ سیر متفق ہیں۔ ان سے حضرت اُمِّ فروہؓ کے تین بیٹے ہوئے محمد، اسحٰق اور اسمٰعیل۔

حضرت اُمِّ فروہؓ کا سالِ وفات کسی کتاب میں درج نہیں ہے۔ مُسندِ احمد اور سننِ ابی داؤد میں حضرت اُمِّ فروہؓ سے مروی یہ حدیث ملتی ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے پوچھا گیا کہ کون سا عمل سب سے بہتر ہے۔ آپؐ نے فرمایا، نماز کو اوّل وقت ادا کرنا۔

کا بیان ہے کہ کم وبیش عرب کے چوبیس قبائل مرتد ہوگئے اور انہوں نے ہر طرف شورش برپا کردی۔ اس کا سبب یہ تھا کہ عرب کے بیشتر لوگ کفر وشرک کی زندگی کو چھوڑ کر نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ وہ ابھی اسلام کے احکام، اس کے مزاج اور تقاضوں سے پوری طرح واقف نہ ہونے پائے تھے کہ رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وفات پا گئے۔ آپؐ کی وفات کے بعد چند عرب قبائل نے زکوٰۃ دینے سے انکار کردیا، کچھ جھوٹے مدعیانِ نبُوّت نے بھی لوگوں کو گمراہ کیا۔ بعض قبائل نے مدینہ کی مرکزی (اسلامی) حکومت کو اپنے اوپر بوجھ سمجھا اور خودمختار ہو کر اپنے قدیم مالوف طرزِ زندگی کی طرف رجوع کرنا چاہا۔ یہ سب عناصر مل کر فتنۂ ارتداد کے فروغ کا باعث ہوئے۔

خلیفۃ الرسول سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بے مثال عزم واستقامت کے ساتھ فتنۂ ارتداد کا مقابلہ کیا۔ بقول محمد حسین ہیکل (مشہور مصری مُؤرخ) اس موقع پر ایک ایسے حکمران کی ضرورت تھی جو حزم وتدبّر کے ساتھ قطعی ارادے اور فیصلہ کُن عزیمت کا مالک ہو اور اس کے علاوہ اسلام پر پختہ ایمان اور اللّٰہ کی نصرت پر پورا یقین بھی رکھتا ہو۔ اللّٰہ تعالیٰ نے دینِ اسلام کی خاطر خلیفۂ رسولؐ اللّٰہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللّٰہ عنہ، کی شخصیت میں ایسا ہی حکمران مہیا کردیا تھا۔ (الصدیق ابوبکرؓ ص ۸۱)

بدقسمتی سے حضرت اشعثؓ بن قیس بھی فتنۂ ارتداد کی لپیٹ میں آ گئے اور جنوبی یمن میں علاقۂ کندہ (حضرموت) میں اپنی خودمختاری کا اعلان کردیا (بنو کندہ کی سیادت پہلے ہی ان کے پاس تھی مگر وہ مدینہ مُنوّرہ کی مرکزی اسلامی حکومت کے ماتحت تھے)۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مرتدین کی سرکوبی کے لیے گیارہ لشکر روانہ کیے۔ ان میں سے ایک لشکر جس کی قیادت حضرت شرُحبیلؓ بن حَسنہؓ کر رہے تھے، قضاعہ اور قضاعہ کے بعد کندہ اور حضرموت کے مرتدین کی سرکوبی پر مامور تھا اور ایک دوسرا لشکر حضرت مہاجرؓ بن ابی امیّہ کی سرکردگی میں مرتدینِ صنعاء (شمالی یمن) کی سرکوبی کے لیے بھیجا گیا تھا۔ اوّل الذکر لشکر بعض وجوہ کی بناء پر جنوبی یمن تک نہ

پہنچ سکا اس لیے جب حضرت مہاجرؓ بن ابی امیہ مرتدین نجران وصنعاء کی سرکوبی سے فارغ ہو چکے تو سیدنا صدیق اکبرؓ نے انہیں کندہ کے مرتدین کی سرکوبی کا حکم دیا۔ ساتھ ہی حضرت عکرمہؓ بن ابی جہل کو، جو عمان اور مہرہ کے مرتدوں کا قلع قمع کر چکے تھے، حضرت مہاجرؓ بن امیہ کی مدد کرنے کی ہدایت کی۔ اس سے پہلے بنو کندہ کی شاخ بنو عمرو بن معاویہ نے اپنے عامل حضرت زیادؓ بن لبید انصاری کو زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ حضرت زیادؓ نے بنو عمرو بن معاویہ کے ایک پختہ ایمان مسلمان حضرت شرحبیلؓ بن سمط کے مشورے پر بنو عمرو پر شب خون مارا اور بہت سے آدمیوں کو ہلاک کر ڈالا اور ایک کثیر تعداد کو گرفتار کر لیا۔ جب وہ ان قیدیوں اور مالِ غنیمت کو لے کر واپس آرہے تھے تو رئیس کندہ اشعث بن قیس نے ان پر حملہ کر کے تمام قیدیوں کو چھڑا لیا اور مالِ غنیمت پر بھی قبضہ کر لیا۔ اس واقعہ کے بعد حضرت مہاجرؓ بن ابی امیہ اور حضرت عکرمہؓ کے متحدہ لشکر نے علاقہ کندہ کا رُخ کیا۔ جب یہ لشکر مآرب اور حضر موت کے درمیان پہنچا تو حضرت مہاجرؓ کو حضرت زیادؓ بن لبید کا خط ملا جس میں کندہ کے علاقے پر بلا تاخیر حملہ کی ضرورت ظاہر کی گئی تھی۔ خط دیکھتے ہی حضرت مہاجرؓ نے حضرت عکرمہؓ کو اپنی جگہ پر چھوڑا اور فوج کے چند تیز رفتار دستے لے کر حضرت زیادؓ کے پاس پہنچ گئے۔

(۴)

علاقہ کندہ میں چار مضبوط قلعے تھے جنہیں محجر کہا جاتا تھا۔ اشعث بن قیس، سکاسک، سکون اور حضر موت کے مرتدین کی ایک جمعیّت کے ساتھ محجر زیرقان میں قلعہ بند تھے۔ حضرت مہاجرؓ اور حضرت زیادؓ نے زیرقان پر حملہ کیا تو مرتدین نے ان کا سخت مقابلہ کیا لیکن بالآخر شکست کھائی اور بھاگ کر محجر نجیر میں پناہ لی۔ اشعث نے اپنی ضرورتوں کے لیے محجر نجیر کا ایک راستہ کھُلا چھوڑ کر باقی راستوں کو بند کر دیا۔ اسی اثناء میں حضرت عکرمہؓ نے پیشقدمی کر کے اس کھُلے راستے پر قبضہ کر لیا اور دوسرے راستوں پر حضرت مہاجرؓ اور حضرت زیادؓ قابض ہو گئے۔ اس طرح

اشعث اور ان کے ساتھی بالکل محصور ہو گئے اور ان کو ہر طرف سے رسد پہنچنی بند ہو گئی۔ جب اشعث محاصرے سے تنگ آ گئے تو حضرت زیادؓ بن لبید کو پیغام بھیجا کہ اتنے آدمیوں کو امان دے دیں تو میں قلعہ آپ کے سپرد کر دوں گا۔ حضرت زیادؓ نے اس کو منظور کر لیا اور کہلا بھیجا کہ معاہدہ لکھ کر لے آؤ میں اس پر اپنی مہر لگا دوں گا۔ اشعث نے معاہدہ لکھ کر حضرت زیادؓ کو بھیج دیا انہوں نے حسب وعدہ اس پر اپنی مہر ثبت کر دی۔ اس کے بعد اشعث نے قلعہ کا دروازہ کھول دیا اور مسلمان قلعہ میں داخل ہو گئے۔ کچھ مرتدین نے مزاحمت کی مگر وہ سب مارے گئے۔ اور بہت سے گرفتار ہو گئے۔ اس کے بعد معاہدہ دیکھا گیا تو اس میں اشعث کا اپنا نام نہیں تھا کیونکہ وہ گھبراہٹ میں اپنا نام لکھنا بھول گئے تھے اس لیے ان کو گرفتار کر لیا گیا اور باقی قیدیوں کے ساتھ مدینہ منورہ بھیج دیا گیا۔

جب اشعث کو خلیفۃ الرسول حضرت ابوبکر صدیقؓ کے سامنے پیش کیا گیا تو انہوں نے اپنے کیے پر سخت ندامت کا اظہار کیا اور سچے دل سے توبہ کر لی، ساتھ ہی عہد کیا کہ آئندہ کبھی ایسی غلطی نہ ہو گی اور اسلام کی خاطر جان بھی قربان کرنی پڑی تو کر دوں گا۔ صدیق اکبرؓ نے ان کو معاف کر دیا اور پھر ان کی درخواست پر اپنی بہن اُمِ فروہؓ کا نکاح ان سے کر دیا۔ نکاح کے بعد اشعثؓ بازار گئے وہاں اونٹوں کی منڈی لگی ہوئی تھی۔ انہوں نے تلوار سونت لی اور جو اونٹ سامنے آتا گیا اس کی کونچیں کاٹ کر زمین پر گراتے گئے۔ جب انہوں نے اونٹوں کی کثیر تعداد مار گرائی تو منڈی میں غل پڑ گیا کہ اشعث کافر ہو گیا۔ اشعثؓ نے یہ سنا تو تلوار ایک طرف پھینک دی اور کہا:

"خدا کی قسم میں کافر نہیں ہوا بلکہ حضرت ابوبکرؓ نے اپنی بہن کا نکاح مجھ سے کر دیا۔ اگر آج میں وطن میں ہوتا تو اس سے بہتر ولیمہ کرتا (ولیمہ کا کوئی اور ہی سرو سامان ہوتا)۔ اے اہل مدینہ! اس گوشت کو لے جاؤ اور کھاؤ اور اونٹوں کے مالکو! آؤ اور اپنے اونٹوں کی قیمت

مجھ سے لے لو۔"

جس روایت میں ہے کہ اُمِّ فردہؓ کا نکاح حضرت اشعثؓ سے عہدِ رسالت میں ہو چکا تھا اس کے مطابق اس موقع پر اُمِّ فردہؓ کی رخصتی ہوئی [1] خلیفۃ الرسول نے دوسرے قیدیوں کو بھی فدیہ لے کر رہا کر دیا کیونکہ انہوں نے بھی توبہ کر کے دوبارہ اسلام قبول کر لیا تھا اور اس پر قائم رہنے کا عہد کیا تھا۔

اس واقعہ کے بعد حضرت اشعثؓ بن قیس اخیر دم تک اسلام پر ثابت قدمی سے قائم رہے۔ انہوں نے شام اور عراق عرب کے معرکوں میں سرفروشانہ حصہ لیا اور بڑے بڑے کارنامے سرانجام دیئے۔ اس طرح انہوں نے اپنی لغزش کی تلافی کر دی مگر اس پر ہمیشہ افسوس اور ندامت کا اظہار کیا کرتے تھے۔

ایک دفعہ ایک جنازے میں وہ اور حضرت جریرؓ بن عبداللہ بجلی دونوں شریک تھے۔ انہوں نے یہ کہہ کر باصرار حضرت جریرؓ کو نمازِ جنازہ میں امام بنایا کہ ان کے قدم کبھی جادۂ حق سے نہیں ہٹے جبکہ میں فتنۂ ردّہ کی لپیٹ میں آ گیا تھا۔

(۵)

سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہدِ خلافت میں شام اور ایران کے خلاف معرکہ آرائیوں کا آغاز ہوا تو حضرت اشعثؓ بن قیس اسلامی لشکر میں شامل ہو کر شام چلے گئے اور رومیوں کے خلاف کئی معرکوں میں دادِ شجاعت دی۔ ان کا شمار بنو کندہ کے نامور بہادروں میں ہوتا تھا اس لیے جس معرکے میں شریک ہوتے تھے اپنی بہادری کی

---

[1] علامہ ابنِ اثیرؒ نے "اُسدُ الغابہ" میں محمد بن اشعثؓ کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ وہ عہدِ رسالت میں پیدا ہوئے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اُمِّ فردہؓ کی رخصتی بھی عہدِ رسالت میں ہو چکی تھی۔ مگر اسی کتاب میں ابنِ اثیرؒ نے حضرت اشعثؓ بن قیس کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ حضرت اُمِّ فردہ کا نکاح اور رخصتی دونوں صدیقِ اکبرؓ کے عہدِ خلافت میں اس وقت ہوئے جب حضرت اشعثؓ تائب ہوئے۔ جمہور اہلِ سیر کے نزدیک یہی صحیح ہے۔

دھاک بٹھا دیتے تھے ۔

ابن الاثیرؒ کا بیان ہے کہ وہ یرموک کی لڑائی میں بھی شریک تھے جو شام کی سب سے خونریز جنگ تھی ۔ اس لڑائی میں ان کی ایک آنکھ شہید ہو گئی تھی ۔ اُدھر جب عراق عرب میں ایرانیوں نے قادسیہ کے مقام پر فوجیں جمع کیں اور مسلمانوں کے خلاف فیصلہ کُن جنگ کی تیاری کی تو امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح سپہ سالار عساکرِ اسلامی شام کو لکھا کہ وہ عراق عرب کے عساکرِ اسلامی کے سپہ سالار حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کو سواروں کی مدد بھیجیں ۔ چنانچہ حضرت ابو عبیدہؓ نے قیس بن ہبیرہ مرادی کو ایک ہزار سوار دے کر شام سے عراقِ عرب بھیج دیا ۔ اس رسالے میں حضرت اشعثؓ بن قیس بھی شامل تھے ۔

علامہ شبلیؒ نے " الفاروق " میں لکھا ہے کہ قادسیہ کی لڑائی سے پہلے حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کی ہدایت کے مطابق ایرانی سپہ سالار رستم کے پاس ایک سفارت بھیجی ۔ مقصد یہ تھا کہ رستم کو اسلام کی دعوت دی جائے ۔ اس سفارت کے لیے حضرت سعدؓ نے سردارانِ قبائل میں سے چودہ نامور شخص انتخاب کیے جو مختلف صفتوں کے لحاظ سے تمام عرب میں انتخاب تھے ۔ اس سفارت کے ایک رکن حضرت اشعثؓ بن قیس تھے ۔ وہ کچھ دوسرے اراکین کی طرح قدوقامت اور ظاہری رعب داب کے لحاظ سے تمام عرب میں مشہور تھے ۔ اس سفارت نے رستم کے پاس جا کر نہایت حسن و خوبی سے گفتگو کی لیکن رستم نہ اسلام قبول کرنے پر تیار ہوا اور نہ جزیہ دینے پر ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ فریقین کے مابین قادسیہ کے میدان میں گھمسان کی جنگ شروع ہو گئی جو کئی دن جاری رہی ۔ حضرت اشعثؓ اس لڑائی میں خود بھی سر بکف ہو کر لڑے اور اپنے قبیلے کو بھی اسی طرح لڑایا ۔ لڑائی کے آخری دن جن مردانِ صف شکن نے ایرانی فوج کی کمر توڑ کر رکھ دی اور اس کو عبرتناک شکست دینے میں نمایاں کردار ادا کیا ، حضرت اشعثؓ ان میں سے ایک تھے ۔ قادسیہ کی فتح کے بعد حضرت سعدؓ مدائن کی طرف بڑھے تو حضرت اشعثؓ

بھی ان کے ساتھ تھے۔ مدائن کی تسخیر کے بعد جلولاء کا معرکہ پیش آیا۔ حضرت اشعثؓ نے اس میں بھی اپنی تلوار کے جوہر دکھائے۔ جلولاء کی فتح کے نتیجے میں پورے عراقِ عرب پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔

عراق عرب کے جہاد سے فارغ ہو کر حضرت اشعثؓ نے کوفہ کے نو آباد شہر میں مستقل سکونت اختیار کر لی اور وہاں اپنا مکان بنا لیا۔

(۶)

۲۱ھ ہجری میں ایرانیوں کا ایک بہت بڑا لشکر "نہاوند" (عراقِ عجم) میں جمع ہوا اور بڑے زور شور سے مسلمانوں کے خلاف لڑنے کی تیاری شروع کر دی۔ ایران کے دوسرے حصوں (طبرستان، اصفہان، رے، قم، ہمدان وغیرہ) سے بھی جنگجو ایرانی جوق در جوق نہاوند پہنچنے لگے۔ سب کی زبان پر ایک ہی نعرہ تھا کہ مسلمانوں کو ایران سے نکال دو۔ کوفہ کے گورنر حضرت عمارؓ بن یاسرؓ نے امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کو ایرانیوں کے جوش و خروش اور ان کی خوفناک جنگی تیاریوں کی اطلاع دی تو انہوں نے فوراً مجلس مشاورت منعقد کی جس میں اکابر صحابہؓ شریک ہوئے۔ امیر المومنینؓ نے ان کے سامنے صورت حال رکھی اور خود نہاوند جا کر ایرانیوں سے نبرد آزما ہونے کا ارادہ ظاہر کیا مگر مجلس شوریٰ نے رائے دی کہ امیر المومنین کا خود جانا مناسب نہیں، وہ کسی دوسرے موزوں آدمی کو اس مہم کا امیر مقرر کریں۔ چنانچہ امیر المومنین نے ایک جلیل القدر صحابی حضرت نعمانؓ بن مقرنؓ کو اس مہم کی قیادت کے لیے منتخب کیا۔ وہ اس وقت اہواز میں ایک فوجی مہم پر مامور تھے۔ امیر المومنین نے ان کے نام فرمان بھیجا کہ کوفہ سے لشکر فراہم کر کے فوراً نہاوند روانہ ہو جاؤ۔ یہ فرمان حضرت نعمانؓ کو پہنچانے کی ذمہ داری حضرت سائبؓ بن اقرع کے سپرد ہوئی جب وہ اسے لے کر مدینہ سے چلنے لگے تو امیر المومنین نے ان سے فرمایا کہ:-

"اگر لڑائی میں نعمان بن مقرن شہید ہو جائیں تو حذیفہؓ بن الیمانؓ لشکر

کے قائد ہوں گے وہ بھی شہید ہو جائیں تو جریرؓ بن عبداللہ البجلی سپہ سالار ہوں گے۔ وہ بھی شہید ہو جائیں تو مغیرہؓ بن شعبہ فوج کی قیادت سنبھالیں گے اگر وہ بھی شہادت پا جائیں تو پھر اشعثؓ بن قیس امیرِ لشکر ہوں گے۔"

حضرت اشعثؓ اس وقت کوفہ میں مقیم تھے مگر سیدنا حضرت عمرؓ کو پورا یقین تھا کہ وہ نہاوند جانے والے اسلامی لشکر میں ضرور شامل ہوں گے۔ اس لیے انہوں نے اشعثؓ کو پہلے ہی متبادل قیادت کے لیے نامزد کر دیا تھا۔

حضرت نعمانؓ بن مقرنؓ تیس ہزار مجاہدین کا لشکر لے کر کوفہ سے روانہ ہوئے۔ حضرت اشعثؓ توقع کے مطابق اس لشکر میں شریک تھے۔ نہاوند کے مقام پر ایرانیوں اور مسلمانوں کے درمیان نہایت خونریز لڑائی ہوئی۔ ایرانی جی توڑ کر لڑے لیکن جوشِ ایمان سے سرشار مسلمانوں کے سامنے ان کی کچھ پیش نہ چلی اور بالآخر انہوں نے بُری طرح شکست کھائی۔ اس لڑائی میں تقریباً بیس ہزار ایرانی مارے گئے اور اس کے بعد وہ کبھی زور نہ پکڑ سکے، چنانچہ مسلمانوں نے معرکۂ نہاوند میں اپنی فتح کو "فتح الفتوح" کا نام دیا ہے۔ جنگِ نہاوند میں سپہ سالارِ لشکر حضرت نعمانؓ بڑی بہادری سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے تھے اور ان کے بعد حضرت حذیفہؓ الیمان نے لشکر کی کمان سنبھال لی تھی۔ انہی کی قیادت میں مجاہدین نے دشمن کو شکستِ فاش دی اور دوسرے نامزد اصحاب کو قیادت سنبھالنے کی ضرورت ہی پیش نہ آئی۔ حضرت اشعثؓ اس لڑائی میں ایک عام مجاہد (یا فوجی افسر) کی حیثیت سے سربکف ہو کر لڑے اللہ تعالیٰ نے لشکرِ اسلام کو فتح و نصرت سے ہمکنار کیا تو وہ واپس کوفہ آ گئے۔

(۷)

میدانِ جہاد میں حضرت اشعثؓ بن قیس کے نمایاں کارناموں کی بنا پر سیدنا حضرت عمر فاروقؓ ان کی بہت قدر کرتے تھے۔ سیدنا حضرت عثمان ذوالنورینؓ سریر آرائے خلافت ہوئے تو انہوں نے بھی حضرت اشعثؓ کا اعزاز و اکرام

برقرار رکھا۔ ۲۴ھ ہجری میں آذربائیجان کے باشندوں نے حضرت عمر فاروقؓ کی شہادت سے فائدہ اٹھاکر خراج دینا بند کردیا تو امیرالمومنین حضرت عثمان غنیؓ نے ان کی سرکوبی پر حضرت اشعثؓ بن قیس کو مامور فرمایا۔ آذربائیجان اس سے پہلے عہدِ فاروقی میں حضرت عتبہؓ بن فرقد کے ہاتھ پر فتح ہوچکا تھا۔ اب اس کا اکثر و بیشتر حصہ حضرت اشعثؓ نے دوبارہ مسخر کیا۔ اس کے بعد حضرت عثمان غنیؓ نے ان کو آذربائیجان کا گورنر مقرر کردیا۔ وہاں انہوں نے رفاہِ عامہ کے بہت سے کام کیے اور عوام الناس میں بہت رسوخ حاصل کرلیا۔

علامہ بلاذریؒ نے "فتوح البلدان" میں لکھا ہے کہ حضرت اشعثؓ بن قیس نے آذربائیجان کو دوبارہ فتح کرکے وہاں کے باشندوں سے معاہدۂ صلح کیا تو وہاں بہت سے عرب آباد کروا دیئے تاکہ لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں۔ ان کی ہدایت وارشاد کا یہ اثر ہوا کہ چند سال کے اندر اندر آذربائیجان کے اکثر باشندے مسلمان ہوگئے اور انہوں نے قرآن مجید پڑھ لیا۔

سیّدنا عثمانِ غنیؓ نے اپنے فرزند کے لیے حضرت اشعثؓ سے ان کی بیٹی کا رشتہ مانگ لیا جو انہوں نے منظور کرلیا۔ اس طرح امیرالمومنین حضرت عثمانؓ اور اشعثؓ بن قیس میں سمدھیانے کا رشتہ قائم ہوگیا۔ ۳۵ھ ہجری میں حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کے بعد حضرت علی کرّم اللہ وجہہ مسند نشینِ خلافت ہوئے تو انہوں نے آذربائیجان کے گورنر حضرت اشعثؓ کے نام اس مضمون کا خط لکھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

امابعد: اگر تم میں (کچھ) خامیاں نہ ہوتیں تو تم حکومت میں سب لوگوں سے آگے ہوتے۔ پس اگر تم خوف خدا کرو تو ممکن ہے کوئی نئی صورت پیدا ہوجائے۔ لوگوں نے جو میری بیعت کی ہے اس کی خبر تم کو مل چکی ہوگی۔ طلحہؓ اور زبیرؓ نے سب سے پہلے میری بیعت کی پھر بغیر کسی نئی بات کے توڑ دی اور اُمّ المومنینؓ کو ساتھ لے کر بصرے کی

طرف چل دیئے لہٰذا میں مہاجرین وانصار کی معیت میں ان سے ملا اور انہیں اس امر (بیعت) کی طرف واپس بلانے کی کوشش کی جس سے وہ نکل چکے تھے مگر وہ نہ مانے پھر میں نے دعوت میں مبالغہ کیا اور بطریق احسن اسے جاری رکھا۔ (اشعث دیکھو) تمہاری حکومت تمہارا کھاجا نہیں بلکہ وہ ایک امانت ہے جس کا بار تمہاری گردن پر ہے اور یہ سارا مال اللہ کا ہے۔ تم تو میری طرف سے اس وقت تک اس کے خزانچی ہو جب تک اسے میرے سپرد نہ کر دو۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ نیز مجھے توقع ہے کہ میں تمہارے لیے برا حاکم ثابت نہ ہوں گا۔" (الامامۃ والسیاست ۱/۷۰، عقد الفرید ۲/۲۳۲)

یہ خط حضرت علیؓ کے ایک قابل اعتماد ساتھی زیاد بن کعب بن وہب، حضرت اشعثؓ کے پاس لے کر گئے۔ یہ خط پڑھتے ہی حضرت اشعثؓ حضرت علیؓ کی بیعت پر رضامند ہو گئے اور کوفہ آکر ان کی خدمت میں حاضر ہو گئے سیدنا حضرت علیؓ سے بھی حضرت اشعثؓ کا وہی رشتہ قائم ہو گیا جو حضرت عثمان غنیؓ سے تھا یعنی سیدنا حضرت علیؓ کے صاحبزادے سیدنا حضرت حسنؓ کا نکاح حضرت اشعثؓ کی بیٹی جعدہ سے ہو گیا۔ "فتوح البلدان" میں علامہ بلاذری کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ نے حضرت اشعثؓ کو دوبارہ اپنی طرف سے آذربائیجان کا گورنر مقرر کر دیا تھا۔

حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کے درمیان اختلافات نے بڑھتے بڑھتے جب جنگ صفین کی صورت اختیار کر لی اور حضرت علیؓ اپنا لشکر لے کر شام کی طرف بڑھے تو حضرت اشعثؓ بھی ان کے ساتھ تھے۔ جنگ کے آغاز میں شامی فوج نے ابوالاعور سلمی کی قیادت میں دریا کے گھاٹ پر قبضہ کر لیا اور علوی فوج کو پانی لینے سے روک دیا۔ کامل ایک دن تک یہی کیفیت رہی آخر حضرت اشعثؓ حضرت علیؓ کے پاس گئے اور عرض کیا:

"اے امیر المؤمنین آپ ہم میں موجود ہوں، تلواریں بھی ہمارے ہاتھوں میں ہوں اور وہ لوگ ہمیں پانی تک نہ پہنچنے دیں، بھلا یہ بھی کوئی بات ہے؟ آپ مجھے مامور فرمائیں میں پانی کی سمت جاتا ہوں (اگر راستہ کھول نہ دوں تو) خدا کی قسم واپس نہ آؤں گا۔ میں جان کی بازی لگا دوں گا۔ آپ اشتر کو حکم دیں کہ وہ اپنے رسالے کے ہمراہ میرے ساتھ چلیں۔"

حضرت علیؓ نے فرمایا۔ "ٹھیک ہے اپنی تجویز پر عمل کرو۔"

دوسرے دن علی الصباح حضرت اشعثؓ نے اشتر نخعی کو ساتھ لے کر شامی فوج پر زبردست حملہ کیا۔ فریقین میں گھمسان کی لڑائی ہوئی جس میں حضرت اشعثؓ اور اشتر نخعی سر بکف ہو کر لڑے۔ آخر انہوں نے ابوالاعور اور اس کی جمعیت کو کنارِ دریا سے دور ہٹا دیا اور خود گھاٹ پر قبضہ کر لیا، اس کے ساتھ ہی حضرت علیؓ کی ہدایت کے مطابق اعلان کر دیا کہ پانی سب کے لیے کھلا ہے ہم کسی کو پانی لینے سے نہیں روکیں گے۔

اس واقعہ کے بعد کئی ماہ تک دونوں لشکر ایک دوسرے کے سامنے پڑے رہے۔ دونوں لشکروں کے دستوں میں جھڑپیں ہوتی رہتی تھیں مگر بڑی جنگ تک نوبت نہ پہنچتی تھی۔ رجب ۳۶ھ ہجری سے محرم ۳۷ھ ہجری تک یہ جھڑپیں بھی موقوف ہو گئیں اور دونوں طرف سے بالعموم سکوت ہی رہا مگر صفر ۳۷ھ کے آغاز میں گھمسان کی جنگ شروع ہو گئی اور اس سلسلے میں کئی خونریز معرکے ہوئے۔ ان معرکوں میں حضرت علیؓ نے بنو کندہ کی قیادت پر حضرت اشعثؓ بن قیس کو مامور فرمایا۔ وہ ہر معرکے میں جان توڑ کر لڑے۔ لیلۃ الہریر کے خونریز معرکے کے بعد جب شامی فوج نیزوں پر قرآن بلند کیے ہوئے میدان میں آئی تو علوی فوج میں سے ایک بڑی جماعت نے حضرت علیؓ کو لڑائی بند کرنے کا مشورہ دیا، اس جماعت میں حضرت اشعثؓ بھی شامل تھے۔ انہوں نے حضرت علیؓ کی خدمت میں عرض کیا:-

"امیر المؤمنین! میں جس طرح کل آپ کا جاں نثار تھا اسی طرح آج بھی ہوں لیکن میری رائے یہی ہے کہ قرآنِ مجید کو حکم مان لینا چاہیے اور لڑائی سے ہاتھ روک لینا چاہیئے"۔ ؎۱

حضرت علیؓ نے مجبور ہو کر فوج کو واپسی کا حکم دیا۔ اس طرح عارضی طور پر جنگ بند ہو گئی۔ اس کے بعد فریقین میں خط و کتابت شروع ہوئی اور فریقین کے معتبر اور صاحب الرائے اصحاب کا اجتماع ہوا اور بحث و تمحیص کے بعد طے پایا کہ خلافت کا معاملہ دو ثالثوں کے سپرد کر دیا جائے۔ وہ جو کچھ فیصلہ کریں اس کو قطعی سمجھا جائے گا۔ اہلِ شام نے اپنی طرف سے حضرت عمروؓ بن العاص کو ثالث (حَکَم) نامزد کیا

؎۱ ابو حنیفۃ الدینوری نے "الاخبار الطوال" میں لکھا ہے کہ لیلۃ الہریر کی خونریز لڑائی کے بعد (جس میں ہزاروں آدمی کھیت رہے تھے) حضرت اشعثؓ اپنی قیامگاہ پر واپس آئے تو انہوں نے اپنے قبیلے "بنو کندہ" سے جو ان کے جھنڈے تلے جمع تھا، مخاطب ہو کر کہا —— "کل تم نے دیکھا کہ جنگ نے کیسی تباہی مچائی، خدا کی قسم اگر ہم آج صبح بھی لڑے تو عرب برباد ہو جائے گا اور تمام مقدس ذمہ داریاں ضائع ہو جائیں گی"۔

شامی فوج کے جاسوسوں نے حضرت اشعثؓ کی بات امیر معاویہؓ تک پہنچا دی۔ انہوں نے یہ سن کر فرمایا: ——

"اشعثؓ نے سچ ہی تو کہا ہے اگر ہم صبح بھی لڑے تو اہلِ روم اہلِ شام کی اولادوں پر ٹوٹ پڑیں گے اور ایرانی سردار، اہلِ عراق کی اولادوں پر۔ اس بات کو وہی سمجھ سکتے ہیں جو عقل و دانش سے بہرہ مند ہوں لہٰذا اے لوگو! نیزوں کی سنانوں کے ساتھ قرآن باندھ لو۔"

چنانچہ سب سے پہلے دمشق کا "مصحفِ اعظم" پانچ نیزوں سے باندھا گیا اور اسے پانچ آدمیوں نے اٹھایا۔ اس کے علاوہ شامی لشکر کے جس جس آدمی کے پاس قرآنِ پاک تھا اس نے اس کو نیزے پر باندھ لیا تھا۔

جب کہ اہلِ عراق کی طرف سے حضرت اشعث رضؓ بن قیس نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام تجویز کیا اور بالآخر حضرت علیؓ نے بھی اس پر صاد کردیا۔ چنانچہ ۱۳ (یا ۱۴) صفر ۳۷ھ ہجری کو اس سلسلے میں ایک وثیقہ تحریر کیا گیا۔ جس پر جانبین کے متعدد اکابر نے شہادت ثبت کی۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے شہادت ثبت کرنے والوں میں حضرت اشعثؓ بن قیس بھی شامل تھے۔ جب اس معاہدے پر دستخط ہو گئے تو حضرت اشعثؓ تمام قبائل کو مطلع کرنے پر مامور ہوئے۔

(۸)

حضرت اشعثؓ نے عہدنامہ ہاتھ میں لیا اور ایک ایک جھنڈے (دستے) اور ایک ایک قبیلے کے پاس سے گزرتے ہوئے اسے پڑھ پڑھ کر سناتے گئے۔ جب وہ بنو عنزہ کے پاس پہنچے اور ان کو معاہدہ پڑھ کر سنایا تو دو عنزی بھائیوں جعد اور معدان نے کھڑے ہو کر نعرہ لگایا "اِنِ الحُکمُ اِلّا لِلّٰہِ" (اللہ کے سوا کسی کو فیصلہ کا حق نہیں) پھر دونوں تلواریں سونت کر شامی لشکر پر جا پڑے اور لڑتے ہوئے مارے گئے۔

اس کے بعد حضرت اشعثؓ بنو مراد کے پاس گئے اور ان کو معاہدے کی عبارت پڑھ کر سنائی تو ان کے ایک سرکردہ آدمی صالح بن شفیق نے کہا:—

"حکم اللہ ہی کا ہے خواہ مشرکوں کو ناگوار ہی کیوں نہ گزرے۔"

پھر حضرت اشعثؓ بنو راسب کے پاس پہنچے۔ انہوں نے بھی معاہدے کی تفصیل سُن کر کہا:—

"اللہ کے دین کے معاملے میں آدمیوں کو حَکم نہیں بنایا جا سکتا۔"

اس کے بعد حضرت اشعثؓ بنو تمیم کے جھنڈوں کے پاس سے گزرے انہوں نے بھی اسی قسم کی بات کہی۔ پھر عروہ بن اُدیہ تمیمی نے غضب ناک ہو کر کہا:—

"کیا تم دینِ خداوندی کے معاملے میں آدمیوں کو حَکم بناتے ہو، اگر یہ

بات ہے تو اے اشعث! ہمارے مقتول کہاں گئے؟"
اس کے ساتھ ہی اس نے حضرت اشعثؓ پر تلوار کا وار کیا مگر وار اوچھا پڑا اور ان کی جان بچ گئی۔ یہ صورتِ حال دیکھ کر حضرت اشعثؓ اپنے قبیلے میں چلے گئے۔ وہاں بنو تمیم کے سرداران کے پاس آئے اور عروہ بن اُدیہ کی حرکت پر معذرت کی۔ حضرت اشعثؓ نے ان کی معذرت قبول کرلی اور عروہ کو معاف کر دیا۔

متعدد دوسرے آدمیوں نے بھی حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس معاہدے سے بیزاری کا اظہار کیا۔ بالآخر اسی بیزاری کے نتیجے میں خوارج کی بنیاد پڑی جنہوں نے بڑے بڑے ہنگامے برپا کیے۔

تحکیم کا نتیجہ خاطر خواہ نہ نکلا اور صلح کی بیل منڈھے نہ چڑھ سکی۔ اس کے بعد حضرت علیؓ شام پر دوبارہ لشکر کشی کی تیاری کرنے لگے۔ اسی اثناء میں خوارج نے نہروان میں جمع ہو کر حضرت علیؓ کے خلاف علَمِ بغاوت بلند کر دیا۔ اب حضرت علیؓ نے شام پر لشکر کشی کا ارادہ ملتوی کر دیا اور خارجیوں سے نپٹنے کے لیے نہروان کا رُخ کیا۔ حضرت اشعثؓ بھی ان کے ساتھ تھے۔ خوارج نے عبداللہ بن وہب الراسبی کی قیادت میں حضرت علیؓ کا زبردست مقابلہ کیا مگر بالآخر شکست کھائی۔

جنگِ نہروان سے فارغ ہونے کے بعد حضرت علیؓ نے اپنے لشکر کو جمع کیا اور اس کے سامنے تقریر کرتے ہوئے فرمایا:—

"اے لوگو! اللہ نے تم کو دین سے منحرف ہونے والوں پر فتح عطا کی ہے اب جلد از جلد اہلِ شام سے نبرد آزما ہونے کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

اس پر ان کی جمعیت کے بہت سے افراد اٹھ کھڑے ہوئے جن میں اشعثؓ بن قیس بھی تھے۔ انہوں نے کہا:—

"اے امیرالمومنین! ہمارے ترکش خالی ہو چکے ہیں، تلواریں کُند ہو

چکی ہیں، نیزوں کی نوکیں جھڑ گئی ہیں اب ہمیں ہمارے شہر واپس لے چلیں تاکہ ہم دشمن پر لشکر کشی کرنے سے پہلے اپنا اسباب سامان درست کرلیں۔"

حضرت علیؓ نے حضرت اشعثؓ کی رائے کے مطابق نخیلہ میں پڑاؤ ڈال دیا اور لوگوں کو شام پر چڑھائی کرنے کی تیاری کا حکم دیا مگر لوگ تیار ہونے کے بجائے آہستہ آہستہ کوفے کی جانب کھسکنے لگے یہاں تک کہ حضرت علیؓ کے ساتھ صرف ایک ہزار آدمی رہ گئے۔ حضرت علیؓ نے یہ کیفیت دیکھی تو شام پر لشکر کشی کا ارادہ ملتوی کردیا اور واپس کوفے میں جاکر اقامت اختیار کرلی۔ وہیں رمضان المبارک ۴۰ھ ہجری میں انہوں نے ایک خارجی عبدالرحمٰن بن ملجم کے ہاتھ سے شہادت پائی۔

حافظ ابونعیمؒ کا بیان ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت کے چالیس دن بعد حضرت اشعثؓ بن قیس نے بھی کوفے میں وفات پائی۔ ان کی نمازِ جنازہ سیّدنا حضرت حسنؓ بن علیؓ نے پڑھائی۔

ایک اور روایت میں حضرت اشعثؓ کا سالِ وفات ۴۲ھ ہجری بیان کیا گیا ہے مگر پہلی روایت کو ترجیح حاصل ہے۔

(۹)

حضرت اشعثؓ بن قیس رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کئی حدیثیں روایت کی ہیں۔ ان سے قیس بن ابی حازمؒ اور ابو وائلؒ وغیرہ نے روایت کی ہے۔

حضرت اشعثؓ سے مروی احادیث میں سے تین یہ ہیں:

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص کسی کا مال جھوٹی قسم کھاکر مارلے گا وہ اللہ کے سامنے کوڑھی ہوکر پیش ہوگا۔
(سنن ابی داؤد)

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص آدمیوں کی زیادہ

شکرگزاری کرے گا وہ اللہ کی بھی زیادہ شکرگزاری کرے گا۔" (اُسدُالغابہ بحوالہ ابوداؤد)

(۳) اشعث بن قیس سے روایت ہے، انہوں نے بیان کیا کہ ایک زمین میری اور ایک یہودی کی مشترکہ ملکیت تھی[1] اس یہودی نے میری ملکیت سے انکار کر دیا اور تنہا اس کا مالک بن بیٹھا۔ میں اس یہودی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا اور اپنا مقدمہ آپ کے سامنے پیش کیا۔ آپ نے مجھ سے فرمایا:

"تمہارے پاس اپنے دعوے کی کوئی دلیل (یعنی گواہی شہادت وغیرہ) ہے؟"

میں نے عرض کیا کہ کوئی گواہ شاہد تو نہیں۔

آپ نے یہودی سے فرمایا کہ (اگر تمہیں اس سے انکار ہے تو) تم قسم کھاؤ کہ مدعی (اشعث بن قیس) کا زمین میں کوئی حصہ نہیں ہے میں اکیلا ہی اس کا مالک ہوں میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! یہ یہودی (جھوٹی) قسم کھالے گا اور میرا مال (یعنی میری جائداد) ہڑپ کر لے گا۔

تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ آیت نازل ہوئی:

اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَیْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِیْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ وَلَا یُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا یَنْظُرُ اِلَیْهِمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَلَا یُزَكِّیْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝ (سورہ آل عمران آیۃ ۷۷)

(جو لوگ اللہ کے عہد و پیمان کو توڑ کر اور اپنی جھوٹی قسموں کے ذریعے دنیا کا تھوڑا منافع حاصل کرتے ہیں، آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ ان سے کوئی بات نہ فرمائے گا اور وہ اس کی نگاہِ کرم سے بھی محروم رہیں گے اور وہ ان کو پاک صاف بھی نہ کرے گا اور ان کو دردناک عذاب ہوگا۔) (سنن ابی داؤد و سنن ابن ماجہ)

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

---

[1] علامہ ابن اثیرؒ نے "اُسدُ الغابہ فی معرفۃ الصحابہ" میں حضرت اشعث بن قیس کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ انہوں نے ایک کنوئیں کی بابت ایک شخص سے جھگڑا کیا تھا۔

(واللہ اعلم بالصواب)

حضرت ایمنؓ بن اُمِّ ایمنؓ

(۱)

جلیل القدر صحابیہ حضرت اُمِّ ایمنؓ کے فرزند تھے۔ وہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بچپن میں آپؐ کی کھلائی تھیں۔ اصل نام برکۃ تھا۔ پہلے حضورؐ کے والد جناب عبداللہؓ بن عبدالمطلب کی کنیز تھیں۔ ان کی وفات کے بعد حضورؐ کی والدہ حضرت آمنہ کو مل گئیں۔ حضرت آمنہ ایک دفعہ ننھے حضورؐ اور اُمِّ ایمنؓ کو ساتھ لے کر اپنے شوہر کی قبر دیکھنے کے لیے یثرب گئیں۔ وہاں سے واپسی پر ابوآ کے مقام پر فوت ہو گئیں۔ حضرت اُمِّ ایمنؓ ننھے حضورؐ کو ساتھ لے کر مکہ پہنچیں۔ حضورؐ نے ان کو آزاد کر دیا تھا اور آپؐ فرمایا کرتے تھے کہ اُمِّ ایمنؓ میری ماں کے بعد میری ماں ہیں۔ آپؐ اکثر ان کے گھر تشریف لے جایا کرتے تھے اور ان کو "امی" کہہ کر مخاطب فرمایا کرتے تھے۔ حضرت اُمِّ ایمنؓ نے طویل عمر پائی اور سیدنا حضرت عثمانؓ کے عہدِ خلافت میں وفات پائی۔

حضرت اُمِّ ایمنؓ کا پہلا نکاح زمانۂ جاہلیت میں عبید بن عمرو (بروایتِ دیگر عبید بن زید بن عمرو) بن بلال بن ابی الجربا بن قیس بن مالک بن سالم بن غنم بن عوف بن خزرج سے ہوا۔ جب وہ اپنے وطن یثرب سے مکے میں آ کر مقیم ہوئے تھے۔ بعد ازاں عُبید اُمِّ ایمنؓ کو یثرب لے گئے۔ وہیں ان کی صُلب سے ایمنؓ پیدا ہوئے۔ چند دن کے بعد عبید فوت ہو گئے تو اُمِّ ایمنؓ ننھے ایمن کو ساتھ لے کر واپس مکہ آ گئیں۔ وہاں ان کا نکاح محبوبِ رسولؐ حضرت زیدؓ بن حارثہ سے ہوا۔ ان کی صُلب سے حِبُّ النبیؐ حضرت اُسامہ بن زیدؓ پیدا ہوئے۔ اس نسبت سے حضرت ایمنؓ، حضرت اسامہؓ بن زیدؓ کے اخیافی بھائی تھے۔

(۲)

حضرت ایمنؓ اپنے باپ کے نام کی بجائے اپنی والدہ کی کنیت کی نسبت سے مشہور ہوئے۔ ان کے قبولِ اسلام اور شرفِ صحابیت پر سب اہلِ سیر کا اتفاق ہے۔

امام ابن اسحاقؒ کا بیان ہے کہ حضرت ایمنؓ بن اُمّ ایمنؓ بارگاہِ نبوی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مطہرہ برداری کی خدمت سے سرفراز تھے یعنی وہ طہارت کے لیے پانی وغیرہ حضورؐ کو دیا کرتے تھے۔ اربابِ سیر نے عہدِ رسالت کے صرف ایک غزوے میں حضرت ایمنؓ کی شرکت کا ذکر تخصیص کے ساتھ کیا ہے۔ یہ غزوۂ حُنین ہے۔ اس غزوے میں وہ سب صحابہ شریک تھے جو مدینہ منورہ سے حضورؐ کی ہمرکابی میں مکہ آئے تھے اور غزوۂ فتح میں حصہ لیا تھا اس لیے حضرت ایمنؓ یقیناً غزوۂ فتح میں بھی شریک تھے۔

غزوۂ حُنین میں جب بنو ہوازن نے اپنی کمین گاہوں سے مسلمانوں پر تیروں کی بارش کی تو ان میں انتشار پھیل گیا۔ اس نازک موقع پر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف آٹھ صحابہ میدانِ جنگ میں ثابت قدم رہے۔ یہ تھے حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت علیؓ، حضرت عباسؓ، حضرت فضلؓ بن عباسؓ، حضرت ابوسفیانؓ بن حارث بن عبدالمطلب، حضرت اسامہ بن زیدؓ اور حضرت ایمنؓ بن اُمّ ایمن۔ جلد ہی حضرت عباسؓ کی للکار پر مسلمان میدانِ جنگ کی طرف پلٹ پڑے اور مشرکین کو شکستِ فاش دی مگر حضرت ایمنؓ دادِ شجاعت دیتے ہوئے شہید ہو گئے۔

حضرت ایمنؓ سے ان کے بیٹے حجاجؒ نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ڈھال سے کم قیمت کی چیز چرانے پر چور کا ہاتھ کاٹنے کا حکم نہیں دیا۔ ایک ڈھال کی قیمت اس زمانے میں ایک دینار تھی۔ (اُسد الغابہ)

رضی اللہ تعالیٰ عنہ



حضرت بُدَیلؓ بن وَرقاء خزاعی

(۱)

بنو خُزاعہ کے عمائدین میں سے تھے۔ نسب میں قدرے اختلاف ہے۔ حافظ ابنِ عبدالبرؒ نے ان کا نسب اس طرح بیان کیا ہے۔

بدیلؓ بن ورقاء بن عبدالعزّٰی بن ربیعہ بن جزی بن عامر بن مازن بن عدی بن عمرو بن ربیعہ خزاعی۔

مگر ابن الکلبی کے مطابق ان کا شجرۂ نسب یہ تھا۔

بدیلؓ ابن ورقاء بن عمرو بن ربیعہ بن عبدالعزّٰی ابن ربیعہ بن جزی بن عامر بن مازن بن عدی بن عمرو بن ربیعہ خزاعی۔

حافظ ابن مُندہؒ اور حافظ ابو نُعیمؒ نے کہا ہے کہ حضرت بُدیلؓ قدیم الاسلام صحابی ہیں مگر حافظ ابن عبدالبرؒ نے "الاستیعاب" میں لکھا ہے کہ حضرت بُدیلؓ اور ان کے فرزند عبداللہ فتح مکّہ کے موقع پر مرّ الظہران کے مقام پر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور قبولِ اسلام کی سعادت حاصل کی۔ جمہور اربابِ سِیَر نے اسی رِوایت کو ترجیح دی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت بُدیلؓ اور ان کے فرزند عبداللہؓ فتح مکّہ کے خاص دن سے کچھ پہلے شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہوئے کیونکہ مرّ الظہران (جسے اب وادیٔ فاطمہ کہتے ہیں) مکّہ معظمہ سے شمالی جانب تقریباً ۳۴ کلو میٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ حضرت بُدیلؓ اسلامی لشکر کے مکّہ پہنچنے سے پہلے ہی مرّ الظہران پہنچ کر حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے۔

اس رِوایت کی تصدیق اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ فتح مکّہ کے دن بعض مشرکینِ قریش نے حضرت بُدیلؓ اور ان کے غلام رافع کے گھر میں پناہ

لی تھی ۱؎

قبولِ اسلام کے وقت حضرت بُدیلؓ کی عمر ستانوے ۹۷ برس کی تھی مگر ان کی ڈاڑھی کے بال بالکل سیاہ تھے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا، تمہاری عمر کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا، ستانوے برس۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ سُن کر خوشگوار حیرت ہوئی اور آپؐ نے فرمایا:

"اللہ تمہارے جمال اور بالوں کی سیاہی میں برکت دے (اور اضافہ کرے)"

(الاصابہ لابن حجرؒ)

(۲)

حضرت بُدیلؓ بن ورقاء اگرچہ ۸ سنہ ہجری میں اسلام لائے۔ مگر ان کے اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان بہت پہلے سے خوشگوار تعلقات تھے اور وہ وقتاً فوقتاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے رہتے تھے۔ ذیقعدہ ۶ سنہ ہجری میں حضورؐ نے عمرہ کے لیے مکہ کا قصد فرمایا۔ ابھی آپؐ راستے ہی میں تھے کہ قریش کو آپؐ کے ارادے کا علم ہو گیا۔ انہوں نے اس بات کو اپنی غیرت کے منافی سمجھا کہ مسلمان مکہ میں داخل ہوں۔ چنانچہ سب نے بالاتفاق طے کیا کہ خواہ کچھ بھی ہو جائے مسلمانوں کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش کے عزائم کی اطلاع ملی تو آپؐ

۱؎ حضرت بُدیلؓ بن ورقاء کے ایک فرزند حضرت نافعؓ بلاشبہ قدیم الاسلام صحابہ میں سے ہیں۔ انہوں نے ۴ سنہ ہجری میں بئر معونہ کے سانحہ میں شہادت پائی۔ جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہؓ بن رواحہ انصاری نے ان کی شہادت پر یہ شعر کہے:

رَحِمَ اللّٰہُ نَافِعَ بْنَ بُدَیْلٍ | رَحْمَۃَ الْمُبْتَغِیْ ثَوَابَ الْجِہَادِ
صَابِرًا صَادِقَ الْوَعْدِ اِذَا مَا | اَکْثَرَ الْقَوْمُ قَالَ قَوْلَ السَّدَادِ

(یعنی نافع بن بدیلؓ پر خدا کی رحمت ہو جو ثواب جہاد کی خواہشمند ہو۔ وہ بڑا صابر اور صادق الوعد تھا جس مقام پر کہ زیادہ تر لوگ ڈھیلی بات کہتے تھے)

(اُسد الغابہ)

مکّہ سے چند میل دُور حدیبیہ کے مقام پر خیمہ زن ہو گئے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ مشرکینِ قریش کی مزاحمت کے ارادے کی خبر حضرت بُدَیلؓ نے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم کو پہنچائی تھی۔

حدیبیہ میں مسلمانوں اور قریشِ مکّہ کے درمیان صلح ہوئی تو معاہدۂ صلح کی ایک شرط یہ تھی کہ جو عرب قبیلہ قریشِ مکّہ کا حلیف ہوگا، مسلمان اور ان کے حلیف اس کو قریش کی طرح ہی سمجھیں گے اور اس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کریں گے۔ اسی طرح جو قبیلہ مسلمانوں کا حلیف ہوگا، قریشِ مکّہ اور اس کے حلیف اس کو مسلمانوں کے برابر سمجھیں گے اور اس پر کوئی زیادتی نہیں کریں گے۔ اس صلح نامہ کے بعد بنو خزاعہ نے مسلمانوں سے حلیفانہ تعلقات قائم کر لیے اور بنو بکر نے قریش مکہ سے۔

بنو بکر اس عہد پر قائم نہ رہے اور کچھ عرصہ کے بعد انہوں نے بنو خزاعہ پر حملہ کر کے ان کے بہت سے آدمی قتل کر ڈالے۔ اس کام میں مشرکینِ قریش نے بھی ان کی مدد کی اور ان کے بعض آدمیوں نے چہروں پر نقاب ڈال کر بنو خزاعہ پر حملے میں سرگرمی سے حصہ لیا۔ ان بیچاروں نے حرم شریف میں پناہ لی تو وہاں بھی ان کو نہ چھوڑا۔ اس طرح وہ نہ صرف عہد شکنی کے مرتکب ہوئے بلکہ انہوں نے بیت اللہ کی حُرمت کو بھی پامال کیا۔ بنو خزاعہ کے ایک وفد نے عمرو بن سالم کی سرکردگی میں مدینہ منوّرہ پہنچ کر رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم کو بنو بکر اور مشرکینِ قریش کے مظالم کی اطلاع دی۔

ایک روایت کے مطابق یہ وفد چالیس آدمیوں پر مشتمل تھا۔ اس وفد نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر نہایت دردناک اشعار کی صورت میں اپنی فریاد پیش کی۔ ان میں سے چند اشعار کا ترجمہ حسب ذیل ہے:

"اے اللہ ہم مُحمّد (صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم) کو وہ وعدہ یاد دلائیں گے جو ہمارے اور ان کے مابین ہوا ہے۔

اے اللہ کے رسول! ہماری مدد کر اور خدا کے بندوں کو بُلا سب اعانت کے لیے

حاضر ہوں گے۔
قریش نے وعدہ خلافی کی اور اس پکّے عہد کو جو آپ سے کیا تھا، توڑ ڈالا۔
ہمیں خشک گھاس کی طرح روند ڈالا۔
وہ سمجھتے ہیں کہ ہماری مدد کو کوئی نہیں آئے گا،
وہ تو ذلیل اور قلیل ہیں۔
انہوں نے ہم کو وتیر (بنو خزاعہ کی قیام گاہ) میں سوتے ہوئے جا لیا، ہم کو رکوع و سجود کی حالت میں قتل کیا۔"

رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو بنو خزاعہ کی روداد الم سن کر بہت دکھ ہوا۔ آپؐ نے قریش کو پیغام بھیجا کہ مقتولوں کا خون بہا دو یا بنی بکر کی حمایت سے دستکش ہو جاؤ۔ اگر کوئی شرط منظور نہیں تو اعلان کر دو کہ معاہدۂ حدیبیہ کالعدم ہو گیا ہے۔

قریش کے بعض منہ زور جوانوں نے حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے قاصد کو نہایت رعونت سے جواب دیا ــــــ "جاؤ ہم محمدؐ کے محکوم نہیں ہیں جو ہمارے جی میں آیا کیا۔"

قاصد نے حضورؐ کو قریش کا جواب سنایا تو آپؐ نے فرمایا، "یہ لوگ اب حد سے بڑھ گئے ہیں اور ان کی زیادتیاں ناقابلِ برداشت ہو گئی ہیں۔"

اسی اثناء میں حضرت بُدیلؓ بھی مدینہ منوّرہ پہنچے اور بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر بنو خزاعہ پر بنی بکر اور مشرکینِ قریش کی زیادتیوں کی تفصیل بیان کی۔ اب حضورؐ نے مکّہ پر چڑھائی کی تیاری شروع کر دی۔

(۳)

آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے قاصد نے مکّہ سے مراجعت کی تو قریش کے عمائد کو خیال آیا کہ ہمارے جوشیلے جوانوں نے ایسا سخت جواب دے کر غلطی کی ہے اور اس کے بہت بُرے نتائج برآمد ہو سکتے ہیں چنانچہ سردارِ قریش ابوسفیان (جو ابھی اسلام نہیں لائے تھے) فوراً تجدیدِ معاہدہ کے لیے مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ اُدھر سے حضرت بُدیلؓ مدینہ منوّرہ سے واپس آ رہے تھے۔ راستے میں دونوں کی ملاقات ہوئی تو

تو ابوسفیانؓ کو شک گزرا کہ بُدیلؓ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے پاس شکایت لے کر گئے تھے۔ انہوں نے حضرت بُدیلؓ سے پوچھا، کہاں سے آرہے ہو؟ حضرت بُدیلؓ نے کہا، اس وادی اور ساحل کی طرف سے بنی خزاعہ کی طرف گیا تھا۔ ابوسفیانؓ نے پھر پوچھا، محمدؐ (صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) کے پاس تو نہیں گئے تھے۔ انہوں نے نفی میں جواب دیا مگر ابوسفیانؓ کا شک دُور نہ ہوا نہایت تیزی کے ساتھ مدینہ پہنچے اور حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور سیدۃ فاطمۃ الزہراؓ کو درمیان ڈال کر معاہدے کی تجدید کرانی چاہی مگر ان بزرگوں میں سے کسی نے حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے سفارش کرنے کی ہامی نہ بھری۔ ناچار وہ تجدیدِ معاہدہ کا یکطرفہ اعلان کر کے واپس چلے گئے۔ چند دن کے بعد سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم دس ہزار صحابہؓ کے جلو میں مکّہ کی طرف روانہ ہوئے۔ لشکرِ اسلام جب مرّ الظہران کے مقام پر پہنچا تو حضرت بُدیلؓ اپنے فرزند عبداللہؓ کے ہمراہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر سعادت اندوزِ اسلام ہو گئے۔ ایک روایت میں ہے کہ قریش نے انہیں حضرت حکیم بن حزام کے ساتھ خود اسلامی لشکر کا جائزہ لینے کے لیے بھیجا تھا مگر وہ تینوں حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے۔

(۴)

فتح مکّہ کے بعد حضرت بُدیلؓ نے حُنین اور طائف کے معرکوں میں سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا۔ حافظ ابن حجرؒ کا بیان ہے کہ حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے انہیں حنین کے قیدیوں اور مالِ غنیمت کا نگران مقرر فرمایا چنانچہ وہ جعرانہ کے مقام پر یہ خدمت انجام دیتے رہے یہاں تک کہ حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے قیدیوں کو رہا کر دیا اور مالِ غنیمت کو مستحقین میں تقسیم کر دیا۔ (الاصابہ)

۹ھ ہجری میں سرورِ عالم صَلَّی اللہ علیہ وسَلَّم غزوۂ تبوک کے لیے تشریف لے گئے تو اس پُر صعوبت طویل سفر میں بھی حضرت بُدیلؓ آپؐ کے ہمرکاب تھے۔ ۱۰ھ ہجری میں حضرت بُدیلؓ آنحضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی معیت میں حجۃ الوداع میں شریک ہوئے۔ حافظ ابنِ حجرؒ نے "الاصابہ" میں لکھا ہے کہ وہ منیٰ میں یہ اعلان

کرتے پھرتے تھے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے آج کے روزہ کی ممانعت فرمائی ہے۔

حجۃ الوداع کے جلد ہی بعد حضرت بُدیل رض نے وفات پائی۔ یہ واقعہ سرورِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی وفات سے کچھ عرصہ پہلے پیش آیا۔

علامہ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے کسی موقع پر حضرت بُدیل رض کو ایک خط لکھا تھا (ابن اثیرؒ نے "اُسدُ الغابہ" میں اس خط کا متن بھی دیا ہے) وہ اس نامۂ مبارک کو حرزِ جان بنا کر رکھتے تھے۔ وفات سے پہلے انہوں نے یہ نامۂ مبارک اپنے بیٹے کو دے کر وصیت کی کہ اس مکتوبِ مبارک کو حفاظت سے رکھنا جب تک یہ تمہارے پاس رہے گا تم لوگ خیر و برکت میں رہو گے۔

یہ نامۂ مبارک حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا۔ مگر ساتھ ہی ابن اثیرؒ نے لکھا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

حضرت بُدیل رض کے ایک صاحبزادے بیرِ معونہ کے سانحہ میں شہید ہو گئے تھے۔ دوسرے صاحبزادے عبداللہ رض بنو خزاعہ کے نامی بہادر تھے۔ فتح مکہ، حنین، طائف، اور تبوک کے غزوات میں حضورؐ کے ہمرکاب تھے۔ عہدِ فاروقی میں ایران کے بہت سے معرکوں میں دادِ شجاعت دی۔ ۳۷ھ ہجری میں جنگِ صفین میں حضرت علی رض کی طرف سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔



حضرت بلالؓ بن حارث مُزَنی

(۱)

عرب کے مشہور قبیلہ "بنو مُزَینہ" سے تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:

بلالؓ بن حارث بن عاصم بن سعید بن قرہ بن خلادہ بن ثعلبہ بن ثور بن ہدمہ بن لاطم بن عثمان بن عمرو بن اُد بن طانجہ۔

حضرت بلالؓ کے اجداد (دسویں پشت) میں عثمان بن عمرو کی والدہ کا نام مُزَینہ تھا، اسی کی نسبت سے اس کی اولاد "بنو مُزَینہ" مشہور ہوئی۔

حضرت بلالؓ کی کنیت ابو عبدالرحمٰن تھی۔

(۲)

حضرت بلالؓ بن حارث اپنی قوم کے سردار تھے اور وہ ان کو بہت مانتی تھی۔ رجب ۵ھ ہجری میں وہ بنو مُزَینہ کے چار سَو افراد کا وفد لے کر مدینہ منورہ پہنچے۔ بوڑھوں اور بچوں کو شہر کے باہر ٹھہرایا اور باقی افراد کو ساتھ لے کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ یہ سب سے پہلا وفد تھا جس نے مدینہ منورہ آکر بارگاہِ نبوی میں حاضری دی۔ ان سب اصحاب نے اسلام قبول کیا اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت سے مشرّف ہوئے۔ پھر انھوں نے اپنے بوڑھوں اور بچوں کو بھی بُلا لیا وہ بھی نعمتِ ایمان سے بہرہ ور ہو گئے۔ ایک روایت کے مطابق حضرت بلالؓ بن حارث بنو مُزَینہ کے سب سے پہلے مسلمان تھے۔

جب یہ وفد واپس جانے لگا تو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"تم جہاں بھی رہو تمھیں مہاجرین میں داخل سمجھا جائے گا۔"

علامہ ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلالؓ بن حارث

کو عقیق نامی وادی معافی میں عطا فرمائی۔ ایک روایت میں ہے کہ حضورؐ نے انہیں سونے کی ایک کان بطور جاگیر عطا فرمائی تھی اور اس کے لیے ایک فرمان لکھوا کر ان کے حوالے کیا تھا۔ (رسولِ اکرمؐ کی سیاسی زندگی)

(۳)

بنو مُزینہ کے وفد میں ایک صاحب خزاعی بن عبدِ نُہم بھی شامل تھے۔ وہ قبیلے کے بُت "نُہم" کے حاجب تھے۔ بارگاہِ رسالتؐ میں حاضر ہونے سے پہلے انہوں نے اس بُت کو توڑ ڈالا۔

رمضان ۸ھ ہجری میں سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم فتح مکہ کے لیے روانہ ہوئے تو حضرت بلالؓ بن حارثؓ بھی اپنے اہلِ قبیلہ کے ساتھ آپ کے ہمرکاب تھے۔ اربابِ سیر کا بیان ہے کہ قبیلۂ مُزینہ کا جھنڈا انہی کے ہاتھ میں تھا یعنی اپنے قبیلے کے امیر اور عَلَم بردار وہی تھے۔ غزوۂ فتح مکّہ کے علاوہ کسی اور غزوے میں حضرت بلالؓ بن حارثؓ کا نام تخصیص کے ساتھ نہیں آتا لیکن قیاس یہ ہے کہ وہ کچھ اور غزووں (حنین و تبوک) میں بھی ضرور شریک ہوئے ہوں گے۔

حضرت عمرِ فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں بصرہ آباد ہوا تو چند سال بعد حضرت بلالؓ اپنے وطن سے نقل مکانی کر کے بصرہ چلے گئے اور وہیں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ انہوں نے حضرت امیر معاویہؓ کے دورِ خلافت کے اخیر (سنہ ۶۰ ہجری) میں وفات پائی۔ اس وقت ان کی عمر اسّی برس کی تھی۔

حضرت بلالؓ بن حارث سے یہ حدیث مروی ہے:

"رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا کہ آدمی کی زبان سے کبھی خیر اور بھلائی کی کوئی ایسی بات نکل جاتی ہے جس کی پوری برکت اور قدر و قیمت کا اندازہ اسے خود بھی نہیں ہوتا مگر اللہ تعالیٰ اسی ایک بات کی وجہ سے اپنی رضامندی (خوشنودی) قیامت تک اس کے لیے لکھ دیتا ہے اور اسی طرح آدمی کی زبان سے شر کی کوئی ایسی بات نکل جاتی ہے جس کی برائی اور قباحت کا اندازہ اسے خود بھی نہیں ہوتا مگر اللہ تعالیٰ اسی ایک بات کی وجہ سے اپنی ناخوشی اور ناراضی قیامت تک اس کے لیے لکھ دیتا ہے۔"

(مؤطا امام مالک، جامع ترمذی، سُنَنِ ابنِ ماجہ)

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت ثابتؓ بن اَقرَم بَلوی انصاری

(۱)

قبیلہ بَلی سے تھے اور مدینہ منوّرہ میں انصار کے حلیف تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:
ثابتؓ بن اقرم بن ثعلبہ بن عدی بن عجلان بن حارثہ بن ضبیعہ بن حرام
بن جعل بن غنیم بن ودم بن ذبیان بن ہمیم بن ذہل بن ہنی بن بَلی۔

ہجرتِ نبویؐ سے کچھ پہلے یا کچھ بعد مُشرّف بہ اسلام ہوئے۔ بڑے بہادر اور مخلص مسلمان تھے اور ہر وقت اپنی جان راہِ حق میں قربان کرنے کے لیے تیار رہتے تھے۔

(۲)

رمضان ۲ھ ہجری میں غزوۂ بدر الکبریٰ پیش آیا تو حضرت ثابتؓ بن اقرم اس میں بڑے جوش اور جذبے کے ساتھ شریک ہوئے اور اہلِ بدر کی مقدّس جماعت کا رکن بننے کا لازوال شرف حاصل کیا۔

غزوۂ بدر کے بعد حضرت ثابتؓ عہدِ رسالت کے دوسرے تمام غزوات میں بھی سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ہمرکاب رہے اور ہر غزوے میں سرفروشی کا حق ادا کر دیا۔

۸ھ ہجری میں (فتح مکّہ سے کچھ پہلے) سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے تین ہزار مجاہدین پر مشتمل ایک لشکر سیّدنا حضرت زیدؓ بن حارثہ کی قیادت میں شام کی طرف روانہ فرمایا اس کا مقصد حضرت حارثؓ بن عمیر ازدی کے قتل کا بدلہ لینا تھا۔ حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے حضرت حارثؓ کو اپنا خط دے کر حاکمِ بصریٰ کے پاس بھیجا تھا راستے میں شرحبیل بن عمر غسّانی نے انہیں

شہید کر ڈالا تھا۔ چونکہ قاصد کا قتل ایک نہایت ذلیل حرکت تھی اسی لیے یہ لشکر بھیجنے کی ضرورت پیش آئی۔ اس لشکر میں حضرت ثابتؓ بن اقرم بھی شامل تھے۔ یہ لشکر دشمن کے علاقے میں پہنچا تو اتفاق سے وہاں شاہِ روم بھی آیا ہوا تھا، اس نے اپنا لشکر شرحبیل کی مدد کے لیے بھیج دیا۔ اس طرح دشمن کی تعداد ایک لاکھ سے بھی اوپر ہو گئی۔ مُوتہ کے مقام پر دونوں لشکر ایک دوسرے کے مقابل ہوئے تو مسلمانوں کی تعداد کو دشمن کی تعداد سے کوئی نسبت نہ تھی مگر وہ اللہ کے بھروسے پر طاغوت کی مہیب قوّت سے ٹکرا گئے اور اس کو لوہے کے چنے چبوا دیئے۔ جب مسلمانوں کے تین سپہ سالار، حضرت زیدؓ بن حارثہ، حضرت جعفرؓ بن ابی طالب اور حضرت عبداللہؓ بن رواحہ انصاری یکے بعد دیگرے شہید ہو گئے تو مسلمانوں نے عَلَمِ قیادت حضرت ثابتؓ بن اقرم کے ہاتھ میں دے دیا۔ (یہ ان کی غیر معمولی شجاعت کا اعتراف تھا) مگر حضرت ثابتؓ نے یہ کہہ کر عَلَمِ قیادت خالدؓ بن ولید کو دے دیا کہ آپ مجھ سے بڑھ کر ماہر جنگ ہیں (یعنی فنِ حرب کو مجھ سے زیادہ جانتے ہیں) اس لیے آپ ہی لشکر کی قیادت کریں۔ چنانچہ حضرت خالدؓ بن ولید نے اس غضب کا حملہ کیا کہ دشمن کو پیچھے ہٹنے پر مجبور ہونا پڑا۔ اس دن اُن کے ہاتھ سے نَو تلواریں ٹوٹیں اور انہوں نے بارگاہِ رسالت سے "سیف اللہ" کا لقب پایا۔

(۳)

آفتابِ رسالت اللہ تعالیٰ کی شفقِ رحمت میں غروب ہوا اور سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سریر آرائے خلافت ہوئے تو دفعتاً سارے عرب میں فتنۂ ارتداد کے شعلے بھڑک اٹھے۔ سیدنا صدیقِ اکبرؓ نے بے مثال عزم و ہمت سے اس فتنے کا مقابلہ کیا اور اس کے استیصال کے لیے مختلف اطراف و جوانب کو گیارہ لشکر روانہ فرمائے۔ ایک لشکر کے سردار حضرت خالدؓ بن ولید تھے۔ انہیں نبوّت کے ایک جھوٹے دعویدار طلیحہ بن خویلد اسدی کی سرکوبی

پر مامور کیا تھا۔ حضرت ثابتؓ بن اقرم انہی کے لشکر میں شامل تھے۔ حضرت خالدؓ نے پہلے قبائل طے اور جدیلہ کے مرتدین کو مطیع کیا۔ اس کے بعد انہوں نے حضرت عُکاشہؓ بن محصن اور حضرت ثابتؓ بن اقرم کو دشمن کی لوٹ لینے کے لیے بُزاخہ کی طرف بھیجا جسے طلیحہ بن خویلد نے اپنا مستقر بنا رکھا تھا۔ حضرت عکاشہؓ اپنے گھوڑے رزام پر سوار تھے اور حضرت ثابتؓ اپنے گھوڑے محبّر پر۔ اتفاق سے ان کی مڈبھیڑ طلیحہ کے ایک بھائی سے ہو گئی جسے انہوں نے قتل کر ڈالا۔ طلیحہ کو اطلاع ملی تو وہ اپنے دوسرے بھائی سلمہ کو ساتھ لے کر نکلا۔ سلمہ اچانک حضرت ثابتؓ پر لوٹ پڑا اور ان کو شہید کر ڈالا۔ پھر طلیحہ اور سلمہ دونوں نے حضرت عکاشہؓ کو نرغے میں لے کر شہید کر دیا۔ حضرت خالدؓ پیشقدمی کرتے ہوئے اس مقام پر پہنچے تو ان دونوں شہیدانِ راہِ حق کی لاشیں دیکھ کر سخت غمزدہ ہوئے، وہیں ان کو سپردِ خاک کر دیا پھر وہ بزاخہ پہنچے جہاں طلیحہ نے ان کا پُرزور مقابلہ کیا مگر بالآخر شکست کھائی اور شام کی طرف راہِ فرار اختیار کی۔ طلیحہ نے بعد میں تائب ہو کر دوبارہ اسلام قبول کیا اور پھر فارس جا کر ایرانیوں کے خلاف کئی معرکوں میں محیّر العقول کارنامے سرانجام دیئے، اس طرح اس نے اپنی لغزش کی تلافی کر دی۔ ابنِ خلدونؒ اور ابنِ اثیرؒ کے بیان کے مطابق طلیحہ نے جنگِ نہاوند میں نہایت بہادری سے لڑتے ہوئے شہادت پائی۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت ثابتؓ بن ضحاک انصاری

(۱)

ثابت نام تھا اور ابو زید کنیت تھی۔

قبیلہ اوس کے خاندان عبدالاشہل سے تعلق تھا۔ نسب نامہ یہ ہے:

ثابت بن ضحاک بن خلیفہ بن ثعلبہ بن عدی بن کعب بن عبدالاشہل بن حارث بن خزرج بن عمرو بن مالک بن اوس۔

حضرت ثابتؓ بن ضحاک کا شمار بڑے عظیم المرتبت اصحابِ رسولؐ میں ہوتا ہے مگر اُن کے حالاتِ زندگی کے بارے میں اہلِ سِیَر کے بیانات میں خاصا الجھاؤ ہے۔ مولانا سعید انصاری مرحوم نے سِیَر انصار (حصہ اوّل) میں لکھا ہے کہ "حضرت ثابتؓ بن ضحاک بعثتِ نبوی کے تیسرے سال تولّد ہوئے۔ بعض لوگوں نے ۳ھ ہجری سالِ ولادت قرار دیا ہے لیکن یہ قطعاً غلط ہے۔" [1]

ابن مندہؒ نے لکھا ہے کہ امام بخاریؒ کے بیان کے مطابق حضرت ثابتؓ بن ضحاک غزوۂ بدر میں شریک تھے۔ ایک روایت کے مطابق امام ترمذیؒ نے بھی ان کی شرکتِ بدر تسلیم کی ہے۔ مگر حافظ ابو نُعیمؒ فرماتے ہیں کہ یہ ابن مُندہ کا وہم ہے امام بخاریؒ نے اپنی کتاب میں صرف یہ ذکر کیا ہے کہ وہ حدیبیہ (یعنی بیعتِ رضوان) میں شریک تھے۔

---

[1] ابن مندہؒ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی وفات کے وقت حضرت ثابتؓ بن ضحاک آٹھ برس کے تھے (اس کا یہی مطلب ہے کہ وہ ۳ھ ہجری میں پیدا ہوئے تھے) مگر دوسرے اربابِ سِیَر اور محدثین کے بیانات کی روشنی میں یہ بات واقعی غلط ٹھہرتی ہے۔

علامہ ابن سعدؒ نے طبقات میں لکھا ہے کہ حضرت ثابتؓ بن ضحاک حمراء الاسد میں شریک تھے [1] اس کے ساتھ ہی انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ غزوۂ حمراء الاسد میں صرف وہی لوگ شریک تھے جو غزوۂ اُحُد میں شریک ہو چکے تھے۔ اس وضاحت سے یہی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ حضرت ثابتؓ غزوۂ اُحُد میں بھی شریک تھے مگر مولانا سعید انصاری مرحوم نے سیر انصار میں ان سب روایات کو اس بنا پر ناقابلِ اعتبار ٹھہرایا ہے کہ رسولِ اکرم صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّم صرف انہی اصحاب کو لڑائی میں شریک ہونے کی اجازت دیتے تھے جن کی عمر کم از کم پندرہ برس کی ہو۔ چونکہ غزوۂ بدر اور غزوۂ اُحُد کے وقت حضرت ثابتؓ بن ضحاک کی عمر پندرہ برس سے کم تھی اس لیے ان غزووں میں ان کے شریک ہونے کو تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ ان کے خیال میں سب سے پہلا غزوہ جس میں حضرت ثابتؓ بن ضحاک شریک ہوئے غزوۂ احزاب تھا جو ۵ھ ہجری میں پیش آیا۔ (گو اس کے بارے میں بھی اہلِ سیر نے تصریح نہیں کی) حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے اپنی کتاب "الاصابہ فی تمییز الصحابہ" میں حضرت ثابتؓ بن ضحاک کی غزوۂ حمراء الاسد میں شرکت کو تسلیم کیا ہے مگر ساتھ ہی وضاحت کی ہے کہ وہ لڑائی کے بجائے رہنما (Guide) بنائے گئے تھے یعنی رسول اللّٰہ صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو حمراء الاسد کا راستہ بتاتے تھے۔ [2]

---

[1] غزوۂ اُحُد (۳ھ) کے فوراً بعد سرورِ عالم صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے صحابہ کی ایک جمعیت کے ہمراہ مشرکینِ قریش کا تعاقب کیا تھا۔ اسی کو غزوۂ حمراء الاسد کہا جاتا ہے۔

[2] یہی بات حضرت ثابتؓ کے ایک ہمنام صحابی حضرت ثابتؓ بن ضحاک (بن امیہ بن ثعلبہ بن جشم بن مالک بن سالم بن غنم بن عوف بن خزرج) کے بارے میں بھی کہی گئی ہے۔ وہ قبیلہ خزرج سے تھے۔ علامہ ابن اثیرؒ نے "اُسدُ الغابہ" میں حافظ ابن عبد البرؒ کے حوالے سے صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ یہی ثابتؓ بن ضحاک جنگِ اُحُد میں حمراء الاسد کی طرف رسول اللّٰہ صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے رہبر تھے۔ وہ جنگِ خندق میں رسولِ اکرم صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ہمراہ سواری

(باقی اگلے صفحہ پر)

ایک امکان جس پر صاحب "سیر انصار" نے بحث نہیں کی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت ثابتؓ بن ضحاک ۳ سنہ بعد بعثت سے چند سال پہلے پیدا ہوئے ہوں۔ اس صورت میں غزوۂ بدر اور غزوۂ اُحُد میں ان کی شرکت کے بارے میں کوئی اشکال نہیں رہتا ـــــ واللہ اعلم

(۲)

ایک بات جس پر سب ارباب سِیَر کا اتفاق ہے، یہ ہے کہ حضرت ثابتؓ بن ضحاک کو ذیقعدہ ۶ سنہ ہجری میں بیعتِ رضوان کا مہتم بالشان شرف حاصل ہوا اور یوں وہ ان نفوسِ قدسی میں شامل ہو گئے جن کو اللہ تعالیٰ نے ان لفظوں میں اپنے راضی ہونے کی بشارت دی۔

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ

(سورۂ الفتح آیۃ ۔ ۱۸)

(اللہ مومنوں سے خوش ہو گیا جب وہ درخت کے نیچے تم سے بیعت کر رہے تھے)

صحیح مسلم میں خود ان سے روایت ہے کہ میں نے درخت کے نیچے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی بیعت کی تھی۔ قیاس یہ ہے کہ بیعتِ رضوان کے بعد انہوں نے غزوۂ خیبر فتح مکہ اور دوسرے مشاہد میں بھی سرورِ کائنات صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا۔ سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں شام

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

پر سوار تھے۔ یہ ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے درخت کے نیچے بیعتِ رضوان کی تھی اور یہ اس زمانے میں کم سن تھے۔ انہوں نے شام کی سکونت اختیار کر لی تھی۔ پھر بصرہ چلے گئے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں ہمنام صحابہ کے حالاتِ زندگی میں اہلِ سِیَر کو التباس ہو گیا ہے اور یہ ایک دوسرے میں گڈمڈ ہو گئے ہیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دونوں ایک ہی شخصیت ہوں اور کسی غلط فہمی کی بناء پر ان کے نسب نامے مختلف لکھے گئے ہوں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

فتح ہوا تو حضرت ثابتؓ بن ضحاک نے شام کی سکونت اختیار کر لی پھر کچھ مدت بعد وہاں سے بصرہ (عراق) آ گئے۔ اُن کے سالِ وفات کے بارے میں دو روایتیں ہیں۔ ایک یہ کہ انہوں نے ۶۴ھ ہجری میں وفات پائی۔ دوسری یہ کہ ۶۹ھ اور ۷۳ھ کے درمیان کسی وقت انتقال کیا۔ اس زمانے میں حضرت عبداللہؓ بن زبیرؓ اور اُموی حکومت کے درمیان کشمکش جاری تھی۔

حضرت ثابتؓ بن ضحاک سے ۱۴ احادیث مروی ہیں اور ان کا شمار راویانِ حدیث صحابہ کے طبقۂ پنجم میں ہوتا ہے یعنی وہ صحابہ جن کی مرویات کی تعداد چالیس سے کم ہے۔

ان کے رواۃ حدیث میں حضرت عبداللہؓ بن مغفل اور حضرت ابو قلابہؒ شامل ہیں۔

حضرت ثابتؓ بن ضحاک کے سلسلہ سے جو روایتیں مروی ہیں ان میں سے تین یہ ہیں:

(۱) رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا ہے کہ جو شخص اسلام کے سوا اور کسی دین پر جھوٹی قسم کھائے تو وہ ایسا ہی ہے جیسے اس نے کہا۔[۱] (اُسُدُ الغابہ)

(۲) نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے مزارعت سے منع فرمایا۔[۲] (اُسُدُ الغابہ)

(۳) ایک شخص نے نذر مانی کہ وہ مقام بوانہ پر اونٹ ذبح کرے گا۔ چنانچہ اس نے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے اس قربانی کی اجازت طلب کی۔ آپؐ نے دریافت فرمایا، کیا اس مقام پر زمانۂ جاہلیت کے بتوں میں سے کوئی بُت تھا جس کی پرستش کی جاتی ہو۔ حاضرین نے عرض کیا، نہیں۔ آپؐ نے پھر دریافت فرمایا کیا وہاں مشرکوں کا کوئی میلہ لگتا تھا؟ صحابہؓ نے عرض کیا، نہیں۔ آپؐ نے اس شخص سے فرمایا کہ تم اپنی نذر پوری کر سکتے ہو اور یاد رکھو، اللہ تعالیٰ کے احکام کے خلاف جو نذر مانی گئی ہو اس کا پورا کرنا جائز نہیں ہے۔ اسی طرح ایسی نذر کا پورا کرنا بھی لازم نہیں ہے جو انسان کے اختیار میں نہ ہو۔ (سُنَنِ ابی داؤد)

---

[۱] جس طرح لوگ کہا کرتے ہیں کہ اگر میں فلاں کام کروں تو یہودی ہو جاؤں یا نصرانی ہو جاؤں اس طرح کی قسم سے حضورؐ نے منع فرمایا ہے (حاشیہ اسد الغابہ اردو ترجمہ از مولانا محمد عبدالشکور فاروقیؒ)

[۲] مزارعت کہتے ہیں دو آدمیوں کے مل کر کھیتی باڑی کرنے کو۔ شرکت میں چونکہ جھگڑا ہوتا ہے اس لیے پہلے ممانعت تھی بعد میں اجازت دے دی گئی۔

(حاشیہ اُسُدُ الغابہ اردو ترجمہ مولانا محمد عبدالشکور فاروقی)

حضرت ثعلبہؓ بن عمرو انصاری

(۱)

قبیلہ خزرج کی شاخ "مالک بن نجار" سے تھے۔ حافظ ابن عبد البرؒ نے ان کا سلسلۂ نسب اس طرح بیان کیا ہے: ---- ثعلبہؓ بن عمرو بن عبید بن محصن بن عمرو بن عتیک بن عمرو بن مبذول (سدن) بن مالک بن نجار۔

کنیت ان کی ابو عبد الرحمٰن تھی ---- ہجرتِ نبوی سے کچھ پہلے یا بعد شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہوئے اور راہِ حق کے جانباز سپاہی بن گئے۔

(۲)

سب سے پہلے حضرت ثعلبہؓ بن عمرو کی تلوار میدانِ بدر میں پرستانِ باطل کے خلاف بے نیام ہوئی یوں ان کو "اصحابِ بدر" کی مغفور جماعت میں شامل ہونے کا عظیم الشان اعزاز حاصل ہوگیا۔ اس کے بعد وہ اُحد، احزاب اور عہدِ رسالت کے دوسرے تمام غزوات میں مجاہدانہ شریک ہوئے یوں اس مقدس دور کی تمام سعادتوں سے بہرہ ور ہوگئے۔

اس بات میں تو کوئی اختلاف نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ثعلبہؓ بن عمرو کو رتبۂ شہادت پر فائز کیا لیکن کب؟ اس کے بارے میں دو روایتیں ہیں۔ پہلی روایت تو یہ ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابو عبیدہ ثقفیؒ کی قیادت میں جو لشکر عراق عرب بھیجا اس میں شامل ہوگئے اور معرکۂ جسر (۱۳ھ) میں ایرانی مجوسیوں کے خلاف دادِ شجاعت دیتے ہوئے جامِ شہادت پیا۔

دوسری روایت یہ ہے کہ حضرت عثمان ذو النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں مدینہ میں شہید ہوئے۔ یہ روایت صرف واقدی نے بیان کی ہے اس لیے پہلی ہی روایت کو ترجیح حاصل ہے۔

(۳)

حضرت ثعلبہؓ بن عمرو سے یہ دو حدیثیں مروی ہیں:

(۱) (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق) سوار کو (مالِ غنیمت میں سے) تین حصے ملیں گے اور دو حصے اس کے گھوڑے کو (الاستیعاب)

(۲) عمروؓ بن سمرہ (مشہور صحابی حضرت عبدالرحمنؓ بن سمرہ کے بھائی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا، یا رسول اللہ! میں نے فلاں قبیلہ کا اونٹ چرایا ہے۔ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قبیلے کے لوگوں کو بلا بھیجا۔ (دریافت کیے جانے پر) ان لوگوں نے کہا، ہاں ہمارا ایک اونٹ کھو گیا ہے۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اس کا ہاتھ کاٹ ڈالا جائے۔

ثعلبہؓ کہتے ہیں کہ میں ان کی طرف دیکھ رہا تھا جس وقت ان کا (عمروؓ بن سمرہ کا) ہاتھ کٹ کر (زمین پر) گرا تو وہ اس ہاتھ سے مخاطب ہو کر کہہ رہے تھے۔ اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے پاک کیا تو نے چاہا تھا کہ میرے تمام جسم کو دوزخ میں داخل کرے۔ (اُسدُ الغابہ)

(ایک اور روایت میں ان سے یہ الفاظ منسوب ہیں اللہ کا شکر ہے جس نے جسم کا یہ ناپاک حصہ مجھ سے الگ کر دیا) [1] (بدر البدور)

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

---

[1] اللہ اکبر! صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی یہ شان تھی کہ اگر کسی سے کوئی لغزش ہو جاتی تو اس کا اعتراف کرنے اور اس کی سزا بھگتنے (اپنے آپ پر حد جاری کرانے) کے لیے خود پیش ہو جاتے۔ (مؤلف)

حضرت ثقفؓ بن عمرو اسدی

(۱)

ارباب سیر نے ان کا نسب نامہ صرف اتنا ہی بیان کیا ہے :
ثقفؓ بن عمرو بن سمیط ۔
بنی غنم بن دودان بن اسد (بن خزیمہ) میں سے تھے اور مکہ میں بنی عبد مناف یا بنی عبد شمس (یہ ایک ہی بات ہے) کے حلیف تھے۔ بعض اصحاب نے انہیں سُلمی لکھا ہے لیکن جمہور نے انہیں اسدی قرار دیا ہے۔ ان کی کنیت ابو مالک تھی۔ ہجرت نبویؐ سے پہلے مکہ میں اپنے خاندان سمیت مشرف بہ اسلام ہوئے اور اذنِ ہجرت ہونے پر ارضِ مکہ کو الوداع کہہ کر مدینہ منورہ چلے گئے۔

(۲)

غزوات کا آغاز ہوا تو حضرت ثقفؓ بن عمرو کو سب سے پہلے غزوۂ بدر الکبریٰ میں شامل ہونے کا مہتم بالشان شرف حاصل ہوا۔ ان کے دو بھائی حضرت مالکؓ بن عمرو اور حضرت مدلاج بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی اس شرف میں ان کے شریک تھے۔ بدر کے بعد انہوں نے جنگِ اُحد میں دادِ شجاعت دی۔ حافظ ابنِ عبد البرؒ کا بیان ہے کہ وہ اسی غزوے میں رتبۂ شہادت پر فائز ہوئے۔ مگر موسیٰ بن عقبہؒ نے کہا ہے کہ وہ غزوۂ خیبر میں شہید ہوئے۔ انہیں ایک یہودی اُسیر نامی نے شہید کیا۔

(۳)

حضرت ثقفؓ کے بھائی حضرت مدلاجؓ کو مدلجؓ بھی کہا جاتا ہے۔ وہ غزوۂ بدر کے علاوہ عہدِ رسالت کے دوسرے تمام غزوات میں بھی سرِ دارِ عالم

صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب رہے اور ۵۰ھ ہجری (امیر معاویہؓ کے دورِ خلافت) میں وفات پائی۔

ان کے دوسرے بھائی حضرت مالکؓ کے شریکِ بدر ہونے پر تو سب اہلِ سیر کا اتفاق ہے مگر اس کے بعد عہدِ رسالت کے کسی غزوے میں ان کا ذکر نہیں آتا۔ ہو سکتا ہے کہ شریک ہوئے ہوں مگر کوئی خاص کارنامہ سرانجام نہ دینے کی بناء پر کسی نے ذکر نہ کیا ہو۔ تاہم ان کی جلالتِ قدر کا یہی ثبوت کافی ہے کہ وہ اہلِ بدر میں سے ہیں۔

ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ حضرت مالکؓ بن عمرو نے سیّدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہدِ خلافت میں فتنۂ ارتداد کے استیصال میں حصہ لیا اور اسی سلسلے میں یمامہ کی مشہور جنگ میں جامِ شہادت پیا۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہم

دین پر قائم رہنے والوں کو اللہ کی حفاظت حاصل ہوگی،

حضرت معاویہؓ کہتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا، فرماتے تھے کہ میری اُمّت میں ایک گروہ ہمیشہ ایسا رہے گا جو دین پر قائم رہے گا۔ اس گروہ کا ساتھ چھوڑنے والے اور مخالفت کرنے والے اُسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ (قیامت) آپہنچے اور وہ دین پر اسی طرح قائم رہیں گے۔

(متفق علیہ، مشکوٰۃ باب ثواب ہذہ الامۃ ص ۵۸۳)

حضرت جابرؓ بن سُلیم

(۱)

ان کے نام کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض نے جابر بن سُلیم لکھا ہے اور بعض نے سُلیم بن جابر۔ علامہ ابن اثیرؒ نے "اُسدُ الغابہ" میں امام بخاریؒ کے حوالے سے جابر بن سُلیم کو صحیح قرار دیا ہے[1] ارباب سِیَر نے ان کا شجرۂ نسب بیان نہیں کیا البتہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ ان کا نسبی تعلق بنو تمیم کی ایک شاخ بلہجیم سے تھا اور ان کی کنیت ابوجُرَیّ تھی۔ نسب کے لحاظ سے ان کو تمیمی بھی کہا جاتا ہے اور ہُجیمی بھی۔ ان کے حالاتِ زندگی کے بارے میں کُتُبِ سِیَر سوائے ایک واقعہ بیان کرنے کے بالکل خاموش ہیں۔ یہ واقعہ ان کا قبولِ اسلام ہے جو خود ان کی اپنی زبانی مختلف کُتُبِ حدیث میں منقول ہوا ہے۔ یہ بات تو یقینی ہے کہ یہ ایمان افروز واقعہ ہجرتِ نبویؐ کے بعد مدینہ منوّرہ میں پیش آیا مگر کس سال پیش آیا، اس کے بارے میں وثوق کے ساتھ کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ بہرصورت یہی واقعہ ان کی کتابِ سیرت کا سب سے جلی عنوان ہے۔

(۲)

حضرت ابوجُرَیّ جابرؓ بن سُلیم کہتے ہیں کہ میں مدینہ پہنچا (اور میں اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا) میں نے ایک صاحب کو دیکھا کہ لوگ ان کی رائے پر چلتے ہیں (یعنی جو کچھ وہ کہتے ہیں اس پر عمل کرتے ہیں) میں نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کون شخص ہیں۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ یہ اللہ کے رسول

---

[1] مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی مرحوم نے سیر الصحابہ حصہ ہفتم میں ان کا نام جابر بن مسلم لکھا ہے لیکن یہ صحیح نہیں۔ اصل نام جابرؓ بن سُلیم ہے۔ (طالب ہاشمی)

ہیں، ان پر اللہ کی رحمت اور سلام ہو۔ میں آپؐ کے پاس گیا اور کہا:

"عَلَيْكَ السَّلَامُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ"

میں نے دو مرتبہ یہ الفاظ کہے۔ آپؐ نے فرمایا، عَلَيْكَ السَّلَامُ نہ کہو۔ یہ مُردوں کا سلام ہے (یعنی زمانۂ جاہلیت میں اس طرح مُردوں کو سلام کیا کرتے تھے، اس کے بجائے) اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ کہو۔

میں نے عرض کیا، آپ اللہ کے رسول ہیں؟

آپؐ نے فرمایا، ہاں میں اُس کا رسول ہوں جس کی شان یہ ہے کہ اگر تمہیں کوئی تکلیف اور دُکھ ہو اور تم اس کو پکارو تو وہ تمہارے دُکھ اور تکلیف کو دور کر دے اور اگر تم قحط سالی میں مبتلا ہو جاؤ اور تم اس سے دعا کرو تو وہ تمہارے لیے زمین سے سبزہ (پیداوار) پیدا کر دے۔ اور جب تم آبادی سے دور کسی جنگل بیابان میں ہو اور تمہاری سواری کا جانور گم ہو جائے اور تم اس سے دعا کرو تو تمہاری سواری کے گمشدہ جانور کو تمہارے پاس پہنچا دے۔

یہ سُن کر میں نے عرض کیا، مجھ کو کچھ نصیحت فرمائیے۔

آپؐ نے فرمایا: "(تمہیں میری پہلی نصیحت یہ ہے کہ) تم کبھی کسی کو گالی نہ دینا۔ (حضرت جابرؓ بن سُلیم کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے عمر بھر کسی کو گالی نہ دی نہ کسی آزاد کو نہ غلام کو اور نہ اونٹ بکری جیسے کسی جانور کو بھی۔)

پھر آپؐ نے مجھے یہ نصیحتیں فرمائیں:۔

کسی نیکی کو حقیر نہ سمجھو (ایک روایت میں ان الفاظ کا اضافہ ہے گو اسی قدر ہو کہ تم اپنے ڈول سے کسی پیاسے کے برتن میں پانی ڈال دو یا اپنے بھائی سے شگفتہ روئی سے بات کر لو)

اور اپنا تہبند (یا ازار) آدھی پنڈلیوں تک اونچا رکھو اگر اتنا اونچا رکھنا پسند نہ ہو تو (کم سے کم) ٹخنوں تک اونچا رکھو۔ اور تہبند (یا ازار) کو زیادہ نیچے لٹکانے سے پرہیز کرو کیونکہ یہ تکبّر کی علامت ہے اور اللہ تعالیٰ (مخلوق کے) تکبّر کو پسند

نہیں کرتا۔

اور اگر کوئی شخص تمہیں گالی دے اور تم کو تمہارے اس عیب پر شرم دلائے جو اس کو معلوم ہے تو تم اس کے اُس عیب پر جو تم کو معلوم ہے اس کو شرم نہ دلاؤ۔ اس طرح اس کی زبان درازی کا پورا وبال اسی کی گردن پر ہوگا۔

(سنن ابی داؤد)

(۳)

ایک اور روایت میں حضرت ابو جُریؓ سے یہ الفاظ منسوب ہیں:

"میں اپنے قبیلے کی ایک جماعت کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور میں ایک قطری تہبند باندھے ہوئے تھا جس کے کنارے میرے قدموں تک تھے اور میں چادر اوڑھے ہوئے تھا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ مجھے کچھ سکھائیے جس سے خدا مجھے نفع دے۔ آپؐ نے فرمایا، تم ذرا سی بھلائی کو حقیر نہ جانو اگرچہ تم اپنے برتن سے پیاسے کے برتن میں پانی ہی ڈال دو اور یہ کہ اپنے بھائی سے خندہ پیشانی سے ملو اور جب وہ چلا جائے تو اس کی غیبت نہ کرو۔ (اُسدُ الغابہ)

علامہ ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ حضرت جابرؓ بن سُلیم بصرہ میں رہتے تھے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد عرصہ تک حیات رہے کیونکہ بصرہ حضرت عمرِ فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں آباد ہوا۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت جابرؓ بن عتیک انصاری

(۱)

بعض روایتوں میں ان کا نام جبرؓ بن عتیک بھی آیا ہے۔ قبیلہ اوس کے خاندان بنو معاویہ بن مالک سے تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:۔

جابرؓ بن عتیک بن قیس بن حارث بن ہیشہ بن حارث بن امیہ بن زید بن معاویہ بن مالک بن عمرو بن عوف بن مالک بن اوس۔

ان کی کنیت ابو عبداللہ تھی۔

ہجرتِ نبوی کے قریبی زمانے میں (کچھ عرصہ پہلے یا کچھ عرصہ بعد) شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہوئے۔ بہرصورت وہ غزوۂ بدر (رمضان ۲ھ ہجری سے پہلے) حلقہ بگوشِ اسلام ہو چکے تھے۔ اس وقت ان کی عمر تیس برس کے لگ بھگ تھی۔ بڑے مخلص اور بہادر مسلمان تھے۔ قبولِ اسلام کے بعد انہوں نے اپنی جان راہِ حق میں وقف کر دی۔ سب سے پہلے ان کی تلوار دشمنانِ حق کے خلاف بدر کے میدان میں چمکی۔ اس کے بعد انہوں نے اُحُد، خندق اور عہدِ رسالت کے دوسرے تمام غزوات میں دادِ شجاعت دی۔ فتح مکّہ (رمضان ۸ھ ہجری) کے موقع پر بنی معاویہ بن مالک کا جھنڈا انہی کے ہاتھ میں تھا۔ عہدِ رسالت کے بعد حضرت جابرؓ بن عتیک کے مشاغل اور سرگرمیوں کی تفصیل کسی کتاب میں نہیں ملتی صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے ۶۱ھ ہجری میں اکانوے (۹۱) سال کی عمر میں وفات پائی۔

(۲)

سُنَن ابی داؤد اور سُنَن نسائی میں حضرت جابر بن عتیک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عبداللہ بن ثابتؓ (کی عیادت) کے لیے

تشریف لائے تو آپؐ نے دیکھا کہ وہ بے ہوش ہیں۔ آپؐ نے ان کو بلند آواز سے پکارا مگر انہوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ آپؐ نے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن پڑھا اور فرمایا، اے ابوالربیع تم ہم سے جدا کر لیے گئے۔ اس پر عورتیں زور زور سے رونے لگیں ہیں (جابر بن عتیک) نے ان کو چپ کرانا چاہا تو رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا، انہیں چھوڑ دو ہاں جب یہ گر جائیں تو اس وقت کوئی رونے والی نہ روئے۔ لوگوں نے عرض کیا، یا رسول اللہؐ! گر جانے کا کیا مطلب ہے؟ آپؐ نے فرمایا، جب مر جائیں۔ ان کی بیٹی نے کہا، خدا کی قسم! میں اس بات کی امیدوار تھی کہ یہ شہید ہوں گے (نہ یہ کہ اپنے بستر پر مریں گے) کیونکہ (اے ابوالربیع) آپ نے جہاد کا سامان بالکل ٹھیک کر لیا تھا اس پر رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے ان کا ثواب ان کی نیت کے مطابق مقدر کر دیا ہے اور تم لوگ شہادت کس کو کہتے ہو؟ صحابہؓ نے عرض کیا، اللہ کے راستے میں قتل ہو جانے کو۔ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا، اللہ کے راستے میں قتل ہو جانے کے علاوہ (اور طریقوں سے بھی لوگ) شہید ہوتے ہیں۔ طاعون سے مرنے والا، پیٹ کے مرض سے مرنے والا، جل کر مرنے والا، کسی چیز کے نیچے دب کر مرنے والا۔ عورت جو حمل میں مر جائے (یعنی وہ عورت جو بچہ پیٹ ہی میں رہ جانے اور پیدا نہ ہونے کی وجہ سے مر جائے) یہ سب شہید ہیں۔"

ایک روایت میں یہ اضافہ ہے کہ ذات الجنب (نمونیہ) سے مر جانے والا بھی شہید ہے۔

حضرت جابرؓ بن عتیک کے ایک بھائی حضرت حارثؓ بن عتیک اور بھتیجے عتیکؓ بن حارثؓ بن عتیک کو بھی شرفِ صحابیت حاصل تھا۔ وہ غزوۂ اُحد اور جملہ مشاہد مابعد میں شریک تھے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہم

حضرت جرہدؓ بن رزاح اسلمی

(۱)

جرہدؓ نام تھا اور ابو عبدالرحمٰن کنیت تھی۔ نسبی تعلق بنو اسلم بن افصیٰ سے تھا۔ نام، کنیت اور خاندان پر تو سب کا اتفاق ہے مگر نسب نامہ میں اختلاف ہے۔ بعض اہلِ سیر نے ان کا نسب نامہ اس طرح لکھا ہے:

جرہد بن رزاح بن عدی بن سہم بن مازن بن حارث بن سلامان بن اسلم بن افصیٰ۔

اور بعض نے ان کے شجرۂ نسب میں رزاح بن عدی سے نیچے چار پشتیں اور داخل کی ہیں یعنی جرہد بن خویلد بن بحرہ بن عبد یالیل بن زرعہ بن رزاح بن عدی ....

کچھ اربابِ سیر نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ جرہد بن خویلد بنو اسلم کے ایک اور آدمی تھے لیکن علامہ ابنِ اثیرؒ کہتے ہیں کہ "میں ان دونوں کو ایک ہی (شخصیت) سمجھتا ہوں۔" معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نسب نامہ میں بعض اربابِ سیر کو تسامح ہو گیا بہر صورت جرہد اسلمیؓ کا صحابی ہونا ثابت ہے۔

(۲)

حضرت جرہد اسلمیؓ فتح مکّہ سے پہلے مدینہ منوّرہ آئے اور شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہو کر اصحابِ صُفّہ میں شامل ہو گئے۔ بعد میں انہوں نے مدینہ میں اپنا گھر بنا لیا اور یہیں ساری زندگی گزار دی۔ ایک دفعہ وہ مسجد میں تھے اور ان کی ران کھلی ہوئی تھی اتّفاق سے رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا اُدھر سے گزر ہوا۔ آپؐ نے حضرت جرہدؓ کو اس حالت میں دیکھا تو فرمایا کہ ران بھی عورت ہے (یعنی اس کا ستر بھی ضروری ہے) (جامع ترمذی)

حافظ ابن حجرؒ نے "الاصابہ" میں بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت جرہدؓ بائیں ہاتھ سے کھانا کھا رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو فرمایا، دائیں ہاتھ سے کھایا کرو۔

حضرت جرہدؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہ اس میں آزار ہے (کوئی ایسی تکلیف ہے کہ داہنے ہاتھ کے استعمال سے معذور رہوں)

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آزار پر دم کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے آزار کو دور کر دیا اور پھر کبھی اس ہاتھ میں کوئی شکایت پیدا نہیں ہوئی۔

علامہ ابن سعدؒ کا بیان ہے کہ حضرت جرہد اسلمیؓ نے امیر معاویہؓ کے عہدِ خلافت میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ



حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ آپؐ فرماتے تھے کہ تمام عملوں کا دار و مدار نیت پر ہے اور ہر شخص وہی کچھ پائے گا جس کی اس نے نیت کی۔ جس نے اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہجرت کی اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول ہی کے لیے ہوگی اور جس نے دنیا حاصل کرنے کے لیے کی وہ اُسے پالے گا۔ یا کسی عورت سے نکاح کرنے کے لیے ہجرت کی تو اس کی ہجرت اسی چیز کے لیے شمار ہوگی جس کے لیے اس نے ہجرت کی۔ (صحیح بخاری و مسلم)

حضرت جُعشُم الخیرؓ بن خلیبہ حُریمی

(۱)

حضرت جُعشُمؓ ان صحابہ کرامؓ میں سے ہیں جن کو بارگاہِ رسالت سے "خیر" کا لقب عطا ہوا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بڑے نیک فطرت، نیکو کار اور صالح آدمی تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:

جُعشُمؓ بن خلیبہ بن شامی (یا شاہی) بن موہب بن اسد بن جعشم بن حُریم بن صدف۔

ان کی شادی قریش کے خاندان بنی امیہ میں ہوئی۔ بیوی کا نام آمنہ بنت طلیق (بن سفیان بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصیؒ) تھا۔

۶ ہجری سے پہلے شرفِ ایمان سے بہرہ ور ہوئے۔

(۲)

ذیقعدہ ۶ ہجری میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کے لیے مکہ کا قصد فرمایا تو چودہ سو صحابہ کرامؓ آپؐ کے ہمرکاب تھے۔ ان میں جعشم الخیرؓ بھی شامل تھے۔ مشرکین مکہ کی مزاحمت کی بناء پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ کے مقام پر ٹھہر گئے وہیں بیعت رضوان کا تاریخ ساز واقعہ پیش آیا جس میں آپؐ کے تمام جاں نثاروں نے ایک درخت کے نیچے باطل کے خلاف آخری دم تک لڑنے کی بیعت کی۔ حضرت جعشمؓ کو بھی یہ عظیم سعادت حاصل ہوئی۔

حافظ ابن عبد البرؒ کا بیان ہے کہ سید الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنا پیرہن مبارک، نعلین اور کچھ موئے مبارک عنایت فرمائے ع

یہ نصیب، اللہ اکبر، لوٹنے کی جائے ہے

بیعتِ رضوان کے بعد حضرت جعشم رضؓ کا ذکر عہدِ رسالت کے کسی غزوے میں نہیں آتا لیکن قیاس یہ ہے کہ وہ بعض غزوات میں ضرور شریک ہوئے ہوں گے۔

(۳)

حضرت جُعشُمُ الخیر رضؓ کے زمانۂ وفات کے بارے میں دو روایتیں ہیں ایک تو یہ کہ وہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے عہدِ خلافت میں مرتدین کے استیصال کے لیے بھیجے جانے والے کسی لشکر میں شامل تھے اور مرتدین کے خلاف جہاد کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔

دوسری روایت یہ ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے عہدِ خلافت میں بھی حیات تھے اور جب مصر پر لشکر کشی ہوئی تو وہ اس میں مجاہدانہ شریک ہوئے اور کئی معرکوں میں دادِ شجاعت دی یہاں تک کہ مصر پر پرچم اسلام بلند ہو گیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے عہدِ فاروقی کے اواخر یا اس کے بعد کسی وقت وفات پائی۔ واللہ اعلم بالصواب

رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

قیامت کے دن رحمتِ خداوندی کا سایہ کن لوگوں پر ہوگا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا۔ کیا تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سایہ میں قیامت کے دن کون سب سے پہلے پناہ پائیں گے۔ لوگوں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے۔ فرمایا۔ وہ لوگ کہ جب حق پیش کیا جائے تو قبول کر لیں اور جب حق اُن سے مانگا جائے تو بے تامّل دیں اور دُوسروں کے معاملہ میں وہی فیصلہ کریں جو وہ خود اپنے معاملے میں کرتے ہیں۔

(رواہ احمد مشکوٰۃ باب الامارۃ والقضاء ص ۳۲۲)

حضرت جُعَیلؓ بن سراقہ

(۱)

حضرت جعیلؓ بن سراقہ کا نہ شجرۂ نسب کسی کو معلوم ہے اور نہ ان کے نام اور خاندان پر ارباب سیر کا اتفاق ہے۔ ظاہری حُسن اور وجاہت سے یکسر محروم تھے اور مادّی وسائل کی یہ کیفیت تھی کہ فقرائے اسلام یعنی اصحاب صُفّہ میں شامل تھے۔ ان تمام باتوں کے باوصف وہ سیدالانبیاء والمرسلین صَلّی اللہ عَلَیہِ وَسَلَّم کے نہایت محبوب صحابی تھے اور آپؐ ان پر بے حد اعتماد فرماتے تھے۔

ان کا نام بعض نے جُعَیل لکھا ہے اور بعض نے جعال۔ ایک روایت میں جفّال بھی آیا ہے مگر بقول ابن اثیرؒ یہ بالکل غلط ہے۔ جہاں تک جعیل اور جعال کا تعلّق ہے تو امام محمد بن اسحاقؒ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جُعَیل صحیح نام ہے البتہ دوسرے ارباب سیر نے جعال کو ترجیح دی ہے۔ ایک رائے یہ بھی ہے کہ شاید "جُعَیل" جعال کی تصغیر ہے [1] واللہ اعلم بالصواب

اب رہا خاندان تو بعض نے ان کو غفاری لکھا ہے، بعض نے ضمری، بعض نے

---

[1] ارباب سیر نے جعال اور جعیل نام کے دو اور صحابہ کا ذکر بھی کیا ہے۔

حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صَلّی اللہ عَلَیہِ وَسَلَّم کی خدمت میں حاضر عرض کیا کہ یارسول اللہ بتایئے کہ اگر میں آپ کے سامنے (کفار سے) لڑوں یہاں تک کہ قتل کر دیا جاؤں تو کیا اللہ تعالیٰ مجھے جنّت میں داخل کر دے گا اور مجھے حقیر نہ سمجھے گا؟ آپؐ نے فرمایا، ہاں۔ انہوں نے عرض کیا، یارسول اللہؐ یہ کیونکر ہو گا، میرے بدن سے تو بدبو آتی ہے۔ میرا رنگ سیاہ ہے اور میں کمینہ خاندان سے ہوں۔ یہ کہہ کر وہ چلے گئے اور صف جنگاہ

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ثعلبی اور بعض نے حمیری لکھا ہے اور کچھ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ بنی سواد سے تعلق رکھتے تھے جو بنی سلمہ کی ایک شاخ ہے۔ واللہ اعلم

(۲)

اللہ تعالیٰ نے حضرت جُعیلؓ کو حُسنِ صورت کے بجائے حُسنِ سیرت سے نوازا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

میں گھس کر لڑنا شروع کر دیا یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ رسول اللہ صَلَّی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ادھر سے گزر ہوا تو آپؐ نے فرمایا، اے جعال! اب اللہ نے تمہارے بدن کو خوشبودار کر دیا اور تمہارا چہرہ سپید کر دیا۔

بعض اہلِ سیر نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ بھدے خدوخال اور سیاہ رنگ کے یہی وہ جعال ہیں جو رسولِ اکرم صَلَّی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے صحابی تھے مگر ابنِ اثیرؒ کہتے ہیں کہ یہ جعال اور ہیں کیونکہ وہ رسول اللہ صَلَّی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے زمانے میں شہید ہو گئے تھے جبکہ دوسرے جعالؓ نے نبی صَلَّی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے روایت کی ہے۔ اسی طرح جعیل کے بارے میں حضرت عروہؒ بن زبیرؓ نے عبداللہ بن کعبؓ بن مالک سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے غزوۂ احزاب میں خندق کھدوانی شروع کی تو آپؐ نے مختلف کام لوگوں میں تقسیم کر دیئے (کوئی کھودتا تھا کوئی مٹی ڈھوتا تھا) اور خود رسول اللہ صَلَّی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّم بھی ان کے ساتھ برابر کام کر رہے تھے۔ لوگوں میں ایک شخص جعیل تھے جن کا نام حضورؐ نے عمر رکھا تھا۔ بعض لوگوں نے رجز میں یہ شعر پڑھا:

سماہ من بعد جعیل عمرا ۔۔۔ وکان للبائس یوما ظہرا

(یعنی آنحضورؐ نے جعیل کے بجائے ان کا نام عمر رکھا ۔۔۔ وہ ایک زمانے میں غریبوں کے پشت پناہ تھے)

اور رسول اللہ صَلَّی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّم بھی جب وہ عمرا کہتے تھے تو عمرا کہتے تھے اور جب وہ لوگ ظہرا کہتے تھے تو آپؐ بھی ان کے ساتھ ظہرا کہتے تھے۔

ایک اور جعیل جن کا ذکر کُتبِ سیر میں آیا ہے ان کے باپ کا نام زیاد بیان کیا گیا ہے اور ان کو بصراحت بنو اشجع کے ایک فرد بتایا گیا ہے۔ (اُسُد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ)

تھا۔ وہ دعوتِ توحید کے ابتدائی زمانے ہی میں شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہو گئے اور اپنے اخلاصِ عمل کی بدولت بارگاہِ رسالت میں درجۂ تقرب حاصل کر لیا۔ سب سے پہلے غزوۂ اُحد میں دادِ شجاعت دی۔ اس کے بعد غزوۂ خندق اور اس سے متصل غزوۂ بنی قریظہ میں شریک ہوئے۔ آخر الذکر غزوہ میں ان کی ایک آنکھ شہید ہو گئی۔

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک حضرت جعیلؓ کی کیا قدر و منزلت تھی اس کا اندازہ اس امر سے کیا جا سکتا ہے کہ ۶ھ ہجری میں آپؐ غزوۂ بنی مصطلق (یا مُریسیع) کے لیے تشریف لے گئے تو حضرت جُعیلؓ کو اپنی جگہ مدینہ کا امیر بنا کر چھوڑ گئے (الاصابہ)

فتح مکہ کے بعد غزوۂ حُنین (۸ھ) پیش آیا تو حضرت جعیلؓ اس میں بڑے جوش اور جذبے کے ساتھ شریک ہوئے۔ کفار کی شکست کے بعد حضورؐ نے مالِ غنیمت تقسیم کیا تو آپؐ نے نئے مسلمانوں کو تالیفِ قلب کے لیے زیادہ حصہ دیا۔ ایک صاحب نے بارگاہِ رسالت میں عرض کیا، یا رسول اللہؐ! آپؐ نے اقرع بن حابس تمیمی اور عیینہ بن حصن فزاری کو سَو سَو اونٹ دیئے اور جعیل کو آپ نے چھوڑ دیا ——— آپؐ نے فرمایا:

"قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اگر تمام روئے زمین پر عیینہ اور اقرع جیسے لوگ ہو جائیں تو جعیل مجھے ان سب سے زیادہ محبوب ہے، میں نے اقرع اور عیینہ کو تالیفِ قلب کے لیے دیا ہے (تاکہ وہ راسخ الایمان مسلمان بن جائیں) اور جعیل تو (سچا اور پکا) مسلمان ہی ہے۔" (سیرۃ ابنِ ہشام)

اربابِ سیر نے حضرت جُعیلؓ کے ایک بھائی کا ذکر کیا ہے جس کا نام عوفؓ تھا وہ بھی شرفِ صحابیت سے بہرہ ور تھے۔ ان سے روایت ہے کہ میرے ہاتھ سے (حادثاتی طور پر) سنان بن سلمہ کو تلوار لگ گئی جس کے صدمہ سے وہ فوت ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی دیت نہیں دلائی اور میرے بھائی جعیلؓ بن سراقہ کی آنکھ غزوۂ بنی قریظہ میں جاتی رہی اس کی دیت بھی آپؐ نے نہیں دلائی۔ (اُسد الغابہ)

رضی اللہ عنہم



حضرت جُندُبؓ بن عبداللہ بجلی

(۱)

علامہ ابن اثیرؒ نے "اُسدُ الغابہ فی معرفۃ الصحابہ" میں ان کے حسب و نسب کے بارے میں یہ عبارت لکھی ہے:

"جندبؓ بن عبداللہ بن سفیان بجلی علقی۔ (عَلَقہ بفتح عین و لام) ایک شاخ ہے قبیلۂ بجیلہ کی یہ عَلَقہ بیٹے ہیں عبقر بن انمار بن اراش بن عمرو بن غوث۔"

حضرت جُندُبؓ بن عبداللہ اگرچہ قدمائے صحابہ میں نہیں ہیں لیکن اپنے علم و فضل اور روایت حدیث کی بنا پر جلیل القدر صحابہ میں شمار ہوتے ہیں۔ ابن مندہؒ اور حافظ ابو نعیمؒ نے لکھا ہے کہ لوگ ان کو "جُندُبُ الخیر" کہتے تھے[1]

کسی سیرت نگار نے حضرت جُندُبؓ کے قبولِ اسلام کا زمانہ نہیں لکھا البتہ ان سے مروی احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا کافی فیضِ صحبت اٹھایا۔ حضورؐ کی رحلت کے بعد طویل عرصہ تک زندہ رہے۔ پہلی صدی ہجری کے چھٹے اور ساتویں عشرے میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور اُموی حکمرانوں کے درمیان جو کشمکش ہوئی، حضرت جُندُبؓ اس وقت حیات تھے۔ وہ اس خانہ جنگی کو فتنہ سے تعبیر کرتے تھے اور لوگوں کو اس سے کنارہ کش ہونے کی تلقین کرتے تھے۔ اُس زمانے میں ایک دن انہوں نے لوگوں کو جمع کیا اور ان کے سامنے یہ تقریر کی:۔

---

[1] ابن کلبی نے اس سے اختلاف کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ "جندب الخیر" وہ جُندب تھے جو عبداللہ بن اخرم ازدی غامدی کے بیٹے تھے جبکہ یہ جُندُب بجلی تھے (واللہ اعلم بالصواب)

"اے لوگو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کا ایک لشکر مشرکوں کی طرف بھیجا۔ جب دونوں فریق ایک دوسرے کے مقابل ہوئے تو مشرکوں میں ایک ایسا شخص تھا کہ جب وہ کسی مسلمان پر حملہ کرتا اسے قتل کر دیتا۔ ایک مسلمان نے (جو اسامہ بن زیدؓ تھے) موقع پا کر اس کو اپنی تلوار کی زد میں لے لیا۔ اس نے (اپنے بچاؤ کے لیے) کہا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ مگر انہوں نے (اس کے کہنے کو التفات کے قابل نہ سمجھا اور) اس کو قتل کر دیا۔ پھر یہ لشکر فتح کی خوشخبری لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں واپس آیا۔ آپؐ نے سب کیفیت دریافت کی اور پھر آپؐ نے اسامہؓ کو بلا کر پوچھا کہ تم نے اس شخص کو کیوں قتل کیا؟ انہوں نے عرض کیا، یا رسول اللہؐ! اس شخص نے مسلمانوں میں سخت آفت برپا کر رکھی تھی، فلاں فلاں مسلمان کو اس نے قتل کیا تھا۔ جب میں نے اس پر تلوار اٹھائی تو اس نے (اپنے آپ کو تلوار کی زد میں دیکھ کر جان بچانے کے لیے) لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہہ دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، پھر تم نے اس کو قتل کر دیا۔ انہوں نے عرض کیا، ہاں۔ آپؐ نے فرمایا، پھر تم لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کا کیا جواب دو گے جب وہ قیامت کے دن (مشکل ہو کر) آئے گا۔ آپؐ بار بار یہی فرماتے تھے۔"

یہ حدیث بیان کر کے حضرت جُندُبؓ نے لوگوں سے کہا:۔

"دیکھو ایک فتنہ (مسلمانوں کا باہمی جدال و قتال) نمودار ہوا ہے جو اس فتنے میں پڑے گا ہلاک ہو جائے گا۔"

لوگوں نے کہا، "اللہ آپ کو خوش رکھے آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں اگر وہ فتنہ ہمارے شہر میں آ جائے؟" (یعنی پھر ہم کیا کریں)

حضرت جُندُبؓ نے فرمایا، "تم اپنے گھروں میں گھس جاؤ۔"

لوگوں نے کہا، "اگر فتنہ ہمارے گھروں میں بھی آ جائے تو پھر کیا کریں؟"

فرمایا، "تو تم اپنی کوٹھڑیوں میں گھس جاؤ۔"
لوگوں نے کہا: "اگر فتنہ ہماری کوٹھڑیوں میں بھی آجائے تو ہم کیا کریں؟"
فرمایا: "تم اپنے چھپنے کے مقامات میں پناہ لو۔"
لوگوں نے کہا: "اگر وہ ہمارے چھپنے کے مقامات میں بھی آجائے تو پھر کیا کریں؟"
حضرت جندبؓ نے فرمایا: "تو خدا کے بندے مقتول بنو قاتل نہ بنو۔" (اسد الغابہ)

(۲)

حضرت جندبؓ بن عبداللہ کو تبلیغ و ہدایت میں بڑا انہماک تھا۔ لوگوں کو اکثر اپنے مواعظ حسنہ سے مستفیض کرتے رہتے تھے۔ بعض علماء نے اپنی کتابوں میں ان کے مواعظ نقل کیے ہیں ان میں سے کچھ یہ ہیں:

"لوگو! اللہ سے ڈرو اور قرآن پڑھو۔ یہ اندھیری رات کے لیے نور ہے اور دن کے لیے رونق۔ تمہاری جو بھی حالت ہو قرآن پڑھو، اگرچہ مشقت اور فاقہ کا سامنا ہو جب مصیبت آئے تو اپنے مال کو اپنے نفس کو بچانے کے لیے لگاؤ، اور جب مصیبت دور ہو جائے تو اپنے نفسوں کو دین کی حفاظت میں لگاؤ۔

سن لو! محروم وہ ہے جو اپنے دین سے محروم ہوا اور ہلاک ہونے والا وہ ہے جس کا دین ہلاک ہوا۔

سن لو کہ جنت میں داخلہ کے بعد افلاس نہیں اور جہنم میں داخلہ کے بعد دولت نہیں۔ جہنم اپنے قیدی کو نہ چھوڑے گی۔ اپنے میں اترنے والے کو بری نہ کرے گی اور اس میں جلانے والی آگ فرد نہ ہو گی۔ اور بے شک بات یہ ہے کہ جنت اور مسلمان کے درمیان وہ تھوڑا سا خون بھی حائل ہو جائے گا جو اس نے اپنے مسلمان بھائی کا بہایا ہے۔ جب کبھی وہ ارادہ کرے گا کہ جنت کے کسی دروازے سے داخل ہو جائے تو وہ خون اس کے سامنے آجائے گا جو اس کو دھکا دے گا اور تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ آدمی جب مر جاتا ہے اور دفن کر دیا جاتا ہے تو سب سے پہلے اس کا پیٹ سڑتا ہے لہٰذا اس بدبو کے ساتھ

حرام مال سے گندگی میں اضافہ نہ کرو اور اللہ سے اپنے مالوں اور خونوں کے معاملہ میں ڈرو اور اس سے (مسلمان بھائی کا خون بہانے اور حرام مال کمانے سے) پرہیز کرو۔

(بیہقی فی شعب الایمان۔ کنز العمال)

حضرت جُندُبؓ فرمایا کرتے تھے کہ دوسروں کو نصیحت کرنے والا اور خود کو بھول جانے والا شمع کی طرح ہے جو خود جل کر دوسروں کو روشنی دیتی ہے۔

(جامع بیان العلم وفضلہ — ابن عبدالبرؒ)

ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ حضرت جُندُبؓ بن عبداللہ نے کوفہ میں سکونت اختیار کرلی تھی۔ کچھ عرصہ بعد وہ بصرہ چلے گئے۔ کُتُبِ سِیَر ان کے سالِ وفات کے بارے میں خاموش ہیں۔ قیاس یہ ہے کہ انہوں نے ۷۳ھ ہجری اور ۸۶ھ کے درمیان کسی وقت وفات پائی۔ یہ عبدالملک بن مروان کا زمانۂ خلافت تھا۔

(۳)

حضرت جُندُب بن عبداللہ سے متعدد احادیث مروی ہیں ان کے رواۃِ حدیث میں حضرت حسن بصریؒ، محمدؒ بن سیرینؒ، انس بن سیرینؒ، ابو السوار عدوی رحؒ، یونس بن جبیر باہلیؒ، بکرؒ بن عبداللہؒ، صفوان بن محرزؒ، ابو عمران جونیؒ، اسود بن قیسؒ، عبدالملک بن عمیرؒ اور سلمہ بن کہیلؒ شامل ہیں۔

حضرت جُندُبؓ بن عبداللہ سے مروی کچھ احادیث یہ ہیں:

(۱) میں (جُندُب) عیدالاضحیٰ کے دن رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ابھی آپؐ نماز سے پوری طرح فارغ نہ ہوئے تھے یعنی ابھی خطبہ نہ پڑھا تھا کہ آپؐ نے قربانیوں کا گوشت دیکھا جو نماز سے فارغ ہونے سے پہلے ذبح کی گئی تھیں۔ یہ دیکھ کر آپؐ نے فرمایا، جس شخص نے نماز سے فارغ ہونے سے پہلے ذبح کیا یا یہ فرمایا کہ جس شخص نے اس سے پہلے کہ ہم نماز سے فارغ ہوں، ذبح کیا، اس کو چاہیے کہ وہ اس کی جگہ

دوسری قربانی کرے۔ ایک روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے دن نماز پڑھی۔ پھر خطبہ پڑھا پھر قربانی کی اور فرمایا، جس نے نماز پڑھنے سے پہلے قربانی کی ہے اس کو چاہیئے کہ وہ اللہ کا نام لے کر پھر قربانی کرے۔ (مشکوٰۃ شریف بحوالہ بخاری و مسلم)

(۲) نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے پاس جبریلؑ کے آنے میں کچھ وقفہ ہوا تو قریش میں سے ایک (کافر) عورت نے کہا، اس کے شیطان (نعوذ باللہ) نے اس کے پاس آنے میں دیر کی ہے تو یہ آیات نازل ہوئیں:

وَالضُّحٰی ۙ وَالَّیْلِ اِذَا سَجٰی ۙ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰی ۙ (سُوْرَۃُ الضُّحٰی)

(قسم ہے روز روشن کی اور رات کی جب وہ سکون کے ساتھ طاری ہو جائے (اے نبی) تمہارے رب نے تم کو ہرگز نہیں چھوڑا۔) (صحیح بخاری)

(۳) رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا:

"ایک شخص نے کہا، خدا کی قسم اللہ تعالیٰ فلاں شخص کی مغفرت نہیں فرمائے گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا، یہ میرے متعلق قسم کھانے والا کون ہوتا ہے؟ جو کہتا ہے کہ میں فلاں شخص کی مغفرت نہیں کروں گا۔ میں نے اس شخص کی (جس کے متعلق قسم کھائی گئی) مغفرت کر دی اور تیرے (قسم کھانے والے کے) اعمال ضائع کر دیئے۔ (صحیح مسلم)

(۴) رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ایک جماعت کو حضرت عبیدہؓ بن حارث کی سرکردگی میں (ایک مہم پر) روانہ ہونے کا حکم دیا۔ حضرت عبیدہؓ بن حارث (جو بوڑھے آدمی تھے اور حضورؐ سے غایت درجہ عقیدت و محبت رکھتے تھے آپؐ سے جدائی کے خیال سے) رونے لگے۔ اس پر آپؐ نے ان کی جگہ عبداللہؓ بن جحش کو روانہ کیا اور ان کو ایک پروانہ دے کر حکم دیا کہ اس پروانے کو فلاں مقام پر پہنچنے سے پہلے نہ پڑھیں اور اپنے ساتھیوں میں سے کسی کو اپنے ساتھ چلنے پر مجبور نہ کریں۔ جب عبداللہؓ اس مقام پر پہنچے تو حضورؐ کا پروانہ پڑھا اس

وقت ان کی زبان سے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ نکلا اور انہوں نے کہا، ہم نے اللہ اور اس کے رسول کا کہنا سُنا اور اس کی اطاعت کی۔ راوی کہتے ہیں کہ ان میں سے ایک آدمی (ان کے ساتھیوں میں سے) واپس آگیا اور باقی ان کے ساتھ چلے۔ ان لوگوں کی ابن حضرمی سے ملاقات ہوئی اور انہوں نے اسے قتل کر دیا۔ انہیں یہ نہ معلوم ہو سکا کہ یہ جمادی الآخر کا مہینہ ہے یا رجب کا شروع۔ مشرکین نے کہا کہ شہرِ حرام میں ابنِ حضرمی کی جماعت کو ان لوگوں نے مارا ہے اس پر یہ آیۃ اتری:

یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الشَّھْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِیْہِ ؕ قُلْ قِتَالٌ فِیْہِ کَبِیْرٌ ؕ وَصَدٌّ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَکُفْرٌۢ بِہٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَاِخْرَاجُ اَھْلِہٖ مِنْہُ اَکْبَرُ عِنْدَ اللّٰہِ ۚ وَالْفِتْنَۃُ اَکْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ؕ (سورۂ بقرہ رکوع ۔ ۲۶)

(لوگ پوچھتے ہیں ماہِ حرام میں لڑنا کیسا ہے؟ کہو اس میں لڑنا بہت بُرا ہے مگر راہِ خدا سے لوگوں کو روکنا اور اللہ سے کفر کرنا اور مسجدِ حرام کا راستہ خدا پرستوں پر بند کرنا اور حرم کے رہنے والوں کو وہاں سے نکالنا اللہ کے نزدیک اس سے بھی زیادہ بُرا ہے اور فتنہ پردازی قتل سے شدید تر ہے)

اس پر بعض مسلمانوں نے خیال کیا کہ اہلِ سریّہ نے کوئی غلط کام نہیں کیا لیکن ان کے لیے ثواب نہیں ہے۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیۃ نازل کی:

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ ھَاجَرُوْا وَجٰھَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ۙ اُولٰٓئِکَ یَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰہِ ؕ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○ (سورۂ بقرہ رکوع ۲۶)

(حقیقتاً جو لوگ ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے اللہ کی راہ میں اپنا گھر بار چھوڑا اور جہاد کیا ہے وہ رحمتِ الٰہی کے جائز امیدوار ہیں اور اللہ ان کی لغزشوں کو معاف کرنے والا اور اپنی رحمت سے انہیں نوازنے والا ہے)

(بیہقیؒ۔ ابن ابی حاتمؒ۔ ابن کثیرؒ)

⑤ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص صبح کی نماز پڑھ لیتا ہے وہ اللہ عزوجل

کی پناہ میں ہو جاتا ہے پس خیال رکھو کہ اللہ تم سے اپنے حق کے متعلق مطالبہ نہ کرے۔ (اُسدُ الغابہ فی معرفۃ الصحابہ ترجمہ جُندُبؓ بن عبداللہ)

(۶) میں (جُندُب بن عبداللہ) علم کی تلاش میں مدینہ آیا اور مسجدِ نبوی میں داخل ہوا۔ میں نے دیکھا کہ کچھ لوگ مسجد میں حلقے بنائے ہوئے بات کر رہے ہیں۔ میں نے ان حلقوں پر گزرنا شروع کیا یہاں تک کہ میرا گزر ایک ایسے حلقے پر ہوا جس میں ایک ایسے شخص تھے جن کے چہرے کا رنگ متغیر تھا۔ ان پر دو کپڑے تھے گویا کہ وہ سفر سے آ رہے ہیں۔ میں نے ان کو یہ کہتے ہوئے سُنا، رَبِّ کعبہ کی قسم حاکموں سے بیعت کرنے والے ہلاک ہو گئے اور مجھے ان کا رنج نہیں، میرا خیال ہے کہ یہ بات انہوں نے کئی مرتبہ کہی۔ میں ان کے پاس بیٹھ گیا۔ سو وہ جب تک مقدر میں تھا، بات کرتے رہے اس کے بعد کھڑے ہو گئے۔ جب وہ چلے گئے تو میں نے لوگوں سے پوچھا، یہ کون صاحب تھے ؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ مسلمانوں کے سردار اُبَیؓ بن کعب تھے۔ تب میں ان کے پیچھے چل دیا یہاں تک کہ ان کے مکان پر آیا۔ میں نے دیکھا کہ مکان اور اس کا سب سامان پرانا ہے اور یہ صاحبِ زہد اور لوگوں سے الگ تھلگ رہنے والے ہیں ـــــ میں نے انہیں سلام کیا۔ انہوں نے سلام کا جواب دیا۔ پھر مجھ سے دریافت کیا کہ تم کن لوگوں میں سے ہو ؟ میں نے کہا۔ اہلِ عراق سے۔ انہوں نے کہا، یہ لوگ (یعنی اہلِ عراق) مجھ سے کثرت سے سوال کرتے ہیں۔ مجھے ان کی بات سُن کر غصہ آ گیا۔ میں اپنے گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا اور میں نے اپنے ہاتھ اس طرح اٹھائے (یعنی اپنے چہرے کے سامنے اور قبلہ رخ ہو کر) پھر میں نے کہا:ـــــ اے میرے اللہ ! ہم ان کی شکایت تجھ سے کرتے ہیں، ہم خرچ برداشت کرتے ہیں، اپنے بدنوں کو مشقت میں ڈالتے ہیں، اپنی سواریوں کو کوچ کراتے ہیں (صرف) علم کی تلاش کے لیے اور جب ہم ان سے ملتے ہیں

تو ان کو ناگوار گزرتا ہے اور یہ ہم سے ایسی ویسی باتیں کرتے ہیں ــــ یہ سن کر حضرت ابیؓ رو دیئے اور مجھے راضی کرنے کی کوشش کرنے لگے۔ انہوں نے مجھ سے کہا، تجھ پر افسوس ہے میرا یہ مقصد نہیں تھا، میرا یہ مقصد نہیں تھا۔ پھر کہا، اے میرے اللہ! میں تجھ سے عہد کرتا ہوں اگر تو نے مجھے جمعہ تک باقی رکھا تو البتہ میں وہ بات ضرور کہوں گا جو میں نے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے سُنی ہے اور اس بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی پروا نہیں کروں گا ــــ میں ان کی یہ بات سن کر چلا آیا اور جمعہ کا انتظار کرنے لگا۔ پس جب جمعرات کا دن آیا اور میں اپنی بعض ضروریات کے لیے (باہر) نکلا تو کیا دیکھتا ہوں کہ تمام راستوں پر لوگوں کا ہجوم ہے۔ کوئی گلی کوچہ ایسا نہیں تھا جس میں لوگ مجھ سے نہ ملے ہوں۔ میں نے پوچھا، کیا بات ہے کہ لوگ جمع ہیں؟ لوگوں نے کہا، شاید تو مسافر ہے۔ میں نے کہا، ہاں۔ تو لوگوں نے بتایا کہ سید المسلمین حضرت اُبَیؓ بن کعب وفات پا گئے ہیں۔ اس کے بعد میں حضرت ابوموسیٰؓ (اشعری) سے عراق میں ملا اور ان کو حضرت اُبَیؓ کا یہ قصہ سُنایا تو انہوں نے فرمایا، ہائے افسوس! کاش وہ باقی رہتے اور جو بات وہ ہم تک پہنچانا چاہتے تھے، پہنچا دیتے[1]

(طبقات ابنِ سعد ج ۳ ص ۵۰۱)



---

[1] یہ واقعہ ۳۹ سنہ ہجری کا ہے کیونکہ سیدنا حضرت اُبَیؓ بن کعب نے اسی سال وفات پائی تھی معلوم نہیں حضرت اُبَیؓ نے کس پس منظر میں یہ بات ارشاد فرمائی کہ حاکموں سے بیعت کرنے والے ہلاک ہو گئے۔ ان کا اشارہ کسی خاص واقعہ کی طرف بھی ہو سکتا ہے اور یہ مطلب بھی کہ حاکموں کی بیعت کر کے اس سے منحرف ہو جانے والے لوگ ہلاک ہو گئے۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ انہوں نے غلط قسم کے حاکموں کی بیعت کرنے کو ہلاک ہونے کے مترادف قرار دیا ہو۔ (مؤلف)

حضرت حارثؓ بن حاطب انصاری

(۱)

اوس کے خاندان "عمرو بن عوف" سے تھے ۔۔۔ بعض نے ان کا تعلق بنو عبدالاشہل سے بتایا ہے۔ مگر ابنِ اثیرؒ نے پہلے قول کو صحیح قرار دیا ہے۔

نسب نامہ یہ ہے:

حارثؓ بن حاطب بن عمرو بن عبید (عبید) بن امیہّ بن زید بن مالک بن عوف بن عمرو بن عوف بن مالک بن اوس۔

کنیت ابو عبداللہ تھی۔

غزوۂ بدر سے پہلے مُشرّف بہ اسلام ہو گئے تھے۔

(۲)

رمضان ۲ھ ہجری میں رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم غزوۂ بدر کے لیے مدینہ منوّرہ سے روانہ ہوئے تو حضرت حارثؓ بن حاطب اور ان کے چچازاد بھائی حضرت ابولبابہ رفاعہؓ بن عبدالمنذر بھی حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ہمرکاب تھے۔ لشکرِ اسلام روحاء کے مقام پر پہنچا تو حضورؐ نے حضرت حارثؓ اور حضرت ابولبابہؓ دونوں کو واپس مدینہ منوّرہ بھیج دیا۔ حضرت ابولبابہؓ کو تو آپ نے مدینہ کا امیر مقرّر فرمایا اور حضرت حارثؓ کو کوئی اور خدمت تفویض فرمائی۔ بدر میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ حق کو فتح دی تو حضورؐ نے حضرت ابولبابہؓ اور حضرت حارثؓ دونوں کو مالِ غنیمت سے حصہ عطا فرمایا اور ان کو لڑائی میں عملاً حصہ لینے والوں کے برابر ثواب کا حقدار ٹھہرایا۔

(۳)

۳ھ ہجری میں حضرت حارثؓ نے غزوۂ اُحُد میں دادِ شجاعت دی اور ۵ھ ہجری میں غزوۂ خندق میں شریک ہوئے۔ ذیقعدہ ۶ھ ہجری میں انہیں بیعتِ رضوان کا مہتم بالشان شرف حاصل ہوا اور انہوں نے اللہ تعالیٰ سے کھلے لفظوں میں خوشنودی کی بشارت پائی۔

اوائل ۷ھ ہجری میں حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم غزوۂ خیبر کے لیے تشریف لے گئے تو حضرت حارثؓ بھی آپؐ کے ہمرکاب تھے۔ اثنائے جنگ میں یہودیوں کے ایک قلعے سے ایک تیر آیا جو حضرت حارثؓ کے دماغ میں پیوست ہو گیا اس سے دماغ کی ہڈی ٹوٹ گئی اور حضرت حارثؓ جامِ شہادت پی کر خلدِ بریں کو سدھارے۔ (رَحْمَۃٌ لِّلعَالَمِین جلد دوم)

ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ حضرت حارثؓ بن حاطب جنگِ صفّین میں حضرت علیؓ کے ساتھ تھے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ خیبر میں شہید نہیں ہوئے اور اس کے بعد طویل عرصہ تک حیات رہے لیکن یہ روایت ضعیف معلوم ہوتی ہے کیونکہ غزوۂ خیبر کے بعد نہ عہدِ رسالت میں اور نہ خلفائے ثلاثہ کے دَور میں ان کا کہیں ذکر آیا ہے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت حارثؓ بن خالد تیمی

(۱)

نسبی تعلّق بنو تیم سے تھا۔ نسب نامہ یہ ہے:

حارثؓ بن خالد بن صخر بن عامر بن کعب بن سعد بن تیم بن مُرّہ بن کعب بن لُوی تیمی قرشی۔

حضرت حارثؓ کے والد خالد سیّدنا ابوبکر صدیقؓ کی والدہ حضرت سلمیٰؓ بنت صخر کے بھائی تھے۔ اس نسبت سے حضرت حارثؓ سیّدنا صدیق اکبرؓ کے ماموں زاد بھائی تھے اور سیّدنا صدیق اکبرؓ حضرت حارثؓ کے پھوپھی زاد بھائی۔ حضرت حارثؓ بن خالد کی شادی (حضرت) ریطہؓ بنت الحارث بن جَبَلہ (یا جُبَیلہ) بن عامر بن سعد بن کعب بن تیم سے ہوئی تھی۔ ان کا تعلّق بھی بنو تیم سے تھا۔ دونوں میاں بیوی دعوتِ اسلام کی ابتدا ہی میں نعمتِ اسلام سے بہرہ یاب ہو گئے اور اس طرح ان کو سابقین اوّلین کے زمرہ میں شریک ہونے کی مہتم بالشّان سعادت حاصل ہو گئی۔

(۲)

۶ سنہ بعد بعثت میں تقریباً ایک سو صحابہؓ و صحابیاتؓ سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ایماء پر مکّہ سے ہجرت کر کے حبش چلے گئے۔ حضرت حارثؓ بن خالد اور ان کی اہلیہ حضرت ریطہؓ بھی ان مہاجرین میں شامل تھے۔ قیامِ حبشہ کے دوران میں اللہ تعالیٰ نے ان کو چار بچے دیئے۔ موسیٰ، عائشہ، زینب اور فاطمہ۔

ایک روایت کے مطابق ان کی اہلیہ اور چاروں بچے قضائے الٰہی سے حبش ہی میں فوت ہو گئے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ ہجرتِ نبوی کے کچھ عرصہ بعد حضرت حارثؓ بیوی بچوں کو ساتھ لے کر حبش سے عازمِ مدینہ ہوئے۔ راستے

میں ایک مقام پر پانی پیا۔ اس میں سمیت تھی جس کی وجہ سے اہلیہ اور چاروں بچے جاں بحق ہو گئے البتہ وہ خود بچ گئے۔ بیوی بچوں کو وہیں دفنا کر دل شکستگی کے عالم میں یکہ و تنہا مدینہ منورہ پہنچے۔ بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر یہ واقعہ بیان کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو صبر کی تلقین فرمائی۔ حافظ ابن حجرؒ نے "الاصابہ" میں لکھا ہے کہ حضورؐ نے ان کی دلجمعی کے لیے یزید بن ہاشم بن مطلب بن عبد مناف کے ایک غلام کی بیٹی سے ان کی شادی کرا دی مگر ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ آپؐ نے خود یزید بن ہاشم کی بیٹی سے ان کا نکاح کر دیا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اس کے بعد حضرت حارثؓ بن خالد کی زندگی کیسے گزری اور انہوں نے کب وفات پائی اس کے بارے میں ارباب سیر خاموش ہیں۔

(۳)

امام بخاریؒ نے حضرت حارثؓ بن خالد کے ایک فرزند حضرت ابراہیمؓ کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ انہوں نے اپنے والد کے ہمراہ ہجرت کی تھی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؓ، حضرت حارثؓ کی ہجرت حبشہ سے پہلے پیدا ہو چکے تھے۔ یہ ابراہیمؓ اپنے بھائی بہنوں اور والدہ کی حادثاتی موت کے بعد زندہ بچ رہے اور ان کو بھی شرف صحابیت حاصل ہوا۔ ان سے یہ حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک لشکر میں بھیجا (یعنی کسی مہم یا سریہ پر روانہ فرمایا) اور ہمیں حکم دیا کہ صبح و شام یہ آیت پڑھ لیا کریں:

أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ ۝

(سورہ المؤمنون آیۃ ۱۱۵)

(کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ ہم نے تم کو بے فائدہ پیدا کیا ہے اور یہ کہ تم ہماری طرف لوٹ کر نہیں آؤ گے)۔

چنانچہ ہم یہ آیت پڑھتے رہے (اللہ نے ہم کو فتح دی اور ہم مال غنیمت لے کر واپس لوٹے) —— حضرت ابراہیمؓ بن حارثؓ کے بیٹے محمدؒ بہت بڑے فقیہ ہوئے ہیں اور یہ حدیث انہوں نے ہی اپنے والد سے روایت کی ہے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہما

حضرت حاطبؓ بن الحارث جمحیؒ

(۱)

مشہور صحابی حضرت عثمانؓ بن مظعون کے بھانجے تھے اور قریش کی شاخ بنو جمحؒ کے چشم و چراغ تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:

حاطبؓ بن حارث بن معمر بن حبیب بن وہب بن حذافہ بن جمحؒ جمحی قرشی۔

والدہ کا نام قتیلہ بنت مظعون بن حبیب بن وہب بن حذافہ بن جمحؒ تھا۔

حضرت حاطبؓ کی شادی فاطمہؓ بنت مُجلّل عامریہ سے ہوئی تھی دونوں میاں بیوی کو اللہ تعالیٰ نے فطرتِ سعید سے نوازا تھا۔ چنانچہ دونوں دعوتِ توحید کے بالکل ابتدائی زمانے میں شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہو گئے —— یوں وہ السَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ کی اس مقدّس جماعت میں شامل ہو گئے جس کو اللہ تعالیٰ نے کھلے لفظوں میں جنّت کی بشارت دی ہے۔

(۲)

حضرت حاطبؓ اور ان کی اہلیہ نے جس زمانے میں (بعثت کے ابتدائی تین سالوں کے اندر) اسلام قبول کیا اس وقت ہادیٔ برحق صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رازداری کے ساتھ فریضۂ تبلیغ انجام دے رہے تھے۔ بعثت کے چوتھے سال جب آپؐ نے لوگوں کو کھلے عام حق کی طرف بُلانا شروع کیا تو مشرکینِ مکہ کے قہر و غضب کی بجلیاں تڑپ تڑپ کر اہلِ حق پر گرنے لگیں۔ جب ان کے مظالم حد سے بڑھ گئے تو ۵ھ بعدِ بعثت میں مظلوم مسلمانوں کی ایک مختصر جماعت آنحضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے ایماء پر حبش کی طرف ہجرت کر گئی۔ اس سے

اگلے سال ۶ھ بعد بعثت میں تقریباً ۸۳ مردوں اور ۱۷ عورتوں پر مشتمل مسلمانوں کے ایک بڑے قافلے نے حبش کی طرف ہجرت کی۔ اس قافلے میں حضرت حاطبؓ اور ان کی اہلیہ دونوں شامل تھے۔

قیام حبشہ کے دوران میں حضرت حاطبؓ اور حضرت فاطمہؓ کو اللہ تعالیٰ نے دو فرزند عطا کیے محمدؓ اور حارثؓ مگر خود حضرت حاطبؓ کا پیمانۂ زندگی لبریز ہو چکا تھا۔ ان بچوں کی پیدائش کے کچھ عرصہ بعد غربت کدۂ حبش ہی میں پیک اجل کو لبیک کہا۔ ان کی بیوہ حضرت فاطمہ بنت مجُلّل ۷ھ ہجری میں بچوں کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ پہنچیں۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت حاطبؓ کے دونوں بچے محمدؓ اور حارثؓ ان کی ہجرت حبشہ سے پہلے پیدا ہو چکے تھے اور ان دونوں نے صغر سنی میں والدین کے ہمراہ حبش کو ہجرت کی تھی۔ واللہ اعلم بالصواب

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

قومی عزت و آبرو کا انحصار

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

”جب تمہارے نیک اور لائق اشخاص تمہارے حکمران ہوں اور تمہارے مال دار لوگ فیاض ہوں اور تمہارے اجتماعی معاملات آپس کے مشورہ سے طے ہوا کریں تو تمہارے لیے زمین کی پیٹھ اُس کے پیٹ سے بہتر ہوگی اور جب تمہارے بدترین لوگ تمہارے امیر ہونے لگیں اور تمہارے مالدار لوگ بخیل ہو جائیں، اور تمہارے اجتماعی معاملات عورتوں کے سپرد ہو جائیں تو (اُس وقت) تمہارے لیے زمین کا پیٹ زمین کی پیٹھ سے بہتر ہو گا۔ (رواہ ترمذی۔ مشکوٰۃ باب تغیر الناس ص ۴۵۹)

حضرت حاطب رضؓ بن عمرو عامری

(۱)

بعض نے ان کا نام ابو حاطب بیان کیا ہے۔ قریش کی شاخ بنو عامر بن لؤی سے تھے نسب نامہ یہ ہے: —— حاطبؓ بن عمرو بن عبد شمس بن عبدودّ بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر بن لؤیّ عامری قرشی۔ والدہ کا نام اسماء تھا۔

حضرت حاطبؓ اپنے دو بھائیوں حضرت سکرانؓ اور حضرت سلیطؓ کے ساتھ رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے دارِ ارقم میں تشریف لے جانے سے پہلے شرف ایمان سے بہرہ ور ہو گئے۔ اس طرح تینوں بھائیوں کو السابقون الاوّلون میں بھی امتیازی حیثیت حاصل ہو گئی۔ چوتھے بھائی سہیلؓ بن عمرو فتح مکّہ کے موقع پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔

(۲)

مکّہ میں جوں جوں اسلام پھیلتا جاتا تھا، مشرکین قریش اسلام قبول کرنے والوں پر ظلم ڈھانے میں دلیر ہو جاتے تھے۔ ۵ سنہ بعدِ بعثت میں رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مظلوم مسلمانوں کو مشورہ دیا کہ وہ حبش کی طرف ہجرت کر جائیں جہاں ایک نیک بادشاہ کی حکومت ہے اس پر رجب ۵ سنہ نبوّت میں کم و بیش سولہ سترہ صحابہ اور صحابیات پر مشتمل ایک قافلہ مکّہ سے ہجرت کر کے حبش چلا گیا۔ ابن سعدؒ کے بیان کے مطابق اس قافلۂ مہاجرین میں حضرت حاطبؓ بن عمرو بھی شامل تھے۔ تقریباً دو ماہ بعد ان مہاجرین نے یہ خبر سُنی کہ مشرکین مکّہ مسلمان ہو گئے ہیں —— چنانچہ شوّال ۵ سنہ نبوّت میں مہاجرین حبش سے مکّہ کی طرف واپس ہو گئے۔ مکّہ کے قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ مشرکین قریش اپنی اسلام دشمنی پر بدستور قائم ہیں تاہم مہاجرین نے فیصلہ کیا کہ اب ہم واپس آ ہی گئے ہیں تو کیوں نہ مکّہ میں داخل ہو جائیں چنانچہ

ان میں سے ہر ایک کسی نہ کسی کی پناہ لے کر شہر میں داخل ہوا۔ علامہ بلاذریؒ کا بیان ہے کہ حضرت حاطبؓ بن عمرو اپنے خاندان کے ایک معمر رئیس حویطب بن عبدالعزیٰ کی پناہ لے کر شہر میں داخل ہوئے۔ اس واقعہ کے بعد مسلمانوں پر کفار کے مظالم شدید سے شدید تر ہوتے چلے گئے۔ اس پر ۶ سنہ بعد بعثت میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر ہدایت فرمائی کہ مظلوم مسلمان حبش ہی کی طرف ہجرت کر جائیں۔ چنانچہ اب کی بار سَو سے زائد صحابہ اور صحابیات پر مشتمل ایک قافلے نے حبش کی طرف ہجرت کی۔ حضرت حاطبؓ بن عمرو اس قافلے میں بھی شامل تھے گویا انہیں حبشہ کی دونوں ہجرتوں کی سعادت نصیب ہوئی۔

(۳)

حضرت حاطبؓ سات آٹھ سال تک حبش میں مقیم رہے پھر غزوۂ بدر سے کچھ عرصہ پہلے حبشہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے۔ یہ راہِ حق میں ان کی تیسری ہجرت تھی۔ مدینہ منورہ میں انہیں حضرت رفاعہؓ بن عبدالمنذر انصاری نے انہیں اپنا مہمان بنایا۔

حافظ ابن حجرؒ نے "الاصابہ" میں لکھا ہے کہ ۲ سنہ ہجری میں غزوۂ بدالکبریٰ پیش آیا تو حضرت حاطبؓ بن عمرو کو اس میں شریک ہونے کا عظیم شرف حاصل ہوا۔ ابن سعدؒ کے بیان کے مطابق انہوں نے غزوۂ اُحد میں بھی دادِ شجاعت دی۔

غزوۂ اُحد کے بعد ان کے حالاتِ زندگی کے بارے میں اربابِ سیر بالکل خاموش ہیں نہ کسی بعد کے غزوے کے شرکاء میں ان کا نام نظر آتا ہے اور نہ شہداء میں۔

سالِ وفات بھی کسی کتاب میں درج نہیں ہے تاہم ان کی جلالتِ قدر پر سب کا اتفاق ہے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت حبابؓ بن جَزءُ انصاری

(۱)

قبیلہ اوس کے خاندان "بنی ظفر" کے چشم و چراغ تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:

حبابؓ بن جَزء بن عمرو بن عامر بن عبد رزاح بن ظفر انصاری ظفری۔

ایک روایت میں ان کے والد کا نام جُزَی بیان کیا گیا ہے مگر ابن اثیرؒ کی رائے میں جَزء ہی صحیح ہے۔

ہجرت نبوی سے کچھ پہلے یا فوراً بعد شرف ایمان سے بہرہ ور ہوئے۔ اس اعتبار سے وہ قدیم الاسلام انصاری صحابہ میں شمار ہوتے ہیں۔

(۲)

ابن جریر طبری کا بیان ہے کہ حضرت حبابؓ بن جُزء نے سب سے پہلے غزوۂ بدر (رمضان ۲ ہجری) میں دادِ شجاعت دی مگر ابن ماکولاؒ کے بیان کے مطابق وہ سب سے پہلے غزوۂ اُحد میں شریک ہوئے اور اس کے بعد عہد رسالت کے دوسرے تمام غزوات میں بھی سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا۔

سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں وہ عراق عرب کے میدانِ جہاد میں تشریف لے گئے اور قادسیہ کی مشہور لڑائی میں مردانہ وار لڑتے ہوئے شہادت پائی۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت حُبُشؓ الاشعر خزاعی

(۱)

مشہور قبیلہ بنو خزاعہ کی شاخ بنی کعب سے تھے اس لیے ان کو خزاعی بھی کہا جاتا ہے اور کعبی بھی۔ حُبَیشؓ نام تھا اور اشعر لقب۔ بعض نے ان کو حُبیشؓ بن الاشعر لکھا ہے لیکن یہ صحیح نہیں۔ ان کے نسب میں کچھ اختلاف ہے۔ علامہ ابن اثیرؒ نے ذیل کے نسب نامہ کو ترجیح دی ہے:

حُبَیشؓ بن خالد بن منقذ بن ربیعہ بن اصرم بن حنبیش (بروایت دیگر خُبَیس) بن حرام بن حبیشیہ بن کعب بن عمرو الخزاعی۔

ابن کلبی اور ابن ماکولاؒ نے ان کا سلسلۂ نسب اس طرح بیان کیا ہے:

حبیشؓ بن خالد بن حنیف بن منقذ بن اصرم

حضرت حبیشؓ کی کنیت ابو صخر بھی تھی اور ابو خالد بھی۔

(۲)

حضرت حُبَیشؓ مشہور صحابیہ حضرت اُمّ معبد خزاعیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھائی ہیں۔ یہی اُمّ معبدؓ ہیں جن کے خیمے پر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سفر ہجرت کے دوران میں کچھ دیر کے لیے رکے تھے۔ اس واقعہ کے بعد حضرت حُبَیشؓ مشرّف بہ اسلام ہو گئے۔ اہلِ سیر نے یہ تصریح نہیں کی کہ وہ کب اسلام لائے، بہرصورت یہ سعادت ان کو ہجرتِ نبوی کے بعد ہی حاصل ہوئی۔ ان کے شرفِ صحابیت پر سب کا اتفاق ہے۔ ۸ھ ہجری سے پہلے اپنے وطن سے ہجرت کر کے مدینہ منوّرہ چلے گئے تھے۔

رمضان المبارک ۸ھ ہجری میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مکّے پر

پرچمِ حق بلند کرنے کے لیے مدینہ مُنَوَّرہ سے روانہ ہوئے تو دس ہزار جاں نثار آپؐ کے ہمرکاب تھے۔ ان میں حضرت حُبَیش الاشعرؓ بھی شامل تھے۔

مکّہ میں داخل ہوتے وقت وہ لشکر کے اس دستے میں تھے جو حضرت خالدؓ بن ولید کی قیادت میں اسفل مکّہ (زیریں شہر) کی جانب سے شہر میں داخل ہوا۔ ایک روایت کے مطابق حضرت حُبَیش الاشعرؓ اور حضرت کُرزؓ بن جابر فہری اپنے لشکر سے بچھڑ کر دوسرے راستے پر جا پڑے وہاں چند مشرکوں نے ان دونوں کو گھیر کر شہید کر ڈالا۔ پہلے حضرت حُبَیشؓ مردانہ وار لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔ اس کے بعد حضرت کُرزؓ نے ان کی لاش کو اپنی ٹانگوں کے درمیان رکھ کر لڑنا شروع کیا۔ اس وقت وہ یہ رجز پڑھ رہے تھے:

قَدْ علمت صفراء من بنی فہر
نقیۃ الوجہ نقیۃ الصدر
لاضربن الیوم عن ابی صخر

(یعنی قبیلہ بنی فہر کے خوبصورت لوگ مشہور ہیں کہ چہرہ بھی ان کا صاف ہوتا ہے سینہ بھی ان کا صاف ہوتا ہے۔ آج میں ابوصخر کی طرف سے لڑوں گا۔[1]

دوسری روایت میں ان کے اپنے دستۂ فوج سے بچھڑنے کا ذکر نہیں آتا بلکہ یہ کہا گیا ہے کہ مشرکین کے ایک گروہ نے حضرت خالدؓ بن ولید کے فوجی دستے کی مزاحمت کی۔ فریقین میں سخت لڑائی ہوئی جس میں مشرکین کے بہت سے آدمی

---

[1] مولانا عبدالشکور لکھنوی نے ان شعروں کا ترجمہ اسی طرح کیا ہے (اردو ترجمہ اُسدُ الغابہ تذکرہ حضرت کرزؓ بن جابر فہری) بعض دوسرے اربابِ علم نے ان کا یہ ترجمہ کیا ہے:
"بنی فہر کی زرد رنگ اور صاف چہرے اور سینہ والی عورتیں جانتی ہیں کہ آج میں ابی صخر کی طرف سے لڑوں گا"

مارے گئے اور مسلمانوں کی طرف سے حضرت حُبَیشؓ اور حضرت کُرزؓ بن جابر فہری شہید ہوئے۔ بہر صورت اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ حضرت حُبَیشؓ فتح مکہ کے موقع پر شہید ہوئے۔

(۳)

علامہ ابن اثیرؒ نے "اُسدُ الغابہ" میں حضرت حُبَیشؓ سے مروی ایک طویل حدیث نقل کی ہے جس میں سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم کے حضرت اُمِّ معبدؓ کی قیام گاہ پر ورود کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے:

"جب نبی صَلَّی اللہُ علیہ وسلّم اور حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ اور حضرت ابو بکرؓ کے غلام عامرؓ بن فہیرہ اور ان کے رہنما عبداللہ بن اُریقط ہجرت کر کے مکہ سے چلے تو (اثنائے راہ میں) ان کا گزر اُمِّ معبدؓ خزاعیہ کے دونوں خیموں پر ہوا۔ انہوں نے کھال کے خیمے بنا رکھے تھے اور انہی کے سامنے وہ بیٹھی تھیں۔ وہ مسافروں کو پانی پلاتی تھیں اور کھانا کھلاتی تھیں۔ حضرت ابو بکرؓ نے گوشت اور چھوہارے اُمِّ معبدؓ سے مانگے تاکہ خرید لیں۔ مگر وہاں کچھ نہ نکلا۔ وہ لوگ محتاج ہو گئے تھے وہاں قحط پڑ گیا تھا۔ پھر رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم نے خیمے کی درز سے ایک بکری دیکھی تو آپؐ نے پوچھا کہ اے اُمِّ معبد! یہ بکری کیسی ہے؟ اُمِّ معبد نے کہا کہ کمزور ہونے کی وجہ سے یہ بکری ریوڑ سے پیچھے رہ گئی ہے (چرنے کے لیے نہیں جا سکی)

حضور صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم نے فرمایا۔ کیا یہ کچھ دودھ دے سکتی ہے؟

اُمِّ معبدؓ نے کہا، یہ بہت کمزور ہے اس میں دودھ کہاں؟

حضور صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم نے فرمایا، کیا تم اجازت دیتی ہو کہ میں اس بکری کا دودھ دوہ لوں؟

اُمِّ معبد نے کہا، میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں اگر آپؐ اس

میں کچھ دودھ پائیں تو ضرور نچوڑ لیں۔

پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بکری کو منگوایا اور اس کے تھنوں پر ہاتھ پھیرا اور اللہ بزرگ و برتر کا نام لیا اور اس کی بابت دعا کی۔ پس اس کے تھنوں میں دودھ بھر آیا اور وہ پھول گئے۔ آپؐ نے ایک برتن منگوایا جس میں سب لوگ (اُمِّ معبدؓ کے اہلِ خانہ) مل کر کھاتے تھے۔ آپؐ نے اس میں دودھ دوہا یہاں تک کہ دودھ اس کے اوپر تک آگیا۔ پھر آپؐ نے وہ دودھ اُمِّ معبد کو پلایا یہاں تک کہ وہ سیراب ہوگئیں۔ پھر آپؐ نے اپنے اصحاب کو پلایا یہاں تک کہ وہ بھی سیراب ہوگئے۔ پھر سب کے بعد آپؐ نے پیا۔ پھر آپؐ نے اسی برتن میں دوبارہ اس کو دوہا یہاں تک کہ وہ برتن پھر بھر گیا۔ وہ دودھ آپؐ نے اُمِّ معبد کے پاس چھوڑ دیا۔ پھر رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اور آپؐ کے ساتھی وہاں سے چل دیئے۔ تھوڑی دیر کے بعد اُمِّ معبد کا شوہر اپنی دبلی کمزور بکریوں کو لیے ہوئے آیا جو ایسی دُبلی تھیں کہ ان کی ہڈیوں میں مغز بھی کم تھا۔ جب ابو معبد (اُمِّ معبد کے شوہر) نے دودھ دیکھا تو تعجب سے کہا، اے ام معبد! یہ دودھ تمہارے پاس کہاں سے آیا، بکری بھی بہت دنوں کی جنی ہوئی ہے (یعنی اس نے بہت عرصہ پہلے بچّے جنے تھے) اور کوئی دوسرا دودھ والا جانور بھی گھر میں نہیں ہے۔ اُمِّ معبدؓ نے کہا، نہیں واللہ (ایسی کوئی بات نہیں ہے بلکہ ایک مردِ بزرگ کا گزر ہم پر ہوا جس کی بدولت تم یہ دودھ دیکھ رہے ہو۔

ابو معبد نے کہا، اے اُمِّ معبد! ذرا مجھے اس کے کچھ اوصاف (حلیہ وغیرہ) تو بیان کرو۔

اُمِّ معبدؓ نے کہا ـــــ ”میں نے ایک ایسا انسان دیکھا جس کا حُسن

غالب تھا، چہرے پر چمک تھی، خوش خُلق تھا نہ پیٹ بڑا تھا اور نہ سر چھوٹا تھا جسم خوشبودار اور حسین تھا۔ آنکھیں سیاہ تھیں اور پلکیں دراز۔ آواز میں ایک خاص لہجہ تھا۔ گردن میں درازی تھی، داڑھی گھنی تھی۔ ابرو خمدار اور لمبے تھے، اگر وہ چپ ہوتا تو اس کا وقار نمایاں ہوتا تھا۔ اگر وہ کلام کرتا تو ایک رونق ہوتی (یعنی آپؐ کی آواز ماحول پر چھا جاتی) دور سے نہایت جمیل اور باہیبت (بارعب) معلوم ہوتا اور قریب سے نہایت حسین اور شیریں کلام۔ باتیں بہت میٹھی تھیں۔ نہ کم سخن تھا اور نہ بہت باتیں کرنے والا، اس کی باتیں گویا موتیوں کی لڑیاں تھیں۔ میانہ قد تھا نہ ایسا دراز کہ بدنما نظر آئے اور نہ ایسا کہ کوئی اس کو پستہ قامتی کی وجہ سے حقیر سمجھے۔ ایک درمیانی حالت تھی۔ تین آدمی تھے تینوں میں وہی سب سے زیادہ ترو تازہ اور سب سے زیادہ قدر و منزلت رکھنے والا تھا۔ اس کے رفقاء نے اس کے گرد حلقہ باندھ رکھا تھا جب وہ بات کرتا تو وہ اس کی بات بڑی توجہ سے سنتے اور اگر وہ کوئی حُکم دیتا تو وہ فوراً اس کی تعمیل کرتے۔ وہ مخدوم اور مطاع تھا ترش رو اور بے فیض نہ تھا۔“

ابو معبدؓ یہ سُن کر بول اٹھا:—— ”خدا کی قسم! یہ تو وہی صاحب قریش تھے جن کا ذکر ہم سے مکہ میں کیا گیا تھا۔ میں نے ارادہ کر لیا ہے کہ اُن کے ساتھ رہوں گا اور یقیناً میں ایسا ہی کرونگا اگر مجھے اس کا موقع ملا۔“[۱]
رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

---

[۱] مختلف روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو مُعبدؓ اور اُمِّ مُعبدؓ دونوں شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہوئے اور ہجرت کر کے رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔
(ابنِ سعدؒ، بیہقیؒ، ابو نعیمؒ)

حضرت حجاجؓ بن علاط بہزی سُلَمی

(۱)

حجاج نام تھا اور ابو کلاب کنیت تھی۔ بعض نے ابو محمدؔ اور ابو عبداللہ بھی بیان کی ہے۔ خاندانی تعلق بنو سُلیم سے تھا۔ نسب نامہ یہ ہے:

حجاجؓ بن علاط بن خالد بن نویرہ بن حنتر بن ہلال بن عبید بن ظفر بن سعد بن عمرو بن بہز بن امرؤ القیس بن بہثہ بن سلیم بن منصور بہزی سُلَمی۔

غزوۂ خیبر (محرّم ۷ھ ہجری) سے کچھ پہلے شرف اسلام سے بہرہ ور ہوئے۔ حافظ ابن عبدالبرؒ اور بعض دوسرے مؤرّخین نے ان کے قبول اسلام کا محرّک ایک عجیب واقعہ بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت حجاجؓ بن علاط اپنے قبیلے کے کچھ لوگوں کے ساتھ مکّہ جا رہے تھے کہ راستے میں ایک خوفناک جنگل (وادی) میں رات ہو گئی۔ زمانۂ جاہلیّت میں عربوں کا خیال تھا کہ ایسی وادیاں اور جنگل جنّات کا مسکن ہوتے ہیں چنانچہ وہاں قیام کرنے سے پہلے وہ بآواز بلند ان سے پناہ مانگ لیا کرتے تھے۔ حضرت حجاجؓ نے بھی اپنے ساتھیوں کے کہنے پر (یا شاید اس بناء پر کہ وہ اپنے ساتھیوں کے امیر تھے اور ان کی حفاظت کے ذمہ دار تھے) بآوازِ بلند اس طرح کہنا شروع کیا:

اعیذ نفسی واعیذ صحبی　　من کل جنی بھذ النقب
حتی اؤب سالما ورکبی

(یعنی میں نے اپنے آپ کو اور اپنے ساتھیوں کو اس وادی (گھاٹی یا جنگل) کے ہر جنّ سے پناہ میں دیا یہاں تک کہ میں اور میری جماعت

حفاظت کے ساتھ واپس جائے)

اس وقت حضرت حجاجؓ نے سنا کہ کوئی کہنے والا یہ کہہ رہا ہے (کوئی شخص قرآنِ حکیم کی یہ آیت پڑھ رہا ہے۔)

یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ؕ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ۚ

(سورۂ رحمٰن: ۳۲)

(اے گروہِ جن وانس اگر تم زمین اور آسمان کی سرحدوں سے نکل کر بھاگ سکتے ہو تو بھاگ دیکھو۔ نہیں بھاگ سکتے اس کے لیے بڑا زور چاہیئے)

یہ آیت ان کے دل پر نقش ہو گئی۔ مکّہ پہنچے تو مشرکین قریش کے سامنے یہ واقعہ بیان کیا اور یہ آیت بھی پڑھی۔ مشرکین نے کہا معلوم ہوتا ہے کہ تم بھی بے دین (صابی) ہو گئے ہو، یہ تو اسی کلام کا ایک ٹکڑا ہے جو محمدؐ (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کے دعویٰ کے مطابق اس پر خدا کی طرف سے نازل ہوتا ہے۔

حضرت حجاجؓ نے کہا، خدا کی قسم میں نے خود اس کلام کو اپنے کانوں سے سُنا ہے اور میرے ساتھیوں نے بھی اس کو سنا ہے۔

اس کے بعد حجاجؓ اپنے اونٹ پر سوار ہوئے اور اسے تیزی سے چلا کر مدینہ پہنچ گئے۔ پھر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر سارا واقعہ عرض کیا۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:۔ —— "خدا کی قسم! جو کچھ تو نے سنا وہ میرے رب کے اس کلام میں سے ہے جو مجھ پر اتارا گیا۔"

یہ سُن کر حضرت حجاجؓ اسی وقت مُشرّف بہ ایمان ہو گئے۔

(۲)

حضرت حجاجؓ بن علاط کے قبولِ اسلام کے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد غزوۂ خیبر پیش آیا۔ اس میں حضرت حجاجؓ کو بھی سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ہمرکابی کا شرف حاصل ہوا۔ جب خیبر فتح ہو گیا تو حضرت حجاجؓ نے بارگاہِ نبوی میں عرض کیا:

" یارسول اللہ! مکہ میں میرا کچھ مال تاجروں کے پاس ہے اور کچھ میری بیوی ام شیبہ بنتِ ابی طلحہ کے پاس ہے جو بنی عبدالدار کی بہن ہے۔ مجھے خدشہ ہے کہ ان لوگوں کو میرے اسلام کا علم ہوا تو وہ میرا مال ہضم کر جائیں گے۔ اگر آپؐ اجازت دیں تو میں مکہ جاؤں شاید اپنا مال لانے میں کامیاب ہو جاؤں۔"

حضورؐ نے فرمایا، ہاں تم جا سکتے ہو۔

انہوں نے پھر عرض کیا۔ " یا رسول اللہ! اگر مشرکین سے اپنا مال حاصل کرنے کے لیے مجھے کوئی چال چلنی پڑے تو کیا مجھے اس کی بھی اجازت ہے؟"

آپؐ نے فرمایا، جو مناسب سمجھو کرو۔

حجاجؓ اب عازم مکہ ہو گئے۔ جب ثنیۃ البیضا کے مقام پر پہنچے تو وہاں قریش کے کچھ لوگ ملے جو تجسس کی غرض سے نکلے ہوئے تھے۔ انہوں نے حضرت حجاجؓ سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات دریافت کیے۔ حضرت حجاجؓ نے کہا کہ ان کو یہود کے مقابلے میں ہزیمت اٹھانی پڑی اور وہ گرفتار کر لیے گئے۔ عنقریب انہیں مکہ لا کر قریش کے سامنے قتل کیا جائے گا۔ مشرکین یہ سن کر بہت خوش ہوئے۔ حجاجؓ کو ساتھ لے کر مکہ پہنچے اور قریش سے کہا، دیکھو یہ حجاجؓ کیسی اچھی خبر لائے ہیں۔ غرض مکہ میں جشن کا سماں ہو گیا۔ اب حضرت حجاجؓ نے قریش سے کہا کہ تم میں سے جن لوگوں پر میرا قرض ہے وہ اسے بے باق کر دیں تاکہ میرے پاس معقول رقم جمع ہو جائے اور میں خیبر جا کر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا تمام لوٹا ہوا مال سستے داموں خرید لوں ورنہ دوسرے لوگ اسے خرید لیں گے۔

قریش کے عمائد نے کوشش کر کے ان کا سارا قرض وصول کرا دیا۔ پھر وہ بیوی کے پاس گئے اور اس سے کہا کہ میرا تمام مال لاؤ تاکہ میں خیبر جا کر سستا مال خرید لاؤں۔ اس نے بھی تمام اندوختہ ان کے حوالے کر دیا۔

اُدھر عمِّ رسولؐ حضرت عباسؓ نے یہ خبر سُنی تو ان کو سخت صدمہ پہنچا وہ سخت دل شکستگی کے عالم میں حضرت حجاجؓ کے پاس گئے اور کہا، اے حجاج! تم کیا خبر لائے ہو؟

حضرت حجاجؓ ان کو تخلیہ میں لے گئے۔ انہیں اپنے اسلام سے آگاہ کیا اور پھر بتایا کہ میں نے جو کچھ قریش کو بتایا ہے وہ بالکل غلط ہے، اگر میں ان کو اصل واقعہ بتا دیتا اور اپنے اسلام سے بھی آگاہ کر دیتا تو وہ مجھے ایک کوڑی تک نہ دیتے اور معلوم نہیں میرے ساتھ کیسا بُرا سلوک کرتے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کے بھتیجے کو اللہ تعالیٰ نے یہودِ خیبر پر فتح دی اور انہوں نے حیُیٔ بن اخطب رئیسِ خیبر کی بیٹی سے نکاح کر لیا۔ اب میں اپنا مال لے کر واپس رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں جا رہا ہوں۔ آپ اس خبر کو تین دن تک مخفی رکھیے گا ورنہ یہ لوگ میرا تعاقب کریں گے۔

اس کے بعد حضرت حجاجؓ اطمینان کے ساتھ مکّہ سے واپس چلے گئے۔

(۳)

حضرت حجاجؓ کے جانے کے بعد حضرت عباسؓ تین دن تک بالکل خاموش رہے اور چپ تھے (یا تیسرے دن) جب انہیں اطمینان ہو گیا کہ اب حجاج قریش کی دسترس سے باہر ہو گئے ہیں تو انہوں نے عمدہ لباس پہنا، خوشبو لگائی اور اپنا عصا لے کر حرم شریف میں گئے اور حجرِ اسود کو بوسہ دیا۔ مشرکین قریش نے ان کو اس طرح خوش خوش دیکھا تو حیران ہو کر کہا، اے ابوالفضل تمہارے بھتیجے پر تو یہ افتاد پڑی ہے اور تم اتنے خوش ہو۔ انہوں نے کہا، کیسی افتاد؟ خدا کی قسم محمدؐ (صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) نے خیبر فتح کر لیا اور انہوں نے وہاں کی شہزادی سے نکاح کیا ہے۔

قریش نے پوچھا، آپ کو یہ خبر کس نے دی ہے؟

انہوں نے کہا۔ "حجاج بن علاط نے۔ وہ مسلمان ہو گئے ہیں اور یہاں

حیلے کے ساتھ اپنا مال لینے آئے تھے۔

یہ سُن کر مشرکین نے بہت واویلا کیا مگر اب کیا ہو سکتا تھا حضرت حجاجؓ ان کے قابو سے باہر ہو چکے تھے۔ پانچویں دن مدینہ مُنوّرہ سے بھی فتح خیبر کی خبر آگئی۔ مشرکین خون کے گھونٹ پی کر رہ گئے۔

رمضان ۸ھ ہجری میں سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم فتح مکّہ کے ارادے سے روانہ ہوئے تو آپ کے ہمرکاب دس ہزار نفوسِ قدسی میں حضرت حجاجؓ بن علاط بھی شامل تھے۔ علامہ ابن سعدؒ کا بیان ہے کہ ان دنوں حضرت حجاجؓ مدینہ سے باہر تھے مگر آنحضور صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم نے انہیں اپنے ساتھ لے جانے کے لیے خاص طور پر بُلوا بھیجا۔

حضرت حجاجؓ کو اللہ تعالیٰ نے کثیر دولتِ دنیوی عطا کی تھی۔ وہ بنو سُلیم کے علاقے میں واقع کئی معدنی کانوں کے مالک تھے اور تجارت بھی کرتے تھے، اس طرح بہت دولتمند ہو گئے تھے۔ ان کا شمار اہلِ مدینہ میں ہوتا ہے وہاں انہوں نے ایک مسجد تعمیر کرائی اور اپنا ذاتی مکان بھی بنوایا جو انہی کے نام پر" بیت الحجاج " مشہور ہوا۔ حضرت حجاجؓ کے زمانۂ وفات کے بارے میں اختلاف ہے۔ ایک روایت کے مطابق انہوں نے عہدِ فاروقی میں کسی وقت وفات پائی۔ دوسری روایت کے مطابق جنگِ جمل میں شہید ہوئے۔ مولوی شاہ معین الدین احمد ندوی مرحوم نے مہاجرین حصہ دوم میں پہلی روایت کو اس بناء پر مستند قرار دیا ہے کہ " جنگِ جمل میں ان کے لڑکے مُعرّضؓ قتل ہوئے تھے۔" مگر ابنِ اثیرؒ نے حضرت مُعرّضؓ شہیدِ جمل کو حضرت حجاج کا بھائی بتایا ہے اور لکھا ہے کہ حضرت حجاجؓ نے بھائی کی موت پر ایک شعر کہا تھا نیز انہوں نے حضرت علیؓ کی مدح میں بھی کئی اشعار کہے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ حضرت علیؓ کے عہدِ خلافت تک حیات تھے اور شعر و شاعری میں بھی درک رکھتے تھے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم) حضرت حجاجؓ کے ایک فرزند نصر بن حجاج نہایت حسین و جمیل تھے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں انہیں مدینہ سے بصرہ بھیج دیا تھا۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت حُجرؓ بن عَدِی الکِندی

(۱)

حُجرؔ نام، ابوعبدالرحمٰن کنیت اور خیر لقب تھا۔ عامۃ الناس میں حُجر الخیر کے نام سے مشہور تھے۔ ان کا تعلق بنو قحطان کی مشہور شاخ بنو کندہ سے تھا[1] سلسلۂ نسب یہ ہے:

حُجرؓ بن عدی (ادبر) بن معاویہ بن حارث (یا جبلہ) بن عدی بن ربیعہ بن معاویہ اکبر بن حارث بن معاویہ بن ثور بن مرتع بن معاویہ بن کندہ۔

علامہ ابن اثیرؒ کے بیان کے مطابق حضرت حُجرؓ کے والد عدی کو ادبر اس سبب سے کہا جاتا تھا کہ ایک مرتبہ وہ بھاگے جا رہے تھے کہ کسی نے ان کے سر میں نیزہ مار دیا۔ اس واقعہ کے بعد لوگ ان کو ادبر کہنے لگے۔

اہلِ سِیَر نے حضرت حُجرؓ کے قبولِ اسلام کے زمانے کی تصریح نہیں کی۔ صرف اتنا لکھا ہے کہ حضرت حُجرؔ اور ان کے بھائی حضرت ہانیؓ بن عدی، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ مولانا شاہ معین الدین احمد ندویؒ نے سیر الصحابہ (جلد ہفتم) میں یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ وہ ۹ھ میں اسلام کے شرف سے بہرہ ور ہوئے کیونکہ اسی سال کندہ کا وفد مدینہ آیا تھا۔ اس میں حُجرؓ بھی تھے[2]

---

[1] کندہ وہی قبیلہ ہے جس نے پانچویں صدی عیسوی میں یمن سے نجد آ کر اپنی حکومت قائم کی تھی۔ اس حکومت کا خاتمہ ۵۶۰ء میں ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت حُجرؓ کا تعلق کندہ کے شاہی خاندان سے تھا۔

[2] کندہ کا وفد باختلاف روایت ۹ھ یا ۱۰ھ میں حضر موت سے مدینہ منورہ آیا۔ یہ وفد باختلاف روایت ساٹھ یا اسّی آدمیوں پر مشتمل تھا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ لوگ پہلے ہی اسلام قبول کر چکے تھے اور اب حضورؐ کی زیارت اور بیعت سے شرف اندوز ہونے کے لیے حاضر ہوئے تھے۔

امام بخاریؒ، ابن ابی حاتمؒ اور ابن حبانؒ نے حضرت حجرؓ کو تابعین میں شمار کیا ہے مگر دوسرے بہت سے محدثین اور مؤرخین نے ان کو صحابی قرار دیا ہے — ان میں ابن سعدؒ، مصعب زبیریؒ، ابن عساکرؒ، امام احمدؒ بن حنبل، امام حاکمؒ، حافظ ابن حجرؒ، حافظ ابن عبدالبرؒ حافظ ذہبیؒ اور علامہ ابن اثیرؒ کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔

حافظ ابن حجرؒ نے تو ابوبکر بن حفصؒ کے حوالے سے اور حافظ ابن عبدالبرؒ نے ابن نافعؒ کے حوالے سے حضرت حجرؓ سے مروی ایک حدیث بھی نقل کی ہے۔

حافظ ابن عبدالبرؒ نے "الاستیعاب" میں مستند حوالے سے لکھا ہے کہ حجرؓ بن عدی مستجاب الدعوۃ اور افاضل اصحاب النبیؐ میں سے تھے۔ امام حاکمؒ نے اپنی "مستدرک" میں حضرت حجرؓ کو ایک درویش صفت اور زاہد منش صحابی بتایا ہے۔ ابن اثیرؒ نے بھی "اُسد الغابہ" میں ان کو مستجاب الدعوۃ صحابی قرار دیا ہے۔

(۲)

حضرت حجرؓ بن عدی چونکہ عہد رسالت کے اواخر میں مشرف بہ اسلام ہوئے تھے اور حضورؐ کی بیعت سے سعادت اندوز ہونے کے بعد وطن واپس چلے گئے تھے۔ اس لیے انہیں عہد رسالت کے کسی غزوے میں شریک ہونے کا موقع نہیں ملا۔ سب سے پہلے وہ سیدنا حضرت عمرؓ فاروقؓ کے عہد خلافت میں میدان جہاد میں اترے اور حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کی زیر قیادت عراق عرب کے خونریز معرکے "قادسیہ" میں داد شجاعت دی۔ اللہ تعالیٰ نے اس لڑائی میں مسلمانوں کو مظفر و منصور کیا تو حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے عورتوں، بچوں اور معذوروں کو تو قادسیہ ہی میں چھوڑا اور ان کی حفاظت کے لیے چند فوجی دستے متعین کر کے باقی لشکر کے ہمراہ ایران کے دارالحکومت مدائن کی طرف روانہ ہوئے۔ حضرت حجرؓ بن عدی بھی اس لشکر میں شامل تھے۔ مجاہدین اسلام بابل اور کوثیٰ کو فتح کر کے دریائے دجلہ کے کنارے (بہرشیر) پہنچ گئے۔ اس سال بارشیں نہایت کثرت سے ہوئی تھیں جس کی وجہ سے دریا میں خوفناک طغیانی آگئی تھی۔ پانی کے پھیلاؤ اور زور شور کی کوئی انتہا نہ تھی۔ ایرانیوں نے

تمام پُل توڑ ڈالے تھے اور کشتیاں دریا کی پرلی طرف لے گئے تھے۔ وہاں ان کے تیر انداز دستے متعین تھے جن کو حکم دیا گیا تھا کہ اگر مسلمان مدائن کا رُخ کریں تو ان کو اپنے تیروں پر رکھ لیں۔ ایسی ہولناک طغیانی میں گھوڑوں کا تیرنا بھی بہت مشکل تھا۔ غرض مدائن کی تسخیر کی کوئی صورت نہ تھی۔ اس وقت سپہ سالار اسلام حضرت سعدؓ نے فوج کے سامنے ایک ولولہ انگیز خطبہ دیا جس کے آخر میں فرمایا:۔

"مسلمانو! میں تو تہیہ کر چکا ہوں کہ اللہ کے بھروسے پر گھوڑے کو دریا میں ڈال دوں۔ بولو کون مجاہد اس کام میں میرا ساتھ دے گا؟"

سب مجاہدین نے یک زبان ہو کر جواب دیا:۔

"اے امیر! ہم نے بھی اپنی جانیں راہِ حق میں بیچ دی ہیں ہم سب آپ کا ساتھ دیں گے۔"

حضرت سعدؓ نے حکم دیا کہ کچھ جانباز ہم سے پہلے آگے بڑھیں اور دوسرے کنارے پر جا کر قابض ہو جائیں۔ یہ حکم سُن کر حضرت عاصمؓ بن عمرو اور حضرت قعقاعؓ بن عمرو تمیمی نے چھ سو تیر انداز سواروں کے ساتھ یہ آیت پڑھتے ہوئے اپنے گھوڑے دریا میں ڈال دیئے:۔

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ط

(آل عمران آیۃ ۱۵۰)

(اور کوئی شخص مر نہیں سکتا جب تک کہ اللہ کا حکم نہ ہو۔ اس نے اجل کا ایک وقتِ مقرر لکھ رکھا ہے)

دوسرے کنارے سے ایرانیوں نے مجاہدین پر تیروں کی بارش کر دی، ادھر سے مجاہدین نے بھی مردانہ وار جواب دیا اور جلد ہی ایرانیوں کو کنارے سے دور ہٹا دیا

اب حضرت سعدؓ نے حکم دیا کہ تمام لشکر دریا میں داخل ہو جائے۔ مسلمانوں نے اپنے گھوڑوں کی باگیں اٹھائیں اور نَسْتَعِيْنُ بِاللّٰهِ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ وَاللّٰهِ لَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ وَلِيَّهٗ وَلَيُظْهِرَنَّ دِيْنَهٗ

وَلَیَهْزِمَنَّ عَدُوَّہٗ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ[1] پڑھتے ہوئے دجلہ کے "بحرِ ظلمات" میں داخل ہو گئے۔ اللہ کے یہ پاکباز بندے دجلہ کے پھنکارتے ہوئے پانی میں اس طرح جا رہے تھے جیسے صحنِ چمن میں گلگشت کر رہے ہوں۔ دو دو سوار ایک دوسرے کے پہلو بہ پہلو چل رہے تھے اور نہایت سکون و اطمینان سے ایک دوسرے سے باتیں کرتے جاتے تھے۔ حضرت سعدؓ بار بار فرماتے تھے:

"خدا کی قسم اللہ اپنے دوست کی مدد کرے گا اور اپنے دین کو غالب کرے گا اور دشمن کو مغلوب کرے گا جب تک کہ لشکر میں عصیان و ظلم کی کثرت نہ ہو جائے۔"

دوسرے کنارے پر ایرانیوں نے مسلمانوں کو اس شان سے آتے دیکھا تو ان پر ہیبت طاری ہو گئی اور وہ "دیواں آمدند دیواں آمدند" (دیو آ گئے دیو آ گئے) کہتے ہوئے بھاگ کھڑے ہوئے۔ مسلمانوں کی قوتِ ایمانی کی بدولت اللہ تعالیٰ نے تمام لشکر کو صحیح سلامت کنارے پر پہنچا دیا۔ اس وقت شاہِ ایران یزدگرد مدائن میں موجود تھا، مسلمانوں کی فاتحانہ یلغار نے اس کی امیدوں پر پانی پھیر دیا اور وہ اپنا خزانہ سمیٹ کر حلوان کی طرف بھاگ گیا۔ اب مجاہدین کسی مزاحمت کے بغیر مدائن میں داخل ہو گئے۔ اس عظیم الشان فتح سے قریب قریب سارے عراق عرب پر مسلمانوں کا تسلط قائم ہو گیا۔ جن جانبازوں کی سرفروشی کی بدولت یہ فتح حاصل ہوئی، حضرت حجرؓ ان میں سے ایک تھے۔

(۳)

یزدگرد جو مدائن سے بھاگ کر حلوان میں مقیم ہو گیا تھا، اس نے اپنے ایک

---

[1] (ترجمہ) "ہم اللہ سے مدد چاہتے ہیں اور اسی پر بھروسا کرتے ہیں۔ اللہ ہمارے لیے کافی ہے اور اچھا وکیل ہے۔ خدا کی قسم اللہ اپنے دوست کو فتح دے گا اور اپنے دین کو غالب کریگا اور دشمن کو ناکام کرے گا سوائے ربِ بزرگ و برتر کے کسی میں قوت نہیں۔"

فوجی افسر خُرّزاد بن فرخ زاد (قادِسیّہ کے مقتول ایرانی سپہ سالار رستم بن فرخ زاد) کے بھائی کو مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کا حکم دیا۔ خُرّزاد نے جلولاء کے مقام پر ایک بہت بڑا لشکر مرتب کیا اور مسلمانوں کے خلاف لڑنے کی تیاری کی۔ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کو اطلاع ملی تو انہوں نے حضرت ہاشمؓ بن عتبہ کو بارہ ہزار چیدہ جانبازوں کا لشکر دے کر جلولاء روانہ کیا۔ علّامہ بلاذریؒ نے "فتوح البلدان" میں لکھا ہے کہ حضرت حُجرؓ بن عدی اس لشکر کے میمنہ کے افسر تھے۔ حضرت ہاشم بن عتبہ یلغار کرتے ہوئے جلولاء پہنچے تو ایرانی قلعہ بند ہو کر بیٹھ گئے۔ حضرت ہاشمؓ نے شہر کا محاصرہ کر لیا جو کئی ماہ تک جاری رہا۔ اس عرصہ میں ایرانی کئی دفعہ شہر سے باہر نکل کر مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے لیکن ہر بار مجاہدینِ اسلام نے ان کا منہ پھیر دیا۔ چونکہ شہر میں خوراک اور سامانِ حرب کا کافی ذخیرہ موجود تھا اور حلوان سے بھی کمک پہنچ گئی تھی اس لیے ایرانی طویل محاصرے سے بددل نہ ہوئے۔ ایک دن وہ بڑے جوش وخروش کے ساتھ شہر سے نکلے اور مسلمانوں پر زبردست حملہ کر دیا۔ مجاہدین نے جم کر مقابلہ کیا اور تہیّہ کر لیا کہ آج کوئی نہ کوئی فیصلہ کر کے رہیں گے۔ اس زور کا رن پڑا کہ نوبت تیروں برچھیوں اور تلواروں سے گزر کر خنجروں تک پہنچی۔ آخر مسلمان جانبازوں نے ہر طرف سے سمٹ کر اس زور کا حملہ کیا کہ ایرانیوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا اور ہزاروں کو تلوار کے گھاٹ اتار دیا۔ طبریؒ کا بیان ہے کہ اس معرکے میں ایک لاکھ ایرانی مارے گئے اور تین کروڑ کا مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ یزدگرد نے سقوطِ جلولاء کی خبر سنی تو حلوان سے بھاگ کر رَے چلا گیا اور مسلمانوں نے آگے بڑھ کر حلوان پر بھی قبضہ کر لیا۔ مختصر یہ کہ حضرت حُجرؓ بن عدی عرصہ تک ایران میں مصروفِ جہاد رہے اور اس دوران میں انہوں نے بعض دفعہ فوج کے ایک حصے کی قیادت بھی کی۔

(۴)

جہادِ ایران سے فارغ ہونے کے بعد حضرت حُجرؓ بن عدی مستقل طور پر کوفہ

میں مقیم ہو گئے تھے اور شہر کے عمائد میں شمار ہوتے تھے۔

حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ کے دورِ خلافت کا آغاز ہوا تو حضرت حُجرؓ ان کے پُرجوش حامی کی حیثیت سے منظرِ عام پر آئے۔ جنگِ جمل سے پہلے حضرت علیؓ نے حضرت عمارؓ بن یاسرؓ اور حضرت حسنؓ کو اہلِ کوفہ کی مدد حاصل کرنے کے لیے بھیجا۔ انھوں نے کوفہ پہنچ کر لوگوں سے مرتضوی لشکر میں شامل ہونے کی اپیل کی تو حضرت حُجرؓ نے سب سے پہلے اس پر لبیک کہا اور اہلِ کوفہ کو ترغیب دی کہ "مسلح یا غیر مسلح ہر حالت میں حضرت علیؓ کے لشکر میں شامل ہو جاؤ۔ خدا تم پر رحم کرے۔" ان کی ترغیب پر لوگوں نے ہر طرف سے رضامندی کا اظہار کیا اور اگلی صبح حضرت حُجرؓ سمیت ساڑھے نو ہزار کے قریب کوفی کوفہ سے نکل پڑے اور "ذی قار" کے مقام پر حضرت علیؓ کے پاس پہنچ گئے۔ حضرت علیؓ نے اپنی فوج کے مختلف دستوں کے افسر مقرر کیے تو حضرت حُجرؓ کو کندہ، حضرموت، قضاعہ اور مہرہ کے قبائل کا افسر بنایا۔ انھوں نے جنگِ جمل میں حضرت علیؓ کی طرف سے پُرجوش حصہ لیا۔ اس کے بعد جنگِ صفین کا آغاز ہوا تو اس میں بھی حضرت حُجرؓ بن عدی بڑے جوش اور جذبے کے ساتھ علوی لشکر میں شریک ہوئے اور جان ہتھیلی پر رکھ کر لڑے۔ دورانِ جنگ میں ایک دن امیر معاویہؓ کے لشکر میں ایک جنگجو نوجوان حُجر الشر میدان میں نکلا اور فریقِ مخالف کو دعوتِ مبارزت دی۔ اس کے مقابلے کے لیے حضرت حُجرؓ بن عدی نکلے۔ دونوں دیر تک ایک دوسرے پر نیزوں سے وار کرتے رہے، آخر حُجر الشر نے ان پر نیزے کا ایسا وار کیا کہ وہ گھائل ہو کر گھوڑے سے نیچے گر گئے مگر ان کے ساتھیوں نے لپک کر انھیں اٹھا لیا اور مرہم پٹی کے لیے پیچھے لے گئے۔

کئی خونریز معرکوں کے بعد فریقین (اہلِ عراق و اہلِ شام) تحکیم پر رضامند ہو گئے۔ اس سلسلے میں جو وثیقہ لکھا گیا اس پر حضرت علیؓ کی طرف سے شہادت ثبت کرنے والے اصحاب میں حضرت حُجرؓ بن عدی بھی شامل تھے۔

(۵)

جنگ صفین کے بعد خوارج کے خلاف نہروان کی لڑائی پیش آئی تو اس میں بھی حضرت حُجرؓ حضرت علیؓ کے ساتھ تھے اور ان کی فوج کے میمنہ کے افسر تھے۔ غرض وہ شروع سے اخیر تک حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل و جان سے حامی رہے۔
وہ جس قدر حضرت علیؓ کے محب اور حامی تھے اسی قدر امیر معاویہؓ کے مخالف تھے حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد بھی اس مخالفت میں کوئی کمی نہ آئی اور وہ حضرت حسنؓ کے پُرجوش حامیوں میں شامل ہو گئے۔ مگر جب حضرت حسنؓ امیر معاویہؓ کے حق میں خلافت سے دست بردار ہو گئے تو حضرت حُجرؓ کو سخت صدمہ ہوا ــــــ ابوحنیفہ دینوری نے "الاخبار الطوال" میں لکھا ہے کہ حضرت حُجر بن عدی، حضرت حسنؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے دلی کرب کا اظہار ان الفاظ میں کیا :۔

"اے ابن رسول اللہؐ! کاش میں یہ کچھ دیکھنے سے پہلے مر گیا ہوتا۔ آپ نے ہمیں عدل سے نکال کر جور کے حوالے کر دیا گویا ہم نے حق کو ترک کر دیا جس پر قائم تھے اور باطل کو قبول کر لیا جس سے گریزاں تھے ــــــ یوں ہم نے وہ ذِلّت قبول کر لی جو ہمارے لیے زیبا نہ تھی"

حضرت حسنؓ کو حضرت حُجرؓ کے الفاظ سخت ناگوار گزرے مگر انہوں نے تحمّل سے کام لیا اور حضرت حُجرؓ سے فرمایا :

"میں نے اکثر لوگوں کو صلح کا طلب گار پایا تھا، وہ جنگ سے جی چُرا رہے تھے۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ انہیں ایسے کام پر مجبور کروں جو وہ نہیں چاہتے چنانچہ میں نے صلح کر لی اس سے خصوصاً یہ مقصد تھا کہ ہمارے حامی قتل سے بچ جائیں اسی لیے میں نے یہی مناسب جانا کہ کچھ عرصہ کے لیے لڑائی کو ٹال دیا جائے۔ خدا کی شان ہر روز نرالی ہے"۔

حضرت حُجرؓ حضرت حسنؓ سے رخصت ہو کر عبیدہ بن عمرہ کے ہمراہ حضرت حسینؓ سے ملے اور ان سے کہا :ــــــ

" اے ابوعبداللہ! آپ لوگوں نے عزت کے بدلے ذلت خرید لی۔ قلیل کو قبول کرلیا اور کثیر کو چھوڑ دیا، اے حسینؓ! ہماری بات مان لیں اور دنیا کا حکم رد کردیں۔ حسنؓ کو بھی چھوڑ دیں اور ان کی اس رائے کو بھی جو انہوں نے لڑائی کے بارے میں اختیار کی ہے۔ کوفہ اور دیگر مقامات کے رہنے والے اپنے حامیوں کو اکٹھا کرلیں۔ مقدمۃ الجیش پر مجھے اور میرے اس ساتھی کو مامور کردیں۔ ابن ہندؓ (امیر معاویہؓ) کو پتہ اس وقت چلے گا جب ہم تلواریں سونتے اس پر حملہ بول چکے ہوں گے۔"

مگر حضرت حسینؓ نے جواب دیا: "ہم بیعت کرچکے اور عہد دے چکے۔ اب بیعت توڑی نہیں جاسکتی۔"

ان واقعات سے امیر معاویہؓ کے خلاف حضرت حجرؓ کے جذبات کی شدت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

(۶)

سیدنا حضرت حسنؓ اور سیدنا حضرت حسینؓ سے گفتگو کے بعد حضرت حجرؓ خاموشی سے اپنے گھر چلے گئے مگر حضرت علیؓ اور ان کی اولاد کی حمایت اور خیر خواہی کا جذبہ ہمیشہ ان کے دل میں موجزن رہا۔ ان کا شمار کوفہ کے باا ثر حامیانِ علیؓ میں ہوتا تھا۔ حضرت امیر معاویہؓ نے اپنے فطری حلم کے باعث شروع شروع میں ان سے کوئی تعرض نہ کیا مگر رفتہ رفتہ حالات بڑی ناخوشگوار صورت اختیار کر گئے۔ اس کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ حامیانِ معاویہؓ اور حامیانِ علیؓ خطباء و امراء منبروں پر اپنے خطبوں میں علانیہ ایک دوسرے کو برا بھلا کہتے تھے۔ حضرت حجرؓ بھی کوفہ میں کھلم کھلا حضرت علیؓ کی تعریف اور امیر معاویہؓ کی تنقیص کرتے تھے۔ ۴۱ھ میں حضرت مغیرہؓ بن شعبہ، امیر معاویہؓ کی طرف سے کوفہ کے گورنر مقرر ہوئے تو حضرت حجرؓ کی بے باکانہ روش ان کے لیے بڑی پریشانی کا باعث بنی مگر انہوں نے ہمیشہ چشم پوشی سے کام لیا۔ ایک دن وہ خطبہ دے رہے تھے کہ حضرت حجرؓ کھڑے ہوگئے اور بآوازِ بلند کہا:-

”اے شخص تو نے ہمارے وظیفے بند کر دیئے ہیں تجھے اس کا حق نہ تھا، تو ہمارے وظیفے جاری کر اور علیؓ کے خلاف کوئی بات نہ کر۔“

اس پر دو تہائی نمازی کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے۔ حجرؓ نے ٹھیک کہا ہمارے وظیفے جاری کر دو۔

حضرت مغیرہؓ خاموشی سے منبر سے اتر آئے اور قصر امارت میں چلے گئے ابو حنیفہ الدینوری نے ”الاخبار الطوال“ میں لکھا ہے کہ حضرت حجرؓ نے حضرت مغیرہؓ بن شعبہ پر دوران خطبہ میں کنکریاں پھینکی تھیں۔ انہوں نے قصر امارت میں جا کر حضرت حجرؓ کو پانچ ہزار درہم بھجوا دیئے (غالباً یہ ان کا رکا ہوا وظیفہ تھا۔ بقول ابن اثیرؒ ان کا وظیفہ دو ہزار پانچ سو درہم مقرر تھا۔) حضرت مغیرہؓ کے ساتھیوں (حامیان بنی امیہ) کو ان کا یہ طرز عمل پسند نہ آیا۔ انہوں نے ان سے کہا کہ آپ کی نرمی سے حجرؓ بن عدی بہت دلیر ہو گئے ہیں۔ ایسی نرمی سے حکومت کا دبدبہ قائم نہیں رہ سکتا، امیر المومنین کو آپ کی حد سے زیادہ کریمانہ روش کا علم ہوا تو وہ بھی اسے ناپسند کریں گے حضرت مغیرہؓ کا شمار مدبرین عرب میں ہوتا تھا، انہوں نے جواب دیا:۔

”تم سمجھتے نہیں، میں نے تو حجرؓ کو ہلاک کر ڈالا ہے۔ میری نرمی سے وہ حکومت کی مخالفت پر جری ہو گئے ہیں۔ میرے بعد جو امیر آئے گا اس کے زمانے میں بھی وہ یہی طرز عمل اختیار کریں گے اور وہ ان کو قتل کیے بغیر نہ چھوڑے گا۔ میری زندگی کا آخری دور ہے، میں اپنے ہاتھ حجرؓ اور ان کے ساتھیوں کے خون سے آلودہ کر کے ان کو سعید اور اپنے آپ کو شقی نہیں بنانا چاہتا۔“

بعد میں جو حالات اور واقعات پیش آئے ان سے حضرت مغیرہؓ بن شعبہ کا اندازہ درست ثابت ہوا۔

(۷)

حضرت مغیرہؓ بن شعبہ نے ۵۰ھ ہجری میں وفات پائی تو امیر معاویہؓ نے بصرے کے گورنر زیاد کو کوفے کی امارت بھی سونپ دی۔ زیاد چھ مہینے بصرے میں گزارتا تھا اور چھ

مہینے کوفے میں۔ وہ بڑا سخت گیر حاکم تھا اور اپنے خطبوں میں حضرت علیؓ پر سخت نکتہ چینی کیا کرتا تھا۔ حضرت حجرؓ یہ برداشت نہ کرتے تھے اور اٹھ کر اس کا جواب دیا کرتے تھے۔ اس طرح دونوں کے درمیان سخت کشیدگی پیدا ہو گئی۔

جس زمانے میں زیاد بصرے میں ہوتا کوفے میں اس کی نیابت کے فرائض بالعموم حضرت عمروؓ بن حُریثؓ مخزومی انجام دیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ اس کی غیر حاضری میں حضرت عمروؓ بن حُریثؓ جمعہ کا خطبہ دینے منبر پر چڑھے تو حضرت حجرؓ اور ان کے کچھ ساتھیوں نے (کسی بات پر برافروختہ ہو کر) حضرت عمروؓ کو کنکریاں ماریں۔ حضرت عمروؓ منبر سے اتر کر دارالامارۃ میں چلے گئے اور سارا واقعہ ابن زیاد کو لکھ بھیجا۔ زیاد ان کا خط ملتے ہی ڈاک کے گھوڑوں پر سوار ہو کر کوفہ آن پہنچا اور حضرت حجرؓ اور ان کے کچھ ساتھیوں کو گرفتار کر لیا۔ ابوحنیفۃ الدینوری نے ان کی گرفتاری کی تفصیل اس طرح بیان کی ہے:

"زیاد کوفہ آتے ہی مسجد میں داخل ہوا۔ اپنا تخت قلعے سے نکلوا کر مسجد ہی میں بچھوا لیا۔ اشراف کوفہ میں سے پہلا شخص جو زیاد کے پاس حاضر ہوا وہ محمد بن اشعث بن قیس تھا۔ اس نے آ کے سلام امارت عرض کیا، زیاد نے کہا، تم پر خدا کی مار، جاؤ اور ابھی اپنے ابنِ عم (حضرت حجرؓ) کو لے آؤ۔ محمد بن اشعث نے کہا، مجھے حجرؓ سے کیا تعلق آپ جانتے ہیں کہ ہمارے درمیان کتنی دوری ہے۔

اس پر جریرؓ بن عبداللہ نے کہا:۔

"اے امیر! میں حجرؓ کو لے آتا ہوں بشرطیکہ آپ ان کے لیے امان کا وعدہ کریں اور جب تک وہ امیرالمؤمنین معاویہؓ سے نہ مل لیں آپ ان سے کوئی تعرض نہ کریں، معاویہؓ ان کے بارے میں جو فیصلہ چاہیں، کریں۔"

زیاد نے کہا۔ "منظور ہے۔"

جریرؓ بن عبداللہ حجرؓ کو زیاد کے پاس لے آئے۔ زیاد نے حکم دیا کہ انہیں قید کر دیا جائے نیز یہ حکم دیا کہ حجرؓ کے ان ساتھیوں کو بھی تلاش کیا جائے

جو ان کے ہمراہ کنکریاں مارنے میں شریک تھے۔ چنانچہ ان سب کو بھی لاکر حاضر کر دیا گیا۔ زیاد نے ان سب کو ایک سو سپاہیوں کے ہمراہ امیر معاویہؓ کے پاس روانہ کر دیا۔ اس موقع پر حجرؓ کی والدہ نے یہ شعر کہے:

۱۔ تَرَفَّعْ اَیُّهَا الْقَمَرُ الْمُنِیْرُ
تَرَفَّعْ هَلْ تَرٰی حُجْرًا یَسِیْرُ

۲۔ اَلَا یَا حُجْرُ حُجْرُ بَنِیْ عَدِیٍّ
تَلَقَّتْكَ الْبِشَارَةُ وَالسُّرُوْرُ

۳۔ وَاِنْ تَهْلِكْ فَكُلُّ عَمِیْدِ قَوْمٍ
مِنَ الدُّنْیَا اِلٰی هُلْكٍ یَسِیْرُ

(ترجمہ (۱) اے ضیاء بار چاند بلند ہو جا تو دیکھتا نہیں کہ حجر جا رہا ہے۔
(۲) اے حجرؓ اے بنی عدی کے حجرؓ، خدا کرے تجھے ہمیشہ خوشخبری اور مسرت ہی سے واسطہ رہے۔
(۳) اور اگر تو ہلاک بھی ہو جائے تو خیر، آخر ہر سردارِ قوم دنیا سے منزلِ ہلاکت کی طرف کوچ کرتا ہے)"

ابو حنیفۃ الدینوری کے برعکس علامہ ابن اثیرؒ، حافظ ابن عبد البرؒ اور بعض دوسرے اربابِ سِیَر اور مؤرخین نے حضرت حجرؓ کی گرفتاری کی جو تفصیلات بیان کی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے:۔

"زیاد نے کوفہ آکر طویل خطبہ دیا۔ جب نماز فوت ہو جانے کا اندیشہ ہوا (اور بروایتِ دیگر زیاد نے حضرت علیؓ پر طعن و تشنیع کی) تو حضرت حجرؓ نے اس پر بھی کنکریاں دے ماریں۔ زیاد نے سارے حالات حضرت معاویہؓ کو لکھ بھیجے۔ انہوں نے حکم دیا کہ حجر کو گرفتار کر کے میرے پاس بھیج دو۔ زیاد نے پولیس افسر کے ذریعے انہیں بلا بھیجا مگر انہوں نے آنے سے انکار کر دیا۔ زیاد نے اب پولیس کی ایک بڑی جمعیت

یہ حکم دے کر بھیجی کہ حجر کو لے آؤ اور اگر وہ نہ آئیں تو ان سے لڑائی کرو۔ اس جمعیت کے جانے پر بھی حضرت حجرؓ اپنے انکار پر جمے رہے۔ اس پر پولیس نے حجرؓ اور ان کے ساتھیوں پر لاٹھیاں برسانی شروع کر دیں۔ حضرت حجرؓ کے ایک ساتھی نے ایک لاٹھی چھین لی اور اس سے لڑ کر اس نے حضرت حجرؓ اور ان کے ساتھیوں کی جانیں بچائیں یہاں تک کہ وہ وہاں سے نکل کر کندہ کے محلے میں پہنچے وہاں بھی لڑائی ہوئی اور حجرؓ وہاں سے بھی نکل کر روپوش ہو گئے۔ آخر کار امان کی شرط منوا کر وہ خود ہی زیاد کے سامنے پیش ہو گئے۔ بعد میں ان کے گیارہ (بروایتِ دیگر تیرہ) ساتھی بھی گرفتار کر لیے گئے۔"

(۸)

زیاد نے حضرت حجرؓ اور ان کے گیارہ (یا تیرہ) ساتھیوں کو پابجولاں دمشق روانہ کر دیا اور ساتھ ہی امیر معاویہؓ کو ایک طویل خط لکھا جس میں ان اصحاب پر فساد اور بغاوت کے الزامات عائد کیے گئے تھے اور آخر میں کہا گیا تھا کہ یہ لوگ عنقریب ایسا رخنہ ڈالیں گے جس کو پُر نہیں کیا جا سکے گا۔ اس خط کے علاوہ زیاد نے کوفہ کے بہت سے لوگوں کی گواہیاں لے کر بھی بھیج دیں۔ ان گواہیوں کا لُبِ لباب یہ تھا کہ:

"حجرؓ نے اپنے گرد جتھے جمع کر لیے ہیں اور خلیفۃ المسلمین پر علانیہ سبّ و شتم کی ہے اور ان کے خلاف جنگ کرنے کی دعوت دی ہے۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ آلِ ابی طالب کے سوا خلافت کا کوئی مستحق نہیں۔ انہوں نے ہنگامہ کر کے گورنر کو نکال باہر کیا اور یہ ابو تراب (حضرت علیؓ) کو معذور سمجھتے اور ان پر رحمت بھیجتے ہیں اور اُن کے دشمن اور ان سے جنگ کرنے والوں سے برات کا اظہار کرتے ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں، وہ ان کے ساتھیوں کے سرگروہ ہیں اور انہی جیسی رائے رکھتے ہیں۔"

امیر معاویہؓ نے زیاد کے خط اور ان شہادتوں کی بنا پر حضرت حُجرؓ اور ان کے تمام ساتھیوں کو واجب القتل قرار دیا مگر پھر بعض بااثر لوگوں کی سفارش پر ان میں سے چھ آدمیوں کو رہا کردیا اور باقی کی سزائے قتل بحال رکھی۔ علامہ طبری کا بیان ہے کہ ان لوگوں کو پہلے دمشق کے قریب مرج عذراء کے مقام پر محبوس کردیا گیا وہاں انہیں یزید بن حجیّہ کے ذریعے سے معلوم ہوا کہ انہیں قتل کی سزا ملنے والی ہے۔ اس پر حضرت حُجرؓ نے یزید بن حجیّہ سے کہا کہ وہ امیر معاویہؓ سے جاکر کہیں کہ ہم اپنی بیعت پر قائم ہیں اور ہمارے خلاف گواہی عداوت و اتّہام پر مبنی ہے۔ یزید بن حجیّہ نے یہ پیغام امیر معاویہؓ کو پہنچایا تو انہوں نے فرمایا:

زیاد اصدق عندنا من حجر

(زیاد ہمارے نزدیک حجر سے زیادہ سچا ہے)

علامہ ابن اثیرؒ نے "اُسدُ الغابہ" میں لکھا ہے کہ جب جلّاد نے حضرت حُجرؓ کے قتل کا ارادہ کیا تو انہوں نے دو رکعت نماز پڑھی اس کے بعد کہا، اگر تم میری طرف کسی ایسی بات کا گمان نہ کرتے جو مجھ میں نہیں ہے (یعنی بزدلی کا) تو بے شک میں ان دونوں رکعتوں کو طول دیتا، میری یہ وصیّت ہے کہ جب مجھے قتل کرچکو تو میری بیڑیاں نہ اتارنا اور میرے خون کو نہ دھونا، میں (قیامت کے دن) معاویہؓ سے اسی حال میں ملوں گا۔ جب انہوں نے اپنی بات ختم کی تو جلّاد نے انہیں اور ان کے ساتھیوں کو قتل کردیا۔ یہ واقعہ ۵۱ھ ہجری میں پیش آیا۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کا بیان ہے کہ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جس وقت حضرت حُجرؓ کی گرفتاری کی خبر سنی تو انہوں نے اسی وقت حضرت عبدالرحمٰنؓ بن حارثؓ کو یہ پیغام دے کر امیر معاویہؓ کے پاس بھیجا کہ حُجر اور ان کے ساتھیوں کے معاملے میں خدا سے ڈریں[1] (الاصابہ)

---

[1] علامہ ابن اثیرؒ نے لکھا ہے کہ ام المؤمنینؓ نے حضرت عبدالرحمٰنؓ کے ذریعے امیر معاویہؓ کو یہ پیغام بھیجا تھا کہ خدا کے لیے حُجرؓ اور ان کے اصحاب کی بے حرمتی نہ کرنا۔ (اُسدُ الغابہ۔ اردو ترجمہ مولانا عبدالشکور لکھنویؒ)

مگر جب حضرت عبدالرحمٰنؓ، امیر معاویہؓ کے پاس پہنچے تو حضرت حجرؓ قتل ہو چکے تھے۔
حضرت عبدالرحمٰنؓ کو یہ سن کر بہت دکھ ہوا اور انھوں نے امیر معاویہؓ سے کہا:
"آپ میں سے ابوسفیانؓ کا حلم کہاں چلا گیا تھا آپ نے ایسا کیوں نہ کیا کہ انہیں قید خانوں میں ڈال دیتے اور طاعون کا شکار ہونے دیتے (یا ان کو کسی وبائی مقام میں بھیج دیتے)۔"
حضرت معاویہؓ نے جواب دیا، "اس وقت آپ جیسے میری قوم کے افراد مجھ سے دور تھے۔"
حضرت عبدالرحمٰنؓ نے کہا، "خدا کی قسم اب اہل عرب نہ آپ کو بردبار سمجھیں گے اور نہ اہل الرائے۔ آپ نے ایسے لوگوں کو قتل کر دیا جو مسلمان تھے اور آپ کے پاس قیدی بنا کر بھیجے گئے تھے۔"
حضرت معاویہؓ نے جواب دیا، "میں کیا کرتا، زیاد نے ان کے خلاف سخت شکایات لکھی تھیں اور لکھا تھا کہ یہ لوگ ایسا رخنہ ڈالنا چاہتے ہیں جو پھر بند نہ ہو سکے گا۔"[1]
(الاستیعاب۔ اسد الغابہ)

---

[1] حضرت عبدالرحمٰنؓ بن حارثؓ جن کو حضرت عائشہ صدیقہؓ نے امیر معاویہؓ کے پاس بھیجا تھا اور جنھوں نے حضرت معاویہؓ سے یہ گفتگو کی تھی، صغائر صحابہ میں شمار ہوتے ہیں! ان کے والد حضرت حارثؓ بن ہشام کو بھی شرف صحابیت حاصل تھا۔ ان کا تعلق بنو مخزوم سے تھا۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:۔
عبدالرحمٰنؓ بن حارثؓ بن ہشام بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم قرشی
ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے وقت ان کی عمر دس برس کی تھی مگر علم اور دینداری کے لحاظ سے ان کا شمار اکابر صحابہ میں ہوتا ہے۔ انھوں نے حضرت عائشہؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ اور کچھ دوسرے اکابر صحابہ سے روایت کی ہے۔ سیدنا حضرت عثمانؓ کے پُرجوش حامیوں میں سے تھے۔ ایام بغاوت میں وہ بھی حضرت عثمانؓ کے ساتھ حصار میں تھے اور باغیوں کا مقابلہ کرتے ہوئے شدید زخمی ہو گئے تھے۔ ایک
(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ابو حنیفۃ الدینوری نے "الاخبار الطوال" میں بیان کیا ہے کہ حضرت حجرؓ کے قتل کے بعد حضرت مالکؓ بن ہبیرہ[1] امیر معاویہؓ کے پاس گئے اور ان سے کہا:

"اے امیر المومنین! آپ نے ان لوگوں کو قتل کرکے اچھا نہیں کیا انہوں نے کوئی ایسی حرکت تو نہ کی تھی کہ ان کا قتل واجب ہوتا۔"

امیر معاویہؓ نے کہا:— "میں نے تو ان سے درگزر کر ہی لیا ہوتا مگر زیاد کا خط آگیا تھا جس میں اس نے لکھا تھا کہ یہ لوگ فتنے کے سربراہ ہیں اگر انہیں قتل کر دیا جائے تو فتنے کا قلع قمع ہو جائے گا۔"

فقیہ الامت حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت حجرؓ کی خیر خبر معلوم کرتے رہتے تھے۔ ایک دن وہ بازار میں تھے کہ انہیں حضرت حجرؓ کے قتل کی خبر دی گئی انہیں یہ خبر سن کر اس قدر صدمہ ہوا کہ اپنی چادر کھولی اور روتے ہوئے بازار سے لوٹ آئے۔

(الاصابہ، الاستیعاب)

ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ حضرت ربیعؓ بن زیاد حارثی جو امیر معاویہؓ کی طرف سے خراسان کے گورنر تھے، ان کو حضرت حجرؓ کے قتل کی خبر ملی تو انہوں نے بھی سخت

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

روایت میں ہے کہ حضرت عثمانؓ نے اپنی صاحبزادی مریم کا نکاح ان سے کر دیا تھا۔ وہ ان چار صحابہ میں سے ہیں جنہوں نے حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں مصحف قرآنی کی کتابت کی تھی۔ جنگ جمل میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کے ساتھ تھے۔ انہوں نے امیر معاویہؓ کے دور خلافت میں وفات پائی۔

[1] حضرت مالکؓ بن ہبیرہ بن خالد بن مسلم الکندی، امیر معاویہؓ کے پرجوش حامی تھے بقول ابن اثیرؒ وہ امیر معاویہؓ کی فوجوں کے کماندار بھی رہے۔ ان سے یہ حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "جو شخص نماز جنازہ میں تین صفیں بناتا ہے وہ اپنے بھائی کے ساتھ بہت بھلائی برتتا ہے۔" چنانچہ ان کا اپنا معمول یہی تھا کہ جب کسی کی نماز جنازہ پڑھاتے تو تین صفیں بنایا کرتے تھے۔

دُکھ کا اظہار کیا۔ پھر انہوں نے اللہ سے دعا کی کہ "اے اللہ! ربیع کے لیے تیرے یہاں کچھ بھلائی ہو تو اسے اپنی طرف اٹھا لے۔ چنانچہ وہ اس مقام سے ہٹنے نہیں پائے تھے کہ ان کی وفات ہو گئی۔"

ابن خلدونؒ نے اپنی تاریخ میں یہ واقعہ اس طرح بیان کیا ہے:۔

"جب ربیعؒ بن زیاد کو خراسان میں حجرؓ کے قتل کی خبر پہنچی تو وہ بہت ناراض ہوئے اور کہنے لگے کہ آج کے بعد عرب اسی طرح بے گناہ باندھ باندھ کر قتل کیے جاتے رہیں گے۔ اگر وہ اس قتل پر احتجاج کرتے تو وہ اس انجام سے اپنے آپ کو بچا لیتے لیکن انہوں نے اس قتل کو گوارا کر لیا اس لیے ذلیل ہو گئے۔ پھر اس خبر کے چند دن بعد انہوں نے جمعہ کے بعد لوگوں سے کہا کہ میں اب اس زندگی سے اکتا گیا ہوں اور میں دعا مانگنے لگا ہوں، پس اس پر آمین کہو۔ پھر انہوں نے ہاتھ اٹھائے اور کہا، اے اللہ اگر میرے لیے تیرے پاس بھلائی ہے تو مجھے اپنے ہاں جلدی بلا لے۔ لوگوں نے آمین کہی۔ پھر وہ مسجد سے نکلے اور اپنے کپڑے بھی سنبھالنے نہیں پائے تھے کہ گر پڑے۔ لوگ انہیں اٹھا کر گھر لے گئے اور اسی دن وہ فوت ہو گئے۔"

(تاریخ ابن خلدون جلد ۳ صـ ۱۴)

(۹)

حافظ ابن عبدالبرؒ نے "الاستیعاب" میں لکھا ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ اسی سال حج کے لیے مکہ معظمہ گئے اور زیارت کے لیے مدینہ منورہ حاضر ہوئے جب وہاں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی خدمت میں گئے تو انہوں نے فرمایا:۔ "معاویہ! تم کو اس کا خوف معلوم نہیں ہوا کہ میں نے کسی شخص کو اپنے بھائی محمدؒ بن ابی بکرؓ کے خون کا بدلہ لینے کے لیے چھپا دیا ہو،[1] جیسے ہی تم آتے

[1] محمدؒ بن ابی بکرؓ، حضرت علیؓ کی طرف سے مصر کے گورنر تھے۔ امیر معاویہؓ نے مصر پر لشکر کشی کی تو ان کی فوج کے کمانڈر معاویہ بن خدیج نے محمد بن ابی بکر کو گرفتار کر کے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔

وہ تمہارا سر اڑا دیتا۔"

حضرت امیر معاویہؓ نے عرض کیا: "میں دارالامان میں آیا ہوں اس لیے آپ ایسا نہیں کر سکتی تھیں۔" (مسند احمد میں ہے کہ اس موقع پر امیر معاویہؓ نے یہ حدیث بھی بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایمان قتل ناگہانی کی زنجیر ہے)

حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا۔ "تم کو حجرؓ اور اس کے ساتھیوں کو قتل کراتے ہوئے خدا کا خوف نہیں معلوم ہوا؟"

حضرت معاویہؓ نے عرض کیا، اُن کو اُن لوگوں نے قتل کیا جنہوں نے ان کے خلاف شہادت دی۔

مختصر یہ کہ حضرت حجرؓ کے قتل پر عالم اسلام میں عام طور پر غم اور دکھ کا اظہار کیا گیا —— علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "سیرۃ عائشہؓ" میں حضرت حجرؓ کے واقعۂ قتل اور اس کے رد عمل کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

"حجرؓ بن عدی ایک صحابی حضرت علیؓ کے بڑے طرفدار اور کوفہ میں علوی فرقہ کے سرگروہ تھے۔ کوفہ کے والی نے کچھ لوگوں کی شہادت پر ان تمام اشخاص کو گرفتار کر کے دمشق بھیج دیا۔ حجر یمن کے خاندان کندہ سے تھے۔ کوفہ عرب کے بڑے بڑے قبائل کا مرکز تھا، خود کندہ کا قبیلہ یہاں موجود تھا لیکن کسی نے حجر کی حفاظت کے لیے انگلی تک نہ ہلائی۔ تاہم حجرؓ کا اس وقت صحابہ میں نہایت اقتدار تھا اس لیے اس واقعہ کو تمام ملک نے ناگواری کے ساتھ سنا۔ قبائل کے رئیسوں نے ان کے حق میں سفارشیں کیں لیکن قبول نہ ہوئیں۔ مدینہ خبر پہنچی تو حضرت عائشہؓ نے اپنی طرف سے ایک قاصد ان کی سفارش کے لیے روانہ فرمایا لیکن افسوس کہ قاصد کے پہنچنے سے پہلے حجر کا کام تمام ہو چکا تھا۔ اس وقت جب امیر معاویہؓ ملنے آئے، حضرت عائشہؓ نے سب سے پہلے جو گفتگو ان سے کی وہ یہ تھی "معاویہ! حجر کے معاملہ میں تمہارا

تحمّل کہاں تھا، حجر کے قتل میں تم خدا سے نہ ڈرے۔" امیر معاویہؓ نے جواب دیا، اس میں میرا قصور نہیں، قصور ان کا ہے جنہوں نے گواہی دی، دوسری روایت میں ہے کہ امیر معاویہؓ نے کہا، یا امّ المؤمنین! کوئی صاحب الرائے میرے پاس موجود نہ تھا۔ مسروق تابعیؒ راوی ہیں کہ حضرت عائشہؓ فرماتی تھیں کہ خدا کی قسم اگر معاویہؓ کو معلوم ہوتا کہ اہلِ کوفہ میں کچھ بھی جرأت اور خودداری باقی ہے تو کبھی وہ حجرؓ کو اُن کے سامنے پکڑوا کر قتل نہ کرتے لیکن اس جگر خوارہ ہندؓ کے بیٹے نے اچھی طرح سمجھ لیا کہ اب لوگ اٹھ گئے، خدا کی قسم کوفہ شجاعت اور خودداری والے عرب رئیسوں کا مسکن تھا۔ لبید نے سچ کہا ہے:

ذھب الذین یُعاش فی اکنافھم | وبقیت فی خلفٍ کجلد الاجرب
لا ینفعون ولا یرجی خیرھم | ویعاب قائلھم وان لم یعیب[1]

حضرت حُجرؓ نے اپنے پیچھے دو لڑکے چھوڑے، عبدالرحمٰن اور عبداللہ۔ چند سال بعد یہ دونوں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور بنو امیہ کی معرکہ آرائیوں میں ایک لڑائی میں کام آئے۔

حضرت حُجرؓ علم و فضل اور زہد و عبادت کے اعتبار سے بہت بلند مقام رکھتے تھے۔ ان کے بارے میں بعض مشہور اربابِ سِیَر کی آرا اوپر نقل کی جا چکی ہیں۔ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضرت محمد بن سیرینؒ (مشہور تابعی) سے قتل سے پہلے دو رکعت نماز (نفل) پڑھنے کا مسئلہ پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا:

"یہ دو رکعتیں خُبیبؓ اور حُجرؓ نے (اپنے قتل سے پہلے) پڑھی ہیں اور یہ دونوں بڑے فاضل تھے۔"

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

---

[1] (ترجمہ) وہ لوگ چلے گئے جن کے سایہ میں زندگی بسر کی جاتی ہے۔ اب ایسے اخلاف کے درمیان رہ گیا ہوں جو خارشتی اونٹ کی طرح ہیں۔ نہ وہ نفع پہنچاتے ہیں نہ ان سے بھلائی کی امید ہے۔ ان سے باتیں کرنے والوں کی عیب گیری جاتی ہے۔

حضرت حکمؓ بن ابی العاص ثقفی

(۱)

نامور صحابی حضرت عثمانؓ بن ابی العاص ثقفی[۱] کے حقیقی چھوٹے بھائی تھے۔ ان کی کنیت ابو عثمان یا ابو عبدالملک تھی۔ نسب نامہ یہ ہے :۔

حکمؓ بن ابی العاص (ابوالعاصی) بن بشر (بشیر) بن عبد دہمان بن عبداللہ بن ہمام بن آبان بن یسار بن مالک بن خطیط بن جشم ثقفی۔

بنو ثقیف اجتماعی طور پر ۹ھ ہجری میں اس وقت حلقہ بگوش اسلام ہوئے جب اس سال رمضان المبارک میں ان کا ایک وفد عبد یالیل کی سرکردگی میں طائف سے مدینہ منورہ آیا اور بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر قبول اسلام اور حضورؐ سے بیعت کی سعادت حاصل کی۔ اس وفد میں حضرت حکمؓ کے بڑے بھائی حضرت عثمانؓ بن ابی العاص تو شامل تھے مگر خود حضرت حکمؓ کے اس میں شامل ہونے کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ اس وفد کی واپسی کے وقت حضورؐ نے حضرت عثمانؓ بن ابی العاص کو اہل طائف کا امیر مقرر فرمایا۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے طائف واپس جاکر اپنے اہل خاندان اور طائف کے دوسرے لوگوں کو بھی مسلمان بنایا۔ حضرت حکمؓ بھی ان میں شامل تھے۔ بعد میں انہوں نے بارگاہِ نبویؐ میں حاضر ہو کر شرفِ صحابیت حاصل کیا۔ علّامہ ابنِ سعدؒ نے طبقات میں حضرت عثمانؓ بن ابی العاص کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے :۔

---

[۱] سیّدنا حضرت عثمانؓ بن ابی العاص ثقفی کے حالات مؤلف کی کتاب "رحمتِ دارین کے سو شیدائی" میں ملاحظہ فرمائیے۔ (طالب ہاشمی)

"واخوہ الحکم بن ابی العاصی بن بشر بن عبد دھمان وقد صحب النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔"

(اور عثمانؓ کے بھائی حکم بن ابی العاصی بن بشر بن عبد دھمان نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اٹھائی ہے)

علامہ ابن اثیرؒ نے "اُسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ" میں حضرت حکمؓ بن ابی العاص کو صحابہ میں شامل کیا ہے مگر ساتھ ہی یہ لکھا ہے:

"بعض لوگ ان کی احادیث کو مرسل قرار دیتے ہیں۔" (یعنی ان کو صحابی نہیں کہتے)

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے "الاصابہ فی تمییز الصحابہ" میں لکھا ہے:۔

قال ابن سید: یقال: لہٗ صحبۃ

(ابن سید نے کہا ہے کہ ان کا صحابی ہونا بیان کیا گیا ہے)

امام ذہبیؒ نے بھی "تجرید اسماء الصحابہ" میں حضرت حکمؓ بن ابی العاص کے صحابی ہونے کی تصدیق کی ہے۔

(۲)

۱۱ھ ہجری میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ مسند نشین خلافت ہوئے تو سارے عرب میں فتنۂ ارتداد کے شعلے بھڑک اٹھے۔ صرف مدینہ منورہ، مکہ معظمہ اور طائف کے لوگ اسلام پر پوری طرح ثابت قدم رہے۔ مدینہ منورہ میں خود حضرت ابوبکر صدیقؓ اور دوسرے اکابر صحابہ موجود تھے۔ اہلِ مکہ کو حضرت سہیلؓ بن عمرو کے زورِ خطابت نے اس فتنے سے محفوظ رکھا اور اہلِ طائف پر حضرت عثمانؓ بن ابی العاص کی پُرجوش مساعی نے اس فتنے کو اثر انداز نہ ہونے دیا۔

ابنِ جریر طبریؒ کا بیان ہے کہ جس زمانے میں فتنۂ ارتداد نے زور باندھا، حضرت عثمانؓ بن ابی العاص نے طائف میں ایک رضا کار فوج تیار کی جس میں بیس بیس مسلمانوں پر مشتمل بہت سے دستے تھے۔ ان دستوں کو آس پاس کی بستیوں میں

تعینات کیا گیا تاکہ وہ ارتداد میں مبتلا نہ ہوں۔ اس فوج کے سربراہِ اعلیٰ حضرت حکمؓ بن ابی العاص تھے۔ انہوں نے بڑی مستعدی اور جانفشانی سے فتنۂ ارتداد کا مقابلہ کیا اور نہ صرف طائف بلکہ اس کی نواحی بستیوں کو بھی اس سے متاثر نہ ہونے دیا۔ بالفاظِ دیگر وہ اس کٹھن کام میں اپنے بھائی حضرت عثمانؓ کے دست و بازو ثابت ہوئے۔

حضرت عثمانؓ بن ابی العاص ۹ھ سے ۱۴ھ یا ۱۵ھ تک طائف کے امیر رہے۔ ۱۴ھ یا ۱۵ھ ہجری میں امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت عثمانؓ کو بصرہ کی امارت کے لیے منتخب کیا اور انہیں فرمان بھیجا کہ اپنے کسی قابلِ اعتماد آدمی کو طائف کی امارت سپرد کر کے مدینہ آجاؤ۔ حضرت عثمانؓ نے اپنی جگہ حضرت حکمؓ کو طائف کا امیر مقرر کیا اور خود امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ یہ عام مؤرخین کا بیان ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے "الاصابہ" میں لکھا ہے کہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت عثمانؓ کے نام اپنے فرمان میں خصوصی طور پر لکھا تھا کہ طائف کی امارت حکم بن ابی العاص کے سپرد کر کے میرے پاس آجاؤ۔ صورتِ واقعہ کچھ بھی ہو ۱۴ یا ۱۵ھ میں حضرت حکمؓ نے امارتِ طائف کی ذمہ داری سنبھال لی اور حضرت عثمانؓ مدینہ چلے گئے۔ امیر المؤمنین نے انہیں بصرہ کا والی اور معلّم مقرر کیا۔

حضرت عثمانؓ بن ابی العاص کو بصرہ گئے ہوئے تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ حضرت عمر فاروقؓ نے انہیں بحرین اور عمان کا والی مقرر کیا۔ یہ دونوں صوبے مرکزِ خلافت سے بہت دور تھے اور وہاں کے باشندے بڑے شورش پسند تھے۔ حضرت عثمانؓ کو ان دونوں صوبوں کا بیک وقت بطریقِ احسن انتظام دشوار معلوم ہوا۔ چنانچہ انہوں نے (امیر المؤمنینؓ) کی اجازت سے حضرت حکمؓ کو طائف سے بُلا کر بحرین کا امیر بنا دیا اور خود عمان کی امارت سنبھال لی۔ بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت حکمؓ بحرین میں حضرت عثمانؓ کے نائب تھے مگر ابن اثیرؒ، بلاذریؒ اور حافظ ذہبیؒ کی تصریحات کے مطابق حضرت حکمؓ بحرین کے مستقل امیر تھے اور

حضرت عثمانؓ عمان کے۔ تاہم یہ دونوں بھائی ایک دوسرے کے دست و بازو بنے رہے اور آپس میں گہرا رابطہ قائم رکھا۔ انہوں نے ۱۵ھ سے ۲۳ھ تک بلادِ ہند اور ایران میں متعدد فتوحات حاصل کیں۔ مختلف روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حکمؓ نے کم از کم تین مرتبہ بلادِ ہند میں جہاد کیا اور تینوں مرتبہ وہ اسلامی لشکر کے امیر تھے۔

پہلی مرتبہ انہوں نے اس بحری مہم کی قیادت کی جو حضرت عثمانؓ بن ابی العاص نے ہندوستان پر حملہ کرنے کے لیے تیار کی تھی۔ حضرت حکمؓ ان کے ایماء پر ایک بحری بیڑا لے کر گجرات اور کوکن ممبئی کی سرحد پر واقع بندرگاہ تھانہ (تانہ) تک پہنچے۔ مجاہدینِ اسلام نے اس شہر کو فتح کر لیا لیکن اس پر زیادہ دیر تک قابض نہ رہے کیونکہ ان کا مقصد بحری ڈاکوؤں کا استیصال اور ہندوستان کے حالات معلوم کرنا تھا۔ چنانچہ حضرت حکمؓ چند دن کے بعد تھانہ سے کثیر مالِ غنیمت لے کر عمان آ گئے۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ بلادِ ہند (گجرات کاٹھیاواڑ) پر یہ عربوں کا پہلا حملہ تھا۔

حضرت عثمانؓ بن ابی العاص نے یہ مہم روانہ کرنے سے پہلے امیرالمومنین عمر فاروقؓ کی اجازت نہیں لی تھی اس لیے انہوں نے اپنی کامیابی اور مالِ غنیمت حاصل کرنے کی اطلاع بارگاہِ خلافت میں ڈرتے ڈرتے روانہ کی۔ امیرالمومنین نے اس مہم جوئی کو پسند نہ کیا اور حضرت عثمانؓ کو ایک تہدیدی خط بھیجا جس میں لکھا کہ:۔

"اے برادرِ ثقفی! تم نے یہ فوج نہیں بھیجی بلکہ ایک کیڑے کو لکڑی پر بٹھا کر سمندر میں ڈال دیا تھا۔ اگر ان لوگوں کو کوئی نقصان پہنچ جاتا تو اس کا معاوضہ میں تم سے اور تمہاری قوم سے بھر لیتا۔"

اس تنبیہ کے باوجود حضرت عثمانؓ نے بلادِ ہند پر بحری حملوں کو ناگزیر سمجھا اور دو بحری مہمیں ہندوستان کی طرف اور روانہ کیں۔ ان میں سے ایک بحری بیڑے کے افسر حضرت عثمانؓ کے بھائی مغیرہؓ بن ابی العاص تھے اور دوسرے کے حضرت حکمؓ بن ابی العاص۔ مغیرہؓ سندھ کے مشہور شہر دیبل پہنچے اور دشمن کو شکست دے کر مالِ غنیمت کے ساتھ بحرین واپس آئے۔ (ایک روایت کے مطابق وہ دیبل میں

شہید ہو گئے مگر جمہور مؤرخین نے پہلی روایت کو ترجیح دی ہے)

دوسری مہم کا افسر حضرت عثمانؓ نے حضرت حکمؓ کو بنایا وہ ایک بحری بیڑا لے کر بھڑوچ (گجرات کاٹھیاواڑ) پر حملہ آور ہوئے اور اسے مسخر کر کے واپس آئے۔ (یہ فوجی مہمات ۱۵ھ سے ۲۱ھ کے درمیان روانہ کی گئی تھیں)۔

۲۳ھ میں حضرت حکمؓ بن ابی العاص کو مکران (بلوچستان) کی تسخیر کے لیے روانہ کیا گیا (اس وقت امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ نے بحری مہمات کی اجازت دے دی تھی۔) امام ذہبیؒ نے "تاریخ الاسلام وطبقات المشاہیر والاعلام" میں ۲۳ھ کے واقعات میں لکھا ہے:

وفیہا فتحت مکران، وامیرہا الحکم اخو عثمانؓ وھی بلاد جبل"

یعنی "(۲۳ھ میں) مکران فتح ہوا۔ اس مہم کے امیر عثمانؓ کے بھائی حکمؓ تھے۔ یہ پہاڑی علاقہ ہے۔"

(۳)

بلادِ ہند کی مہموں کے علاوہ حضرت حکمؓ بن ابی العاص نے ایران میں بھی کئی فتوحات حاصل کیں۔ خلیفہ بن خیاط نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ ذوالحجہ ۱۹ھ میں حضرت حکمؓ بن ابی العاص نے فارس کے شہر صہاب پر لشکر کشی کی اور اسے فتح کر لیا۔

ایک روایت کے مطابق اسی سال حضرت حکمؓ نے جزیرہ ابرکاوان اور توج بھی فتح کیے۔ جس زمانے میں حضرت حکمؓ توج وغیرہ کی تسخیر کے لیے مصروف جہاد تھے انہوں نے اپنی اہلیہ بکرہ بنت زبرقان کو توج بلا بھیجا۔ ابوالفرج اصفہانی نے کتاب الاغانی میں لکھا ہے کہ بکرہ پہلی (مسلمان) خاتون ہیں جنہوں نے سمندر پر سواری کی اور ان کو ان کے شوہر حضرت حکمؓ کے پاس پہنچایا گیا جب کہ وہ توج میں تھے۔

توج کی فتح کے بعد حضرت حکمؓ رامشہر کی طرف بڑھے جہاں فارس کے گورنر

شہرک نے ایک زبردست فوج جمع کر رکھی تھی۔ شہرک نے بڑی پامردی سے مسلمانوں کا مقابلہ کیا لیکن جذبۂ شہادت سے سرشار مسلمانوں کی یلغار کے سامنے اس کی کچھ پیش نہ چلی۔ ایرانیوں کو عبرتناک شکست ہوئی اور شہرک میدانِ جنگ میں کام آیا۔ غرض حضرت حکمؓ بن ابی العاص طویل عرصہ تک مصروفِ جہاد رہے اور متعدد اہم مہمیں سر کیں۔

(۴)

علامہ ابن اثیرؒ نے "اُسدُ الغابہ" میں عہدِ فاروقی کا ایک دلچسپ واقعہ بیان کیا ہے جو حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت حکمؓ بن ابی العاص کے مابین پیش آیا وہ لکھتے ہیں کہ:

"ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے مجلس میں فرمایا کہ میرے پاس یتیموں کا کچھ مال رکھا ہوا ہے جو صدقہ (زکوٰۃ) ادا کرنے کی وجہ سے کم ہوتا جا رہا ہے، عنقریب یہ ختم ہو جائے گا، کیا تم میں کوئی تاجر ہے (جو اس مال کو تجارت میں لگا دے) حضرت حکمؓ بن العاص کہتے ہیں کہ میں بھی اس مجلس میں موجود تھا میں نے اپنے آپ کو اس کام کے لیے پیش کیا۔ حضرت عمرؓ نے مجھے دس ہزار کی رقم دی۔ میں یہ رقم لے کر چلا گیا (اور اس کو تجارت میں لگا دیا) جب (کچھ مدت بعد دوبارہ) حضرت عمرؓ سے ملنے آیا تو انہوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ ہمارے مال کا کیا ہوا؟ میں نے کہا، یہ آپ کا مال موجود ہے جو ایک لاکھ تک پہنچ گیا ہے۔ (اور میں نے بتایا کہ دس ہزار کی رقم تجارت کی وجہ سے اس مقدار تک پہنچ گئی ہے)"

یہ روایت حضرت حکمؓ کی امانت و دیانت اور احساسِ ذمہ داری پر دال ہے۔

(۵)

حضرت عمر فاروقؓ کی شہادت (محرم ۲۴ھ) کے بعد حضرت عثمانِ غنیؓ سریر آرائے خلافت ہوئے تو انہوں نے حضرت حکمؓ کو منصبِ امارت سے سبکدوش

کردیا۔ اس کے بعد انہوں نے بصرہ میں مستقل اقامت اختیار کر لی اسی لیے ان کا شمار بصری صحابہ میں ہوتا ہے۔ حضرت عثمان غنیؓ نے حضرت حکمؓ کو بصرہ میں ایک قطعۂ زمین بطور جاگیر مرحمت فرمایا جسے حکمان کہا جاتا تھا۔ حضرت حکمؓ نے اسی میں اپنا مکان بنایا اور بود و باش اختیار کی۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں ایک دفعہ بصرہ کے گورنر زیاد بن ابی سفیانؓ نے حضرت حکمؓ بن ابی العاص کو خراسان کا امیر بنانا چاہا۔ اس نے اپنے دربان کو حکم دیا کہ حکم کو بلا لاؤ (اس کی مراد حضرت حکمؓ بن ابی العاص سے تھی) بصرہ میں ایک اور صاحب رسول حضرت حکمؓ بن عمرو غفاری (ثعلبی) تھے۔ دربان سمجھا کہ زیاد نے ان کو بلانے کا حکم دیا ہے چنانچہ وہ ان کو بلا لایا۔ زیاد نے ان کے تقدس کی بناء پر انہی کو خراسان کا حاکم بنا دیا۔ یہ بیان علامہ بلاذریؒ کا ہے (فتوح البلدان) علامہ ابن اثیرؒ نے یہ واقعہ اور پیرائے میں بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ زیاد نے اپنا ایک آدمی حکم (یعنی کسی فیصلہ کرنے والے) کی تلاش میں بھیجا، وہ حضرت حکمؓ بن عمرو غفاری کو بلا کر لے گیا۔ اس نے ان کی آمد کو نیک فال سمجھا اور ان کو خراسان کا گورنر بنا دیا۔ (اُسد الغابہ)

(۶)

حضرت حکمؓ بن ابی العاص ایک اعلیٰ درجے کے منتظم اور مرد مجاہد ہونے کے علاوہ علم و فضل کے اعتبار سے بھی بہت بلند مقام رکھتے تھے۔ امام بخاریؒ کا بیان ہے کہ وہ بصرہ کے محدثین میں شمار ہوتے تھے (تاریخ الکبیر) حافظ ابن عبد البرؒ نے بھی "الاستیعاب" میں یہی لکھا ہے۔ حضرت حکمؓ نے حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عثمانؓ بن ابی العاص سے چند احادیث کی روایت کی ہے اور ان سے معاویہؒ بن قرہ نے روایت کی ہے۔

حضرت حکمؓ بن ابی العاص نے ۴۵ھ ہجری میں بصرہ میں وفات پائی۔ ان کی اولاد میں سے صرف چار لڑکوں کے نام معلوم ہیں، یزید بن حکمؓ، عبد الرحمٰن بن حکمؓ، یحییٰ بن حکمؓ اور یعلیٰ بن حکمؓ۔ یہ سب بصرہ کے اعیان و اشراف میں شمار ہوتے تھے۔ حضرت حکمؓ کے ایک غلام زیاد نامی تھے۔ انہوں نے حضرت حکمؓ کی مہمات اور فتوحات کے بعض واقعات بیان کیے ہیں اور حضرت عثمانؓ بن العاص سے حدیث کی روایت کی ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت حکم رضؓ بن حارث سُلَمی

(۱)

ارباب سِیَر ان کے شجرۂ نسب کے بارے میں خاموش ہیں البتہ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ ان کا خاندانی تعلق بنو سُلیم سے تھا۔

فتح مکہ (رمضان المبارک ۸ھ ہجری) سے پہلے دولتِ ایمان سے بہرہ یاب ہوئے اور اس کے بعد باختلاف روایت سات یا تین غزووں میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ حُنین کے لیے مکہ سے روانہ ہوئے تو حضرت حکمؓ بن حارث ہراول دستے میں تھے۔ علامہ ابن سعدؒ کا بیان ہے کہ راستے میں ایک جگہ ان کی اونٹنی بیٹھ گئی۔ انہوں نے اس کو مارنا شروع کردیا مگر وہ اٹھتی نہ تھی۔ اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف لائے۔ آپؐ نے حضرت حکمؓ سے فرمایا، اس کو نہ مارو۔ پھر آپؐ نے اونٹنی سے مخاطب ہو کر فرمایا، حل[۱]، وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی اور جیش کے ساتھ چلنے لگی۔ (طبقات ابنِ سعد و اُسدُ الغابہ)

(۲)

حضرت حکمؓ مال و دولت جمع کرنے اور اس کو سینت سینت کر رکھنے کے سخت خلاف تھے۔ ان کے بھتیجے حبیب بن ہرم بن حارث کا بیان ہے کہ میرے چچا کو دو ہزار وظیفہ ملتا تھا۔ جب وہ یہ وظیفہ وصول کر لیتے تو اپنے لڑکے کو حکم دیتے کہ جا کر اسے خرچ کردو۔ ایک اور روایت میں ہے کہ (ان کے مال اور جائداد پر) دو ہزار زکوٰۃ نکلا کرتی تھی۔ جب زکوٰۃ نکلتی تو وہ اپنے غلام کو حکم دیتے کہ چلو جو حقوق ہمارے

---

[۱] یہ ایک کلمہ ہے جو اہلِ عرب اونٹ کو ہانکنے کے لیے بولا کرتے تھے۔

ادیہ ہیں ان کو ادا کر دو۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرماتے تھے کہ جو شخص ایک دینار چھوڑ جائے اس کو ایک داغ دیا جائے گا اور جو شخص دو دینار چھوڑ جائے اس کو دو داغ دیئے جائیں گے۔ [1] (اسد الغابہ)

(۳)

حضرت حکمؓ بن حارث کے سالِ وفات کے بارے میں کتبِ سیر خاموش ہیں البتہ یہ بات ثابت ہے کہ حضرت عمرؓ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں حیات تھے۔ بصرہ آباد ہوا تو وہ مدینہ منورہ سے بصرہ چلے گئے اور وہیں مستقل سکونت اختیار کرلی۔ حافظ ابن حجرؒ نے "الاصابہ" میں لکھا ہے کہ انہوں نے وفات سے پہلے وصیت کی کہ میری قبر پر پانی چھڑکنا اور پھر قبلہ رو ہو کر میرے لیے دعا کرنا۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ



---

[1] اپنے پیچھے مال یا جائداد چھوڑنے کی اسلام میں ممانعت نہیں ہے۔ اس حدیث میں جس مال (ایک یا دو دینار) کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اس سے مراد بظاہر وہ مال ہے جو اللہ اور بندوں کے حقوق ادا کیے بغیر چھوڑا گیا ہو۔ (مؤلف)

حضرت حمزہؓ بن عمرو اسلمی

(۱)

مُضَری قبیلہ کی شاخ بنو قمعہ کے خاندان اسلم بن افصیٰ سے تھے۔

سلسلۂ نسب یہ ہے:

حمزہؓ بن عمرو بن عویمر بن حارث الاعرج بن سعد بن زراح بن عدی بن سہل بن مازن بن حارث بن سلامان ابن اسلم بن افصیٰ بن حارثہ اسلمی

حضرت حمزہؓ کا خاندان مکّہ معظمہ کے شمال میں ۳۴ کلومیٹر دور مرّ الظہران (وادیٔ فاطمہ) کے قرب و جوار میں آباد تھا۔

عام روایات کے مطابق حضرت حمزہؓ بن عمرو کی کنیت ابو صالح تھی۔ البتہ کچھ روایات میں ابو محمّد بیان کی گئی ہے۔ ہو سکتا ہے ان کی دو کنیتیں ہوں۔

مکّی دورِ رسالت میں حضرت حمزہؓ کمسن تھے۔ علامہ ابن عبدالبرؒ اور علّامہ ابن اثیرؒ کے بیان کے مطابق ہجرتِ نبوی کے وقت حضرت حمزہؓ کی عمر تقریباً دس برس کی تھی۔ انہوں نے فتح مکّہ (۸ھ ہجری) یا اس کے کچھ عرصہ بعد اس وقت اسلام قبول کیا جب اُن کا عنفوانِ شباب تھا۔ قبولِ اسلام کے بعد حضرت حمزہؓ ایک عبادت گزار مردِ مؤمن اور راہِ حق کے ایک پُرجوش مجاہد بن گئے۔

(۲)

۹ھ ہجری میں سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم غزوۂ تبوک کے لیے روانہ ہوئے تو اس پُرصعوبت سفر میں جن تیس ہزار مجاہدین کو آپؐ کی ہمرکابی کا شرف حاصل ہوا ان میں حضرت حمزہؓ بن عمرو بھی شامل تھے۔ اس سفر میں حضرت حمزہؓ کو حضورؐ کا کھانا پکانے کی سعادت بھی نصیب ہوئی۔ بعد میں وہ اس غزوہ کے دوران میں پیش

آنے والے بعض واقعات بڑے لطف و انبساط سے لوگوں کو سنایا کرتے تھے! امام بیہقیؒ، طبرانیؒ اور حافظ ابن کثیرؒ نے حضرت حمزہؓ بن عمرو سے مروی یہ روایت نقل کی ہے کہ:

"جب ہم تبوک میں تھے اور منافقین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کو بے کر گھاٹی کی طرف بھاگ گئے تھے۔ یہاں تک کہ آپؐ کے کجاوہ کا بعض سامان بھی گر گیا تھا تو (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) میری پانچوں انگلیوں میں روشنی پیدا کر دی گئی پس ساری چیزیں اس روشنی میں صاف نظر آنے لگیں (چمک اٹھیں) چنانچہ میں نے اپنے سامان میں سے وہ چیزیں اٹھانی شروع کر دیں جو گر گئی تھیں، جیسے کوڑا، باندھنے کی رسی اور اس جیسی (دوسری) چیزیں۔"

امام بخاریؒ نے اپنی تاریخ میں حضرت حمزہؓ بن عمرو کا بیان ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

"ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے — جب (رات کے وقت) آپؐ سے رخصت ہوئے تو سخت اندھیرا تھا اور سخت آندھی چل رہی تھی۔ (اچانک) میری انگلیاں روشن ہو گئیں اور ان میں سے یہاں تک روشنی نکلی کہ لوگوں نے اس میں اپنے جانور اکٹھے کیے اور جو کچھ ان کا مال گم ہوا تھا (وہ بھی تلاش کر لیا۔) اور میری انگلیاں اسی طرح روشنی دے رہی تھیں۔"

حافظ ابونعیمؒ نے "دلائل" میں غزوۂ تبوک کا ایک اور واقعہ حضرت حمزہؓ بن عمرو کی زبانی اس طرح نقل کیا ہے:-

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک کے لیے روانہ ہوئے تو میں اس سفر میں گھی کے مشکیزے پر مقرر تھا (یعنی گھی میری تحویل میں تھا) (اثنائے سفر میں گھی کم ہو گیا۔ (ایک دن) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کھانا تیار کیا اور مشکیزے کو دھوپ میں رکھ کر سو گیا۔ مشکیزہ میں سے کچھ ایسی آواز نکلی کہ میری آنکھ کھل گئی۔

(میں نے دیکھا کہ مشکیزہ گھی سے بھرا ہوا ہے اور گھی اس سے بہہ رہا ہے) میں نے مشکیزے کا سرا (منہ) اپنے ہاتھ میں پکڑ لیا۔ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے مجھ کو دیکھ لیا اور فرمایا، اگر تو اسے چھوڑے رکھتا تو اس ساری وادی میں گھی بہتا۔" (صفحہ ۱۵۵)

ایک اور روایت میں حضرت حمزہؓ بن عمرو کہتے ہیں کہ:

"رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے اصحاب کا کھانا باری باری صحابہ کے یہاں ہوتا تھا۔ ایک رات سب کا کھانا ایک کے ہاں اور دوسری رات کسی دوسرے کے ہاں ہوتا تھا۔ ایک رات کو میرے یہاں کی باری تھی۔ میں نے صحابہ کے لیے کھانا پکایا اور میں نے گھی کے مشکیزے کا تسمہ نہیں باندھا اور اسے کھلا چھوڑ دیا۔ پھر میں کھانا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو پیش کرنے کے لیے چلا (گھی کا مشکیزہ بھی میرے پاس تھا) چلنے میں حرکت جو ہوئی تو جو کچھ اس مشکیزے میں تھا گر گیا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ (افسوس) میرے ہی ہاتھ سے رسول اللہ ؐ کے کھانے کو گرنا تھا۔ حضورؐ نے فرمایا، قریب ہو یعنی کھا۔ میں نے عرض کیا، یا رسول اللہؐ گنجائش نہیں۔ پھر میں واپس آ گیا۔ اچانک میں نے مشکیزہ سے گپ گپ کی آواز سنی۔ میں نے خیال کیا کہ شاید اس میں کچھ گھی بچ گیا ہو گا (اور اس کے پگھلنے کی آواز آ رہی ہے) میں نے مشکیزے کو دیکھا تو وہ تین چوتھائی تک بھر گیا تھا۔ میں اسے لے کر رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں حاضر ہوا اور سارا ماجرا عرض کیا۔ آپؐ نے فرمایا اگر تو اسے چھوڑے رکھتا تو یہ منہ تک بھر جاتا۔ اس کے بعد آپؐ نے اس پر تسمہ باندھ دیا۔" (حیات الصحابہ بحوالہ طبرانی)

(۳)

غزوۂ تبوک میں جہاں تیس ہزار مسلمانوں نے بڑے جوش اور جذبے کے ساتھ

رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا وہاں بہت سے منافقین کنی کترا گئے اور مدینہ سے باہر نہ نکلے ۔ بدقسمتی سے تین سچے مسلمان بھی محض تساہل کی بناء پر اسلامی لشکر میں شریک نہ ہو سکے ۔ ان میں سے ایک جلیل القدر صحابی حضرت کعبؓ بن مالک انصاری تھے[1] سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم تبوک سے واپس تشریف لائے تو منافقین نے غزوے میں اپنی عدم شرکت کے لیے طرح طرح کے عذر پیش کیے جو آپؐ نے قبول کر لیے مگر حضرت کعبؓ بن مالک (اور ان کے دونوں راسخ العقیدہ ساتھیوں) نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر سچ سچ عرض کر دیا کہ عدم شرکت کی کوئی معقول وجہ نہ تھی صرف ہمارے تساہل نے ہمیں شرکتِ جہاد کے شرف سے محروم رکھا۔ حضورؐ نے اس معاملے میں حکمِ خداوندی آنے تک عام مسلمانوں کو ان کے ساتھ بول چال اور میل ملاپ سے منع کر دیا ۔ (یہ ایک قسم کا معاشرتی مقاطعہ تھا) حضرت کعبؓ بن مالک نے مقاطعہ کا سارا عرصہ سخت ابتلا اور کرب کی حالت میں گزارا۔ پچاسویں دن اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر حضرت کعبؓ اور ان کے دونوں ساتھیوں کو قبولیتِ توبہ کی بشارت دی ۔

وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ۭ حَتّٰٓي اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ۭ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝

(اور ان تینوں کو بھی اس نے معاف کیا جن کے معاملہ کو ملتوی کر دیا گیا تھا جب زمین باوجود اپنی ساری وسعت کے ان پر تنگ ہو گئی اور ان کی اپنی جانیں بھی ان پر بار ہونے لگیں اور انہوں نے جان لیا کہ اللہ سے بچنے کے لیے کوئی جائے پناہ خود اللہ ہی کے دامنِ رحمت کے سوا نہیں ہے تو اللہ ان پر مہربان ہوا کہ توبہ کیے رہیں۔ یقیناً اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔)

---

[1] دوسرے دو صاحب حضرت ہلالؓ بن امیہ اور حضرت مرارہؓ بن ربیع تھے ۔

یہ آیت نازل ہوئی اور سرورِ عالم صَلَّی اللہُ علیہ وَسَلَّم نے فجر کی نماز کے بعد حضرت کعبؓ بن مالک اور ان کے دونوں ساتھیوں کی معافی کا اعلان فرمایا تو تمام صحابہ کرامؓ میں مسرت کی لہر دوڑ گئی اور وہ حضرت کعبؓ کو مبارکباد دینے ہر طرف سے دوڑ پڑے۔ حضرت حمزہؓ بن عمرو کو اس قدر مسرت ہوئی کہ انہوں نے سب سے پہلے یہ مژدہ حضرت کعبؓ کو سنانا چاہا۔ چنانچہ وہ دوڑ کر قریبی پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گئے اور وہاں سے پکار کر کہا، کعب! بشارت ہو (تمہاری توبہ قبول ہو گئی) حضرت کعبؓ کا بیان ہے کہ

"پچاسویں دن میں فجر کی نماز پڑھ کر اپنے گھر کی چھت پر لیٹا ہوا تھا، زندگی مجھ پر دوبھر ہو رہی تھی اور سخت بے چین تھا کہ یکایک کوہِ سلع کی چوٹی سے کسی نے پکار کر کہا، کعب بشارت ہو۔ میں یہ الفاظ سنتے ہی سجدے میں گر پڑا اور فرطِ مسرّت سے رونے لگا۔"

اس کے بعد حضرت حمزہؓ پہاڑی سے اتر کر حضرت کعبؓ کے پاس بہ نفسِ نفیس گئے اور ان کو مبارکباد دی۔ حافظ ابنِ حجر کا بیان ہے کہ حضرت کعبؓ نے فرطِ مسرّت میں اپنا لباس اتار کر حضرت حمزہؓ کو پہنا دیا۔

ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے اپنے کپڑے اتار کر حضرت حمزہؓ کی نذر کر دیئے اور خود کسی سے مانگ کر کپڑے پہنے۔

(۴)

سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم کی رحلت کے کچھ عرصہ بعد سلطنتِ رُوم سے معرکہ آرائیوں کا آغاز ہوا تو حضرت حمزہؓ اسلامی لشکر میں شریک ہو کر شام چلے گئے اور رومیوں کے خلاف کئی معرکوں میں دادِ شجاعت دی۔ حضرت عمرؓ فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں اجنادین کی دوسری لڑائی (۱۵ سنہ ہجری) میں اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں کو فتح دی تو حافظ ابنِ عبدالبرؒ کے قول کے مطابق حضرت حمزہ بن عمرو فتح کا مژدہ لے کر امیرالمؤمنینؓ کی خدمت میں مدینہ منورہ آئے۔

حضرت حمزہؓ بن عمرو نے سنہ ۶۱ ہجری میں وفات پائی اس وقت ان کی عمر ۷۱ سال کی تھی۔ ابن اثیرؒ نے "اُسُدُ الغابہ" میں ان کی یہی عمر بیان کی ہے لیکن ساتھ ہی لکھا ہے کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ وفات کے وقت ان کی عمر اسّی برس کی تھی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حضرت حمزہؓ کو روزوں سے بڑا شغف تھا اور وہ سفر میں بھی برابر روزے رکھا کرتے تھے۔ اُمُّ المؤمنین حضرت عائشہ صدّیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت حمزہؓ بن عمرو اسلمی نے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے بحالتِ سفر روزہ رکھنے کی بابت پوچھا۔ آپ نے فرمایا، (تم کو اختیار ہے) چاہے رکھو چاہے نہ رکھو۔

خود حضرت حمزہؓ سے بھی یہ حدیث مروی ہے۔

کُتُبِ حدیث میں حضرت حمزہؓ بن عمرو کی نو مرویات موجود ہیں۔ ان کے رواۃ میں ان کے فرزند محمدؒ اور حضرت سلیمان بن یسارؒ شامل ہیں۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت حُنیفؓ بن رئاب انصاری

(۱)

قبیلۂ اوس کے خاندان عمرو بن عوف سے تھے۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:
حُنیفؓ بن رئاب (ریاب) بن حارثہ بن امیہؓ بن زید بن سالم
بن عوف بن عمرو بن عوف الانصاری اوسی۔

یہ معلوم نہیں کہ انہوں نے ہجرت نبویؐ سے پہلے اسلام قبول کیا یا آنحضورصلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ تشریف لانے کے بعد، البتہ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ وہ غزوۂ اُحد (۳ھ) سے پہلے شرفِ ایمان سے بہرہ ور ہو چکے تھے۔

بعض روایتوں میں ان کے ایک فرزند کا ذکر آیا ہے جن کا نام رئابؓ تھا۔ عدویؒ کا بیان ہے کہ وہ بدر میں شریک ہوئے اور سانحۂ بیر معونہ میں شہادت پائی۔ ہو سکتا ہے کہ حضرت حُنیفؓ بھی غزوۂ بدر سے پہلے سعادت اندوزِ اسلام ہو چکے ہوں۔ انہوں نے اپنے فرزند کو غزوۂ بدر میں شریک ہونے کے لیے بھیج دیا ہو اور خود گھر پر ٹھہرے ہوں۔

(۲)

حضرت حُنیفؓ بن رئاب سب سے پہلے غزوۂ اُحد میں شریک ہوئے اور اپنی شجاعت کے جوہر دکھائے۔ علامہ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ حضرت حُنیفؓ اُحد کے بعد کے (جمادی الاولیٰ ۸ھ ہجری تک ہونے والے) تمام مشاہد میں شریک تھے۔ جمادی الاولیٰ ۸ھ ہجری میں غزوۂ مؤتہ پیش آیا۔ حضرت حُنیفؓ بھی اسلامی لشکر میں شامل تھے۔ اسی (مؤتہ کی) لڑائی میں دادِ شجاعت دیتے ہوئے رتبۂ شہادت پر فائز ہوئے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت خارجہؓ بن حُذافہ عَدَوی

(۱)

قریش کے خاندان بنو عدی سے تھے بعض نے ان کا تعلق بنو سہم سے بتایا ہے[۱] لیکن یہ صحیح نہیں۔ علامہ ابن اثیرؒ نے "اُسدُ الغابہ" میں لکھا ہے کہ خارجہ بن حذافہ سہمی ایک اور صاحب تھے جو مشہور صحابی حضرت عبداللہؓ بن حذافہ سہمی کے بھائی تھے۔ امام بخاریؒ نے بھی اپنی تاریخ میں ان کو عَدَوی قرار دیا ہے۔

حضرت خارجہؓ بن حذافہ کا نسب نامہ یہ ہے:

خارجہؓ بن حُذافہ بن غانم بن عامر بن عبداللہ بن عبید (بعض نے ان کا نام عویج لکھا ہے) بن عدی بن کعب بن لُوَیؓ قرشی عَدَوی۔

والدہ کا تعلق بھی بنو عدی سے تھا۔ ان کا نام فاطمہ بنت عمرو بن بجرہ عَدَویہ تھا۔ حضرت خارجہؓ زمانۂ جاہلیت کے نامور بہادروں میں شمار ہوتے تھے۔ بعض اربابِ سِیَر نے لکھا ہے کہ وہ تنہا ایک ہزار شہسواروں کے برابر تسلیم کیے جاتے تھے۔ سرورِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے دعوتِ حق کا آغاز فرمایا تو حضرت خارجہؓ نے اسے قبول کرنے سے گریز کیا اور سالہا سال تک اپنے آبائی مذہب پر قائم رہے۔ تاہم انہوں نے بعض دوسرے اشرافِ قریش کی طرح آنحضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو کبھی کوئی ایذا نہ پہنچائی۔ رمضان المبارک ۸ھ ہجری میں مکہ فتح ہوا تو حضرت خارجہؓ بھی دوسرے اہلِ مکہ کے ساتھ شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہو گئے۔ اہلِ سِیَر

---

[۱] سیر الصحابہ حصۂ ہشتم میں مولانا شاہ معین الدین احمد ندویؒ نے بھی ان کو سہمی لکھا ہے مگر ان کا جو شجرۂ نسب دیا ہے وہ بنو عدی کا ہے نہ کہ بنو سہم۔ (طالب ہاشمی)

نے تصریح تو نہیں کی لیکن قیاس یہ ہے کہ فتح مکہ کے بعد جو غزوات پیش آئے (حنین، طائف، تبوک وغیرہ) حضرت خارجہؓ بن حذافہ نے ان میں حضورؐ کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا ہوگا۔

(۲)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں مصر پر فوج کشی ہوئی اور سپہ سالار حضرت عمروؓ بن العاص کو پیشقدمی کرنے میں مشکلات پیش آئیں تو انہوں نے امیر المؤمنین سے کمک طلب کی۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ امیر المؤمنین نے حضرت عمروؓ بن العاص کو مصر روانہ کرنے کے بعد خود ہی ایک امدادی فوج حضرت زبیرؓ بن العوام کی قیادت میں مصر بھیج دی۔ اس فوج کی تعداد کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض روایات کے مطابق اس کی تعداد دس ہزار تھی اور بعض کے مطابق چار ہزار۔ اس فوج پر چار افسر تھے۔ علامہ ابن اثیرؒ اور حافظ ابن حجرؒ کے بیان کے مطابق ان افسروں میں سے ایک حضرت خارجہؓ بن حذافہ تھے۔ دوسرے تین افسر حضرت زبیرؓ بن العوام، حضرت مقدادؓ بن الاسود اور حضرت عبادہؓ بن صامت (بروایت دیگر حضرت مسلمہؓ بن مخلد) تھے۔ "کنز العمال" میں ہے کہ امدادی فوج بھیجتے وقت امیر المؤمنین حضرت عمرؓ نے حضرت عمروؓ بن العاص کو خط لکھا کہ ان افسروں میں ہر شخص ایک ہزار آدمیوں کے برابر ہے۔ ہو سکتا ہے کہ امیر المؤمنین نے امدادی فوج کے کئی دستے روانہ کیے ہوں جن کی مجموعی افرادی قوت دس ہزار ہو گئی ہو۔ بہرصورت امدادی فوج پہنچنے پر حضرت عمروؓ بن العاص نے بڑی تیزی سے پیشقدمی کی اور مصر کے متعدد شہر آسانی سے فتح کر لیے۔ ان شہروں کی تسخیر میں حضرت خارجہؓ بن حذافہ نے نمایاں حصہ لیا۔ اس کے بعد حضرت عمروؓ بن العاص نے حضرت خارجہؓ بن حذافہ کو تمام مفتوحہ مقامات (باب الیون، عرلیش، عین شمس یا فسطاط، بلبیس وغیرہ) کا حاکم مقرر کیا اور خود اسکندریہ کی طرف بڑھے۔ اہل اسکندریہ محصور ہو کر بیٹھ گئے اور بڑی ثابت قدمی کے ساتھ مزاحمت جاری رکھی۔ بالآخر دو سال کے طویل محاصرے کے بعد

اسکندریہ بھی فتح ہوگیا۔ اسکندریہ کی تسخیر سے رومیوں کی قوت پاش پاش ہوگئی تاہم منتشر طور پر جا بجا ان کی کئی آبادیاں باقی رہ گئی تھیں اس لیے حضرت عمرو رضؓ بن العاص نے ہر طرف فوج کے مختصر دستے بھیجے تاکہ آئندہ بغاوت کا خطرہ باقی نہ رہے۔ اس سلسلے میں بعض آبادیوں کو مسخر کرنے کا کام انہوں نے حضرت خارجہؓ بن حذافہ کے سپرد کیا چنانچہ حضرت خارجہؓ نے اخمیم، اشمونین، فیوم، بشرودات اور صعید مصر وغیرہ کی آبادیوں پر پرچم اسلام بلند کر دیا۔ اسی طرح حضرت عمیرؓ بن وہب اور حضرت عقبہؓ بن عامر نے بھی بہت سے مواضعات پر قبضہ کر لیا۔ یوں سارا مصر مسلمانوں کے زیر نگیں ہوگیا۔ اس کے بعد حضرت عمرو رضؓ بن العاص نے حضرت خارجہؓ بن حذافہ کو مصر کا قاضی (بروایت دیگر محتسب) مقرر کیا۔ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ وہ آخر دم تک مصر ہی میں مقیم رہے۔

(۳)

سیدنا حضرت عثمان ذوالنورینؓ نے اپنے عہد خلافت میں حضرت عمرو رضؓ بن العاص کو مصر کی امارت سے سبکدوش کر دیا تاہم حضرت خارجہؓ بن حذافہ کا قیام مصر ہی میں رہا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دور خلافت میں امیر معاویہؓ نے مصر پر قبضہ کر لیا اور حضرت عمرو رضؓ بن العاص کو دوبارہ مصر کا امیر مقرر کر دیا۔ جنگ صفین کے بعد (واقعۂ تحکیم کے نتیجے میں) خوارج کا ظہور ہوا تو انہوں نے حضرت علیؓ، حضرت امیر معاویہؓ اور حضرت عمرو رضؓ بن العاص تینوں کے خلاف کمر باندھ لی اور اپنے ایک خفیہ اجتماع میں طے کیا کہ ان تینوں بزرگوں کو قتل کر دیا جائے چنانچہ عبدالرحمٰن بن ملجم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو، نزال بن عامر نے امیر معاویہؓ کو اور عبداللہ بن مالک صیداوی نے حضرت عمرو رضؓ بن العاص کو شہید کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ ابن ملجم تو حضرت علیؓ کو حالت نماز میں مہلک زخم لگا کر اپنے ناپاک ارادے میں کامیاب ہوگیا مگر نزال اور عبداللہ دونوں ناکام رہے۔ نزال نے دمشق پہنچ کر امیر معاویہؓ پر اس وقت حملہ کیا جب وہ فجر کی نماز پڑھا رہے تھے۔ وار اوچھا پڑا تاہم حضرت معاویہؓ زخمی ہوگئے اور نزال کو گرفتار کر لیا گیا۔ حضرت معاویہؓ کے حکم سے اس کے ہاتھ پاؤں

کاٹ دیئے گئے اور زبان کھینچ دی گئی اس طرح وہ تڑپ تڑپ کر مر گیا۔ عبداللہ بن مالک صیدادی مصر پہنچا اور پچھلے پہر مسجد میں چھپ کر بیٹھ گیا تاکہ جب حضرت عمرؓو بن العاص نماز پڑھانے لگیں تو ان کو شہید کر دے مگر اتفاق سے اس دن حضرت عمرؓو بن العاص کی طبیعت ناساز ہو گئی اور انہوں نے اپنی جگہ حضرت خارجہؓ بن حذافہ کو نماز پڑھانے کے لیے بھیج دیا۔ قاتل اندھیرے میں ان کو پہچان نہ سکا اور جب وہ سجدے میں گئے تو حضرت عمرؓو بن العاص کے دھوکے میں ان کو شہید کر ڈالا۔ اس کو گرفتار کر کے حضرت عمروؓ کے سامنے پیش کیا گیا تو اس نے حیرت سے پوچھا، میں نے کس کو قتل کیا؟ لوگوں نے کہا، خارجہؓ بن حذافہ کو۔ کہنے لگا، میں نے تو عمروؓ کو قتل کرنا چاہا تھا مگر اللہ کو خارجہؓ کا قتل منظور تھا۔

ابو حنیفۃ الدینوری نے "الاخبار الطوال" میں یہ واقعہ اس طرح بیان کیا ہے:

"عبداللہ بن مالک صیدادی مصر میں وارد ہوا اور جب شب موعودہ آئی تو محراب کے قریب چھپ کر بیٹھ گیا۔ اس کے پاس نیمچہ تھا جو اس نے کپڑوں میں چھپا رکھا تھا مگر اس رات عمرؓو بن العاص کے پیٹ میں درد اٹھا اس لیے انہوں نے عامر بن لوئیؓ کے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ جا کر نماز پڑھا دیں چنانچہ وہ منہ اندھیرے نماز پڑھانے کے لیے (مسجد میں) پہنچ گئے۔ عبداللہ کو یقین تھا کہ وہ عمرو بن العاص ہیں لہٰذا جب وہ سجدے میں گئے تو اس نے پیچھے سے تلوار کا وار کیا اور انہیں شہید کر ڈالا مگر جب اسے بتایا گیا کہ تم نے امیر کو قتل نہیں کیا تو وہ بولا، میرا کیا قصور، خدا کی قسم میں تو اسی کو قتل کرنا چاہتا تھا۔"

اس روایت میں ابو حنیفہ نے مقتول کا نام نہیں لیا لیکن دوسرے اہل سیر میں سے بیشتر کا اس پر اتفاق ہے کہ وہ حضرت خارجہؓ بن حذافہ عدوی تھے۔ یہ واقعہ رمضان ۴۰ھ ہجری میں پیش آیا۔

(۴)

ارباب سِیَر نے حضرت خارجہؓ بن حذافہ کے فضل و کمال کے بارے میں کچھ زیادہ تو نہیں لکھا مگر سیدنا حضرت عمروؓ بن العاص کا ان کو مصر کا قاضی (یا محتسب) بنانا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ ایک فاضل بزرگ تھے۔ عبداللہ بن ابی مرہ زرقی اور عبداللہ بن جبیرؓ نے ان سے روایت کی ہے۔ نمازِ وتر کے بارے میں یہ مشہور حدیث انہی سے مروی ہے:

"رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم (ایک مرتبہ) باہر ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا، اللہ نے تمہیں ایک ایسی نماز عطا کی ہے جو تمہارے لیے سُرخ اونٹوں سے بھی بہتر ہے۔ یہ نمازِ وتر ہے۔ اللہ نے اس کا وقت نمازِ عشاء کے بعد طلوعِ فجر تک مقرر کیا ہے۔" (جامع ترمذی)

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

نیکی وہی قابلِ قدر ہے جو صحیح موقع پر ہو

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صَلَّی اللہُ علیہ وَسَلَّم کے ساتھ سفر میں تھے۔ ہم میں سے بعض روزہ دار تھے اور بعض کو روزہ نہ تھا۔ سخت گرمی کے دن ہم ایک منزل پر اترے، پس روزہ دار پڑ رہے اور جن کو روزہ نہ تھا انہوں نے خیمے لگائے اور سواریوں کو پانی پلایا۔

رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا:

"آج روزہ نہ رکھنے والے اجر میں بازی لے گئے۔"

(متفق علیہ مشکوٰۃ باب صوم المسافر ص۱۷۷)

حضرت خالدؓ بن عُرفُطہ غدری

(۱)

قبیلہ قضاعہ کی ایک شاخ بنی غدرہ سے تعلق تھا اور بنی زُہرہ بن کلاب کے حلیف تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:

خالدؓ بن عُرفُطہ بن ابرہہ بن سنان بن صیفی بن ہائلہ بن عبداللہ بن غیلان بن اسلم بن خراز بن کاہل بن غدرہ۔

اربابِ سیر نے یہ تصریح نہیں کی کہ انھوں نے کب اسلام قبول کیا مگر ان کے شرفِ صحابیت پر سب کا اتفاق ہے البتہ عہدِ رسالت کے کسی غزوے میں ان کی شرکت کے بارے میں تمام کُتُبِ سیر خاموش ہیں۔

(۲)

حضرت خالدؓ بن عُرفُطہ کا نام حضرت عُمرؓ فاروق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں جنگِ قادسیہ کے موقع پر نمایاں طور پر سامنے آتا ہے۔ قادسیہ کی مہم کے سپہ سالار حضرت سعدؓ بن ابی وقاص تھے۔ عین جنگ کے موقع پر ان کو کوئی ایسی تکلیف ہو گئی کہ لڑائی میں عملاً شریک ہونے کے قابل نہ رہے۔ یہ تکلیف کیا تھی؟ اس کے بارے میں تین مختلف روایتیں ہیں:

(۱) ان کی رانوں میں پھوڑے (دُنبل) نکلے ہوئے تھے جن کی وجہ سے نہ گھوڑے پر سوار ہو سکتے تھے اور نہ پیدل چل پھر سکتے تھے۔ چلنے میں سخت دشواری ہوتی۔

(۲) ان کو عرق النساء (لنگڑی کے درد) کا عارضہ ہو گیا تھا جس کی وجہ سے حرکت کرنا بھی مشکل تھا۔

(۳) کچھ مدت پہلے ان کو ایک لڑائی میں گہرے زخم آئے تھے گو یہ زخم مندمل ہو گئے تھے

لیکن قادسیہ میں خیمہ زن ہونے کے بعد کسی وجہ سے پھر سے ہو گئے تھے اس تکلیف نے انہیں لڑائی میں حصہ لینے سے معذور کر دیا تھا۔

تاہم حضرت سعدؓ کو لڑائی سے بالکل بے تعلق رہنا بھی گوارا نہ تھا وہ چاہتے تھے کہ میدانِ جنگ سے قریب کسی ایسی جگہ مقیم ہو جائیں جہاں لڑائی کا تمام منظر ان کی نظروں کے سامنے ہو اور وہ بالواسطہ اپنے لشکر کو خود لڑا سکیں۔ اتفاق سے انہیں میدانِ جنگ سے قریب ہی اس مقصد کے لیے ایک موزوں جگہ مل گئی۔ یہ زمانۂ قدیم کا ایک محل تھا جو اب ویران پڑا تھا۔ حضرت سعدؓ اس محل کی دوسری منزل پر تکیہ کے سہارے اس طرح بیٹھ گئے کہ سارا میدانِ جنگ نظر کے سامنے تھا۔ اس وقت انہوں نے حضرت خالدؓ بن عُرفُطہ کو بُلا بھیجا، جب وہ آ گئے تو ان سے فرمایا:

"خالد! میری حالت تم دیکھ رہے ہو کہ بمشکل حرکت کر سکتا ہوں۔ میدانِ جنگ میں فوج کی عملاً قیادت کرنے کے لیے میں نے تمہیں منتخب کیا ہے۔ اللہ کا نام لے کر فوج کی قیادت سنبھالو۔ وقفہ وقفہ کے بعد میں تمہیں مناسب احکام بھیجتا رہوں گا تم ان کے مطابق عمل کرنا۔"

اس کے بعد حضرت سعدؓ نے فوج کے علمبرداروں کو پیغام بھیجا کہ "میں بیماری کی وجہ سے لڑائی میں شریک ہونے سے معذور ہوں خالد بن عُرفُطہ کو میں نے میدانِ جنگ میں اپنی جگہ تمہارا امیر مقرر کیا ہے۔ اس کے حکم کو میرا حکم سمجھو اور اس کی اطاعت کرو۔"

حضرت خالدؓ بن عُرفُطہ کو احکام بھیجنے کے لیے حضرت سعدؓ نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ کاغذ کے پُرزے پر ہدایات لکھتے اور اس کی گولی بنا کر بالاخانے سے نیچے حضرت خالدؓ کی طرف پھینک دیتے۔ چنانچہ حضرت خالدؓ شروع سے آخر تک حضرت سعدؓ کی ہدایات کے مطابق اپنی فوج کو لڑاتے رہے۔ علامہ شبلی نعمانیؒ نے "الفاروق" میں یہ واقعہ اس طرح بیان کیا ہے:

"(حضرت سعدؓ) بالاخانے پر میدان کی طرف رُخ کر کے تکیہ کے سہارے

بیٹے اور خالدؓ بن عُرفُطہ کو اپنے بجائے سپہ سالار مقرر کیا تاہم فوج کو لڑاتے خود تھے یعنی جو حکم دینا مناسب ہوتا پرچوں پر لکھوا کر اور گولیاں بنوا کر خالد کی طرف پھینکتے جاتے تھے اور خالد انہی ہدایتوں کے موافق موقع بموقع لڑائی کا اسلوب بدلتے جاتے تھے۔ تمدّن کے ابتدائی زمانے میں فنِ جنگ کا اس قدر ترقی کرنا تعجب کے قابل اور عرب کی تیزیٔ طبع اور لیاقتِ جنگ کی دلیل ہے۔"

اس روایت کی روشنی میں حضرت خالدؓ بن عُرفُطہ کے بارے میں دو باتیں وثوق کے ساتھ کہی جا سکتی ہیں ایک یہ کہ وہ ایک پڑھے لکھے آدمی تھے! اور دوسری یہ کہ وہ ایک آزمودہ کار جنگجو تھے اسی لیے حضرت سعدؓ نے اتنی اہم لڑائی میں انہیں اپنی جگہ سپہ سالار مقرر کیا۔ حضرت خالدؓ پر جو ذمہ داری ڈالی گئی تھی اسے انہوں نے بطریق احسن پورا کیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح سے ہمکنار کر دیا۔

علامہ بلاذُری نے "فتوح البلدان" میں لکھا ہے کہ قادِسیّہ کی لڑائی کے بعد "ساباط" کی مشہور چھاؤنی بھی حضرت خالدؓ بن عُرفُطہ کے ہاتھ پر فتح ہوئی۔

(۳)

قادِسیّہ کی لڑائی کے کچھ عرصہ بعد حضرت خالدؓ بن عُرفُطہ مدینہ آئے اور امیرالمومنین حضرت عمر فاروقؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ امیرالمومنین نے اُن سے ان کے علاقے کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے عرض کیا:

"اے امیرالمؤمنین میں اپنے پیچھے وہ لوگ چھوڑ کر آ رہا ہوں جو دعا کرتے ہیں کہ اُن کی عمر بھی آپ کو مل جائے۔ قادِسیّہ کی لڑائی میں جو بھی شریک ہوا اس کا وظیفہ دو ہزار یا پندرہ سو درہم مقرر ہوا ہے اور جو بچّہ پیدا ہوتا ہے لڑکا ہو یا لڑکی اسے سو (درہم) اور دو جریب ماہوار ملتے ہیں اور جو لڑکا بالغ ہوتا ہے اسے پانچ سو یا چھ سو ملنے لگتے ہیں اور جب یہ تمام عطایا گھروں میں پہنچنے لگے ہیں تو گھر میں بعض افراد کھانے

والے ہوتے ہیں اور بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جو نہیں کھاتے تو آپ کا ان کے بارے میں کیا خیال ہے کیونکہ اس صورت میں یہ لوگ اس مال کو وہاں بھی خرچ کریں گے جہاں اسے خرچ ہونا چاہیئے اور وہاں بھی خرچ کریں گے جہاں اسے خرچ نہیں ہونا چاہیئے۔"

اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا، اللہ مدد کرنے والا ہے یہ ان کا حق ہے اور ان کو دے دو۔ میں اس میں سے کچھ لینے کے مقابلے میں یہی بہتر خیال کرتا ہوں کہ ان کو دے دو۔ (کنز العمال[۱۱۶۶])

کوفہ آباد ہونے پر حضرت خالدؓ وہیں منتقل ہو گئے اور باقی ساری زندگی کوفہ ہی میں گزاری۔ ۴۱ھ ہجری میں سیدنا حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں خلافت سے دست بردار ہوئے تو بعض لوگوں نے امیر معاویہؓ کو خلیفہ ماننے سے انکار کر دیا۔ ان میں ایک ابن ابی الحوساء تھے (بعض نے ان کا نام ابن الحمساء لکھا ہے) امیر معاویہؓ کوفہ گئے تو ابن ابی الحوساء نخیلہ کے مقام پر ان کے مقابل ہوئے۔ امیر معاویہؓ نے حضرت خالدؓ بن عرفطہ کو اہل کوفہ کی ایک جماعت کے ساتھ ان کے مقابلے پر مامور کیا۔ حضرت خالدؓ نے ابن ابی الحوساء کو شکست دی اور پھر ان کو قتل کر دیا۔

حضرت خالدؓ بن عرفطہ نے باختلاف روایت ۶۰ھ یا ۶۱ھ میں کوفہ میں وفات پائی۔

(۴)

حضرت خالدؓ بن عرفطہ سے مروی چند احادیث کتب حدیث میں موجود ہیں۔ ان کے رواۃ میں عبداللہ بن یسار، مسلمؒ، ابو عثمان نہدیؒ وغیرہ شامل ہیں۔ حضرت خالدؓ سے مروی دو احادیث یہ ہیں:۔

(۱) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپؐ فرماتے تھے کہ جو شخص عمداً مجھ سے جھوٹی بات منسوب کرے وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں تلاش کرے۔ (مسند ابو یعلی)

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے (مخاطب ہو کر) ارشاد فرمایا، اے خالد! عنقریب کچھ نئی باتیں اور اختلافات پیدا ہوں گے جب ایسا ہو تو اگر تم سے ہو سکے مقتول بننا قاتل نہ بننا۔ (اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ)

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت خبابؓ مولائے عُتبہؓ بن غزوان

(۱)

آپ کا حسب و نسب اربابِ سِیَر میں سے کسی نے بیان نہیں کیا۔ صرف اتنا معلوم ہے کہ خبّاب نام تھا اور ابویحییٰ کنیت تھی۔

وہ "السّابقُونَ الاَوّلُون" کی مقدّس جماعت کے ایک معزّز رکن سیّدنا حضرت عُتبہؓ بن غزوان کے غلام تھے۔ ایّامِ جاہلیت میں حضرت عتبہؓ بن غزوان کا خاندان بنی نوفل بن عبدِ مناف کا حلیف تھا، اسی بنا پر حضرت خبّابؓ بھی بنی نوفل کے حلیف تھے۔

حضرت خبّابؓ کے بارے میں حتمی طور پر یہ معلوم نہیں کہ وہ شرفِ اسلام سے کب بہرہ ور ہوئے مگر قیاس یہ ہے کہ انہوں نے دعوتِ توحید کے اوائل میں حضرت عتبہؓ بن غزوان کے ساتھ اسلام قبول کیا ہوگا۔

حضرت عتبہؓ بن غزوان دوسری ہجرتِ حبشہ (سنہ ۶ بعدِ بعثت) میں مکّہ سے ہجرت کر کے حبش چلے گئے۔ یہ معلوم نہیں کہ حضرت خبّابؓ بھی ان کے ساتھ حبش گئے یا نہیں البتہ اربابِ سِیَر نے یہ بات صراحت سے بیان کی ہے کہ حضرت عتبہؓ بن غزوان حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت الیٰ المدینہ سے پہلے حبش سے واپس مکّہ آ گئے اور پھر وہاں سے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ اس وقت حضرت خبّابؓ بھی ان کے ساتھ تھے۔ ابنِ سعدؒ کا بیان ہے کہ آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت خبّابؓ اور تمیم کے غلام خراشؓ بن صمہ کے درمیان رشتۂ مواخاۃ قائم کرا دیا تھا۔

(۲)

مدینہ آنے کے بعد حضرت خبّابؓ کو سب سے پہلے غزوۂ بدرالکبریٰ (رمضان ۲ھ)

میں شریک ہونے کا مہتم بالشان شرف حاصل ہوا۔ ان کے بدری صحابی ہونے پر تقریباً تمام اہل سیر کا اتفاق ہے۔ ابن سعدؒ کا بیان ہے کہ غزوۂ بدر کے بعد حضرت خبابؓ اُحُد، احزاب اور عہدِ رسالت کے دوسرے تمام غزوات میں بھی مجاہدانہ شریک ہوئے۔

حضرت خبابؓ نے ۳۷ھ ہجری میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ اس وقت ان کی عمر پچاس برس کی تھی۔ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔

ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ حضرت خبابؓ نے اپنے پیچھے کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔ بعض لوگوں نے ان کو اور حضرت خبابؓ بن الارتؓ کو ایک ہی شخصیت سمجھا ہے مگر صحیح یہ ہے کہ یہ دونوں شخصیتیں بالکل الگ الگ ہیں۔

بقول ابنِ اثیرؒ حضرت خبابؓ مولائے عتبہؓ بن غزوان سے کوئی روایت منقول نہیں ہے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ



حضرت خراشؓ بن اُمیہؓ خزاعی

(۱)

بنو خزاعہ کی شاخ بنی کعب کے چشم و چراغ تھے۔ بقول ابن الاثیرؒ ہشام کلبی نے ان کا نسب اس طرح بیان کیا ہے:

خراشؓ بن امیہ بن ربیعہ بن فضل بن منقذ بن عفیف بن کلیب بن حبشیہ بن سلول بن کعب بن عمرو بن ربیعہ (لحی) خزاعی۔

کعب بن عمرو کی نسبت سے ان کو کعبی بھی کہا جاتا ہے۔ حافظ ابن عبدالبرؒ نے ان کا ذکر اس نام کے ساتھ کیا ہے — خراشؓ بن امیہ بن فضل الکعبی خزاعی۔

ان کی کنیت ابو نضلہ تھی۔ مکہ میں بنی مخزوم کے حلیف تھے۔ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ وہ (پیشہ کے اعتبار سے) حجام تھے۔

(۲)

اربابِ سِیَر نے حضرت خراشؓ کے قبولِ اسلام کا زمانہ صراحت کے ساتھ متعین نہیں کیا البتہ یہ بات ثابت ہے کہ صلح حدیبیہ (۶ھ ہجری) سے پہلے شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہو چکے تھے اور مدینہ منورہ میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ ان کا نام پہلی بار واقعۂ حدیبیہ میں نمایاں طور پر سامنے آتا ہے۔ ذیقعدہ ۶ھ ہجری میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کے ارادے سے مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے تو آپؐ کے ہمرکاب صحابۂ کرامؓ میں حضرت خراشؓ بن امیہ بھی شامل تھے۔ حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم کو اثنائے سفر میں جب یہ اطلاع ملی کہ مشرکین قریش نے مسلمانوں کی مزاحمت کا ارادہ کر لیا ہے اور وہ مرنے مارنے پر تل گئے ہیں تو آپؐ نے مکہ سے چند میل دور حدیبیہ کے مقام پر پڑاؤ ڈال دیا وہاں سے آپؐ نے قریش کے پاس یہ پیغام بھیجا کہ ہم صرف

عُمرہ کرنے کے لیے آئے ہیں اور ہم لڑائی کا مُطلق کوئی ارادہ نہیں رکھتے۔ یہ پیغام لے جانے والے حضرت خراش رضی اللہ عنہ تھے۔ حضور صَلَّی اللہ عَلَیہِ وَسَلَّم نے انہیں "ثعلب" نامی ایک اونٹ پر سوار کرکے مکہ بھیجا۔ حضرت خراش رضی اللہ عنہ شہر میں داخل ہوئے تو مشرکین قریش نے ان سے سخت بدسلوکی کی۔ ان کے اونٹ کے پیر کاٹ ڈالے اور ان کو طرح طرح سے ستایا، پھر ان کے قتل کا ارادہ کیا۔ حالانکہ قاصد کا قتل بہت معیوب فعل سمجھا جاتا تھا۔ اس موقع پر مکہ کے احابیش حضرت خراش رضی اللہ عنہ کے آڑے آئے اور انہوں نے ان کو قتل ہونے سے بچا لیا۔ اس کے بعد وہ رسولِ اکرم صَلَّی اللہ عَلَیہِ وَسَلَّم کے پاس لوٹ گئے اور آپؐ کو مشرکین کے ردّیّہ سے آگاہ کیا۔ اب حضورؐ نے سیّدنا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کو قریش مکّہ کے پاس بھیجا قریش نے انہیں اپنے پاس روک لیا۔ اُدھر ان کی شہادت کی خبر مشہور ہو گئی اس کے نتیجے میں "بیعت رضوان" کا مہتم بالشّان واقعہ پیش آیا۔ حضور صَلَّی اللہ عَلَیہِ وَسَلَّم نے ایک درخت کے نیچے اپنے ساتھ آنے والے تمام صحابہ سے اس بات پر بیعت لی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ (کی مبیّنہ شہادت) کا قصاص لے کر رہیں گے یا اسی کوشش میں جان دے دیں گے۔ ان بیعت کرنے والے سرفروشوں کو اللہ تعالیٰ نے کھلے الفاظ میں اپنی خوشنودی کی بشارت دی۔ حضرت خراش بن اُمیّہ بھی ان خوش بخت اصحاب میں شامل تھے۔ علامہ ابن الاثیرؒ کا بیان ہے کہ حضرت خراش رضی اللہ عنہ بن امیّہ نے حدیبیہ کے دن رسولِ اکرم صَلَّی اللہ عَلَیہِ وَسَلَّم کا سرِ اقدس موئے مبارک سے صاف کیا تھا۔

(۳)

بیعت رضوان کی سعادت حاصل کرنے کے بعد حضرت خراش رضی اللہ عنہ بن امیّہ نے غزوۂ خیبر (محرّم ۷ھ) میں سرورِ عالم صَلَّی اللہ عَلَیہِ وَسَلَّم کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا۔ اس کے بعد وہ فتح مکّہ، حنین اور عہدِ رسالت کے دوسرے غزوات میں بھی شریک ہوئے۔

حضرت خراش رضی اللہ عنہ نے طویل عمر پائی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اخیر عہد خلافت تک زندہ رہے مگر اس طویل عرصے میں ان کی کسی سرگرمی کا سراغ نہیں ملتا۔ شاید گوشہ نشین ہو گئے تھے یا شاید اہلِ سیر کو اس عرصے میں ان کے کسی ایسے کام کا علم نہ ہو سکا جو ان کے نزدیک لائق ذکر ہو۔ بہرصورت اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ ان کی وفات حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے زمانۂ خلافت کے آخر (۵۹ھ یا ۶۰ھ) میں ہوئی۔

حضرت خفاف رضؓ بن ایماءؓ غفاری

(۱)

سیّدنا حضرت عُمرؓ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت کا ذکر ہے کہ ایک دن امیر المؤمنین بغرضِ معائنہ یا کچھ خریدنے کے لیے بازار جا رہے تھے کہ راستے میں ایک جوان خاتون نے ان کا راستہ روک لیا اور سلام کے بعد عرض کیا:

"امیر المؤمنین ذرا رک جائیے اور میری ایک بات سن لیجئے۔"

اس خاتون کے پھٹے پرانے کپڑے اس کی مفلوک الحالی کے غمّاز تھے امیر المؤمنین نے فرمایا —— "کہو بی بی! کیا کہتی ہو۔"

خاتون نے عرض کیا:

"امیر المؤمنین! میرا خاوند فوت ہو گیا ہے اور چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ کوئی زمین جائداد یا مال مویشی میرے پاس نہیں ہیں کہ گزر بسر کر سکوں۔ ڈرتی ہوں کہ کہیں قحط میرے بچوں کو ختم نہ کر دے۔ میں خفاف بن ایماء کی بیٹی ہوں۔ میرے والد حدیبیہ میں رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ساتھ تھے (یعنی بیعت رضوان کرنے والوں میں سے تھے)۔

امیر المؤمنینؓ خاتون کی رُوداد غم سن کر بہت متاثر ہوئے —— اور "مرحبا بنسب قریب" کہہ کر اس کو تسلّی دی۔ پھر فرمایا، "بیٹی! میرے ساتھ آؤ میں تمہاری اور تمہارے بچّوں کی معاش کا کچھ بندوبست کرتا ہوں۔"

خاتون امیر المؤمنین کے ساتھ ہو لی۔ امیر المؤمنین سیدھے گھر پہنچے خاتون کو اپنے اہلِ خانہ کے پاس بٹھایا اور ایک تندرست و توانا اونٹ لا کر اس پر کپڑوں کے دو بڑے گٹھڑ اور کثیر مقدار میں اشیائے خوردنی لاد دیں۔ پھر اس اونٹ کی مہار

خاتون کے ہاتھ میں تھما دی اور فرمایا :۔

"اس کو لے جاؤ، جب تک اللہ تعالیٰ فارغ البالی کی صورت پیدا نہ کرے گا اس وقت یہ چیزیں تمہاری بسر اوقات کے لیے کافی ہوں گی۔"

خاتون امیر المؤمنین کو دعائیں دیتی خوش خوش رخصت ہوئی۔ ایک شخص نے یہ کہہ کر تعجب کا اظہار کیا :

"امیر المؤمنین! آپ نے ایک عورت کو اتنا دے دیا؟"

انہوں نے فرمایا :

"تیری ماں گم ہو، تجھ کو علم نہیں کہ اس عورت کے والد اور بھائی نے (دشمنانِ اسلام کے) ایک قلعے کا محاصرہ کیا تھا اور ایک مدت کے بعد اس کو فتح کیا تھا۔"[1]

(صحیح بخاری کتاب المغازی۔ باب غزوۂ حدیبیہ سے ماخوذ)

---

[1] سُنَنِ بیہقی میں ہے کہ حضرت عمرِ فاروقؓ نے ان خاتون (بنتِ خفافؓ) سے پوچھا کہ تمہارا کوئی رشتہ دار بھی ہے؟

انہوں نے کہا: "بیٹے چھوڑ کر آئی ہوں جن میں سے بڑا ابھی گھوڑے پر سوار نہیں ہو سکتا۔"

حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ ایک اونٹ اعلیٰ قسم کے غلّے اور کپڑے سے لاد کر اسے دے دیا جائے۔ جب ایک صاحب نے کہا کہ اے امیر المؤمنین آپ نے بہت دے دیا۔ تو حضرت عمرؓ نے فرمایا :

"اس کے والد صلح حدیبیہ میں شریک تھے اور شاید وہ فلاں شہر کی فتح میں بھی شریک ہوئے ہوں اور فلاں شہر کی فتح میں بھی شریک ہوئے ہوں اور فلاں شہر کی فتح میں بھی شریک ہوئے ہوں اور فلاں شہر کی فتح میں بھی شریک ہوئے ہوں۔ اب ہمارے پاس ان شہروں سے جو مال آ رہا ہے تو کیا ہم اس میں سے اسے نہ دیں؟"

یہ خفافؓ بن ایماءؓ جن کا خلیفۂ عرب و عجم سیدنا فاروقِ اعظمؓ کو اس قدر لحاظ تھا، سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک نہایت مخلص شیدائی تھے۔

(۲)

حضرت خِفافؓ بن ایماءؓ عرب کے مشہور قبیلہ بنی غِفار کے چشم و چراغ تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:

خفافؓ بن ایماءؓ بن رحضہ بن حربہ بن خلاف بن حارثہ بن غفار
بن ملیل بن حمزہ بن بکر بن عبد مناۃ بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ غفاری

حضرت خِفافؓ کے والد ایماءؓ قبیلہ غفار کے سردار اور ان کے سفیر تھے۔ وہ بنو غفار کے ایک گاؤں عنیقہ میں رہتے تھے جو مدینہ منورہ کے جنوب میں السُقیا (ام البرک) کی طرف واقع تھا۔ حضرت خفافؓ اور حضرت ایماءؓ دعوتِ توحید کے ابتدائی زمانے میں حضرت ابوذر غِفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تبلیغ سے مشرف بہ اسلام ہوئے۔ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ حضرت خفافؓ کے دادا رحضہ کو بھی قبولِ اسلام اور صحابیت کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت خِفافؓ بھی اپنے والد کی طرح بنو غِفار کے سرداروں میں شمار ہوتے تھے۔ امام محمدؒ بن اسحاقؒ سے روایت ہے کہ بنو امیہ کے سردار ابوسفیانؓ نے (جو اس زمانے میں اسلام کے دشمن تھے) حضرت خفافؓ کے قبولِ اسلام کی خبر سُنی تو کہا: ——— "آج بنی کنانہ کا سردار بے دین ہوگیا۔" (بنی غفار، بنی کنانہ ہی کی شاخ تھے)۔ (اُسدُ الغابہ)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ، سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرتِ مدینہ سے پہلے بنو غِفار کے آدھے آدمی شرفِ اسلام سے بہرہ در ہو گئے تھے اور انھوں نے نماز باجماعت پڑھنی شروع کر دی تھی۔ نمازیں ان کی امامت حضرت ایماءؓ بن رحضہ کرتے تھے۔ (مُسندِ ابی داؤد)

علامہ ابنِ اثیرؒ نے "اُسدُ الغابہ" میں بیان کیا ہے کہ حضرت خِفافؓ بنو غفار کے امام اور خطیب تھے۔ گویا ایک روایت میں حضرت ایماءؓ کو بنو غِفار کا امامِ نماز

بتایا گیا ہے اور دوسری میں حضرت خِفافؓ کو۔

ان دونوں روایتوں میں مطابقت اس طرح ہو سکتی ہے کہ دونوں باپ بیٹے مختلف اوقات میں نماز کی امامت کرتے ہوں گے۔

حضرت خِفافؓ اکثر مدینہ آتے جاتے رہتے تھے اس لیے ان کا شمار مدنی صحابہ میں ہوتا تھا۔ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ حضرت خِفافؓ کے والد حضرت ایماءؓ صلح حدیبیہ سے کچھ پہلے اپنے گاؤں غیقہ سے مدینہ منوّرہ آگئے تھے اور وہیں سکونت اختیار کر لی تھی لیکن دوسرے ارباب سِیَر نے ان کی وطن سے نقل مکانی کا ذکر نہیں کیا بلکہ ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ۸ھ ہجری تک اپنے وطن ہی میں مقیم تھے۔

(۳)

ذیقعدہ ۶ھ ہجری میں سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم عمرہ کے ارادے سے عازمِ مکہ ہوئے تو حضرت خِفافؓ بن ایماءؓ بھی ان چودہ سو نفوسِ قدسی میں شامل تھے جو اس موقع پر حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ہمرکاب تھے۔ قریش کے ارادۂ مزاحمت کی خبر سن کر آپؐ نے حدیبیہ کے مقام پر پڑاؤ ڈال دیا۔ یہیں بیعت رضوان کا مہتم بالشّان واقعہ پیش آیا جس کے شرکاء کو اللہ تعالیٰ نے کھلے لفظوں میں اپنے راضی ہونے کی بشارت دی۔ حضرت خِفافؓ بھی بشارت پانے والے خوش بخت اصحاب میں شریک تھے۔

۷ھ ہجری میں سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم عمرۃ القضا کے لیے مدینہ منوّرہ سے روانہ ہوئے۔ راستے میں ابواء کے مقام پر آپؐ نے پڑاؤ ڈالا۔ حضرت ایماءؓ نے حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اور آپؐ کے ساتھیوں کے لیے دوبارِ شتر دودھ اور دو سَو بکریاں بطور نذر بھیجیں۔ یہ تمام چیزیں حضرت خِفافؓ لائے اور انہیں حضورؐ کی خدمتِ اقدس میں پیش کیا۔ آپؐ نے شکریہ کے ساتھ قبول فرمالیں اور بھیجنے اور لانے والے (حضرت ایماءؓ اور حضرت خِفافؓ) کے حق میں دعائے خیر و برکت فرمائی۔

(فتح الباری)

ارباب سیر نے عہدِ رسالت کے کسی غزوے کے سلسلے میں حضرت خفافؓ کا ذکر نہیں کیا لیکن صحیح بخاری کی اُس روایت سے جو اوپر بیان ہوئی ہے، ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹے کے ساتھ مل کر مدّت تک کفار کے ایک قلعے کا محاصرہ کیے رکھا یہاں تک کہ اسے فتح کر لیا۔ اس طرح ان کو جہاد فی سبیل اللہ کا شرف بھی حاصل ہو گیا۔ ہو سکتا ہے انہیں کچھ اور غزوات یا سرایا میں بھی شریک ہونے کی سعادت نصیب ہوئی ہو اور اگر نہ بھی نصیب ہوئی ہو تو صرف بیعتِ رضوان میں شرکت ان کی جلالتِ قدر اور اخلاص فی الدّین کا اندازہ کرنے کے لیے کافی ہے۔

سننِ بیہقی کی ایک روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ امیر المؤمنین حضرت عمرؓ کے خیال میں حضرت خفافؓ بعض ایسے شہروں کی تسخیر میں شریک تھے جو حضرت ابوبکر صدیقؓ یا ان کے اپنے عہدِ خلافت میں مسلمانوں نے فتح کیے۔ اُن کے سالِ وفات کے بارے میں کتبِ سیر خاموش ہیں۔

حضرت خفافؓ بن ایماؓ سے پانچ حدیثیں مروی ہیں۔ ان کے رواۃِ حدیث میں حارثؓ (فرزند) عبداللہ بن حارث، حنظلہ بن علی اسدی اور خالد بن عبداللہ بن حرملہ شامل ہیں۔ حضرت خفافؓ کی مرویات میں سے ایک صحیح مسلم میں ہے وہ یہ ہے کہ:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع فرمایا، بعد اس کے اپنا سر اٹھایا اور دعا کی، الٰہی (بنو) غفار کو بخش دے۔ (بنو) اسلم کو سلامت رکھ اور عصیہ نے اللہ کی اور اس کے رسول کی نافرمانی کی ہے۔ اے اللہ (بنو) لحیان پر لعنت کر، اے اللہ (بنو) رعل اور (بنو) ذکوان پر لعنت کر۔ اس کے بعد آپؐ سجدے میں گئے۔ خفافؓ کہتے تھے کہ کفار پر لعنت اسی وجہ سے کی جاتی ہے۔"[1]

---

[1] بعض قبائل کے حق میں دعا اور بعض کے لیے بددعا آنحضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے سانحۂ بئرِ معونہ کے موقع پر کی تھی۔ بنو سُلیم کے قبائل عصیہ، رعل اور ذکوان وغیرہ نے مبلّغین اسلام سے غداری کر کے ان کی ایک کثیر تعداد ناحق شہید کر ڈالی تھی۔ عام روایات کے مطابق یہ سانحہ بئرِ معونہ کے مقام پر صفر ۴ہجری میں پیش آیا۔ بئرِ معونہ مکّہ معظّمہ اور عسفان کے درمیان بلادِ ہُذیل میں ایک مقام تھا۔ واقدی کا بیان ہے کہ وہاں ایک چشمہ تھا اسی کی نسبت سے اس کو بئرِ معونہ کہا جاتا ہے۔

حضرت رافعؓ طائی

(۱)

یمن کے مشہور قبیلہ طے کے فرزند تھے۔ والد کے نام میں اختلاف ہے۔ کسی نے عمیرہ لکھا ہے اور کسی نے عمرو۔ والد کی کنیت بہرصورت ابورافع تھی۔ بقول ابن اثیر ان کا نسب نامہ ابن کلبی نے اس طرح بیان کیا ہے :۔

رافعؓ بن عمیرہ بن جابر بن حارثہ بن عمرو (حدرجان) بن مخضب بن حرمز بن لبید بن سنیس بن معاویہ بن جردل بن ثعل بن عمرو بن غوث بن طے۔

حضرت رافعؓ کی کنیت ابوالحسن تھی۔ ان کے قبول اسلام کا صحیح زمانہ تو متعیّن نہیں کیا سکتا لیکن یہ بات ثابت ہے کہ وہ جمادی الاخریٰ ۸ھ ہجری سے پہلے شرفِ ایمان سے بہرہ ور ہو چکے تھے کیونکہ اسی زمانے میں سریّہ ذات السّلاسل پیش آیا اور عہدِ رسالت کی اسی لڑائی میں حضرت رافعِ طائیؓ کا نام پہلی بار سامنے آتا ہے۔[1]

---

[1] اہلِ سیر کا بیان ہے کہ قبولِ اسلام سے پہلے حضرت رافعؓ ٹھگ تھے اور بکریاں بھی پالا کرتے تھے جنہیں کتّوں کی مدد سے چرایا کرتے تھے۔ ابنِ اسحاقؒ کہتے ہیں کہ رافع طائیؓ کی نسبت قبیلہ طے کے لوگوں میں مشہور تھا کہ ایک دن جب وہ بکریاں چرا رہے تھے تو (کراماتی طور پر) ایک بھیڑیے نے ان سے گفتگو کی جس میں ان کو رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خبر دی اور ان کی خدمت میں حاضر ہونے کی ہدایت کی۔ چنانچہ وہ فوراً سوار ہو کر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کر لیا۔ اس واقعہ کے سلسلے میں ان سے کچھ اشعار

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(۲)

سریّہ ذات السّلاسل کی تفصیل یہ ہے کہ ۸ھ ہجری میں وادی القریٰ میں بنو قضاعہ کے کچھ گروہ مدینہ منوّرہ پر حملہ کرنے کے ارادے سے جمع ہوئے۔ ان کا مقامِ اجتماع مدینہ منوّرہ سے دس یوم کی مسافت پر تھا۔ رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو اطلاع ملی تو آپ نے جمادی الاخریٰ میں حضرت عمروؓ بن العاص کو تین سو مجاہدین کے ساتھ ان لوگوں کی سرکوبی کے لیے روانہ فرمایا۔ ان مجاہدین میں حضرت رافع طائیؓ بھی تھے۔ اثنائے راہ میں حضرت عمروؓ بن العاص کو خبر ملی کہ دشمن کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ چنانچہ انہوں نے حضورؐ سے کمک مانگ بھیجی۔ آپؐ نے حضرت ابو عبیدہ بن الجرّاح کو دو سو مجاہدین دے کر ان کی مدد کے لیے روانہ فرمایا۔ ان مجاہدین میں سیّدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی شامل تھے۔ اس سریّہ کے ذات السّلاسل مشہور ہونے کی مختلف وجوہ بیان کی جاتی ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ دشمنوں نے ایک دوسرے کو زنجیروں سے باندھ لیا تھا تاکہ ان کے قدم اکھڑنے نہ پائیں۔ دوسری یہ کہ جس کنوئیں کے قریب لڑائی ہوئی اس کا نام "السّلاسل" تھا۔ تیسری یہ کہ جس میدان میں لڑائی ہوئی وہاں ریت کے ٹیلوں کا سلسلہ دور تک چلا گیا ہے جو ایک دوسرے سے مربوط ہیں اور جو پاؤں کی زنجیر (سلسلہ) کی طرح قدم آگے بڑھانے میں مانع ہوتے ہیں اس لیے انہیں "السلاسل" کہا جاتا ہے اور ان کی نسبت سے یہ سریّہ "ذات السّلاسل" کہلاتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

بھی منسوب ہیں۔ اسی قسم کا واقعہ ایک اور صحابی حضرت اُہبانؓ بن اوس اسلمی کے بارے میں بھی مشہور ہے۔ بھیڑیے سے گفتگو کرنے کی بناء پر وہ مکلم الذئب (بھیڑیے سے کلام کرنے والے) کے لقب سے مشہور ہو گئے تھے۔ یہاں اس قسم کی روایات کی صحت یا ضعف پر بحث کرنا مقصود نہیں ہے۔ ہم صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ بعض اہلِ سیر نے اس قسم کی روایات اپنی کتابوں میں درج کی ہیں۔

مجاہدینِ اسلام نے مفسدہ پردازوں کو شکستِ فاش دی اور مظفر و منصور مدینہ مُنَوَّرہ واپس آئے۔

(۳)

"سریّہ ذات السّلاسل" کے سلسلے میں کُتُبِ حدیث میں حضرت رافع طائیؓ کی دو روایتیں ملتی ہیں۔ ایک روایت میں تو انھوں نے اس سریّہ کا نام نہیں لیا اور صرف یہی کہا ہے کہ میں ایک غزدہ میں حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ رہا مگر دوسری روایت میں انھوں نے واضح طور پر "ذات السّلاسل" کا نام لیا ہے۔ ان دونوں روایتوں کو ملا کر پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سریّہ ذات السّلاسل ہی سے متعلق ہیں۔ ان کا خلاصہ یہ ہے:

حضرت رافع طائیؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم نے ذات السّلاسل کے لشکر پر حضرت عمروؓ بن العاص کو امیر بنا کر بھیجا۔ اس لشکر میں ان کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھیجا۔ میں اسلامی لشکر کو راستہ بتاتا رہا۔ جب ہم اس غزدے کو پورا کر کے واپس روانہ ہوئے تو میں حضرت ابوبکرؓ کے پاس گیا اور ان سے کہا کہ اے ابوبکر! مجھ کو وصیت کیجئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا، فرض نمازوں کو اپنے وقت پر ادا کرتے رہو، اپنے مال کی زکوٰۃ خوش دلی سے ادا کرتے رہو، رمضان کے روزے رکھو، حج بیت اللہ کرو اور تم جان لو کہ ہجرت اسلام میں بڑی اچھی چیز ہے اور ہجرت میں جہاد کرنا بہت اچھا ہے اور تم کسی کے اوپر امیر نہ بننا۔ اس کے بعد فرمایا، جس امارت کو تم آجکل دیکھ رہے ہو وہ بڑی ٹھنڈی ہے اور وہ وقت دور نہیں جب یہ امارت عام اور کثیر ہو جائے گی یہاں تک کہ اس کو وہ لوگ بھی حاصل کریں گے جو اس کے اہل نہیں اور جو امیر ہو گا اس سے حساب کتاب طویل ہو گا اور اس پر سخت عذاب ہو گا اور جو امیر نہ ہو گا بے شک اس سے حساب کتاب میں آسانی ہو گی اور امیر کی بہ نسبت اس کا عذاب ہلکا ہو گا۔ اس لیے کہ امراء مؤمنین پر ظلم کرنے کے لیے لوگوں میں سے زیادہ قریب ہیں اور جو کوئی مومنوں پر ظلم کرتا ہے وہ اللہ کے وعدے کو توڑ دیتا ہے۔ مؤمنین اللہ کے (خاص) بندے اور

اس کے پڑوسی ہیں۔ خدا کی قسم تم میں سے کسی ایک کے پڑوسی کی بکری یا اونٹ چوری ہو جائے تو اپنے پڑوسی کی ہمدردی میں وہ رات اس طرح کاٹتا ہے کہ اس کے پٹھے غصّے اور رنج کی وجہ سے پھول جاتے ہیں اور بڑے دُکھ کے ساتھ اپنے پڑوسی کی بکری یا اس کے اونٹ کی چوری کا ذکر کرتا ہے پس اللہ تعالیٰ اس بات کا زیادہ حقدار ہے کہ اپنے پڑوسی کے لیے غصّہ کرے۔

رافعؓ کہتے ہیں کہ جب حضرت ابوبکرؓ خلیفہ ہوئے تو میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا، میں رافع ہوں میں نے فلاں فلاں مقام میں آپ کی رہبری کی تھی حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا، میں نے پہچان لیا۔

میں نے کہا، آپ نے مجھ کو معمولی سی امارت قبول کرنے سے منع کیا تھا مگر آپ نے خود ساری اُمّتِ محمّدیہ کی امارت سنبھال لی ہے۔

حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا، ہاں جو آدمی اُمّتِ محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم میں کتاب اللہ کو قائم نہ کرے گا اس پر اللہ کی لعنت ہوگی۔

(کنز العمال، طبرانی، ہیثمی، ابن المبارک فی الزہد)

(۴)

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہدِ خلافت میں فتنۂ ردّہ کے استیصال کے بعد ایران کی مجوسی سلطنت سے جنگ کا آغاز ہوا تو حضرت رافعؓ حضرت خالدؓ بن ولید کے لشکر میں شامل ہو کر عراقِ عرب پہنچ گئے اور کئی معرکوں میں دادِ شجاعت دی۔ صفر ۱۳ھ میں خلیفۃ الرّسولؐ نے حضرت خالدؓ بن ولید کو عراقِ عرب سے شام پہنچنے کا حکم دیا تو انہوں نے اپنا نصف لشکر عراقِ عرب میں چھوڑا اور نصف لشکر کے ساتھ شام کا رُخ کیا۔ اس نصف لشکر میں ان کے ساتھ حضرت رافعؓ طائی بھی تھے۔ حضرت خالدؓ نے شام کے محاذِ جنگ پر پہنچنے کے لیے جو راستہ اختیار کیا وہ انتہائی دشوار گزار اور خطرناک تھا۔ انہوں نے عراقِ عرب سے شام جانے والے آسان اور معروف راستے کو چھوڑ کر جبلِ رودز (حوران)

کے مشرق میں پھیلے ہوئے وسیع و عریض صحرا (بادیۃ الشام یا حَمَد HAMAD کا طویل اور پُر صعوبت راستہ اختیار کیا۔ ان کے اس طرزِ عمل کی وجہ بظاہر ان کی جنگی حکمتِ عَمَلی تھی۔ اس طویل اور کٹھن سفر میں حضرت رافعؓ طائی نے رہبر (guide) کی خدمت انجام دی اور سارے لشکر کو بحفاظت صحرا کے پار سوی (بیئر شیبا) کے مقام پر پہنچا دیا۔ اس روایت اور ذات السلاسل والی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رافعؓ طائی عرب کے مختلف علاقوں کو ملانے والے معروف اور غیر معروف تمام راستوں سے بخوبی واقف تھے۔ (غالباً یہ واقفیت ان کو زمانۂ جاہلیت میں ڈاکہ زنی اور ٹھگی کی وارداتیں کرنے میں حاصل ہوئی ہوگی)۔

اہلِ سوی کے خواب و خیال میں بھی یہ بات نہیں آسکتی تھی کہ کوئی لشکر ایسے ہیبت ناک صحرا سے گزر کر ان پر حملہ آور ہو سکتا ہے جب انہوں نے اچانک اسلامی لشکر کو اپنے سر پر پایا تو وہ حواس باختہ ہو گئے اور معمولی مزاحمت کے بعد ہتھیار ڈال دیئے۔ اس کے بعد شام میں رومیوں سے معرکہ آرائیوں کا طویل سلسلہ شروع ہو گیا۔ حضرت رافعؓ طائی نے ان میں سے کئی معرکوں میں دادِ شجاعت دی۔ بقول ابن اثیرؒ حضرت رافع طائیؓ نے ۲۳ھ ہجری میں (سیدنا حضرت عمرؓ فاروق کی شہادت سے کچھ عرصہ پہلے) وفات پائی۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت ربیعہؓ بن حارث ہاشمی

(۱)

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:
ربیعہؓ بن حارث بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصیؒ۔
ان کی کنیت باختلافِ روایت ابو اروی یا ابو اروی تھی۔
والدہ کا تعلق بنو فہر سے تھا۔ ان کا نام غزیّہ بنت قیس (بن طریف بن حارث بن فہر) تھا۔ والد حارث جناب عبد المطّلب کے سب سے بڑے بیٹے تھے ان ہی کے نام پر جناب عبد المطّلب کی کنیت ابو الحارث تھی۔
رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والد جناب عبد اللہ، حارث کے علاتی بھائی تھے۔ حضرت ربیعہؓ کے تین بھائی تھے، نوفل، عبد اللہ اور ابو سفیان مغیرہؓ۔ یہ سب شرفِ اسلام اور صحابیت سے بہرہ ور ہوئے۔
حضرت ربیعہؓ اپنے چچا حضرت عباسؓ بن عبد المطّلب اور حضرت حمزہؓ بن عبد المطّلب سے کئی برس بڑے تھے۔

(۲)

اربابِ سیر نے حضرت ربیعہؓ بن حارث کے قبولِ اسلام کا زمانہ متعیّن نہیں کیا مگر ان کے شرفِ صحابیت پر سب کا اتفاق ہے۔ قیاس یہ ہے کہ وہ غزوۂ خیبر (محرم ۷ ہجری) سے پہلے مُشرّف بہ اسلام ہو چکے تھے۔ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں خیبر کے مالِ غنیمت سے سو وسق عطا فرمائے تھے۔ اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ غزوۂ خیبر میں شریک تھے۔ ویسے اہلِ سیر نے عہدِ رسالت کے کسی غزوے میں ان کا نام صراحت

کے ساتھ نہیں لیا۔

زمانۂ جاہلیت میں حضرت ربیعہؓ کے ایک کمسن فرزند کو بنو ہذیل نے قتل کر ڈالا تھا۔ اس مقتول بیٹے کا نام بعض نے "تمام" اور بعض نے "ایاس" لکھا ہے۔ حجۃ الوداع (سنہ ۱۰ ہجری) میں رحمتِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے میدانِ عرفات میں جو خطبہ دیا۔ اس میں آپؐ نے دورِ جاہلیت کے تمام خون اور قصاص کالعدم کر دیئے۔ ان میں حضرت ربیعہؓ کے مقتول فرزند کا خون بھی شامل تھا۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

"تمہارا خون اور تمہارا مال اسی طرح حرام ہے جس طرح یہ دن اس مہینہ میں اور اس شہر میں حرام ہے۔ یہ بھی یاد رکھو کہ ہر جاہلی امر باطل ہے اور جاہلیت کے تمام خون (یعنی انتقامی خون) باطل کر دیئے گئے اور سب سے پہلے میں (اپنے خاندان کا خون) ابنِ ربیعہ بن الحارث کا خون باطل کرتا ہوں جس نے بنی سعد میں پرورش پائی اور اس کو ہذیل نے قتل کر ڈالا۔"

(۳)

حضرت ربیعہؓ کا ذریعۂ معاش تجارت تھا اور وہ تجارتی کاروبار میں سیدنا حضرت عثمانؓ ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شریک تھے۔ ان کی شادی اپنی بنتِ عم اُمِ حکم بنت زبیر بن عبد المطلب سے ہوئی تھی۔

ابن اثیرؒ کہتے ہیں کہ یہی (ربیعہؓ) ہیں جن کی نسبت نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا تھا کہ ربیعہ کیا اچھا آدمی ہے کاش وہ اپنے بال کتروا دیتا اور لباس (تہبند) اونچا کر دیتا۔ (اُسدُ الغابہ)

مگر یہی حدیث حضرت سہلؓ بن حنظلیہ نے حضرت خریمؓ بن فاتک اسدی کے تذکرے میں بیان کی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ راوی سے غلطی ہو گئی ہو یا حضرت ربیعہؓ کے ساتھ بھی ایسا واقعہ پیش آیا ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

حضرت ربیعہؓ نے ۲۳ھ ہجری میں بعہدِ خلافت حضرت عمرؓ فاروق رضی اللہ عنہ

مدینہ منوّرہ میں وفات پائی۔ انہوں نے رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے کئی حدیثیں روایت کی ہیں منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ صدقہ لوگوں کا میل ہے۔

بعض روایات کے مطابق حضرت ربیعہؓ نے اپنے پیچھے دو بیٹے چھوڑے عبد المطّلب اور مطّلبؓ۔ بعض کہتے ہیں ایک ہی فرزند تھے جن کا نام عبد المطّلب یا مطّلب تھا اور ان کو بھی شرفِ صحابیت حاصل تھا۔

عبد المطّلب بن ربیعہؓ کے بارے میں ایک روایت یہ ہے کہ انہوں نے حضرت امیر معاویہؓ کے عہدِ خلافت میں وفات پائی اور خود امیر معاویہؓ نے ان کے جنازے کی نماز پڑھائی۔ دوسری روایت یہ ہے کہ انہوں نے ۶۱ھ ہجری میں (بعہدِ یزید بن معاویہؓ) وفات پائی۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ



حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو غیرت آتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی غیرت یہ ہے کہ انسان وہ کام کرے جنہیں خدا نے اس پر حرام قرار دے دیا ہے۔

(صحیح بخاری و مسلم)

حضرت رُوَیفعؓ بن ثابت انصاری

(۱)

قبیلہ خزرج کے خاندان بنی مالک بن نجّار سے تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:

رویفعؓ بن ثابت بن سکن بن عدی بن حارثہ

ارباب سیر میں ان کے صحابی ہونے کے بارے میں تو کوئی اختلاف نہیں مگر انہوں نے ان کے قبولِ اسلام کا زمانہ متعیّن نہیں کیا اور نہ عہدِ رسالت کے ان غزوات کی تفصیل دی ہے جن میں حضرت رویفعؓ شریک تھے۔ مُسندِ احمد بن حنبل کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ غزوۂ حُنین میں شریک تھے۔ خود حضرت رویفعؓ سے مروی ایک حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ غزوۂ خیبر میں بھی شریک تھے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کو غزوۂ خیبر (محرّم ۷ھ ہجری) سے پہلے قبولِ اسلام کی سعادت نصیب ہو گئی تھی اور غزوۂ حُنین میں ان کے شریک ہونے کا مطلب یہ ہے کہ فتحِ مکّہ میں بھی ان کو آنحضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی ہمرکابی کا شرف حاصل ہوا ہو گا۔ یہ بات باعثِ حیرت ہے کہ عہدِ رسالت میں ان کی زندگی کے بارے میں بہت کم معلومات ملتی ہیں۔

(۲)

سیّدنا حضرت عُمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں مصر فتح ہوا تو حضرت رویفعؓ نے مصر کی سکونت اختیار کر لی اور وہاں اپنا مکان بنا لیا۔ اس لیے ان کا شمار مصری صحابہ میں ہوتا ہے۔ قیاس یہ ہے کہ وہ مصر پر فوج کشی میں بھی شریک رہے ہوں گے اور اس سلسلے میں جو معرکے پیش آئے ان میں سے بعض میں حصہ لیا ہو گا۔

حضرت رُویفعؓ کی زندگی کا سب سے تابناک زمانہ وہ ہے جب انہوں نے امیر معاویہؓ

کے عہدِ خلافت میں گزارا۔ اس دور میں انہوں نے جو کارنامے سرانجام دیئے ان سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ ایک اعلیٰ درجے کے جرنیل تھے اور بہترین عسکری صلاحیتوں کے مالک تھے۔ علامہ ابن اثیرؒ نے لیث بن سعدؒ کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے ۴۶ھ ہجری میں حضرت رویفعؓ کو طرابلس الغرب کا حاکم مقرر کیا۔ اس کا صدر مقام برقہ تھا وہیں جاکر قیام کیا۔ اگلے سال ۴۷ھ ہجری میں حضرت مسلمہؓ بن مخلد انصاری والی مصر و طرابلس نے افریقیہ (تیونس، مراکش، الجزائر) پر لشکر کشی کی تو اس مہم پر حضرت رویفعؓ کو مامور کیا۔ انہوں نے یہ مہم حسن و خوبی سے انجام دی اور تیونس میں فاتحانہ پیشقدمی کرتے ہوئے قابس پہنچ گئے اور پھر اس کے قریب جربہ کے اہم جزیرے پر قبضہ کر لیا۔ وہاں انہوں نے لوگوں کے سامنے ایک یادگار خطبہ دیا جس میں ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی ارشادات بڑے مؤثر پیرائے میں سنائے۔ کچھ مدت کے بعد وہاں سے سالماً و غانماً دارالحکومت میں واپس آ گئے۔

مسندِ احمد میں ہے کہ حضرت مسلمہؓ بن مخلد نے ان کو حاکم خراج بنانا چاہا مگر انہوں نے یہ کہہ کر یہ عہدہ قبول کرنے سے معذرت کر دی کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ حاکم خراج جنت میں داخل نہ ہو گا[1]۔

حضرت رُویفعؓ برقہ میں اپنے فرائضِ مفوضہ دس برس تک انجام دیتے اور وہیں ۵۶ھ ہجری میں فوت ہوئے۔ ایک روایت کے مطابق انہوں نے شام میں وفات پائی۔ لیکن صحیح یہی ہے کہ وہ برقہ میں فوت ہوئے اور وہیں مدفون ہوئے۔ کہا جاتا ہے کہ ان کی قبر اب بھی وہاں موجود ہے۔ (اُسد الغابہ)

---

[1] آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بظاہر اس حاکم خراج کے بارے میں ہے جو خراج وصول کرنے میں لوگوں پر ظلم کرے یا بے احتیاطی سے کام لے یا سرکاری رقم میں گڑبڑ کرے۔ حضرت رُویفعؓ نے محض غایتِ احتیاط کی بنا پر یہ عہدہ قبول نہ کیا ورنہ یہ ذمہ داری قبول کرنے کی مطلق ممانعت نہیں ہے۔ (مؤلف)

(۳)

حضرت رُوَیفعؓ سے مروی چند احادیث کُتُبِ حدیث میں موجود ہیں۔ ان کو حنش صنعانی، ابو مرزوق، دفاء بن شریح، ابوالخیر مرثد، شیبم بن بتیان اور شیبان بن قتبانی وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ ان میں سے کچھ احادیث یہ ہیں۔

(۱) رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے غزوۂ خیبر کے موقع پر فرمایا، مجھے یہ خبر ملی ہے کہ تم لوگ ایک مثقال دو ثلث مثقال کے عوض خرید لیتے ہو۔ ایک مثقال ایک ہی مثقال کے عوض خریدنی چاہیے۔ دونوں کا وزن برابر ہونا چاہیے (یعنی سونے کا سونے سے اور چاندی کا چاندی سے وزن میں برابر تبادلہ ہو سکتا ہے)
(اُسدُالغابہ)

(۲) رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا کہ اے رویفع بن ثابت شاید تمہاری زندگی میرے بعد تک رہے تو تم لوگوں سے بیان کر دینا کہ جو شخص اپنی ڈاڑھی میں گرہ دے یا ناڑہ لٹکائے یا کسی جانور کی لید یا ہڈی سے استنجا کرے تو محمّد (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) اس سے بری ہیں۔ (اُسدُالغابہ)

حضرت رویفعؓ نے جربہ کو فتح کرنے کے بعد جو خطبہ دیا اہلِ سِیَر نے اس کو بڑے اہتمام سے نقل کیا ہے۔ اس خطبے میں انہوں نے فرمایا:

لوگو! میں تمہارے سامنے وہی باتیں بیان کروں گا جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سُنی ہیں۔ آپؐ نے غزوۂ خیبر میں ہم سے فرمایا کہ جو شخص اللہ پر اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتا ہے اس کو جائز نہیں کہ اپنا پانی دوسرے کی کھیتی میں ڈالے یعنی مالِ غنیمت کی حاملہ عورتوں سے تمتّع کرے اور جو شخص اللہ اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتا ہے اس کو جائز نہیں کہ قیدیوں میں سے کوئی غیر باکرہ عورت اس کو ملے تو وہ اس بات

کی تحقیق کیے بغیر کہ وہ حاملہ ہے یا نہیں اس سے تمتع کرے اور جو شخص اللہ اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتا ہو اس کو جائز نہیں کہ مالِ غنیمت کی کسی چیز کو تقسیم سے پہلے بیچ ڈالے اور جو شخص اللہ اور یومِ قیامت پر ایمان رکھتا ہو اس کو جائز نہیں کہ مالِ غنیمت کے کسی جانور پر سواری کرے اور جب وہ دُبلا ہو جائے تو اس کو واپس کردے اور کسی شخص کو جو اللہ پر اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتا ہو، جائز نہیں کہ مالِ غنیمت کے کسی کپڑے کو پہنے یہاں تک کہ جب وہ پرانا ہو جائے تو اس کو واپس کردے (یعنی مالِ غنیمت کی چیزیں تقسیم سے پہلے عارضی طور پر بھی استعمال کرنا جائز نہیں)

(اُسدُ الغابہ)

رضی اللہ تعالیٰ عنہ



حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ میں اپنے بندے کے گمان کے موافق ہوں۔ (یعنی جیسا وہ مجھ سے گمان رکھے ویسا ہی معاملہ کروں گا) اور جس جگہ بھی وہ مجھے یاد کرتا ہے میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ خدا کی قسم اللہ اپنے بندے کی توبہ سے اس شخص سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے جو اپنی گم شدہ چیز کو بیابان میں پاکر خوش ہوتا ہے۔ (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) اور جو شخص مجھ سے بالشت بھر قریب ہوتا ہے میں اس سے ہاتھ بھر قریب ہوتا ہوں اور جو کوئی مجھ سے ہاتھ بھر قریب ہوتا ہے میں دونوں ہاتھوں کے پھیلاؤ کے برابر اس کے قریب ہوتا ہوں اور جب وہ چل کر میرے پاس آتا ہے تو میں دوڑ کر اس کی طرف جاتا ہوں۔ (صحیح بخاری و مسلم)

حضرت زُرارہؓ بن عمرو نخعی

(۱)

اربابِ سِیَر نے ان کا نسب نامہ بیان نہیں کیا لیکن اس بات پر سب متفق ہیں کہ ان کا تعلق بنو نخع سے تھا۔ نخع یمن کے قبیلہ مذحج کی ایک شاخ تھی۔ حضرت زرارہؓ بن عمرو اس وفد میں شامل تھے جو نصف محرم یا رجب ۱۱ھ میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور بعیت کا شرف حاصل کرنے کے لیے مدینہ منورہ آیا۔ ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ یہ وفد رجب ۹ھ میں بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا لیکن جمہور اہلِ سِیَر نے اس وفد کے مدینہ میں وُرُود کا سال ۱۱ھ ہجری ہی تحریر کیا ہے بعض نے یہ بھی لکھا ہے کہ بارگاہِ نبوی میں حاضر ہونے والا یہ آخری وفد تھا اس کے بعد کسی وفد کو شرفِ باریابی نصیب نہیں ہوا۔ اس وفد کے اراکین کی تعداد میں بھی اختلاف ہے۔ بعض نے لکھا ہے کہ اس میں سَو آدمی شامل تھے اور بعض کہتے ہیں کہ دو سَو آدمی تھے۔ یہ سب لوگ حضرت معاذؓ بن جبل انصاری کے ہاتھ پر پہلے ہی اسلام قبول کر چکے تھے۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے، دعاؤں سے نوازا اور ان کی تعریف فرمائی۔ ان اصحاب کو دار الضیافہ (مہمان خانہ) میں اتارا گیا۔

(۲)

بارگاہِ رسالت میں باریاب ہونے کے بعد حضرت زرارہؓ بن عمرو نے عرض کیا:

"یا رسول اللہؐ! میں نے راستے میں چند عجیب خواب دیکھے۔"

حضورؐ نے فرمایا: "بیان کرو۔"

انہوں نے عرض کیا: "میں نے دیکھا کہ میرے گھر میں ایک بکری نے بچّہ دیا ہے جو سرخ (یا سفید) اور سیاہ رنگ کا ابلق ہے۔"

حضورؐ نے پوچھا: "کیا تمہاری عورت کے بچّہ ہونے والا تھا۔"
حضرت زرارہؓ نے کہا: "جی ہاں"
حضورؐ نے فرمایا: "اس کے بیٹا پیدا ہوا ہے جو تیرا فرزند ہے۔"
حضرت زرارہؓ نے پوچھا: "یارسول اللہؐ! ابلق ہونے کا کیا مطلب ہے؟"
حضورؐ نے فرمایا: "میرے قریب آؤ" انہوں نے تعمیلِ ارشاد کی تو آپؐ نے آہستہ سے (ان کے کان میں) فرمایا: "کیا تمہارے جسم پر برص (پھلبہری) کے داغ ہیں جنہیں تم نے لوگوں سے پوشیدہ رکھا ہے؟"
حضرت زرارہؓ نے عرض کیا: "قسم ہے اُس ذات کی جس نے آپؐ کو رسول بنا کر بھیجا ہے، یہ صحیح ہے اور میرے ان داغوں کا آج تک کسی کو علم نہیں تھا۔"
حضورؐ نے فرمایا: "بچّے پر تمہارے انہی داغوں کا اثر ہے۔"
اب حضرت زرارہؓ نے دوسرا خواب سنایا —— "یارسول اللہؐ! میں نے (عرب کے مشہور بادشاہ) نعمان بن منذر کو دیکھا کہ گوشوارے، بازوبند اور خلخال پہنے ہوئے ہے۔"
آپؐ نے فرمایا۔ "اس کا مطلب یہ ہے کہ ملکِ عرب اب آسائش و آرائش حاصل کر رہا ہے۔"
حضرت زرارہؓ نے تیسرا خواب بیان کیا کہ میں نے دیکھا، ایک بڑھیا زمین سے باہر نکلی ہے اس کے کچھ بال سیاہ اور کچھ سفید ہیں۔"
حضورؐ نے فرمایا: "یہ دنیا ہے جس قدر باقی رہ گئی ہے۔"
حضرت زرارہؓ نے چوتھا خواب سنایا کہ میں نے ایک آگ زمین سے نمودار ہوتے دیکھی جو میرے اور میرے بیٹے عمرو کے درمیان حائل ہو گئی اور اس آگ میں سے آواز آرہی ہے:۔
"جُھلسو جُھلسو، بینا ہو نابینا ہو، لوگو اپنا کنبہ مال اور اپنی غذا مجھے کھانے کے لیے دو۔"

حضورؐ نے فرمایا: "یہ ایک فتنہ ہے جو میرے بعد ظاہر ہوگا۔"

حضرت زرارہؓ نے عرض کیا: "یا رسول اللہؐ! یہ کیسا فتنہ ہوگا۔"

حضورؐ نے فرمایا: "لوگ اپنے امام کو قتل کر دیں گے آپس میں سر پھٹول کریں گے اور ایک دوسرے سے اس طرح گتھ جائیں گے جیسے ہاتھوں کی انگلیاں پنجہ ڈالنے میں گتھ جاتی ہیں۔ برائی کرنے والا اپنے آپ کو بھلائی کرنے والا خیال کرے گا۔ مسلمان کا خون مسلمان کے نزدیک پانی سے زیادہ شیریں ہوگا۔ اگر تیرا بیٹا مر گیا تو یہ آگ تجھ تک پہنچے گی اور اگر تو مر گیا تو یہ آگ تیرے بیٹے تک پہنچے گی۔"

حضرت زرارہؓ نے عرض کیا: "یا رسول اللہؐ! دعا کیجئے کہ یہ آگ مجھ کو نہ پائے۔ (میں اس فتنہ کو نہ دیکھوں)۔

حضورؐ نے دعا کی: "الٰہی زرارہ کو یہ فتنہ نہ دکھانا"

اس واقعہ کے چند سال بعد حضرت زرارہؓ بن عمرو فوت ہو گئے اور ان کا بیٹا عمرو بچ رہا۔ حافظ ابن قیمؒ نے "زاد المعاد" میں لکھا ہے کہ امیر المؤمنین حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے زمانہ خلافت میں فتنوں کا آغاز ہوا تو عمرو نے ان کی بیعت توڑ دی اور فتنہ انگیزوں میں شامل ہو گیا۔ یوں حضرت زرارہؓ کے چوتھے خواب کی تعبیر یا حضورؐ کی پیشگوئی پوری ہو گئی۔



حضرت ساریہؓ بن زنیم کنانی

(۱)

کنانہ کے خاندان بنی بکر سے تھے۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:

ساریہؓ بن زنیم بن عمرو بن عبداللہ بن جابر بن محمیہ بن عبد بن عدی بن دیل بن بکر بن عبد مناۃ بن کنانہ۔

ان کے قبولِ اسلام کا زمانہ متعیّن نہیں ہے مگر شرفِ صحابیت پر سب کا اتفاق ہے۔

علامہ ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ وہ بہت تیز دوڑنے والے تھے۔

(۲)

اربابِ سیَر نے سوائے ایک واقعہ کے حضرت ساریہؓ کے حالاتِ زندگی بیان نہیں کیے۔ اس واقعہ کی بناء پر انہوں نے تاریخ میں لازوال شہرت پائی۔ یہ واقعہ عراقِ عجم (ایران) کی مشہور لڑائی "جنگِ نہاوند" (۲۱ہجری) کے موقع پر پیش آیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ساریہؓ ایران کے اور معرکوں میں بھی شریک رہے ہوں گے۔ امام ابنِ تیمیہؒ نے مجموعہ الفتاویٰ (جلد ۱۱) میں یہ واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے:

"حضرت عمرؓ بن الخطاب نے ایک لشکر جہاد پر روانہ فرمایا اور ایک صاحب ساریہؓ نامی کو سپہ سالار بنایا۔ حضرت عمرؓ خطبہ دے رہے تھے کہ اچانک منبر پر پکار اٹھے۔ یاساریۃ الجبل یاساریۃ الجبل (اے ساریہ پہاڑ کا رُخ کرو اے ساریہ پہاڑ کی جانب چلو) اس کے بعد لشکر سے ایک قاصد آیا جس نے

بتایا، اے امیرالمومنین ہم نے دشمن کا مقابلہ کیا اور پسپا ہو رہے تھے کہ اے ساریہ پہاڑ کی جانب چلو، اے ساریہ پہاڑ کا رخ کرو کی پکار سنی۔ ہم نے پہاڑ کو پشت پر لیا اور اللہ نے دشمن کو شکست دی۔" (ص ۲۷۰)

علامہ ابن اثیرؒ نے "اُسدُ الغابہ" میں یہ واقعہ اس طرح بیان کیا ہے:

"امیرالمؤمنین جمعہ کے دن رسول اللہ صَلَّی اللّٰہ عَلَیہِ وَسَلَّم کے منبر پر خطبہ پڑھ رہے تھے کہ یکایک اثنائے خطبہ میں ان کی زبان سے یہ الفاظ نکلے:

یاساریۃ الجبل الجبل من استرعی لذئب ظلم

(اے ساریہ پہاڑ میں پناہ لو جو شخص بھیڑیے کی رعایت کرتا ہے ظلم کرتا ہے)

یہ الفاظ سُن کر لوگ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے (کیونکہ ان الفاظ کا خطبے کے سیاق وسباق سے کوئی تعلق نہ تھا)

حضرت علیؓ نے فرمایا کہ یہ اس کہنے کی وجہ سے خلافت سے الگ کر دیئے جائیں گے (یعنی ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا دماغ صحیح کام نہیں کرتا اور دماغی بیماری کی وجہ سے آدمی خلافت کا اہل نہیں رہتا)۔ جب حضرت عمرؓ نماز سے فارغ ہوئے تو حضرت علیؓ نے ان سے پوچھا، آپ کو خطبہ میں کیا ہوگیا تھا؟ انہوں نے پوچھا کیا ہوا؟ حضرت علیؓ نے کہا، یاساریۃ الجبل الجبل من استرعی لذئب ظلم کہنے کا کیا محل تھا؟ حضرت عمرؓ نے پوچھا، کیا یہ الفاظ میری زبان سے نکلے تھے؟ حضرت علیؓ نے جواب دیا، ہاں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا، میرے دل میں (اچانک) یہ خیال گزرا کہ کافروں نے ہمارے بھائیوں کو پسپا کر دیا ہے اور وہ ان کے قریب پہنچا چاہتے ہیں ساتھ ہی میرے دل میں یہ بات آئی

کہ مسلمان ایک پہاڑ کے پاس سے گزر رہے ہیں۔ اور اگر وہ اس پہاڑ میں چلے جائیں تو پھر دشمن کو ہلاک کر کے کامیاب ہو جائیں گے اور اگر اس پہاڑ کو چھوڑ کر آگے بڑھیں تو دشمن ان کو ہلاک کر ڈالے گا۔ اس پر میری زبان سے وہ الفاظ نکلے جن کا سننا آپ بیان کرتے ہیں۔ اس واقعہ کے ایک ماہ بعد قاصد فتح کی خوشخبری لے کر آیا اور اس نے بیان کیا کہ ہم نے اسی دن اور اسی وقت پہاڑ کے پاس سے گزرتے وقت یا ساریۃ الجبل یا ساریۃ الجبل کی آواز سنی جو حضرت عمرؓ کی آواز کے مشابہ تھی۔ ہم پہاڑ کی طرف چلے گئے اور اللہ نے ہمیں کامیاب کیا۔"

یہ واقعہ امام ابن جریر طبریؒ، ملا علی القاریؒ اور بعض دوسرے علماء و مؤرخین نے بھی بیان کیا ہے۔

حضرت ساریہؓ نے کب اور کہاں وفات پائی، اس کے بارے میں کتبِ سیر خاموش ہیں

رضی اللہ تعالیٰ عنہ



لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

حضرت سالمؓ بن عُمیرؓ انصاری

(۱)

قبیلہ اوس کے خاندان عمرو بن عوف سے تھے سلسلۂ نسب یہ ہے:
سالمؓ بن عمیر بن ثابت بن نعمان بن امیّہ بن امراء القیس (برک)
بن ثعلبہ بن عمرو بن عوف بن مالک بن اوس۔

انصار کے قدیم الاسلام اصحاب میں سے ہیں۔ ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ وہ بیعت عقبۂ کبیرہ (۱۳ بعد بعثت) میں شریک تھے مگر دوسرے اربابِ سِیَر نے اصحابِ عقبہ کی جو فہرست دی ہے اس میں ان کا نام موجود نہیں ہے البتہ ان کے چچا حضرت عبداللہؓ بن جُبیر یقینی طور پر اصحابِ عقبہ میں سے ہیں بہرصورت قیاس غالب یہی ہے کہ وہ ہجرتِ نبویؐ سے پہلے شرفِ ایمان سے بہرہ ور ہو چکے تھے۔

(۲)

ہجرتِ نبویؐ کے بعد حضرت سالمؓ بن عمیر نے سب سے پہلے غزوۂ بدر الکبریٰ (رمضان ۲ھ) میں دادِ شجاعت دی۔ یوں اہلِ بدر میں شامل ہو کر انہوں نے صحابۂ کرامؓ میں امتیازی مقام حاصل کر لیا۔

شوال ۲ ہجری میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سالمؓ کو ابوعفک نامی ایک یہودی شاعر کی سرکوبی پر مامور فرمایا۔ بنی عمرو بن عوف کا یہ بڈھا کھوسٹ شاعر دینِ حق اور ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وسلم کا سخت دشمن تھا۔ وہ حضورؐ کے خلاف لوگوں کو بھڑکاتا اور آپؐ کی شان میں ناشائستہ اشعار موزوں کرتا تھا۔ حضرت سالمؓ اس کو قتل کر کے صحیح سالم واپس آ گئے۔

اس کے بعد حضرت سالمؓ نے اُحد، خندق، فتح مکّہ وغیرہ تمام غزوات میں بھی سرورِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا البتہ غزوۂ تبوک ۹ھ کے موقع پر ان کے پاس نہ سواری تھی اور نہ زادِ راہ۔ کچھ دوسرے مخلص صحابہ کا بھی یہی حال تھا۔ انہوں نے بارگاہِ رسالتؐ میں سواریوں کی فراہمی کی درخواست کی مگر حالات کچھ ایسے تھے کہ ان کی ضرورتیں پوری کرنا ممکن نہ تھا۔ چنانچہ حضورؐ نے ان پر واضح کر دیا کہ میرے لیے تمہیں سواریاں مہیا کرنا ممکن نہیں۔ ان لوگوں کو شرفِ جہاد سے محروم ہونے کا سخت دکھ ہوا۔ اس دُکھ نے مسلسل گریہ وزاری کی صورت اختیار کرلی۔ اس پر رحمتِ الٰہی جوش میں آگئی اور یہ آیت نازل ہوئی:

وَلَا عَلَی الَّذِیْنَ اِذَا مَآ اَتَوْکَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۪ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ۝ (التوبہ آیۃ ۹۲)

(اور ان لوگوں پر بھی کوئی الزام نہیں جنہوں نے خود آکر تم سے درخواست کی تھی کہ ہمارے لیے سواریاں فراہم کی جائیں اور جب تم نے کہا کہ میں تمہارے لیے سواریوں کا انتظام نہیں کرسکتا تو مجبوراً واپس گئے اور حال یہ تھا کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور انہیں اس بات کا بڑا رنج تھا کہ وہ اپنے خرچ پر جہاد میں شریک ہونے کی مقدرت نہیں رکھتے۔)

اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر ایسے اصحاب کو جہاد سے مستثنیٰ کر دیا۔ خلفائے راشدینؓ کے دور میں حضرت سالمؓ بن عمیر کا کہیں ذکر نہیں آتا۔ بقول ابنِ اثیرؒ انہوں نے امیر معاویہؓ کے دورِ خلافت میں وفات پائی۔

(اُسد الغابہ)

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت سائبؓ بن العوّام اسدی

(۱)

حواریٔ رسول اللہ حضرت زبیرؓ بن العوّام (یکے از عشرۂ مبشّرہ) کے حقیقی بھائی تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:

سائبؓ بن العوام بن خویلد بن اسد بن عبد العزّٰی بن قصیّ بن کلاب بن مُرّہ بن کعب بن لؤیّ۔

والدہ کا نام حضرت صفیہؓ بنت عبد المطّلب تھا جو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی پھوپھی تھیں۔ بعض نے ان کی والدہ کا نام ہالہ بنت اہیب بن عبد مناف بن زہرہ بتایا ہے۔ اس لحاظ سے وہ حضرت زبیرؓ کے اخیافی بھائی ہوتے ہیں مگر ابن اثیرؒ نے "اُسد الغابہ" میں لکھا ہے کہ پہلا قول صحیح ہے یعنی ان کی والدہ حضرت صفیہؓ ہی تھیں اور سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم حضرت سائبؓ کے ماموں زاد بھائی تھے۔

ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت سائبؓ کی پھوپھی تھیں۔ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ سائبؓ (قبول اسلام سے پہلے) حضرت صفیہؓ کو تکلیف دیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ انہوں نے یہ شعر کہا:

لَیَسُبُّنِیْ سَائِبُ مِنْ خَلْفِ الْجُدُرِ
لٰکِنْ اَبُو الطَّاهِرِ[1] زَبَّارٌ اٰمِرٌ

(سائب مجھے دیواروں کے پیچھے سے گالیاں دیتا ہے لیکن ابو الطاہر اسے ایسے کام سے روکتا ہے۔)

---

[1] ابو الطاہر حضرت زبیرؓ کی کنیت تھی۔

(۲)

سیدنا حضرت زبیرؓ بن العوام تو تاریخ اسلام کی نامور شخصیت ہیں مگر تعجب ہے کہ حضرت سائبؓ کے بہت کم حالات دستیاب ہوتے ہیں۔ نہ یہ پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے کب اسلام قبول کیا اور نہ یہ معلوم ہے کہ کب ہجرت کی البتہ ارباب سیر نے یہ بات صراحت کے ساتھ بیان کی ہے کہ حضرت سائبؓ غزوۂ بدر میں شریک نہیں تھے مگر بدر کے بعد اُحد، احزاب وغیرہ جتنے غزوے بھی عہد رسالت میں پیش آئے وہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد خلیفۃ الرسول حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مرتدین کے خلاف جہاد کا آغاز کیا تو حضرت سائبؓ بھی ایک اسلامی لشکر میں شریک ہوگئے اور مرتدین کے استیصال میں بھرپور حصہ لیا۔ مسیلمہ کذاب کے خلاف یمامہ کی مشہور لڑائی میں بھی وہ شریک تھے۔ اسی لڑائی میں مردانہ وار لڑتے ہوئے شہادت پائی۔ انہوں نے اپنے پیچھے کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ



ارشاد نبوی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص نے عرض کی کہ مجھے نصیحت کیجیے۔ آپؐ نے فرمایا کہ غصہ نہ کیا کر۔

اس نے بار بار یہی الفاظ دہرائے اور آپؐ نے بار بار یہی فرمایا کہ غصہ نہ کیا کر۔ (صحیح بخاری)

حضرت سائبؓ بن یزیدؓ

(۱)

ہجرتِ نبوی کے چند سال بعد کا ذکر ہے کہ ایک دن ایک خاتون بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئیں۔ اُن کے ساتھ ایک کمسن لڑکا تھا۔ انہوں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا :۔

"یا رسول اللہ! یہ میرا بھانجا ہے اس کے درد ہے (یا یہ بیمار ہے) اس کے لیے دعا کیجئے۔"

حضورؐ نے بڑی شفقت سے بچّے کے سر پر ہاتھ پھیرا اور اُن کے لیے برکت کی دُعا کی۔ پھر آپؐ نے وضو کیا تو وہ صاحب زادے آپؐ کے وضو کا بچا ہوا پانی پی گئے۔ پھر حضورؐ کے پیچھے کھڑے ہو گئے اس وقت ان کو مُہرِ نبوّت کی زیارت کا شرف حاصل ہوا جو آپؐ کے دونوں مونڈھوں کے درمیان تھی۔ مُہرِ نبوّت کی زیارت کرنے والے یہ خوش بخت صاحبزادے جن کے سر پر سیّد الانبیاء والمرسلین صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنا دستِ شفقت پھیرا اور جن کے لیے برکت کی دُعا کی، حضرت سائبؓ بن یزید تھے۔

(۲)

سیّدنا حضرت سائبؓ بن یزیدؓ کا شمار اُن صغائر صحابہ میں ہوتا ہے جو علم و فضل کے اعتبار سے بہت بلند مقام رکھتے تھے۔ اربابِ سِیَر میں ان کے خاندان کے بارے میں بہت اختلاف ہے۔ بعض نے ان کو کِندی، بعض نے ہُذلی بعض نے ازدی اور بعض نے کنانی لیثی بیان کیا ہے۔ البتہ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ وہ قریش (بنو عبد شمس) کے حلیف تھے اور ان کی کنیت ابو یزید

تھی۔ مختلف روایتوں میں ان کا نسب نامہ ان تین طریقوں سے بیان کیا گیا ہے۔

۱۔ سائبؓ بن یزیدؓ بن ابی سعید بن ثمامہ بن اسود۔

۲۔ سائبؓ بن یزیدؓ بن سعید بن عائذ بن اسود بن عبداللہ بن حارث

۳۔ سائبؓ بن یزیدؓ بن عبداللہ بن اسود بن ثمامہ بن یقظان بن حارث بن عمرو بن معاویہ بن حارث۔

حضرت سائبؓ کے والد حضرت یزیدؓ کو بھی شرفِ صحابیت حاصل ہے۔ حافظ ابنِ عبدالبرؒ کا بیان ہے کہ وہ فتح مکہ کے دن ایمان لائے اور مدینے میں سکونت اختیار کی۔ ان کا شمار حجازی صحابہ میں ہوتا ہے۔ ان کی کنیت ابوالسائب تھی اور لقب ابنِ اختِ نمر تھا۔[1] ان سے ان کے بیٹے حضرت سائبؓ نے دو[2] حدیثیں روایت کی ہیں۔[2]

---

[1] علامہ ابنِ اثیرؒ نے "اُسدُ الغابہ" میں واقدی کے حوالے سے لکھا ہے کہ "ابنِ اختِ نمر" حضرت سائبؓ بن یزیدؓ کا لقب تھا، وہ نمر کے بھانجے تھے، خود قبیلہ کندہ کے تھے مگر قریش کے حلیف تھے اس کے برعکس حافظ ابنِ عبدالبرؒ کا قول ہے کہ "ابنِ اختِ نمر" حضرت سائبؓ کے والد یزیدؓ کا لقب تھا۔ حضرت ابوالسائب یزیدؓ کے ترجمہ میں ابنِ اثیرؒ نے بھی اس سے اتفاق کیا ہے۔

[2] یہ حدیثیں حسبِ ذیل ہیں:

(۱) رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے کی لاٹھی نہ تو مذاق سے اور نہ سنجیدگی سے اٹھائے اور جو ایسا کر بیٹھے وہ مالک کو واپس کر دے۔

(۲) رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم مالِ خمس سے ہمارے حصے سے کچھ زیادہ عطا فرما دیا کرتے تھے۔ چنانچہ مجھے ایک اونٹ (اپنے حصے سے) زائد عطا ہوا تھا۔

(اُسدُ الغابہ فی معرفۃ الصحابہ)

حضرت سائبؓ ۲ھ ہجری میں پیدا ہوئے۔ چونکہ ان کے والد فتح مکہ کے موقع پر مشرف بہ اسلام ہوئے اس لیے قیاسِ غالب یہ ہے کہ ان کی خالہ ان کو فتح مکہ (رمضان ۸ھ) کے بعد ہی اپنے ساتھ لے کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئی ہوں گی۔ حضرت سائبؓ نے عہدِ رسالت کی صرف آٹھ نو بہاریں دیکھیں مگر وہ بڑے ہوشمند اور قوی الحافظہ تھے جو دیکھتے تھے اس کو اپنے ذہن میں محفوظ رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ ان سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم غزوۂ تبوک (۹ھ) سے مدینہ واپس تشریف لائے تو لوگ آپؐ سے ملنے کے لیے نکلے۔ میں بھی بچوں کے ہمراہ آپؐ سے ثَنِیَّۃُ الوَدَاع پر ملا۔ ایک دوسری روایت میں حضرت سائبؓ کا بیان اس طرح نقل ہوا ہے کہ جب رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم تبوک سے واپس ہوئے تو لوگوں نے ثَنِیَّۃُ الوَدَاع پر آپؐ کا استقبال کیا۔ میں بھی لوگوں کے ساتھ گیا میں (اس وقت) نو عمر لڑکا تھا ہم لوگ آپؐ سے ملے۔ (ابوداؤد و بیہقی)

۱۰ھ ہجری میں سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم حجۃ الوداع کے لیے مکہ معظمہ تشریف لے گئے تو حضرت سائبؓ کے والد حضرت یزیدؓ نے ان کو ساتھ لے کر حضورؐ کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا اور باپ بیٹا دونوں حجۃ الوداع میں شریک ہوئے۔

(اُسدُ الغابہ)

(۳)

حضرت سائبؓ کم عمری کی بنا پر عہدِ رسالت کے کسی غزوے میں تو شریک نہ ہو سکے تاہم وہ فیضانِ نبویؐ سے مقدور بھر بہرہ یاب ہوئے۔ سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم کی وفات کے بعد ان کو کبارِ صحابہ کی صحبت میسر آئی جس کی بدولت وہ معدنِ فضل و کمال بن گئے۔ سیدنا حضرت عمرؓ فاروقؓ جوہر قابل کی پہچان میں اپنی مثال آپ تھے، انھوں نے حضرت سائبؓ کی اعلیٰ صلاحیتوں کا اندازہ کر کے اپنے عہدِ خلافت میں انہیں اور حضرت عبداللہ بن عتبہؓ بن مسعود کو بازارِ مدینہ کا عامل مقرر کر دیا تھا۔ وہ عرصہ تک اپنے فرائضِ منصبی نہایت حسن و خوبی

سے انجام دیتے رہے۔

حضرت سائبؓ کے سالِ وفات کے بارے میں بھی بہت اختلاف ہے۔ بعض نے ۸۰ھ بعض نے ۸۲ھ بعض نے ۸۶ھ اور بعض نے ۹۱ھ لکھا ہے۔ کچھ روایتوں میں وفات کے وقت ان کی عمر ۹۴ یا ۹۶ سال بیان کی گئی ہے۔ اگر ان روایتوں کو درست تسلیم کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ ہجرتِ نبوی سے پہلے پیدا ہوئے تھے (جبکہ عام طور پر ان کا سالِ ولادت ۲ھ ہجری بیان کیا جاتا ہے) واللہ اعلم بالصواب

حضرت سائب بن یزیدؓ سے متعدد احادیث مروی ہیں ان میں سے کچھ یہ ہیں:

(۱) رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم جمعہ کے دن جب منبر پر بیٹھتے تو آپؐ کے مؤذن حضرت بلالؓ اذان کہتے اور جب آپؐ (منبر سے) اترتے تو وہ اقامت کہتے۔ ایسا ہی حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے زمانے میں ہوتا رہا۔
(ابونعیمؒ)

(۲) غزوۂ حنین میں ہوازن کے مال میں سے جو مالِ غنیمت اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو عطا فرمایا اسے آپؐ نے بطور احسان قریش وغیرہ میں تقسیم فرما دیا۔ انصار اس بات سے رنجیدہ ہوئے جب آپؐ کو اس بات کی اطلاع ملی تو آپؐ ان کی قیام گاہوں میں ان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ جتنے انصار یہاں ہیں، میری قیام گاہ پر چلیں۔ جب وہاں یہ سب حضرات جمع ہو گئے تو حضورؐ تشریف لائے۔ آپؐ نے اللہ عزّوجلّ کی حمد و ثناء بیان کر کے فرمایا:

"اے جماعتِ انصار! اس مالِ غنیمت کے بارے میں کہ جس کو میں نے تم پر دوسروں کو ترجیح دی اور انہیں اسلام سے مانوس کرنے کے لیے تقسیم کر دیا کہ شاید یہ نومسلم آج کے بعد اسلام میں پختہ اور کفّار سے جنگ پر آمادہ ہو جائیں، مجھ کو تمہاری یہ بات پہنچی کہ تمہیں یہ بُرا لگا؟"

پھر آپؐ نے فرمایا:

"اے جماعتِ انصار! کیا اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کو شرفِ ایمان سے نواز کر احسان نہیں فرمایا؟ اور تم کو بزرگی اور کرامت سے سرفراز نہیں کیا اور تمہارا بہترین نام انصار اللہ اور انصار رسول اللہ رکھا اور اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں بھی انصار کا ایک فرد ہوتا، اگر تمام لوگ ایک جنگل کی طرف چلیں اور انصار دوسرے جنگل کی طرف چلیں تو میں تمہارے جنگل کی طرف چلوں گا۔ کیا تم اس بات پر راضی نہیں کہ لوگ بکری بھیڑ اور اونٹ لے کر جائیں اور تم لوگ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو لے کر جاؤ۔"

جب انصار نے حضورؐ کا یہ ارشاد سنا تو کہا، ہم لوگ راضی ہیں۔

آپؐ نے فرمایا:

"مجھے اس بات کا جواب دو جو میں نے تم سے کہی۔"

انصار نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ! آپؐ نے ہم لوگوں کو تاریکی میں پایا تھا اللہ نے آپؐ کے ذریعے ہم لوگوں کو نور کی طرف نکالا، آپؐ نے ہم لوگوں کو جہنم کے گڑھے کے کنارے پر پایا تھا اللہ تعالیٰ نے ہم لوگوں کو آپؐ کے ذریعے بچا لیا۔ آپؐ نے ہم لوگوں کو گمراہ پایا تھا آپؐ کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے ہم لوگوں کو ہدایت دی۔ ہم لوگ اللہ کے رب ہونے پر اور اسلام کے دین ہونے پر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے پر راضی ہیں۔ آپ کے لیے یا رسول اللہ میدان وسیع ہے آپؐ جو چاہیں کریں۔"

حضورؐ نے فرمایا:

"خدا کی قسم اگر اس کے علاوہ تم کچھ اور بھی کہتے تو میں کہتا کہ تم سچ کہتے ہو اگر تم لوگ یہ کہتے کہ آپ ہمارے پاس (اپنے وطن سے) نکالے

ہوئے آئے تھے ہم نے آپؐ کو پناہ دی۔ آپؐ کی دنیا نے تکذیب کی تھی، ہم نے آپؐ کی تصدیق کی۔ آپ بے یار و مددگار آئے تھے ہم نے آپؐ کی نصرت کی۔ ہم نے آپؐ کی وہ باتیں قبول کیں جن کو دنیا نے رد کر دیا تھا۔ اگر تم یہ ساری باتیں بھی کہتے تو تم سچے تھے۔"

حضرات انصار نے کہا: "اللہ اور اس کے رسولؐ کا ہم لوگوں پر احسان ہے اور اللہ کے رسولؐ کا ہم پر اور ہمارے غیر پر بڑا فضل اور احسان ہے۔"

پھر انصار رونے لگے اور بہت روئے اور حضورؐ بھی ان کے ہمراہ روئے۔ (طبرانی، ہیثمی)

(۳) جمعہ کے دن پہلی اذان اس وقت ہوتی جب امام منبر پر بیٹھ جاتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے زمانے میں یہی طریقہ رہا۔ جب حضرت عثمانؓ کا زمانہ آیا اور لوگ زیادہ ہو گئے تو انہوں نے زوراء پر تیسری اذان زیادہ کی (زوراء مدینہ کے بازار میں ایک مقام کا نام ہے) (صحیح بخاری)

(۴) میں مسجد میں کھڑا تھا کہ ایک شخص نے میرے ایک کنکری ماری، میں نے دیکھا تو وہ عمرؓ بن الخطاب تھے۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ جاؤ اور ان دو آدمیوں کو بلا لاؤ جو مسجد میں بلند آواز سے باتیں کر رہے تھے۔ میں ان کو بلا لایا۔ حضرت عمرؓ نے ان سے کہا، اگر تم مدینہ کے رہنے والے ہوتے تو میں تم کو سزا دیتا، تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں زور زور سے باتیں کرتے ہو۔ (مشکوٰۃ بحوالہ صحیح بخاری)

(۵) حضرت عمرؓ نے اُبیؓ بن کعب اور تمیم داریؓ کو حکم دیا کہ وہ رمضان میں لوگوں کو گیارہ رکعتیں پڑھائیں اور اس زمانہ میں قاری نماز میں وہ سورتیں پڑھتا تھا جو سو آیتوں سے زیادہ ہوتی تھیں یہاں تک کہ ہم قیام کی طوالت سے مجبور ہوتے تھے کہ عصا کا سہارا لیں اور ہم اس نماز سے فارغ ہو کر فجر کے قریب واپس ہوتے تھے۔ (مشکوٰۃ بحوالہ امام مالکؒ)

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت سراقہؓ بن کعب انصاری

(۱)

خزرج کے خاندان نجّار سے تھے۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:

سراقہؓ بن کعب بن عمرو بن عبدالعزیٰ بن غزیہ (بروایت دیگر عروہ) بن عمرو بن عبد عوف بن غنم بن مالک بن نجّار۔

اہل سیر نے ان کے قبول اسلام کا زمانہ نہیں بتایا لیکن یہ بات یقینی ہے کہ وہ غزوۂ بدر (رمضان ۲ ہجری) سے پہلے شرف اسلام سے بہرہ ور ہو چکے تھے۔

(۲)

قبول اسلام کے بعد حضرت سراقہؓ بن کعب نے اپنی زندگی راہِ حق میں وقف کر دی۔ سب سے پہلے ان کی تلوار بدر الکبریٰ کے میدان میں چمکی اور خرمن باطل پر برق خاطف بن کر گری۔ ان کے بدری صحابی ہونے پر سب ارباب سیر کا اتفاق ہے۔

اگلے سال (۳ ہجری میں) وہ غزوۂ اُحد میں بڑے جوش اور جذبے کے ساتھ شریک ہوئے۔ اس کے بعد خندق اور عہد رسالت کے دوسرے تمام غزوات میں بھی شریک ہوئے۔ رسالت کے مقدس دور کی شاید ہی کوئی ایسی سعادت ہو جو ان کو نصیب نہ ہوئی ہو۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد حضرت سراقہؓ بن کعب کے حالات زندگی پردۂ خفا میں ہیں۔ کلبی کا بیان ہے کہ انہوں نے خلیفۃ الرسول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں فتنۂ ارتداد کے استیصال میں بھرپور حصہ لیا، اور اسی سلسلے میں یمامہ کی مشہور لڑائی میں شہید ہوئے لیکن حافظ ابن عبدالبرؒ نے لکھا ہے کہ انہوں نے حضرت امیر معاویہؓ کے دورِ خلافت میں وفات پائی۔ (الاستیعاب) واللہ تعالیٰ اعلم

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت سکرانؓ بن عمرو عامری

(۱)

قریش کی شاخ بنی عامر بن لؤیؓ کے چشم و چراغ تھے۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:
سکرانؓ بن عمرو بن عبد شمس بن عبد ود بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر بن لؤی قرشی عامری۔
والدہ کا نام حبّی تھا اور ان کا تعلق بنی خزاعہ سے تھا۔ ان کا نسب نامہ یہ ہے:
حبّی بنت قیس بن ضبیس بن ثعلبہ بن حبان بن غنم بن ملیح بن عمرو خزاعی
حضرت سکرانؓ کی شادی حضرت سودہؓ بنت زمعہ سے ہوئی تھی جن کو بعد میں اُمّ المؤمنین بننے کا شرف حاصل ہوا۔ دونوں میاں بیوی نہایت سلیم الفطرت تھے۔ دونوں دعوتِ توحید کے ابتدائی زمانے میں شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہوئے اور یوں السّابقون الاوّلون کی مقدس جماعت میں شامل ہو گئے۔

(۲)

۶؁ بعد بعثت میں حبشہ کی ہجرتِ ثانیہ ہوئی۔ مہاجرین کے قافلے میں حضرت سکرانؓ اور حضرت سودہؓ بھی شامل ہو کر حبش کے غربت کدہ میں پہنچ گئے۔ موسیٰ بن عقبہؒ اور ابو معشرؒ کا بیان ہے کہ حضرت سکرانؓ حبش ہی میں وفات پا گئے اور اسی سرزمین کو ان کی آخری آرامگاہ بننے کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت سودہؓ حضورؐ کی ہجرت الی المدینہ سے پہلے مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ واپس مکّہ آئیں۔ لیکن ابن اسحاقؒ اور واقدیؒ کہتے ہیں کہ حضرت سکرانؓ چند سال بعد حضرت سودہؓ کے ساتھ مکّہ واپس آئے اور یہیں حضورؐ کی ہجرت الی المدینہ سے پہلے وفات پائی۔ (واللہ تعالیٰ اعلم) ۱۰؁ بعد بعثت میں اُمّ المؤمنین

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سفرِ آخرت اختیار کیا تو حضورؐ نے حضرت سودہؓ بنتِ زمعہ سے نکاح کر لیا۔

(۳)

زرقانیؒ کا بیان ہے کہ حضرت سکرانؓ کی زندگی میں ایک دفعہ حضرت سودہؓ نے خواب میں دیکھا کہ تکیہ کے سہارے لیٹی ہیں کہ آسمان پھٹا اور چاند ان پر گر پڑا۔ انہوں نے یہ خواب حضرت سکرانؓ سے بیان کیا تو وہ بولے :

"اس خواب کی تعبیر یہ معلوم ہوتی ہے کہ میں عنقریب فوت ہو جاؤں گا اور تم عرب کے چاند محمدؐ صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم کے نکاح میں آؤ گی۔"

تھوڑی ہی مدت گزری تھی کہ اس خواب کی تعبیر پوری ہو گئی۔

حضرت سودہؓ کے بطن سے حضرت سکرانؓ کے ایک فرزند عبدالرحمٰنؓ تھے۔ وہ خلافتِ فاروقی میں عراقِ عرب کے بعض معرکوں میں شریک ہوئے اور جنگِ جلولا میں نہایت بہادری سے لڑتے ہوئے جامِ شہادت پیا۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہا



حضرت سلمانؓ بن عامر ضبیؒ

(۱)

مُضر کی شاخ بنو ضَبّہ سے تعلق رکھتے تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:

سلمانؓ بن عامر بن اوس بن حجر بن عمرو بن حارث بن تیم بن ذہل بن مالک بن بکر بن سعد بن ضبّہ بن اد بن طانجہ بن الیاس بن مضر ضبیؒ

ان کے قبول اسلام کا زمانہ کسی نے متعین نہیں کیا مگر اس پر سب کا اتفاق ہے کہ ان کو شرف صحابیت حاصل ہے۔

علامہ ابن اثیرؒ نے امام مسلم بن حجاجؒ کے حوالے سے لکھا ہے کہ صحابہ میں ان کے سوا اور کوئی ضبیؒ نہ تھا مگر یہ روایت محل نظر ہے کیونکہ بعض دوسرے صحابہ کے بارے میں بھی بیان کیا گیا ہے کہ ان کا تعلق بنی ضَبّہ سے تھا۔

کُتُب سِیَر حضرت سلمانؓ بن عامر کے حالات کے بارے میں خاموش ہیں ان سے صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے بصرہ کی سکونت اختیار کرلی تھی اور وہیں وفات پائی۔

(۲)

حضرت سلمانؓ بن عامر سے متعدد احادیث مروی ہیں۔ ان میں سے تین یہ ہیں:

(۱) میں نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا کہ بچّے کے ساتھ عقیقہ ہے (یعنی اللہ تعالیٰ جس کو بچہ عطا فرمائے وہ عقیقہ کرے) لہٰذا بچّے کی طرف سے قربانی کرو اور اس کا سر صاف کرادو (منڈوادو)۔ (صحیح بخاری)

(۲) رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ کسی (اجنبی) مسکین کو اللہ کے لیے کچھ دینا صرف صدقہ ہے اور اپنے کسی غریب رشتہ دار (عزیز قریب ضرورت مند) کو اللہ کے لیے کچھ دینے میں دوہرا ثواب ہے ایک تو صدقے کا اور دوسرا صلۂ رحمی کا (یعنی رشتہ داری کے حقوق ادا کرنے کا)۔

(جامع ترمذی، مُسندِ احمد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، سنن دارمی)

(۳) رسول اللہ صَلَّی اللہ علیہ وَسَلَّم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کا روزہ ہو تو وہ کھجور سے افطار کرے اس لیے کہ کھجور برکت کا سبب ہے اگر کھجور نہ ملے تو پانی سے افطار کرے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے پانی کو طہور بنایا ہے۔

(مُسندِ احمد، جامع ترمذی، سُنن ابی داؤد، سننِ ابن ماجہ، مُسندِ دارمی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان کے تمام اعمال اسی کے لیے ہیں سوائے روزوں کے بیشک یہ میرے لیے ہیں اور میں خود ان کی جزا دوں گا۔ اور روزے ڈھال ہیں (یعنی گناہوں سے یا عذاب سے بچاتے ہیں) پس جب تم میں سے کوئی روزہ رکھے ہو تو نہ فحش گوئی کرے اور نہ شور و غل مچائے اور اگر کوئی اس سے بیہودہ گوئی کرے یا لڑے تو (اُسے) کہہ دے کہ میں تو روزہ دار ہوں۔۔۔۔۔

روزے دار کے لیے دو خوشیاں ہیں جو اُسے حاصل ہوں گی۔ (ایک) تو افطار کے وقت خوش ہوتا ہے اور (دوسرے) جب اپنے رب سے ملاقات کرے گا تو اپنے روزے کے ثواب کے باعث خوش ہو گا۔ (صحیح بخاری و مسلم)

حضرت سُلیمؓ بن ثابت انصاری

(۱)

قبیلہ اوس کے معزز خاندان عبدالاشہل سے تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:۔
سُلَیمؓ بن ثابت بن وقش بن زغبہ بن زعورا بن عبدالاشہل۔
حافظ ابن عبدالبرؒ اور کلبی نے ان کا نسب نامہ اسی طرح بیان کیا ہے۔ ابن اثیرؒ نے بھی ان کی تائید کی ہے البتہ ابن مُندہؒ اور ابونعیمؒ نے ان کے نسب سے زغبہ کو نکال دیا ہے مگر صحیح وہی ہے جو ابن عبدالبرؒ نے بیان کیا ہے۔
حضرت سُلیمؓ کا خاندان ''ایں خانہ ہمہ آفتاب است'' کا مصداق تھا۔ ان کے والد حضرت ثابتؓ بن وقش، چچا حضرت رفاعہؓ بن وقش اور دو بھائی حضرت سلمہؓ اور حضرت عمرو الاصیرمؓ بھی شرفِ صحابیت سے بہرہ ور ہوئے اور سبھی غزوۂ اُحُد میں بڑی بہادری سے لڑتے ہوئے رتبۂ شہادت پر فائز ہوئے۔ اہل سیر کہتے ہیں کہ حضرت ثابتؓ بن وقش بہت بوڑھے تھے اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو لڑائی میں عملاً شریک کرنے کے بجائے ایک دوسرے بزرگ حسیلؓ بن جابر کے ساتھ ایک محفوظ ٹیلہ پر بٹھا دیا تھا۔ جب میدان کارزار گرم ہوا تو دونوں بزرگوں کے جوشِ ایمان نے انہیں آرام سے بیٹھنے نہ دیا اور دونوں تلواریں کھینچ کر میدان میں کود پڑے۔ ثابتؓ تو مشرکوں کے ہاتھ سے شہید ہوگئے اور حسیلؓ بن جابر غلط فہمی میں مسلمانوں ہی کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔
حضرت سُلیمؓ کے بھائی عَمرو الاُصَیرِمؓ اُحُد ہی کے دن ایمان لائے اور پھر فوراً لڑائی میں شریک ہوگئے۔ لڑتے لڑتے شدید زخمی ہوگئے۔ لڑائی کے بعد انہیں اٹھا کر مدینہ لائے مگر جانبر نہ ہوئے۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو

خبر ہوئی تو آپؐ نے فرمایا: — "اس نے عمل تھوڑا کیا لیکن اجر بہت پایا۔"
ایک اور روایت کے مطابق حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: —
"وہ (عمرو الاصیرم بن ثابتؓ) یقیناً جنتی ہے۔"
یہ واقعہ بنو عبدالاشہل کے لیے مایۂ افتخار بن گیا اور دوسرے لوگوں نے بھی اس کے یاد رکھنے میں خاص اہتمام کیا۔ سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کبھی کبھی اپنے شاگردوں سے پوچھا کرتے تھے — "کوئی ایسا شخص بتاؤ جس نے ایک وقت بھی نماز نہ پڑھی اور سیدھا جنت میں داخل ہو گیا ہو؟" جب وہ جواب نہ دیتے تو فرماتے "الاصیرم عبدالاشہل" اور اگر شاگردوں کو اس واقعہ کا علم ہوتا تو وہ فوراً جواب دیتے "الاصیرم عبدالاشہل"۔
حضرت سُلیمؓ بھی غزوۂ اُحُد میں شریک تھے انہیں والد چچا اور بھائیوں کی جدائی کا صدمہ سہنا پڑا مگر خود سلامت رہے۔

(۲)

غزوۂ اُحُد کے بعد حضرت سُلیمؓ غزوۂ احزاب (۵ھ ہجری) میں شریک ہوئے اور اثنائے جنگ میں حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ساتھ بھوک پیاس وغیرہ ہر قسم کی مصیبتیں برداشت کیں۔ ذیقعدہ ۶ھ ہجری میں سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم عمرہ کے ارادے سے عازمِ مکہ ہوئے تو حضرت سُلیمؓ بھی آپؐ کے ہمرکاب تھے۔ قریش کی مزاحمت کی وجہ سے آپؐ نے حدیبیہ میں پڑاؤ ڈال دیا اور وہیں بیعتِ رضوان کا عظیم الشان واقعہ پیش آیا۔ حضرت سُلیمؓ کو بھی بیعت کا شرف حاصل ہوا یوں وہ ان خوش بخت اصحاب میں شامل ہو گئے جن کو اللہ تعالیٰ نے کھلے لفظوں میں اپنی خوشنودی کی بشارت دی۔
محرم ۷ھ ہجری میں سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم غزوہ خیبر کے لیے روانہ ہوئے تو حضرت سُلیمؓ کو اس موقع پر بھی آپؐ کی معیت کا شرف حاصل ہوا۔ اسی غزوے میں یہودیوں کے خلاف لڑتے ہوئے انہوں نے اپنی جان راہِ حق میں قربان کر دی اور اپنے والد، چچا اور بھائیوں کے پاس جنت میں پہنچ گئے۔
رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت سہل رضؓ بن حنظلیہؓ انصاری

(۱)

قبیلہ اوس کے خاندان بنی حارثہ (بن حارث بن خزرج) سے تھے۔
نسب نامہ یہ ہے:
سہلؓ بن ربیع بن عمرو بن عدی بن زید بن جشم بن حارثہ بن حارث بن خزرج بن عمرو بن مالک بن اوس۔

حنظلیہ کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض اہلِ سیر نے ان کو حضرت سہلؓ کی والدہ بتایا ہے اور بعض ان کو عمرو بن عدی (حضرت سہلؓ کے دادا) کی والدہ بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عمرو بن عدی کی تمام اولاد ابنِ حنظلیہ کے نام سے مشہور ہوئی۔ علامہ ابنِ سعدؒ کا بیان ہے کہ حنظلیہ کا اصل نام ایاس بنتِ ابان بن دارم تھا اور وہ بنو تمیم سے تعلق رکھتی تھیں۔ بنو تمیم چونکہ بڑے جاہ و حشم کے مالک تھے اس لیے عمرو بن عدی کی اولاد نے اپنی ابنیت کی نسبت حنظلیہ سے دینے کو باعثِ افتخار سمجھا۔

اربابِ سیر نے یہ تصریح نہیں کی کہ حضرت سہلؓ نے اسلام کب قبول کیا۔ قیاس یہ ہے کہ ہجرتِ نبویؐ کے بعد شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہوئے۔ اس کے بعد غزوۂ اُحد اور مابعد کے تمام غزوات میں مجاہدانہ شریک ہوئے۔ ۶ھ ہجری میں ان کو بیعتِ رضوان میں بھی شریک ہونے کا مہتم بالشان شرف حاصل ہوا۔ اس طرح وہ "اصحاب الشجرہ" میں شامل ہو کر اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے مستحق ٹھہرے۔

(۲)

حضرت سہلؓ نہایت مخلص مسلمان تھے۔ وقتاً فوقتاً بارگاہِ رسالت میں حاضر

سُنا ہے؟ انہوں نے جواب دیا:

"میں نے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو فرماتے سُنا ہے کہ گھوڑوں کی پیشانی میں قیامت تک بھلائی معلّق ہے۔ گھوڑے کا مالک اس پر مشقت ڈالتا ہے اور اس پر خرچ کرنے والا شخص مثل اس شخص کے ہے جو صدقہ دینے کے لیے اپنے ہاتھ کو پھیلا دے اور پھر اس کو نہ سمیٹے۔"

قیامِ دمشق کے دوران میں حضرت سُہلؓ لوگوں کو بڑے لطف و انبساط کے ساتھ سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ارشادات سنایا کرتے تھے۔ حافظ ابن حجرؒ نے "الاصابہ" میں یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ ایک دفعہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلام قاسم جمعہ کے دن جامع دمشق گئے تو وہاں دیکھا کہ ایک بزرگ لوگوں کو احادیث نبویؐ سُنا رہے ہیں۔ وہ ان کو پہچانتے نہیں تھے لوگوں سے پوچھا کہ یہ بزرگ کون ہیں جواب ملا، رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے صحابی حضرت سُہل رضی بن حنظلیہؓ ہیں۔

(۳)

کُتُبِ حدیث میں حضرت سُہلؓ بن حنظلیہؓ سے مروی چند احادیث موجود ہیں۔ ان کے رواۃِ حدیث میں ابوکبشہ سلولیؒ، یزیدؒ بن ابی مریم شامی اور قاسم بن عبدالرحمٰن وغیرہ شامل ہیں۔ حضرت سُہلؓ کی مرویات میں سے ایک اوپر بیان کی جا چکی ہے۔ تین مزید یہاں درج کی جاتی ہیں:

(۱) رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ اگر کوئی ایسا شخص جس کے پاس اس قدر مال ہے کہ اس کو غنی کر دے، کسی کے سامنے دست سوال دراز کرے تو گویا وہ بہت سی آگ مانگتا ہے۔ (مشکوٰۃ شریف)

(۲) رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے پوچھا گیا کہ غنی کی کیا حد ہے کہ اس کے بعد سوال کرنا جائز نہیں۔ آپؐ نے فرمایا، رات اور دن کو پیٹ بھر کھانے کے بقدر ——— ایک اور جگہ یہ الفاظ ہیں، ایک دن یا ایک دن اور

ہوتے تھے اور مقدور بھر فیضانِ نبوی ﷺ سے بہرہ یاب ہوتے تھے۔ ان پر خشیتِ الٰہی کا بہت غلبہ تھا اور اللہ کے ذکر سے بے حد شغف تھا جب تک مسجد میں رہتے برابر نماز پڑھا کرتے تھے۔ مسجد سے گھر جاتے تو راستے میں بھی برابر تسبیح و تہلیل میں مشغول رہتے۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد عہدِ فاروقی میں شام فتح ہوا تو وہ شام چلے گئے اور دمشق میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ وہیں امیر معاویہؓ کے عہدِ خلافت میں وفات پائی۔ اولاد کوئی نہیں چھوڑی اگرچہ اس کی بڑی آرزو تھی۔ فرمایا کرتے تھے، کاش زمانۂ اسلام میں (میری بیوی کے) ایک حمل ہی ساقط ہو جاتا تو وہ مجھے تمام دنیا سے محبوب ہوتا۔

علامہ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ حضرت سہلؓ بڑے بزرگ اور عالم فاضل آدمی تھے۔ لوگوں سے زیادہ میل جول نہ رکھتے تھے اور یادِ الٰہی میں مشغول رہتے تھے۔ ان کی جلالتِ قدر کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ بعض صحابۂ کرامؓ بھی ان سے حدیثیں پوچھا کرتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت ابوالدرداء انصاریؓ ایک مجلس میں تشریف فرما تھے کہ حضرت سہلؓ بن حنظلیہ ان کے پاس سے گزرے انہوں نے اہلِ مجلس کو سلام کیا تو حضرت ابوالدرداءؓ نے فرمایا:

"سہل! کوئی ایسی بات (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد) بیان کرو جو ہمیں فائدہ پہنچائے اور تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچائے۔"

حضرت سہلؓ نے کہا:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ کی راہ میں گھوڑے پر خرچ کرنے والا اس شخص کی مانند ہے جو اپنے ہاتھوں کو صدقہ دینے کے لیے پھیلا دے اور اس کو بند نہ کرے۔"

ایک مرتبہ حضرت امیر معاویہؓ گھوڑوں کا معائنہ کر رہے تھے اتفاق سے وہاں حضرت سہلؓ بن حنظلیہ بھی موجود تھے۔ امیر معاویہؓ نے حضرت سہلؓ سے پوچھا، تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گھوڑوں کی بابت کیا فرماتے

رات کے کھانے کے بقدر۔ (ابی داؤد)

(۳) (حضرت سہلؓ بن حنظلیہؓ کہتے ہیں کہ) ہم لوگ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی معیت میں حنین کی لڑائی کے لیے روانہ ہوئے۔ اثنائے سفر میں شام کا وقت ہو گیا میں نماز کے لیے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اتنے میں ایک سوار آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا:

"یا رسول اللہ! میں آپ لوگوں کے آگے چلا اور فلاں فلاں پہاڑی پر چڑھا، میں نے دیکھا کہ ہوازن اپنے سینچائی والے اونٹوں، دوسرے مویشیوں اور اپنی پردہ نشین عورتوں کو ساتھ لے کر حنین کی طرف جمع ہو گئے ہیں۔"

رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم یہ سُن کر مسکرا دیئے اور فرمایا، ان شاء اللہ کل یہ سب مسلمانوں کے لیے مالِ غنیمت ہوں گے۔ اس کے بعد آپؐ نے فرمایا کہ آج کی رات ہم لوگوں کا پہرہ دار کون ہوگا؟ حضرت انسؓ بن مرثد غنوی نے عرض کیا، یا رسول اللہ! پہرہ داری کی خدمت میں انجام دوں گا۔

آپؐ نے فرمایا، تو سوار ہو جاؤ۔ چنانچہ وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؐ نے ان کو حکم دیا کہ اس گھاٹی کی طرف جو سامنے ہے، چلے جاؤ اور اوپر کی طرف ہی رہنا۔ یہ خیال رکھنا کہ رات تمہیں دھوکا نہ دے (یعنی ساری رات وہیں رہنا)۔

جب صبح کا ذب ہوئی تو رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اپنے مصلّے پر تشریف لائے اور دو رکعت نماز پڑھی۔ پھر آپؐ نے فرمایا، کیا تم لوگوں نے اپنے سوار کے بارے میں کچھ محسوس کیا؟ لوگوں نے عرض کیا، یا رسول اللہؐ! ابھی تک تو کچھ محسوس نہیں ہوا؟ اتنے میں نماز کے لیے تکبیر کہی گئی۔ آپؐ نماز کے لیے کھڑے ہوئے اور آپؐ نے گھاٹی کی طرف التفات فرمایا، جب آپؐ نماز سے فارغ ہو گئے تو آپؐ نے فرمایا، خوش ہو جاؤ تمہارا سوار واپس آ گیا۔ ہم لوگوں نے گھاٹی کے درختوں کے درمیان دیکھنا شروع کیا، اتنے میں وہ

حضورؐ کے پاس پہنچ گئے اور سامنے کھڑے ہو کر سلام کیا۔ پھر عرض کیا، یا رسول اللہ! میں یہاں سے چل کر گھاٹی کے اوپر کی جانب رہا جیسا کہ آپؐ نے حکم دیا تھا جب صبح ہوئی تو میں نے گھاٹیوں کے دونوں جانب نظر دوڑائی اور غور سے دیکھا مگر کسی کو نہیں پایا۔ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ان سے دریافت کیا، کیا رات کو تم سواری سے اترے تھے۔ انھوں نے عرض کیا — نہیں مگر نماز پڑھنے اور رفع حاجت کے لیے (کچھ دیر کے لیے)۔ آپؐ نے فرمایا، تم نے (اپنے لیے جنّت) واجب کرلی۔ تم کو کوئی ضرر نہیں پہنچے گا اگر اس کے بعد تم کوئی عمل نہ کرو۔ (ابوداؤد، بیہقی، ابونعیم)

(شارحین حدیث نے لکھا ہے کہ "کوئی عمل نہ کرو" کا مطلب یہ نہیں کہ فرائض و واجبات وغیرہ بھی ترک کر دیئے جائیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس جیسا یعنی اللہ کی راہ میں پہرہ داری کرتے جیسا عمل نہ بھی کر سکو تو بھی آج کی کارگزاری نے تم کو جنّت کا مستحق بنا دیا۔)



حضرت سہلؓ بن عتیک انصاری

(۱)

اربابِ سیَر میں ان کے نام کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ان کا نام سہیل تھا اور بعض کا قول ہے کہ عبید تھا لیکن جمہور کے نزدیک صحیح نام سہل بن عتیک ہے۔ خزرج کے خاندان بنو نجّار سے تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:

سہلؓ بن عتیک بن نعمان بن عمرو بن عتیک بن عمرو بن مبذول (عامر) بن مالک بن نجّار

ان کو انصار کے سابقین اوّلین میں شامل ہونے کا شرَف حاصل ہے۔ وہ ان پچھتر نفوسِ قدسی میں سے ایک ہیں جو ۱۳ سنہ نبوّت (بعدِ بعثت) میں قافلۂ حجّاج میں شامل ہو کر مدینہ سے مکّہ گئے اور عقبہ کی گھاٹی میں سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر آپؐ کی بیعت سے سرفراز ہوئے اور اس عہد کے ساتھ آپؐ کو مدینہ تشریف لانے کی دعوت دی کہ ہم اپنی جانوں، مالوں اور اولادوں کے ساتھ آپؐ کی حفاظت کریں گے۔ اس طرح وہ اس مقدّس جماعت (اہلِ عقبہ) میں شامل ہو گئے، جس کے ارکان خلفائے راشدینؓ، ازواجِ مطہراتؓ اور مہاجرینِ اوّلینؓ کے بعد سب صحابہؓ سے افضل ہیں۔

(۲)

ہجرتِ نبوی کے بعد رمضان المبارک ۲ سنہ ہجری میں غزوۂ بدر الکبریٰ پیش آیا تو حضرت سہلؓ بن عتیک اس میں بڑے جوش اور جذبہ کے ساتھ شریک ہوئے اور یوں انہوں نے بدری صحابی ہونے کا عظیم الشان شرَف بھی حاصل کر لیا۔

ابنِ اثیرؒ نے "اُسدُ الغابہ" میں لکھا ہے کہ حضرت سہلؓ بن عتیک عہدِ رسالت ہی

میں فوت ہو گئے اور خود ذاتِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔ اس سلسلے میں انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی یہ حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سہلؓ بن عتیک کے جنازے پر تشریف لائے۔ آپؐ نے چار تکبیریں کہیں اور سورۂ فاتحہ سے قرأت شروع کی۔

حضرت سہلؓ بن عتیک کے ایک بھائی حضرت حارثؓ بن عتیک تھے۔ ان کی کنیت ابوا خزم تھی۔ وہ بھی راہِ حق کے ایک جانباز مجاہد تھے۔ غزوۂ اُحد اور جملہ مشاہد مابعد میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب تھے۔ انہوں نے خلافتِ فاروقی کے آغاز (رمضان ۱۳ھ) میں جسرِ ابی عبید کے دن شہادت پائی۔

نجات اور ہلاکت کے اسباب

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

تین چیزیں نجات دلانے والی ہیں اور تین چیزیں ہلاکت کا سبب ہیں۔ نجات دلانے والی چیزیں یہ ہیں (۱) خلوت ہو یا جلوت، ہر حال میں اللہ کی نافرمانی سے بچتے رہنا۔ (۲) غصے اور رضامندی دونوں حالتوں میں حق بات کہنا (۳) تنگدستی اور دولتمندی میں اعتدال اختیار کرنا۔

اور ہلاکت کے اسباب یہ ہیں (۱) اپنی خواہشات کی تابعداری (۲) تنگدلی اور بخیلی (۳) آدمی کا خود پسندی یا خود پرستی میں رہنا اور یہ تیسرا سب سے بڑھ کر ہلاکت کا سبب ہے۔

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان۔ مشکوٰۃ باب الغضب والکبر صـ۴۳۴)

حضرت شمعونؓ بن زید القرظی

(۱)

یہود مدینہ کے خاندان بنی قریظہ سے تھے[1] ارباب سیر نے ان کا نسب صرف دو پشتوں تک ہی بیان کیا ہے جو اس طرح ہے:

شمعونؓ بن زید بن خنافہ القرظی

بعض روایتوں میں ان کے والد کا نام زید کی بجائے یزید بیان کیا گیا ہے۔ حضرت شمعونؓ کی کنیت اپنی صاحبزادی ریحانہؓ کی نسبت سے ابو ریحانہ تھی۔ حضرت ریحانہؓ کو حرم نبوی میں داخل ہونے کا شرف حاصل ہوا۔[2]

ارباب سیر نے یہ تصریح نہیں کی کہ حضرت شمعونؓ نے کس زمانے میں اسلام قبول کیا لیکن ان کے شرف صحابیت پر سب کا اتفاق ہے۔ قبول اسلام

---

[1] ابن اثیرؒ کی رائے میں حضرت شمعونؓ ازدی تھے مگر ساتھ ہی انہوں نے لکھا ہے کہ "بعض لوگ کہتے ہیں، انصاری ہیں بعض کہتے ہیں قرشی ہیں اور بعض کا قول ہے کہ قرظی ہیں اور انصار کے حلیف تھے۔" علامہ ابن سعدؒ کے خیال میں وہ بنو نضیر سے تعلق رکھتے تھے۔ مگر جمہور اہل سیر نے انہیں قرظی ہی بتایا ہے۔

ایک روایت میں ان کا نام شمغون بھی آیا ہے اور ابن اثیرؒ نے اس پر صاد کیا ہے۔ مگر زیادہ تر ارباب سیر نے ان کا ذکر شمعون کے نام کے ساتھ یا کنیت ابو ریحانہ کے ساتھ کیا ہے۔

[2] حضرت ریحانہؓ کی شادی بنو قریظہ کے ایک شخص "حکم" سے ہوئی تھی۔ غزوہ بنی قریظہ کے بعد حکم کو دوسرے یہودیوں کے ساتھ قتل کر دیا گیا اور ریحانہ کو گرفتار کر

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ)

کے بعد فیضانِ نبویؐ سے مقدور بھر بہرہ یاب ہوئے اور فُضلاء صحابہ میں شمار ہوئے۔

(۲)

حضرت شمعونؓ نہایت نیکوکار اور عابد و زاہد بزرگ تھے۔ نماز بہ کثرت سے پڑھتے تھے اور دنیا سے مطلق کوئی رغبت نہ تھی۔ قرآنِ کریم سے خاص شغف تھا۔ اس کو حفظ کرنے کی بہت کوشش کرتے تھے مگر زیادہ یاد نہیں رہتا تھا۔ ایک دن رسولِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

"یا رسول اللہؐ! میں قرآنِ حکیم کو یاد کرنے کی بہت کوشش کرتا ہوں مگر ہر بار بھول جاتا ہوں۔"

آنحضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا:

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

لیا گیا۔ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ان کو حضرت اُمِّ المنذرؓ بنتِ قیس کے گھر میں ٹھہرایا۔ ان کے قبولِ اسلام کے بارے میں دو روایتیں ہیں ایک یہ کہ حضورؐ نے ان سے فرمایا کہ تم چاہو تو اسلام قبول کر لو اور چاہو تو اپنے مذہب پر قائم رہو۔ انہوں نے اپنے مذہب کو ترجیح دی لیکن تھوڑے ہی عرصہ کے بعد انہوں نے بخوشی اسلام قبول کر لیا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ وہ اسیر ہو کر آئیں تو حضورؐ نے فرمایا، "اگر تم اللہ اور رسول کو اختیار کر لو تو میں تمہیں اپنے لیے خاص کر لوں گا۔" انہوں نے عرض کیا، میں اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کرتی ہوں۔ اس کے بعد ایک روایت کے مطابق حضورؐ نے انہیں آزاد کر دیا اور پھر ان سے نکاح فرما کر ازواجِ مطہراتؓ میں شامل کر لیا۔ دوسری روایت کے مطابق آپؐ نے انہیں اپنی مِلک میں رکھا۔ بہر صورت وہ باپردہ رہتی تھیں اور ان کی بھی باری کا دن مقرر تھا۔ اللہ نے حسنِ سیرت اور حسنِ صورت دونوں سے نوازا تھا۔ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی وفات سے چند ماہ پہلے انتقال کیا اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔

"اپنی طاقت کے مطابق یاد کرو، نماز کی زیادہ پابندی رکھو (یعنی جب نماز کثرت سے پڑھو گے تو قرآن بھی بار بار پڑھنا پڑے گا۔ اس طرح وہ یاد رہے گا)۔" (کتاب الاسماء والکنیٰ، دولابیؒ ج-ا ص-۳۰)

حضرت شمعونؓ صرف ایک خلوت نشین عابد شب بیدار ہی نہیں تھے بلکہ میدانِ جہاد کے بھی شیر تھے۔ ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عہدِ رسالت کے بعض غزوات میں شریک ہوئے۔

حافظ ابن حجرؒ نے "الاصابہ" میں بیان کیا ہے کہ ایک دفعہ حضرت شمعونؓ کسی غزوے سے واپس آئے۔ کھانا کھایا اور وضو کر کے مسجد میں چلے گئے وہاں نماز میں مشغول ہو گئے، اس میں ایک سورۃ شروع کی اور رات بھر اسی کو پڑھتے رہے۔ فجر کی نماز سے فارغ ہو کر گھر آئے تو اہلیہ نے کہا ——— "آپ غزوہ سے تھکے ماندے واپس آئے تھے۔ مسجد میں جانے سے پہلے کچھ آرام تو کر لیا ہوتا۔"

انہوں نے فرمایا: ———

"تم ٹھیک کہتی ہو اگر تمہارا خیال دل میں آجاتا تو ضرور تمہارا مجھ پر حق ہوتا مگر اللہ کو یاد کرتے ہوئے کسی دوسری چیز کا خیال دل میں نہیں آتا۔"

اہلیہ نے پوچھا، آخر کس چیز نے آپ کو اپنے اندر جذب کر لیا تھا؟

انہوں نے فرمایا۔ "اللہ تعالیٰ نے جنت اور اس کی نعمتوں کی جو تعریف کی ہے اسی میں غور و فکر کرتا رہا یہاں تک کہ فجر کی اذان ہو گئی۔"

(۳)

عہدِ رسالت کے بعد حضرت شمعونؓ کا ذکر عہدِ فاروقی میں نمایاں طور پر سامنے آتا ہے۔ اربابِ سِیَر نے لکھا ہے کہ وہ شام کے میدانِ جہاد میں پہنچ گئے تھے اور فتح دمشق میں شریک تھے۔ قیاس یہ ہے کہ انہوں نے شام میں رومیوں کے خلاف کئی اور معرکوں میں بھی حصہ لیا ہو گا۔ بیت المقدس فتح ہونے کے بعد انہوں نے وہیں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ وہ کچھ عرصہ کے لیے مصر بھی

گئے تھے اور جزیرہ (عراق) کے مقام میا فارقین میں سرحد پر بھی رہے تھے۔ اس کے بعد پھر شام واپس آ گئے۔

سالِ وفات کے بارے میں کُتُبِ سِیَر خاموش ہیں۔

حضرت شمعونؓ سے یہ حدیث مروی ہے:۔

رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ان باتوں کو بہت ناپسند کرتے تھے۔ دانتوں کے تراشنے کو، بالوں کے اکھاڑنے کو، گودنا گودنے کو، دو مردوں یا دو عورتوں کے باہم لپٹ کر لیٹنے کو اس طرح کہ دونوں کے درمیان کوئی کپڑا نہ ہو، چیتے پر سوار ہونے کو، ریشمی کپڑا اس جگہ اور اُس جگہ لگانے کو یعنی کپڑوں کے نیچے اور شانوں پر، سوائے حاکم کے اور کسی کے انگوٹھی پہننے کو۔ (اُسدُ الغابہ)

(۴)

علامہ ابن اثیرؒ نے "اُسدُ الغابہ" میں حافظ ابو نُعیمؒ کے حوالے سے ایک صحابی عبداللہؓ بن مطر کا ترجمہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ان کی کنیت ابو ریحانہ تھی بعض لوگ ان کا نام شمعون بتاتے ہیں۔ وہ قبیلہ ازد سے تعلق رکھتے تھے۔ اور مقام ایلیاء (بیت المقدس) میں وعظ کہا کرتے تھے۔ صاحب کشف و کرامات تھے۔ ابن مندہؒ نے کہا ہے کہ وہ قبیلہ بنی نمیر سے تھے جو بنی یربوعَ بن ثعلبہ کی ایک شاخ ہے۔ حضرت ابو ریحانہ سے یہ حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بُخارِ جہنّم کی سانس سے پیدا ہوتا ہے۔ مومن کے لیے آتشِ دوزخ سے صرف اتنا ہی حصہ مقرّر ہے۔

اس کے بعد انہوں نے حضرت ابو ریحانہؓ کی یہ دو کرامتیں بیان کی ہیں:

ایک دفعہ حضرت ابو ریحانہؓ دریا کا سفر کر رہے تھے۔ دریا میں طغیانی آ گئی جس سے ان کو سخت تکلیف ہوئی۔ اس وقت انہوں نے کہا، اے دریا (اللہ کے حکم سے) ٹھہر جا۔ پس طغیانی تھم گئی اور دریا ساکن ہو گیا۔

ایک مرتبہ حضرت ابو ریحانہؓ کی سوئی دریا میں گر پڑی۔ انہوں نے کہا اے اللہ!

(تجھے تیرے جلال کی قسم) میری سوئی مجھے واپس عطا کر دے۔ یکایک وہ سوئی دریا کی سطح پر نمودار ہوئی اور انھوں نے اسے اٹھالیا۔

ابن مُندہؒ اور حافظ ابو نعیمؒ نے اس سلسلے میں جو کچھ لکھا ہے اس پر علامہ ابن اثیرؒ نے یہ تبصرہ کیا ہے:۔

"میں کہتا ہوں کہ بعض علماء نے کہا ہے کہ عبداللہ بن مطر جن کی کنیت ابوریحانہ ہے وہی شخص ہیں جن کو لوگ شمعون ابوریحانہ کہتے ہیں۔ یہ بیت المقدس میں وعظ کہا کرتے تھے، صاحب کرامت تھے اور ایک دوسرے ابوریحانہ ہیں ان کا نام بھی عبداللہ بن مطر ہے وہ تابعی ہیں۔ بصرہ کے رہنے والے ہیں۔"

ان تمام روایات کو ملا کر پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بیت المقدس میں وعظ کہنے والے حضرت شمعونؓ بن زید القرظی ہی تھے معلوم نہیں ان کو عبداللہ بن مطر کا نام کس بناء پر دیا گیا ہے۔ ابوریحانہ عبداللہ بن مطر کو شرف صحابیت حاصل نہیں تھا اور جیسا کہ ابن اثیرؒ نے لکھا ہے وہ تابعی تھے اور بصرہ میں رہتے تھے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

حضرت شیبہؓ بن عثمان عبدری

(۱)

شیبہ نام تھا اور ابو عثمان کنیت تھی۔ بعض نے ابی صفیہ بھی لکھی ہے۔ ان کا تعلق قریش کی شاخ بنی عبدِ دار سے تھا۔ نسب نامہ یہ ہے:

شیبہؓ بن عثمان بن ابی طلحہ بن عبدالعزّیٰ بن عثمان بن عبدِ دار بن قُصیّ۔

خانۂ کعبہ کی کلید برداری کا منصب انہی کے خاندان (بنی عبدِ دار) کے پاس تھا۔ چونکہ خانۂ کعبہ ایک حجرے کی شکل کا تھا اور اس میں نہایت قیمتی سامان بھی رہتا تھا اس لیے عموماً بند رہتا تھا۔ صرف ضرورت کے وقت کھولا جاتا تھا۔ اس کے قُفل کی کنجی بنوعبدالدّار کے پاس رہتی تھی اور وہی اس کی نگرانی اور دربانی کے ذمہ دار تھے۔

حضرت شیبہؓ کا باپ عثمان بن ابی طلحہ "اوقص" کے لقب سے مشہور تھا، اور اسلام کا سخت دشمن تھا۔ وہ غزوہ اُحُد میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ سے مارا گیا۔ شیبہ بھی اسلام دشمنی میں باپ کے نقشِ قدم پر چلتے رہے مگر فتح مکّہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو ہدایت نصیب فرمائی اور وہ حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے۔

(۲)

حضرت شیبہؓ کے قبولِ اسلام کے بارے میں دو روایتیں ہیں۔ پہلی یہ کہ وہ فتح مکّہ کے فوراً بعد شرفِ ایمان سے بہرہ ور ہو گئے۔ دوسری یہ کہ وہ غزوۂ حُنین کے موقع پر مُشرّف بہ اسلام ہوئے۔ بعض اربابِ سِیَر نے ان دونوں روایتوں میں اس طرح تطبیق کی ہے کہ وہ بظاہر اسلام تو فتح مکّہ کے موقع پر ہی لے آئے مگر اس میں اخلاص اور پختگی غزوۂ حنین کے موقع پر پیدا ہوئی۔

علامہ ابن اثیرؒ نے "اُسدُ الغابہ" میں زبیر بن بکار کے حوالے سے لکھا ہے کہ شیبہ حُنین کے دن رسول اللہ صَلَّی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ اس ارادے سے ہولیے تھے کہ آپؐ کو دھوکے سے شہید کردیں۔ چنانچہ (ایک موقع پر) انہوں نے حضورؐ کی توجہ دوسری طرف دیکھی تو آپؐ کو شہید کرنے کے ارادے سے آگے بڑھے۔ حضورؐ نے ان کو دیکھ لیا اور فرمایا، اے شیبہ آگے آؤ۔ آپؐ کا ارشاد سن کر ان پر ہیبت طاری ہوگئی۔ حضورؐ کے قریب گئے تو آپؐ نے اپنا دستِ مبارک ان کے سینے پر رکھا اور فرمایا کہ شیطان کو اپنے سے دور کرو۔ اسی وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت شیبہؓ کے سینے کو نورِ ایمان سے معمور کردیا۔ اس کے بعد وہ پورے اخلاص کے ساتھ غزوۂ حنین میں شریک ہوئے اور بڑی ثابت قدمی سے لڑے۔

حافظ ابنِ عبدالبرؒ نے "الاستیعاب" میں لکھا ہے کہ وہ میدانِ جنگ میں اس وقت بھی ثابت قدم رہے جب (بنو ہوازن کے تیروں کی بارش کی وجہ سے) بہت سے مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے تھے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ غزوۂ حنین میں جب مسلمانوں کے قدم ڈگمگا گئے تو شیبہؓ نے جو اس وقت تک اسلام میں پختہ نہیں ہوئے تھے، دل میں کہا کہ آج میں اپنے والد کا بدلہ لے کر رہوں گا۔ چنانچہ وہ حضورؐ کو شہید کرنے کے ارادے سے آگے بڑھے۔ قریب پہنچے تو حضورؐ کی دائیں طرف حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب کو اور بائیں جانب حضرت ابوسفیانؓ بن حارث کو آپؐ کی حفاظت کرتے پایا۔ اب انہوں نے حضورؐ کے پس پشت سے تلوار مارنے کا ارادہ کیا ان کا اپنا بیان ہے کہ اس وقت آگ کا ایک شعلہ میرے اور رسول اللہ صَلَّی اللہ عَلَیْہِ وسلم کے درمیان ظاہر ہوا مجھ کو یوں محسوس ہوا کہ یہ شعلہ مجھ کو جلا کر راکھ کردے گا۔ چنانچہ میں نے خوفزدہ ہوکر اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیا۔ اس وقت حضورؐ نے میری طرف دیکھا اور فرمایا، شیبہ میرے نزدیک آ۔ میں آپؐ کے قریب گیا تو آپؐ نے اپنا دستِ مبارک میرے سینے پر رکھ کر فرمایا، الٰہی شیبہ کو شیطان کے شر سے بچا۔ اللہ تعالیٰ نے فوراً میرے

دل کو بُرے خیالات سے پاک کر دیا، خدا کی قسم اس وقت رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم مجھ کو میری آنکھ اور کان سے بھی زیادہ محبوب ہو گئے۔ اس کے بعد میں کافروں کے خلاف تلوار چلانے لگا اور اپنی جان کو رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی ڈھال بنا لیا۔ اس وقت میری یہ کیفیت تھی کہ میرا باپ بھی حالتِ کفر میں میرے سامنے آتا تو اس کو بھی اپنی تلوار سے قتل کر دیتا۔ کافروں کی شکست کے بعد رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اپنے خیمے میں تشریف لے گئے تو میں بھی خیمہ میں آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؐ نے مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا:۔

"اے شیبہ! جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے چاہا وہ اس سے بہتر ہے جس کی تو خواہش کرتا تھا۔"

پھر میں نے اپنے لیے دعائے مغفرت کی درخواست کی۔ آپؐ نے فرمایا، غفر اللّٰہ لک۔

بعض اربابِ سِیَر نے حضرت شیبہؓ کو مؤلفۃ القلوب صحابہ میں شمار کیا ہے۔

(۳)

حضرت شیبہؓ زندگی بھر مکّہ معظمہ ہی میں مقیم رہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت عُمرؓ فاروقؓ اپنے عہدِ خلافت میں مکّہ معظمہ تشریف لائے۔ مکّہ کے اثنائے قیام میں ایک دن وہ حضرت شیبہؓ کے ساتھ خانۂ کعبہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ باتیں کرتے کرتے انہوں نے خانۂ کعبہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا:

"میرا ارادہ ہے کہ اس میں جو پیلا (سونا) اور سفید (چاندی) ہے اس میں سے کچھ نہ چھوڑوں اور سب کو (مسلمانوں) میں تقسیم کر دوں۔"

حضرت شیبہؓ نے کہا: "آپ کے دونوں ساتھیوں (رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ) نے تو ایسا نہیں کیا۔"

حضرت عمرؓ نے فرمایا، "ان ہی دونوں صاحبوں کی تو میں پیروی کرتا ہوں۔"

پھر انہوں نے اپنا ارادہ ترک کر دیا۔

حضرت شیبہؓ بڑے نیک اور مرنجاں مرنج بزرگ تھے اور سب لوگ ان کا

احترام کرتے تھے مسلمانوں کے باہمی مناقشات سے ہمیشہ اپنا دامن بچاتے تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور امیر معاویہؓ کی کشمکش کے دوران ۳۹ھ ہجری میں حج کے موقعہ پر عجیب صورت حال پیدا ہو گئی۔ حضرت علیؓ نے اپنی طرف سے حضرت قثمؓ بن عباسؓ کو امیر الحج بنا کر بھیجا تھا جبکہ امیر معاویہؓ نے اپنی جانب سے حضرت یزیدؓ بن شجرہ رہاوی کو امیر الحج مقرر کیا تھا۔ مکہ معظمہ میں یہ جھگڑا اٹھ کھڑا ہوا کہ تمام مسلمانوں کا متفقہ امیر الحج کون ہو گا — آخر ابو سعید خدریؓ نے تجویز پیش کی کہ حضرت شیبہؓ سب مسلمانوں کے امیر الحج ہوں۔ اس تجویز سے سب نے اتفاق کر لیا اور ۳۹ھ ہجری کا حج حضرت شیبہؓ کی امارت میں ہوا۔ (الاصابہ)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر خانۂ کعبہ کی تطہیر کی (اسے بتوں سے پاک کیا) تو اس کی کنجی حضرت شیبہؓ اور ان کے چچا زاد بھائی حضرت عثمانؓ بن طلحہ کے سپرد کر کے فرمایا:

"اے ابو طلحہ کی اولاد اس کنجی کو تم ہمیشہ ہمیشہ قیامت تک اپنے پاس رکھو جو شخص اس کو تم سے چھینے گا وہ ظالم ہو گا۔"

اس کے بعد یہ کنجی حضرت عثمانؓ بن طلحہ کے پاس رہی (سوائے اس مختصر عرصہ کے جس میں وہ مدینہ منورہ میں مقیم تھے) ۴۲ھ میں اپنی وفات کے وقت انہوں نے یہ کنجی حضرت شیبہؓ بن عثمان کے سپرد کر دی۔ چنانچہ اس کے بعد یہ کنجی ہمیشہ حضرت شیبہؓ کی اولاد کے پاس رہی۔

حضرت شیبہؓ نے حضرت امیر معاویہؓ کے آخر عہد خلافت ۵۹ھ ہجری میں وفات پائی۔ انہوں نے اپنے پیچھے دو بیٹے چھوڑے مصعب اور عبداللہ۔

حضرت شیبہؓ بن عثمان کو فیضانِ نبویؐ سے بہرہ یاب ہونے کا موقع بہت کم ملا تاہم ان سے کچھ مرویات کتب حدیث میں موجود ہیں۔ ان کے رواۃ حدیث میں مصعب بن شیبہؓ (فرزند) نافع بن مصعبؒ، عکرمہؒ، ابو وائل اور عبدالرحمٰن بن زجاجؒ وغیرہ شامل ہیں۔ ان سے مروی ایک مشہور حدیث یہ ہے: — "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ جب تم میں سے کوئی شخص کسی مجلس میں جائے تو دیکھے کہ اس مقام پر بیٹھنے کی گنجائش ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو وہیں بیٹھ جائے ورنہ کوئی اور جگہ تلاش کرے اور وہاں بیٹھ جائے۔" (اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ)

حافظ ابن عبدالبرؒ نے حضرت شیبہؓ بن عثمان کو فضلاءِ مؤلفۃ القلوب میں شمار کیا ہے۔

(الاستیعاب جلد ۲ ص ۶۰۹)

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت صعبؓ بن جثّامہ لیثی

(۱)

بنو کنانہ کی شاخ بنی لیث بن بکر کے چشم و چراغ تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:
صَعْبؓ بن جَثّامہ (یزید) بن قیس بن ربیعہ بن عبداللہ بن یعمر شداخ بن عوف بن کعب بن عامر بن لیث بن بکر بن عبد مناۃ بن کنانہ لیثی۔

والدہ کا نام زینب بنت حرب بن امیہ تھا جو حضرت ابوسفیانؓ بن حرب کی بہن تھیں۔ اس نسبت سے وہ حضرت ابوسفیانؓ کے بھانجے اور امیر معاویہؓ اور اُمّ المؤمنین حضرت اُمِّ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پھوپھی زاد بھائی ہوتے تھے۔ حضرت صعبؓ کے والد جثّامہ کے قریش (بنو امیہ) سے حلیفانہ تعلقات تھے۔ علامہ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ "حضرت صَعْبؓ ودّان اور ابواء میں جو سرزمین حجاز میں ایک مقام ہے رہتے تھے"۔ [۱]

---

[۱] عہدِ رسالت میں وَدّان اور الابواء دونوں بستیاں ایک دوسرے سے متصل تھیں۔ جس جگہ ودّان کی بستی تھی اس کے قریب اب مستورہ نام کی ایک بستی آباد ہو چکی ہے یہ بدر اور رابغ کے درمیان ساحلِ سمندر کے قریب واقع ہے۔ مکّہ معظمہ سے اس کا فاصلہ ۲۳۰ کلومیٹر ہے اور رابغ سے ۴۵ کلومیٹر۔ الابواء مستورہ سے بجانب شرق تقریباً آٹھ میل (تیرہ کلومیٹر) کے فاصلے پر واقع بستی رہ گئی ہے۔ مدینہ منورہ سے اس کا فاصلہ تقریباً دو سو کلومیٹر ہے۔ یہاں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ کی قبر ہے جو مدینہ منورہ سے مکّہ واپس آتے ہوئے یہاں فوت ہو گئی تھیں۔ اور یہیں ان کی تدفین ہوئی تھی۔ ننھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے ساتھ تھے۔ آپؐ کو حضرت اُمِّ ایمنؓ اپنے ساتھ لے کر مکّہ پہنچی تھیں۔

(۲)

حضرت صَعْبؓ بن جثّامہ کے قبولِ اسلام کا زمانہ متعیّن طور پر نہیں بتایا جاسکتا۔ عام طور پر بیان کیا جاتا ہے کہ بنولیث نے اجتماعی طور پر فتح مکّہ (رمضان ۸ ہجری) کے بعد اسلام قبول کیا۔ ان کا ایک وفد ۹ ہجری میں غزوۂ تبوک کی تیاری سے قبل مالکؓ بن حویرث اللیثی کی قیادت میں مدینہ منوّرہ آیا اور بارگاہِ نبویؐ میں حاضر ہوکر شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہوا اس وفد میں بیس آدمی تھے۔ یہ اصحاب ایک مہینہ مدینہ منوّرہ میں قیام پذیر رہے اور پھر وطن واپس جاکر قبیلہ کے دوسرے لوگوں کو بھی حلقہ بگوشِ اسلام کیا۔ معلوم نہیں حضرت صَعْبؓ بن جثّامہ اس وفد کی آمد کے موقع پر مشرّف بہ اسلام ہوئے یا اس سے پہلے یہ سعادت حاصل کرچکے تھے۔ قیاس یہ ہے کہ وہ عہدِ رسالت کے آخری سالوں ہی میں سعادت اندوزِ ایمان ہوئے کیونکہ غزواتِ نبوی کے شرکاء میں ان کا نام کہیں نظر نہیں آتا البتہ ان سے چند احادیث مروی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مقدور بھر فیضانِ نبوی سے بہرہ یاب ہوئے نیز یہ کہ ان کو سرورِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے بڑی عقیدت اور محبت تھی۔

حضرت صَعْبؓ بن جثّامہ، خلیفۃ الرّسول سیّدنا ابوبکر صدّیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت (ربیع الاوّل ۱۱ھ تا جمادی الاخریٰ ۱۳ھ) کے دوران میں کسی وقت فوت ہوئے۔ ایک روایت یہ ہے کہ وہ فتحِ فارس میں شریک تھے۔ اس روایت کو درست تسلیم کیا جائے تو ان کا انتقال خلافتِ فاروقی کے اواخر میں ہوا ہوگا مگر علامہ ابنِ اثیرؒ نے اسے غلط بتایا ہے۔

(۳)

حضرت صعبؓ بن جثّامہ سے مروی احادیث میں سے تین یہ ہیں:

(۱) رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا ہے کہ چراگاہ کا محدود کرنا اللہ اور رسول کے سوا کسی کو جائز نہیں۔ (صحیح بخاری)

(۲) رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ابواء یا ودّان میں میرے (صعب کے) پاس

سے گزرے اور آپؐ سے پوچھا گیا کہ مشرکوں میں سے (جن سے جنگ ہے) کسی گھر والوں پر شب خون مارا جائے اور اس کارروائی کے دوران میں ان کی عورتیں اور بچے قتل ہو جائیں تو؟ آپؐ نے فرمایا، وہ انہی میں سے ہیں۔[۱]
(صحیح بخاری)

(۳) (حجۃ الوداع کے سفر کے دوران میں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزرا بواء یا ودّان کی طرف ہوا تو میں (صعب) نے ایک گورخر (کا شکار) ہدیۃً آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپؐ نے اسے واپس کر دیا (اس پر مجھے رنج ہوا) آپؐ نے میرے چہرے پر رنجیدگی کے آثار دیکھے تو فرمایا، ہم نے اسے تم کو (کسی ناراضی کی بناء پر نہیں بلکہ صرف) اس لیے واپس کیا کہ ہم حالتِ احرام میں ہیں (یعنی حج کے لیے احرام باندھے ہوئے ہیں) (صحیح بخاری)



---

[۱] یہ مجبوری کی حالت ہے کیونکہ شب خون دشمن کی بے خبری میں اچانک مارا جاتا ہے۔ اگر اس ہنگامے میں اور رات کی تاریکی میں ان کی عورتیں اور بچے بھی مارے جائیں تو یہ استثنائی صورت ہوگی وہ بھی کراہت کے ساتھ۔ ورنہ بچوں عورتوں اور بوڑھوں کو جنگ میں قتل کرنے کی ممانعت ہے۔ اس سلسلے میں بہت سی احادیث آئی ہیں جو صحیحین، سُنَنِ ابی داؤد، مُسندِ احمد اور کئی دوسری کتب حدیث میں موجود ہیں۔ کافر عورتوں کو صرف اسی حالت میں قتل کرنا جائز ہے جب وہ فوج میں شامل ہو کر مسلمانوں کے خلاف لڑیں۔ بعض احادیث میں عورتوں بچوں بوڑھوں کے علاوہ مذہبی پیشواؤں، راہبوں، غلاموں اور ملازموں (خدمت گاروں) کو بھی قتل سے منع کیا گیا ہے۔

حضرت صعصعہؓ بن ناجیہ تمیمی

(۱)

ان کا تعلق عرب کے مشہور قبیلے بنو تمیم کی ایک شاخ مجاشع بن دارم سے تھا۔ نسب نامہ یہ ہے :-

صعصعہؓ بن ناجیہ بن عقال بن محمد بن سفیان بن مجاشع بن دارم بن مالک بن زید بن مناۃ بن تمیم۔

حضرت صعصعہؓ کا شمار بنو تمیم کے اشراف اور بنو مجاشع کے سرداروں میں ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں فطرتِ سلیم سے نوازا تھا۔ بڑے بہادر، رحم دل اور سخی تھے۔ غریبوں اور محتاجوں کی دل کھول کر مدد کیا کرتے تھے۔ اس زمانے میں دختر کُشی کی ظالمانہ رسم عرب میں عام تھی۔ کسی کے ہاں بیٹی پیدا ہوتی تو اسے سخت ذلت اور ننگ و عار کا باعث سمجھا جاتا تھا یہاں تک کہ بعض سنگدل لوگ بیٹیوں کو پیدا ہوتے ہی یا کچھ مدت بعد زندہ زمین میں دفن کر دیا کرتے تھے۔ قرآنِ حکیم کی سورۂ النحل میں ان لوگوں کی کیفیت یوں بیان کی گئی ہے :-

"جب ان میں سے کسی کو بیٹی کے پیدا ہونے کی خوشخبری دی جاتی ہے تو اس کے چہرے پر کلونس چھا جاتی ہے اور وہ بس خون کے گھونٹ پی کر رہ جاتا ہے۔ لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے کہ اس بُری خبر کے بعد کیا کسی کو منہ دکھائے۔ سوچتا ہے کہ ذلت کے ساتھ بیٹی کو باقی رکھے یا اسے کہیں لے جا کر مٹی میں دبا دے۔"

اپنے ہم قوم لوگوں کے برعکس حضرت صعصعہؓ بچیوں پر بے حد شفیق تھے اور ان کی آغوشِ محبت لڑکیوں کی پرورش کے لیے ہر وقت وا رہتی تھی وہ ڈھونڈ

ڈھونڈ کر ننھی بچیاں ان کے سنگدل والدین سے خرید لیتے اور پھر نہایت محبت اور شفقت سے ان کی پرورش کرتے اور جب وہ جوان ہو جاتیں تو ان کی شادی کا اہتمام بھی خود ہی کرتے۔ اس مقصد کے لیے انہیں کافی مالی قربانی کرنی پڑتی لیکن یہ سب کچھ نہایت خوش دلی سے کرتے اور ان کی جبینِ ہمت پر کبھی شکن نہ آتی۔ مختصر یہ کہ قبولِ اسلام سے پہلے ہی ان کی شرافت، نیک دلی اور سخاوت کی عام شہرت تھی اور عوام الناس میں وہ بڑی عزت و احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔

(۲)

۹ ھ ہجری میں ستر یا اسی آدمیوں پر مشتمل بنو تمیم کا ایک وفد مدینہ منورہ[۱] آیا حضرت صعصعہؓ بن ناجیہ بھی اس وفد میں شامل تھے۔ اسی موقع پر وہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے۔ حضورؐ نے ان کے سامنے اسلام پیش کیا تو وہ بلا تامل کلمۂ توحید پڑھ کر شرفِ ایمان سے بہرہ ور ہو گئے اور سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے قرآنِ حکیم کی چند آیات کی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد انہوں نے عرض کیا :—

---

[۱] اس وفد کو تاریخِ اسلام میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ یہ وفد بڑی شان و شوکت اور جاہلی ٹھاٹھ باٹھ کے ساتھ مدینہ منورہ میں وارد ہوا۔ اس میں قبیلے کے بڑے بڑے رؤسا، شعلہ بیان خطیب اور قادر الکلام شاعر شامل تھے۔ زمانۂ جاہلیت میں عربوں میں مفاخرت اور مقابلت کا جذبہ بہت شدید تھا اور وہ لوگ ہر وصف میں ایک دوسرے سے مقابلہ کیا کرتے تھے۔ (اسلام نے مفاخرت کو مذموم قرار دیا اور صرف تقویٰ کو فضیلت کا معیار قرار دیا) بنو تمیم کے دماغوں میں بھی خاندانی فخر و غرور کا نشہ سمایا ہوا تھا۔ وہ آتے ہی مسجدِ نبوی میں گھس پڑے۔ سرورِ عالم صَلَّی اللہُ علیہ وَسَلَّم اس وقت گھر کے اندر تھے۔ ان لوگوں کی بے باکی اور اکھڑ پن کی یہ کیفیت تھی کہ انہوں نے نہ تو حضورؐ کے باہر تشریف لانے کا انتظار کیا اور نہ اس بات کا لحاظ رکھا کہ حضورؐ کا مقام و مرتبہ کیا ہے بلکہ آستانۂ اقدس کے باہر کھڑے ہو کر بے تحاشا پکارنا شروع کر دیا، "اے محمدؐ (صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) باہر آؤ اور ہماری

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

"یارسول اللہؐ! میں نے زمانۂ جاہلیت میں کچھ نیک کام کیے ہیں کیا مجھے ان کا ثواب ملے گا۔"

حضورؐ نے پوچھا۔ "کیا نیک کام کیے ہیں؟"

انہوں نے عرض کیا:۔ "ایک مرتبہ میری دو عشراء (دس مہینے کی حاملہ) اونٹنیاں گم ہوگئیں۔ میں ایک اونٹ پر سوار ہو کر ان کو ڈھونڈنے کے لیے نکلا (چنانچہ وہ اونٹنیاں مجھے مل گئیں)۔ اثنائے راہ میں ایک میدان کے اندر مجھے دو مکان دکھائی

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

بات سنو"۔ حضورؐ کو ان کا اکھڑپن ناگوار گزرا مگر آپؐ کو اللہ تعالیٰ نے خوئے دلنوازی عطا فرمائی تھی۔ آپؐ فوراً باہر تشریف لے آئے اور ان سے نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ ملاقات فرمائی۔ وفد کے ایک رکن اقرع بن حابس تھے جو حضرت صعصعہؓ بن ناجیہ کے چچازاد بھائی تھے اور عرب کے نامور آدمیوں میں شمار ہوتے تھے۔ ان کی عقل و دانش اور تدبیر و حکمت پر لوگوں کو اس قدر اعتماد تھا کہ اپنے باہمی تنازعات میں ان کو ثالث (حَکَم) یا جج بنایا کرتے تھے۔ اقرعؓ نے بڑی تعلّی کے ساتھ حضورؐ سے کہا:

"محمدؐ! میں وہ آدمی ہوں کہ خدا کی قسم میری مدح انسان کی عزت کو بڑھا دیتی ہے اور میری ہجو انسان کو داغ لگا دیتی ہے۔"

حضورؐ نے بڑے تحمّل کے ساتھ فرمایا: "یہ تو اللہ کا کام ہے۔"

اقرعؓ نے کہا: "ہم سب سے بڑھ کر عزت والے ہیں۔"

حضورؐ نے فرمایا:۔ "تم سے زیادہ معزز یوسفؑ ابن یعقوبؑ تھے۔"

اب اقرع اپنے اصل مقصد پر آئے اور کہا: "ہم آپ سے مفاخرت کرنا چاہتے ہیں۔"

حضورؐ نے فرمایا: "میں فخاری اور شعر بازی کے لیے مبعوث نہیں ہوا لیکن اگر تم اسی لیے آئے ہو تو یونہی سہی۔ تم اپنا کمال دکھاؤ، ہم جواب دیں گے۔"

بنو تمیم میں ایک شخص عطارد بن حاجب تھے وہ زبان و بیان پر غیر معمولی قدرت

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

دیئے۔ میں نے ان میں جانے کا ارادہ کیا۔ ایک مکان میں مجھے ایک بوڑھا آدمی نظر آیا۔ میں اس سے باتیں کرنے لگا۔ تھوڑی دیر گزری تھی کہ گھر کے اندر سے آواز آئی، بچہ پیدا ہو گیا۔ اس بوڑھے نے پوچھا، کیا پیدا ہوا؟ جواب ملا، لڑکی۔ بوڑھے نے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

رکھتے تھے اور بہت اونچے درجے کے خطیب تھے۔ ایک مرتبہ نوشیرواں (شاہِ ایران) کے دربار میں اپنی خطابت کے جوہر دکھا کر کمخواب کا خلعت حاصل کر چکے تھے۔ حضورؐ کا ارشاد سُن کر وہ کھڑے ہو گئے اور مفاخرہ کا آغاز اپنی اس تقریر سے کیا:۔

"تعریف اس خدا کی جس نے اپنے فضل و کرم سے ہمیں تاج و تخت کا مالک بنایا۔ اہلِ مشرق میں ہمیں سب سے زیادہ عزت دی۔ ہمارے خزانے سونے چاندی سے بھرے ہوئے ہیں جنہیں ہم فیاضی سے خرچ کرتے ہیں۔ لوگوں میں کوئی ہمارا ہمسر نہیں۔ کیا ہم صاحبِ سیادت اور صاحبِ فضل نہیں ہیں؟ اگر کسی کو یہ دعویٰ ہو تو وہ ہمارے قول سے اچھا قول اور ہمارے حالات سے اچھے حالات پیش کرے۔ اب مجھ کو جو کہنا تھا کہہ چکا۔"

عطارد تقریر کر کے بیٹھ گئے تو حضورؐ نے ان کا جواب دینے کے لیے حضرت ثابتؓ بن قیس انصاری کو اشارہ کیا۔ انہوں نے یہ خطبہ دیا:۔

"تعریف اس خدائے بزرگ و برتر کی جس نے زمین و آسمان پیدا کیے ان پر اپنا حکم جاری کیا۔ اپنی کرسی اور علم کو وسعت دی۔ وہ قادرِ مطلق ہے جو کچھ ہوتا ہے اسی کی قدرت سے ہوتا ہے اس کی قدرتوں میں سے ایک یہ ہے کہ اپنی مخلوق میں سے ہمارے لیے ایک پیغمبر مبعوث کیا جو سب سے بڑھ کر شریف النفس ہے، سب سے بڑھ کر راست گو اور سب سے زیادہ بلند اخلاق ہے۔ پھر اس پیغمبر پر ایک کتاب نازل کی اور اپنی خلقت کا اسے امانت دار بنایا۔ اور یہی وہ پیغمبر ہے جس کو اللہ نے سارے عالم

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کہا، اس کو زمین میں دفن کر دو۔ میں نے کہا، میں اس نومولود بچی کو تجھ سے خریدتا ہوں اس کو دفن نہ کرنا۔ چنانچہ میں نے اس بچی کو اپنی دونوں عشراء اونٹنیوں اور اس اونٹ کے عوض جس پر میں سوار تھا، خرید لیا۔ قبولِ اسلام سے پہلے میں نے اسی طریقے سے دفن کی جانے والی تین سو ساٹھ لڑکیوں کو خریدا اور ہر لڑکی کے عوض ایک اونٹ اور دو عشراء

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

سے برگزیدہ کیا پھر اس نے لوگوں کو حق کی طرف بلایا تو اس کی قوم و اقربا میں سے پہلے مہاجرین نے حق قبول کیا جو نسب میں افضل ہیں۔ ان کے چہرے سب سے زیادہ روشن ہیں اور ان کے اعمال سب سے اچھے ہیں۔ پھر ان کے بعد سارے عرب میں سے ہم گروہ انصار نے دعوتِ حق پر لبیک کہا۔ لہٰذا ہم اللہ کے انصار اور اس کے رسولؐ کے وزیر ہیں اور لوگ جب تک ایمان نہ لائیں اور لا الٰہ الا اللہ نہ کہیں، ہم ان سے لڑتے رہیں گے اور جو کوئی اللہ اور اللہ کے رسولؐ کو ماننے سے انکار کرے گا ہم اس کے خلاف جہاد فی سبیل اللہ کریں گے اور جہاد کرنا ہمارے لیے کوئی دشوار کام نہیں ہے۔ مجھے جو کچھ کہنا تھا، کہہ چکا اور اب میں تمام مؤمنین اور مؤمنات کے لیے بارگاہِ الٰہی میں مغفرت کی دعا کرتا ہوں۔"

تقریریں ہو چکیں تو شعر و شاعری کی باری آئی۔ بنو تمیم کی طرف سے ان کے ایک نامور شاعر زبرقان بن بدر کھڑے ہوئے اور اپنی قوم کی شان میں ایک پُر زور قصیدہ پڑھا جس میں خود ستائی، تعلّی اور نخوت کے سوا کچھ نہ تھا تاہم اس کے زورِ بیان اور فصاحت و بلاغت میں کوئی کلام نہ تھا۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے "الاصابہ" میں لکھا ہے کہ زبرقان کے اشعار سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ان من البیان لسحراً"، یعنی کسی کسی کلام میں جادو ہوتا ہے۔

زبرقان بیٹھے تو حضورؐ نے حضرت حسّانؓ بن ثابت انصاری کو حکم دیا کہ وہ زبرقان

اونٹنیاں دیں۔ کیا ان کا مجھے کوئی اجر ملے گا؟"

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صعصعہؓ کی روداد سن کر فرمایا:

"یہ تمہاری بہت بڑی نیکی ہے اس کا ثواب تو تمہیں مل گیا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اسلام کی دولت عنایت فرمائی۔"

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

کو جواب دیں۔

حضرت حسانؓ اقلیمِ سخن کے بادشاہ تھے۔ زمانۂ جاہلیت میں غسانی بادشاہوں کے درباروں میں اپنے حسنِ کلام اور اپنی طلاقتِ لسانی کا لوہا منوا چکے تھے۔ قبولِ اسلام کے بعد ان کی شاعری کے جوہر اور بھی چمک گئے تھے کیونکہ انہوں نے محض رضائے الٰہی کو اپنا مقصودِ زندگی بنا لیا تھا اور اپنی شاعری کو مدحتِ رسولؐ کے لیے وقف کر دیا تھا۔ (اسی لیے وہ "مداحِ رسولؐ"، یا "شاعرِ دربارِ رسالت" کے لقب سے مشہور ہیں) وہ اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم سنتے ہی کھڑے ہو گئے اور زبرقان ہی کے بحر اور قافیہ میں فی البدیہہ ایسے فصیح اور بلیغ اشعار سنائے کہ بنی تمیم انگشت بدنداں ہو گئے لیکن وہ آسانی سے کب ہار ماننے والے تھے، زبرقان پھر کھڑے ہو گئے (بروایتِ دیگر عطارد بن حاجب دوسری مرتبہ کھڑے ہوئے۔ وہ صرف شعلہ بیان خطیب ہی نہیں تھے بلکہ بہت اونچے درجے کے شاعر بھی تھے) انہوں نے چند فصیح و بلیغ اشعار اپنے قبیلے کی تعریف میں پڑھے۔ حضرت حسانؓ نے ان کا بھی برجستہ جواب دیا۔ اب بنو تمیم کی زبانیں گنگ ہو گئیں اور اقرع بن حابس بے ساختہ پکار اٹھے:

"باپ کی قسم! محمدؐ کا خطیب ہمارے خطیب سے بہتر اور ان کا شاعر ہمارے شاعر سے افضل ہے۔ ان کا کلام ہمارے کلام سے زیادہ فصیح اور ان کی زبان ہماری زبان سے زیادہ شیریں ہے۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اس سے پہلے جو کچھ ہو چکا وہ آپ کے

حضرت صعصعہؓ کی فیاضی اور سخاوت کی کوئی حد و نہایت نہیں تھی۔ غریبوں محتاجوں اور اپنی ضروریات پر صرف کرنے کے بعد جو کچھ بچتا تھا اس کو پڑوسیوں اور

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔"

وفد کے دوسرے اراکین نے بھی ان کی رائے کی تصدیق کی اور سب اسی وقت حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ یہ لوگ کچھ مدت مدینہ منورہ ٹھہرے اور قرآن اور عقائدِ دین کی تعلیم حاصل کی۔ عطاردؓ بن حاجب تو اسلام سے اس قدر متاثر ہوئے کہ انہوں نے نوشیرواں سے انعام میں پایا ہوا خلعت مدینہ منورہ کے بازار میں صرف اس لیے فروخت کر دیا کہ وہ ریشمی تھا اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں کے لیے ریشمی کپڑوں کا استعمال ناجائز قرار دیا تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ سیدنا حضرت عمرؓ فاروقؓ کو حضرت عطاردؓ کے ارادے کا علم ہوا تو انہوں نے حضورؐ کی خدمت میں عرض کیا:۔

"یا رسول اللہ عطارد اپنا خلعت جو اس نے نوشیرواں سے حاصل کیا تھا، فروخت کر رہا ہے، آپ اسے خرید لیں۔"

حضورؐ نے فرمایا: "یہ ریشم کا بنا ہوا ہے، اسے وہ مرد استعمال کرے جس کا عاقبت میں کوئی حصہ نہ ہو۔"

جب یہ وفد مدینہ منورہ سے رخصت ہوا تو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے تمام ارکان کو انعام واکرام سے سرفراز فرمایا

مفسرین نے لکھا ہے کہ بنو تمیم کے وفد نے اپنی آمد کے موقع پر جس اکھڑپن کا مظاہرہ کیا اس کے بارے میں یہ آیتیں نازل ہوئیں:

إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِن وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ○ وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّىٰ تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ○ (الحجرات آیہ ۴ و ۵)

مسافروں میں تقسیم کر دیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسولؐ! میرے پاس ضروریات سے جو کچھ بچتا ہے میں اس کو پڑوسیوں اور مسافروں کے لیے رکھ چھوڑتا ہوں۔"

حضورؐ نے ارشاد فرمایا:

"پہلے ماں باپ بھائی بہن اور قریبی رشتہ داروں کو دیا کرو۔"

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

ترجمہ (اے نبی جو لوگ تمہیں حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں سے اکثر بے عقل ہیں اگر وہ تمہارے برآمد ہونے تک صبر کرتے تو انہی کے لیے بہتر تھا۔ اللہ درگزر کرنیوالا اور رحیم ہے)

مدینہ منورہ میں وفدِ بنو تمیم کے دورانِ قیام میں اس سوال پر کہ بنو تمیم کا امیر کسے مقرر کیا جائے حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے درمیان اختلافِ رائے پیدا ہوا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی رائے تھی کہ قعقاعؓ بن معبد کو امیر بنایا جائے مگر حضرت عمر فاروقؓ کا خیال تھا کہ اقرعؓ بن حابس کو امیر بنایا جائے۔ اس موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے دونوں بزرگوں کی آوازیں بلند ہو گئیں۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ اس موقع پر یہ آیات نازل ہوئیں:

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَىِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ۔ (الحجرات آیہ ۱-۲)

(اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ اور اس کے رسول کے آگے پیش قدمی نہ کرو اور اللہ سے ڈرو۔ اللہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔ اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اپنی آواز نبیؐ کی آواز سے بلند نہ کرو اور نہ نبیؐ کے ساتھ اونچی آواز سے بات کرو جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہو کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارا کیا کرایا

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حضرت صعصعہؓ کے سالِ وفات کا کسی کتاب سے پتہ نہیں چلتا۔ عرب کا نامور شاعر "الفرزدق" حضرت صعصعہؓ کا پوتا تھا[1]۔ اس نے اپنے دادا کے مہتم بالشان

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

سب غارت ہو جائے اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔)

"فتح الباری" میں حضرت ابوبکر صدیقؓ سے روایت ہے کہ ان آیات کے نزول کے بعد میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ میں نے قسم کھائی ہے کہ اب میں آپؐ سے اس طرح بات کروں گا جیسے کوئی (سرگوشی میں) اپنا راز کہتا ہے۔ دوسری طرف حضرت نافعؒ کے قول کے مطابق حضرت عمر فاروقؓ کی یہ کیفیت تھی کہ وہ بارگاہِ رسالت میں اس قدر پست آواز میں گفتگو کرنے لگے کہ جب تک حضورؐ ان سے دوبارہ دریافت نہ فرماتے کچھ سمجھ میں نہ آتا کہ کیا کہتے ہیں چنانچہ صاحبین کے اس طرزِ عمل کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

إِنَّ الَّذِينَ يَغُضُّونَ أَصْوَاتَهُمْ عِندَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ ۚ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ

(الحجرات آیہ ۳)

(جو لوگ رسول اللہؐ کے حضور اپنی آواز پست رکھتے ہیں وہ درحقیقت وہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لیے جانچ لیا ہے ان کے لیے مغفرت اور اجرِ عظیم ہے۔

---

[1] الفرزدق کا اصل نام ہمام تھا اور وہ غالب بن صعصعہؓ کا بیٹا تھا۔ اس کے ابتدائی حالات پردۂ تاریکی میں ہیں، صرف اتنا معلوم ہے کہ اس کے والد نے جنگ جمل کے بعد اس کو حضرت علیؓ کی خدمت میں بھیجا تھا۔ وہ جوانی ہی میں ایک قادر الکلام شاعر ہو گیا رفتہ رفتہ وہ اُموی دَور کے تین نامور ہجو گو شاعروں میں شمار ہونے لگا۔ دوسرے دو جریر اور اخطل تھے۔ فرزدق نے بعد میں مدحیہ اور استعطافیہ قصائد بھی بکثرت لکھے اور دوسری اصنافِ سخن میں بھی طبع آزمائی کی۔ جس زمانے میں زیاد بن ابیہ عراق کا گورنر تھا۔ فرزدق نے

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کارِ خیر پر اس طرح فخر کا اظہار کیا ہے:

وجدی الذی یمنع الوائدات

فاحیی الوئید فلم توأد

(میرے دادا وہ شخص ہیں جو زندہ درگور کرنے والیوں کو روک لیتے تھے اور زندہ درگور کی جانے والی لڑکی کو بچا لیتے تھے۔)

رضی اللہ تعالیٰ عنہ



(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

کچھ ایسے اشعار کہے جن سے وہ برہم ہو گیا۔ فرزدق بصرہ سے بھاگ کر مدینہ چلا گیا لیکن کچھ عرصہ بعد مروان بن الحکم نے اسے وہاں سے بھی نکال دیا۔ زیاد کے انتقال کے بعد وہ پھر بصرہ چلا گیا۔ شروع شروع میں اس کے تعلقات بنوامیہ سے اچھے نہ تھے لیکن بعد میں بہت اچھے ہو گئے۔ یہاں تک کہ اس نے ان میں سے بعض کی شان میں مدحیہ قصیدے لکھے۔ ایک دفعہ حج کے موقع پر اس نے خلیفہ ہشام بن عبدالملک کے سامنے سیدنا زین العابدینؓ بن سیدنا حسینؓ کی شان میں ایسا زوردار قصیدہ کہا کہ لوگ انگشت بدنداں ہو گئے۔ "اردو دائرۂ معارفِ اسلامیہ" کے مطابق "نفس پرستی، بزدلی، ظلم اور خود نمائی فرزدق کے نمایاں اوصاف تھے۔" ان اوصاف کے باوجود شاعری میں اس کا مرتبہ اتنا بلند تھا کہ جو کہتا تھا لوگوں کے دلوں پر نقش ہو جاتا تھا۔ فرزدق نے ۱۱۴ھ میں نوّے سال کی عمر میں وفات پائی اور اپنے پیچھے ایک بسیط دیوان چھوڑا۔

(ابنِ خلکان۔ دائرۂ معارفِ اسلامیہ جلد ۱۵)

حضرت صفوانؓ بن امیہ جمحی

(۱)

صفوان نام۔ ابو وہب کنیت۔ بعض نے ان کی کنیت ابو امیہ بھی بیان کی ہے۔ قریش کی شاخ بنو جمح سے تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:۔

صفوانؓ بن امیہ بن خلف بن وہب بن حذافہ بن جمح قرشی جمحی۔

والدہ کا نام صفیہ بنت معمر (بن حبیب بن حذافہ بن جمح) تھا۔

زمانۂ جاہلیت میں حضرت صفوانؓ کا خاندان نہایت معزز و مفتخر تھا۔ "ایسار" کا اہم عہدہ اسی خاندان کے پاس تھا۔ قریش کوئی اہم کام اس وقت تک نہیں کرتے تھے جب تک ایسار کے ذریعے اس کا فیصلہ نہ ہو جائے[1]۔

حضرت صفوانؓ کا باپ امیہ ایسار کا مہتمم (یعنی صاحب القداح) تھا اور

---

[1] ایسار کا دوسرا نام ازلام ہے جس کا مطلب ہے مشرکانہ فال گیری یعنی پانسوں کے ذریعے کسی دیوی یا دیوتا سے قسمت کا فیصلہ پوچھنا یا غیب کی خبر دریافت کرنا ہے۔ مشرکین مکہ نے اس غرض کے لیے ہُبَل دیوتا کو مخصوص کر رکھا تھا۔ اس کے استھان پر سات (بے پر) تیر رکھے ہوئے تھے جن کو وہ لوگ اَزلام (پانسہ) کہتے تھے۔ جب ان کو کوئی حاجت پیش آتی یعنی کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا سوال ہوتا یا کھوئی ہوئی چیز کا پتہ پوچھنا ہوتا یا خون کے مقدمہ کا فیصلہ مطلوب ہوتا غرض کوئی بھی کام ہوتا اس کے لیے ہبل کے پانسہ دار (صاحب القِداح) کے پاس پہنچ جاتے، اس کو نذرانہ پیش کرتے اور ہُبَل دیوتا سے دُعا مانگتے کہ ہمارے اس معاملے کا فیصلہ کر دے۔ پھر پانسہ دار تیروں کے ذریعہ فال نکالتا اور جو تیر بھی فال میں نکل آتا اس پر لکھے ہوئے لفظ کو ہُبَل کا فیصلہ سمجھا جاتا اور اسی کے مطابق

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

یا لنسہ ڈالنے کے تیر اس کی تحویل میں رہتے تھے۔ اس کام کی بدولت وہ بہت مالدار ہو گیا تھا اور لوگ اس کو "شداد البطحا" کہا کرتے تھے۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ حق کا آغاز فرمایا تو امیہ بن خلف اور اس کے بھائی اُبی بن خلف نے اس کی سخت مخالفت کی۔ وہ قریش کے ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کی دعوت پر لبیک کہنے والے سعید الفطرت اصحاب کو ستانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ سیدنا حضرت بلالِ حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت صفوانؓ کے باپ امیہ بن خلف ہی کے غلام تھے اور اس کی اسلام دشمنی کے باوجود

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

عمل کرتے تھے۔ فال نکالنے کا طریقہ یہ تھا کہ حاجت مند پانسے کے تیروں (ازلام) میں سے تین تیرلے کر کپڑے کی ایک تھیلی میں ڈالتا اور اسے صاحب القداح (پانسہ دار یا ہبل کے مجاور) کے ہاتھ میں پکڑا دیتا۔ ان تیروں میں سے ایک پر "امرنی ربی" دوسرے پر "نہانی ربی" لکھا ہوتا تھا جبکہ تیسرے پر کچھ نہ لکھا ہوتا اس کو وہ اپنی اصطلاح میں "مَنِیح" کہتے تھے۔ نذرانہ پیش کرنے کے بعد حاجت مند تھیلی میں ہاتھ ڈال کر ایک تیر نکالتا اگر "امرنی ربی" کا تیر اس کے ہاتھ میں آتا تو فوراً اس کام کو کر گزرتا۔ اگر "نہانی ربی" کا تیر برآمد ہوتا تو اس کام کو ایک سال کے لیے ملتوی کر دیتا اور اگر خالی تیر (مَنِیح) ہاتھ آتا تو پھر تھیلی میں ہاتھ ڈالتا اور جب تک ہاں یا نہیں کا تیر اس کے ہاتھ نہ لگتا اسی طرح کرتا جاتا۔ (تفہیم القرآن۔ المشاہد)

قرآن حکیم میں اس قسم کی فال گیری کو گندہ شیطانی کام قرار دیا گیا ہے اور اس کی سختی سے ممانعت کی گئی ہے۔ چنانچہ سورۂ المآئدہ میں ارشاد ہوتا ہے:

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○

(اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، یہ شراب اور جوا اور یہ آستانے اور پانسے سب گندے اور شیطانی کام ہیں ان سے پرہیز کرو، امید ہے کہ تمہیں فلاح نصیب ہوگی)

دعوتِ حق کی ابتدا ہی میں مشرف بہ اسلام ہو گئے تھے۔ امیّہ ان کو اسلام سے برگشتہ کرنے کے لیے سخت ایذائیں پہنچایا کرتا تھا۔ صفوانؓ بھی اس ایذا رسانی میں باپ کے شریکِ کار تھے۔ اسی طرح ایک اور مردِ مومن حضرت ابوفکیہہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی امیّہ اور صفوانؓ کی مشقِ ستم کا نشانہ بنتے رہتے تھے۔ وہ پہلے بنی عبدالدار کے غلام تھے بعد میں انہیں بنو جمحؓ نے خرید لیا۔ دعوتِ توحید کی ابتدا میں اسلام قبول کر کے وہ بھی السابقون الاوّلون کی مقدس جماعت میں شامل ہو گئے۔ قبولِ اسلام کے جرم میں امیّہ اور صفوان نے ان پر بھی بے پناہ مظالم ڈھائے۔ ایک دن امیّہ نے ان کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر تپتی ہوئی ریت پر پھینک دیا۔ صفوان نے باپ کی طرف اشارہ کر کے ان سے پوچھا، کیا یہ تیرا رب نہیں ہے؟ انہوں نے بے دھڑک جواب دیا۔ ہرگز نہیں، میرا رب اللہ ہے۔ اس پر صفوان نے غضبناک ہو کر ان کا اس زور سے گلا گھونٹا کہ وہ بظاہر بے جان ہو گئے، مگر زندگی باقی تھی کچھ دیر کے بعد ہوش میں آ گئے۔ اتفاق سے سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ ادھر سے گزرے انہوں نے انہیں امیّہ سے خرید کر آزاد کر دیا۔ اسی طرح انہوں نے حضرت بلالؓ کو بھی ان سے خرید کر آزاد کیا۔

مختصر یہ کہ صفوان مسلمانوں کی ایذا رسانی میں باپ کے دست و بازو بنے رہے یہاں تک کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے گئے۔

(۲)

غزوۂ بدر (رمضان ۲ ہجری) میں امیّہ بن خلف (حضرت صفوانؓ کا باپ) اپنے سارے کنبے کو ساتھ لے کر بڑے جوش و خروش سے اہلِ حق کے خلاف لڑنے گیا۔ جب لشکرِ قریش کو ہزیمت ہوئی تو اتفاقاً امیّہ کی ملاقات حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف (یکے از اصحابِ عشرۂ مبشرہ) سے ہو گئی۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عبدالرحمٰنؓ دو بھگوڑے مشرکوں کی زرہیں (جو وہ میدانِ جنگ میں پھینک گئے تھے) اٹھائے ہوئے تھے کہ امیّہ انہیں دیکھ کر ان کے پاس آ گیا۔ زمانۂ جاہلیت میں حضرت عبدالرحمٰنؓ اور امیّہ کے درمیان دوستانہ تعلقات تھے۔ امیّہ نے ان کا واسطہ دے کر حضرت

عبدالرحمٰنؓ سے درخواست کی کہ اے ابن عوف مجھے قتل ہونے سے بچالے ایسا کرنے سے تجھے (مالِ غنیمت کی) ان زرہوں سے زیادہ فائدہ ہوگا۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے وہ زرہیں پھینک دیں اور امیّہ بن خلف اور اس کے بیٹے علی (صفوانؓ کے بھائی) کو ساتھ لے کر ایک طرف کو چلے (غالباً وہ ان کو حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے سامنے پیش کرنا چاہتے تھے)۔ راستے میں حضرت بلالؓ کچھ دوسرے مسلمانوں کے ساتھ بیٹھے تھے۔ ان کی نظر امیّہ پر پڑی تو وہ پکار اٹھے:

"اے انصار اللہ! اے انصار اللہ! یہ مشرکوں کا سرغنہ امیّہ بن خلف جا رہا ہے۔ اس کو چھوڑنے میں بھلائی نہیں ہے دیکھنا بچ کر نہ جانے پائے۔"

یہ سنتے ہی مسلمان امیّہ اور اس کے بیٹے علی پر ٹوٹ پڑے۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے ہر چند کہا کہ یہ دونوں میرے قیدی ہیں لیکن کسی نے ان کی بات نہ سنی اور دونوں کو قتل کر ڈالا۔ ان کو بچاتے بچاتے خود حضرت عبدالرحمٰن بھی زخمی ہو گئے۔

باپ اور بھائی کے قتل نے حضرت صفوانؓ کو سخت مشتعل کر دیا۔ ایک دن وہ مکہ کے مقام حجر میں بیٹھے اپنے چچازاد بھائی عُمیر بن وہب سے باتیں کر رہے تھے۔ غزوۂ بدر میں عمیرؓ کا بیٹا مسلمانوں کے ہاتھ اسیر ہو گیا تھا اور وہ بھی مسلمانوں کے خلاف سخت مشتعل تھے۔ اثنائے گفتگو میں صفوانؓ نے کہا "خدا کی قسم اب زندگی کا لطف باقی نہیں رہا۔

عمیرؓ نے کہا —— "بھائی تم نے سچ کہا، میرا لختِ جگر مسلمانوں کی قید میں ہے اور میں دن رات ماہیٔ بے آب کی طرح تڑپتا رہتا ہوں۔ کاش میں قرض کے بوجھ تلے نہ دبا ہوتا اور اہل و عیال کی پرورش کا خیال نہ ہوتا تو یثرب جا کر محمد (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) کو قتل کر دیتا۔"

یہ سن کر صفوانؓ نے کہا۔ "یہ تمہارا ارادہ تو بہت اچھا ہے اگر تم یہ کام کر سکو تو قوم پر تمہارا احسان ہو گا۔ رہا تمہارا قرض تو اس کو میں ادا کر دوں گا

اور تمہارے اہل و عیال کی کفالت بھی میرے ذمہ ہو گی جس طرح اپنے اہل و عیال کی پرورش کرتا ہوں اسی طرح ان کی بھی کروں گا۔ تم بالکل بے فکر رہو۔

اس کے بعد انہوں نے عمیرؓ بن وہب کو سامان سفر مہیا کیا اور زہر میں بجھی ہوئی ایک تلوار ان کے حوالے کی کہ حصول مقصد کے لیے اس سے کام لینا۔

عمیرؓ مدینہ منورہ پہنچے اور اپنی سواری کا اونٹ باندھ کر مسجد نبوی میں داخل ہونے کا ارادہ کیا کہ حضرت عمرؓ فاروق کی نظر ان پر پڑی۔ انہوں نے لپک کر ان کو دبوچ لیا اور پوچھا، "او دشمن خدا تو یہاں کس غرض سے آیا ہے؟"

عمیرؓ نے جواب دیا: میں اپنے بیٹے کو چھڑانے کے لیے آیا ہوں۔

حضرت عمرؓ کو ان کی بات پر یقین نہ آیا اور وہ ان کو گھسیٹتے ہوئے رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے پاس لے گئے۔ حضورؐ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا۔

"عمرؓ! اس کو چھوڑ دو۔" انہوں نے تعمیل ارشاد کی۔

اس کے بعد رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اور عمیرؓ کے درمیان گفتگو شروع ہو گئی۔ اثنائے گفتگو میں حضورؐ نے معاً ان سے پوچھا:

"اے عمیر! سچ کہو یہاں کس ارادے سے آئے ہو۔ مکہ میں صفوان بن امیہ سے حجر میں کیا طے ہوا تھا؟"

یہ سن کر عمیرؓ سکتے میں آ گئے اور گھبرا کر کہا، آپ ہی فرمائیے، صفوان سے کیا طے ہوا تھا۔

حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا۔ "صفوان اور تمہارے درمیان یہ قول و قرار ہوا تھا کہ اگر تم مجھے قتل کر دو تو صفوان تمہارا قرض بھی ادا کرے گا اور تمہارے بال بچوں کی کفالت بھی کرے گا۔ اے عمیر! تم کب ٹلنے والے تھے یہ تو اللہ تعالیٰ ہے جس نے تمہارے شر سے مجھے محفوظ رکھا۔"

یہ سن کر عمیرؓ بے اختیار پکار اٹھے۔ "اے محمدؐ میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ یا رسول اللہ! یہ ہماری

حماقت تھی کہ ہم آسمانی خبروں (وحی) پر یقین نہیں کرتے تھے۔ صفوان اور میرے سوا کسی کو اس معاملے کی خبر نہ تھی اگر آپ پر وحی نہ آتی تو آپ اس راز سے کیسے آگاہ ہو سکتے تھے۔"

حضرت عمیرؓ بن وہب کے قبولِ اسلام پر رسول کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے خوشنودی کا اظہار فرمایا اور صحابہ کو حکم دیا کہ اپنے بھائی کو آرام پہنچاؤ اور اس کے بیٹے کو (بغیر فدیہ لیے) چھوڑ دو۔

اس کے بعد حضرت عمیرؓ نے کچھ عرصہ مدینہ منوّرہ میں قیام کیا اور اس دوران میں قرآنِ کریم اور احکامِ شریعت کی تعلیم حاصل کرتے رہے۔ اُدھر مکّہ میں صفوانؓ بن امیہّ بڑی بے تابی سے حضرت عمیرؓ کی مہم کے نتیجے کے منتظر تھے اور مشرکینِ قریش سے کہتے پھرتے تھے کہ جلد ہی تم ایک ایسی خوشخبری سنو گے کہ بدر کی ہزیمت کا صدمہ بھول جاؤ گے۔ وہ مدینہ کی طرف سے آنے والے ہر شخص سے پوچھتے تھے کہ یثرب میں کوئی نیا واقعہ تو پیش نہیں آیا۔ ایک دن خلافِ توقع یہ خبر سُنی کہ عُمیرؓ نے اسلام قبول کر کے محمّد صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا طوقِ غلامی پہن لیا تو سر پکڑ کر بیٹھ گئے اور عہد کر لیا کہ اب عمر بھر عمیر سے کلام نہ کروں گا اور نہ اس کی کسی قسم کی مدد کروں گا۔[1]

---

[1] حضرتؓ عُمیرؓ بن وہب بڑے دلیر آدمی تھے۔ دین کی تعلیم حاصل کر کے وہ مکّہ واپس آئے اور مشرکین قریش کو بڑی سرگرمی سے اسلام کی تبلیغ کرنے لگے۔ ان کی تبلیغی مساعی سے کئی آدمی مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ چند ماہ بعد وہ ہجرت کر کے مدینہ منوّرہ چلے گئے۔ غزوۂ اُحد میں بڑے جوش اور جذبہ کے ساتھ شریک ہوئے۔ فتح مکّہ کے موقع پر انہی کی سفارش سے حضرتؓ صفوانؓ بن امیہّ کی جان بخشی ہوئی۔ اس کی تفصیل مناسب مقام پر دی گئی ہے۔ عہدِ فاروقی میں حضرتؓ عُمیرؓ بن وہب نے تسخیرِ مصر میں نمایاں حصّہ لیا اور وہاں کے متعدد مقامات ان کے ہاتھ پر فتح ہوئے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت عُمیرؓ بن وہب کا شمار قریش کے نامی بہادروں میں ہوتا تھا۔ انہوں نے حضرت عُمر فاروقؓ کے دورِ خلافت کے آخر میں وفات پائی۔

(۳)

سنہ ۳ ہجری میں حضرت صفوانؓ اور ان کا چچا اُبَی بن خلف لشکرِ قریش میں شامل ہو کر مسلمانوں سے لڑنے عازمِ مدینہ ہوئے۔ اس لشکر کا اُحد کے میدان میں مسلمانوں سے مقابلہ ہوا۔ جس وقت لڑائی زوروں پر تھی اُبَی بن خلف نے رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر براہِ راست حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ اس وقت وہ اپنی پالتو گھوڑی پر سوار تھا۔ اس کی زبان پر یہ الفاظ تھے:

"محمد (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) کہاں ہے اگر اس کی نجات ہو تو میری نجات نہ ہو۔"

معاً اس کی نظر حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر پڑی۔ اس نے فوراً آپؐ کی طرف رُخ کیا اور صفوں کو چیرتا ہوا آپؐ کے نزدیک پہنچ گیا۔ صحابۂ کرامؓ نے اس کو یوں آتے دیکھا تو وہ اس کے اور حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے درمیان حائل ہونے لگے۔ اس وقت آپؐ نے اشارہ فرمایا کہ تم لوگ پرے ہٹ جاؤ اور اس کا راستہ چھوڑ دو۔ پھر آپؐ نے اپنے ایک جاں نثار حضرت حارثؓ بن صمہ سے ان کی برچھی لے لی اور اس کو ایک چکر دیا جس سے آس پاس کے تمام اصحاب دفعتہً وہاں سے ہٹ گئے۔ اب اُبَی بن خلف بالکل آپؐ کے سامنے تھا۔ آپؐ نے برچھی کی اَنی اس کی گردن میں چبھو دی۔ اس کا اُبَی پر اس قدر شدید اثر ہوا کہ وہ اپنی گھوڑی سے کئی بار گر گر جانے لگا۔ پھر وہ قریش کی طرف پلٹ کر گیا تو بار بار کہتا تھا، مجھے محمد (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) نے قتل کر دیا۔ اس کے ساتھی کہتے تھے کہ تم پر تو اس کا کوئی اثر نہیں ہے معمولی سی خراش یا زخم ہے مگر وہ یہی کہتا تھا کہ مجھ کو جو تکلیف ہے اگر دوسروں کو بھی ہوتی تو وہ اس سے مر جاتے۔ چنانچہ جنگ کے بعد مکّہ کی طرف جاتے ہوئے وہ سرف کے مقام پر مر گیا۔ (یہ مقام مکّہ معظمہ سے ۱۰ کلومیٹر یا تقریباً چھ میل کے فاصلے پر واقع ہے)

جب ایک اتفاقی غلطی سے مسلمانوں کو سخت نقصان اٹھانا پڑا تو سپہ سالارِ قریش ابوسفیان نے اسی کو غنیمت سمجھا اور اپنے لشکر کو مکّہ کی طرف مراجعت کا

حکم دیا مگر پھر خیال آیا کہ مسلمان اس وقت کمزور ہیں ان سے پورا بدلہ لینا چاہیے لیکن صفوانؓ نے ان کو مشورہ دیا کہ اس وقت تو ہم کامیاب ہو گئے ہیں اگر پلٹ کر پھر مسلمانوں سے لڑائی چھیڑ دی تو شاید نتیجہ ہماری توقع کے مطابق نہ نکلے۔ چنانچہ ان کے سمجھانے پر ابوسفیان اپنے لشکر کو بسرعت تمام مکہ واپس لے گئے۔

(۴)

سنہ ۳ ہجری کے اواخر یا سنہ ۴ ہجری کے اوائل میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ عضل اور قبیلہ قارہ کے چند آدمیوں کی درخواست پر صحابہ کی ایک جماعت ان قبیلوں کو اسلام کے عقائد اور احکام سکھانے کے لیے روانہ فرمائی۔ یہ جماعت باختلافِ روایت چھ یا دس صحابہ پر مشتمل تھی۔ جب یہ جماعت (مکہ اور عسفان کے درمیان ہدہ سے سات کوس کے فاصلے پر) بنوہذیل کے ایک تالاب (یا آبشار) رجیع کے قریب پہنچی تو اس جماعت کو ساتھ لے جانے والے آدمیوں نے غداری کی اور اپنے اور پڑوسی قبیلوں (بنولحیان وغیرہ) کے بہت سے (سنّو یا دوسو) مسلح آدمیوں کو اس مختصر جماعت پر چڑھا لائے۔ گنتی کے ان شیر دل مسلمانوں نے بدبخت حملہ آوروں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا مگر مشرکین کی تعداد ان کے مقابلے میں بہت زیادہ تھی۔ انہوں نے تین مسلمانوں کو تو گھیرا ڈال کر گرفتار کر لیا اور ان کے باقی ساتھیوں کو شہید کر ڈالا۔ گرفتار ہونے والے مسلمانوں کے نام تھے حضرت عبداللہؓ بن طارق بلوی الانصاری، حضرت خبیبؓ بن عدی انصاری اور حضرت زیدؓ بن الدثنہ انصاری۔ کفار ان تینوں کو رسیوں یا کمان کی تانتوں سے باندھ کر مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ جب ظہران کے مقام پر پہنچے تو حضرت عبداللہؓ بن طارق نے کسی طرح اپنے آپ کو چھڑا لیا اور تلوار کھینچ کر کافروں پر حملہ کرنا چاہا مگر کافروں نے پیچھے ہٹ کر ان پر تیر برسانے شروع کر دیے یہاں تک کہ وہ شہید ہو گئے۔ حضرت خبیبؓ بن عدی اور حضرت زیدؓ بن دثنہ کو کفار نے مکہ لا کر قریش کے پاس فروخت کر دیا۔ حضرت زیدؓ کو صفوانؓ بن امیہ نے اپنے باپ

امیہ بن خلف کے قتل کا بدلہ لینے کے لیے پچاس اونٹوں کے عوض خریدا جبکہ حضرت خبیبؓ کو عقبہ بن حارث نے اپنے باپ حارث بن عامر بن نوفل مقتولِ بدر کا بدلہ لینے کے لیے خریدا۔ چونکہ یہ واقعہ حرمت کے مہینوں میں پیش آیا تھا۔ اس لیے صفوانؓ نے حضرت زیدؓ کو اپنے غلام نسطاس کے سپرد کر دیا اور اسے حکم دیا کہ اشہر حُرُم گزرنے تک ان کو اپنی حراست میں رکھو۔ حضرت زیدؓ بن دثنہ بڑے جلیل القدر صحابی تھے ان کا تعلق قبیلہ خزرج کے خاندان بیاضہ تھا۔ ان کو غزوۂ بدر اور غزوۂ اُحُد دونوں میں شریک ہونے کا شرف حاصل تھا۔ حراست کے دوران میں وہ رات بھر عبادت میں مصروف رہتے اور دن کو روزہ رکھتے تھے۔ جو چیزیں انہیں کھانے کے لیے دی جاتیں ان میں سے گوشت نہ کھاتے، اور صرف دودھ پی لیتے تھے۔ ایک دن صفوان نے ان سے پوچھا کہ تم گوشت کیوں نہیں کھاتے تو انہوں نے جواب دیا کہ جو جانور اللہ کے نام کے سوا کسی دوسرے کے نام پر (یا اللہ کا نام لیے بغیر) ذبح کیا جاتا ہے میں اس کا گوشت حرام سمجھتا ہوں۔

دوسری طرف حضرت خبیبؓ کو بھی عقبہ بن حارث نے اشہر حُرُم کے دوران میں اپنی حراست میں رکھا۔ اشہر حُرُم گزر گئے تو کفار نے ان دونوں مردانِ حق کو سولی پر لٹکانے کا قصد کیا چنانچہ وہ ان کو تنعیم کے مقام پر لے گئے جہاں انہوں نے دو سولیاں گاڑ رکھی تھیں، جب وہاں ان دونوں مظلوموں میں باہم ملاقات ہوئی تو وہ ایک دوسرے سے بغل گیر ہو گئے اور ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کی پھر کفار نے دونوں کو الگ کر دیا۔ جب حضرت زیدؓ کو سولی پر چڑھانے لگے تو ابو سفیانؓ نے (جو اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے) ان سے مخاطب ہو کر کہا:

"اے زید! تجھ کو خدا کی قسم سچ سچ بتانا، کیا تم یہ پسند کرو گے کہ تمہاری جگہ محمد (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ) کو قتل کر دیا جائے اور تم اپنے بال بچوں میں خوش و خرم زندگی گزارو۔"

حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کسی تامل کے بغیر فرمایا:

"خدا کی قسم، مجھے تو یہ بھی گوارا نہیں کہ محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے پاؤں میں معمولی کانٹا بھی چبھے اور میں اپنے گھر میں آرام سے بیٹھا رہوں۔"

ان کا جواب سن کر مشرکین حیران رہ گئے اور ابوسفیان کے منہ سے بے اختیار نکلا

"محمد (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) کے ساتھی جس قدر محبت ان سے کرتے ہیں دنیا میں اور کسی سے نہیں کرتے۔"

اس کے بعد مشرکین نے حضرت زیدؓ کو سولی پر چڑھا دیا اور ان کے جسدِ اطہر کو نیزوں کی انیوں سے چھید ڈالا۔ اسی طرح انہوں نے حضرت خبیبؓ کو بھی سولی پر چڑھا کر شہید کر دیا[1]

(۵)

مُسنَد احمد بن حنبل میں ہے کہ "غزوۂ خیبر (محرم ۷ھ ہجری) سے کچھ پہلے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفوانؓ بن امیہ سے چند زرہیں مانگ بھیجیں۔ انہوں نے پوچھا، عاریۃً یا غصبًا۔ حضورؐ نے جواب دیا، عاریۃً۔ چنانچہ حضرت صفوانؓ نے چند زرہیں عاریۃً دے دیں۔

مولانا شاہ معین الدین احمد ندویؒ نے "سیر الصحابہ حصہ ہفتم" میں مُسنَد احمد

---

[1] حضرت خبیبؓ بن عدی انصاری کا تعلق اوس کے خاندان عمرو بن عوف سے تھا۔ غزوۂ بدر میں شریک تھے۔ اسی غزوے میں انہوں نے حارث بن عامر بن نوفل کو قتل کیا تھا۔ شہادت سے پہلے انہوں نے دو رکعت نماز پڑھی اور پھر چند دردناک اشعار پڑھے حافظ ابن حجرؒ نے "فتح الباری" میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی شہادت کی خبر رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو (مدینہ میں) وحی کے ذریعے پہنچا دی اس وقت آپؐ نے فرمایا:-

"اے خبیب! تجھ پر سلام"

پھر آپؐ نے حضرت عمروؓ بن امیہ ضمری کو ان کی لاش کا پتہ لگانے کے لیے مکہ بھیجا انہوں نے مکہ پہنچ کر رات کو درخت پر چڑھ کر سولی کی رسی کاٹی تو حضرت خبیبؓ کا جسدِ اطہر زمین پر گرنے کے بجائے غائب ہو گیا۔ (الاصابہ)

کی یہ روایت قبول کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"یہ پہلا موقع تھا کہ ان (صفوانؓ) کے جیسے دشمنِ اسلام کی جانب سے اس کی امداد کا کوئی کام ہو۔ ان زرہوں میں سے غزوۂ خیبر میں ہیں چند ضائع ہو گئیں۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے تاوان دینا چاہا لیکن صفوان نے قبول نہ کیا اور کہا، یا رسول اللہ! آج اسلام کی جانب میرا میلان ہو رہا ہے۔"

درایت کی رو سے یہ روایت محلِ نظر معلوم ہوتی ہے کیونکہ اسی مُسند احمد میں آگے چل کر یہی واقعہ غزوۂ حُنَین (۸ھ ہجری) کے سلسلے میں بیان کیا گیا ہے۔ "سُنَنِ اَبی داؤد" اور "اُسدُ الغابہ" میں بھی یہ غزوۂ حُنَین کا واقعہ بتایا گیا ہے اور یہی روایت زیادہ قرینِ قیاس ہے کیونکہ غزوۂ خیبر کے موقع پر حضرت صفوانؓ مکّہ میں تھے اور جیسا کہ بعض دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے اس وقت تک اسلام سے ان کی دشمنی میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی تھی۔ اس لیے ان سے یہ الفاظ منسوب کرنا کہ "یا رسول اللہ! آج اسلام کی طرف میرا میلان ہو رہا ہے"، عجیب سی بات معلوم ہوتی ہے۔ البتہ غزوۂ حنین کے بعد ان کے منہ سے ایسے الفاظ نکلنا مستبعد نہیں۔

(۶)

صلح حدیبیہ (ذیقعدہ ۶ھ ہجری) میں عرب کے دو مشہور قبیلوں بنو بکر اور بنو خزاعہ میں سے بنو بکر نے قریشِ مکّہ کی اور بنو خزاعہ نے مسلمانوں کی حمایت قبول کی تھی بالفاظِ دیگر وہ ان کے حلیف تھے۔ یہ دونوں قبیلے روایتی طور پر ایک دوسرے کے حریف تھے مگر صلحنامۂ حدیبیہ کی رو سے وہ اس بات کے پابند تھے کہ امن سے رہیں اور ایک دوسرے کے خلاف کوئی کارروائی نہ کریں، اور اگر ان میں کوئی جھگڑا ہو جائے تو حلیف ان کی مدد نہ کریں۔ مگر بدقسمتی سے فتح مکّہ سے کچھ عرصہ پہلے بنو بکر نے کسی بات پر برافروختہ ہو کر بنو خزاعہ پر حملہ کر دیا۔ قریش

کے کئی اکابر نے صلح نامہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے منہ پر نقاب ڈال کر بنو بکر کی مدد کی اور بنو خزاعہ کے متعدد آدمی قتل کر دیئے۔ قریش کے ان اکابر میں صفوان بن امیہ بھی شامل تھے۔ بنو خزاعہ کے چالیس آدمیوں کا ایک وفد مدینہ منورہ پہنچا اور رسولِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر اس ظلم کی روداد بیان کی جو بنو بکر اور مشرکینِ قریش نے مل کر ان پر ڈھایا تھا۔ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ان مظلوموں سے ہمدردی کا اظہار فرمایا اور قریش سے دیت کا مطالبہ کیا مگر انہوں نے صاف انکار کر دیا۔ ان کا یہی انکار صلحنامہ حدیبیہ کی تنسیخ کا باعث اور فتحِ مکّہ کی تمہید بن گیا۔

ایک روایت میں ہے کہ بنو خزاعہ کے آدمیوں نے حملہ آوروں (خزاعیوں کو قتل کرنے والوں) میں صفوان کو شناخت کر لیا تھا۔ جب انہوں نے اس بات کی شہادت دی تو رسولِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے صفوان کو واجب القتل قرار دیا۔

(زاد المعاد)

(۷)

رمضان المبارک ۸ھ ہجری میں رحمتِ عالم صَلَّی اللّٰہ علیہ وسلّم نے مکّہ پر پرچم اسلام بلند کیا تو بیشتر مشرکینِ قریش نے اسلام قبول کر لیا۔ ان میں حضرت صفوان کی اہلیہ ناجیہ بنت ولید بن مغیرہ بھی تھیں۔ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ان لوگوں سے کوئی بازپرس نہ فرمائی بلکہ دس آدمیوں کو ان کے بھیانک جرائم کی بناء پر واجب القتل کرنے کے سوا باقی سب کو بالکل معاف فرما دیا۔ ان دس میں سے بھی چھ کو بعد میں آپ نے معاف فرما دیا[۱] حضرت صفوان چونکہ واجب القتل افراد میں شامل تھے اس لیے

---

[۱] جو دس افراد واجب القتل قرار پائے ان کے نام یہ ہیں:
عبدالعزیٰ[۱] (عبداللہ) بن خطل، مقیس[۲] بن صبابہ، قریبہ[۳] (کنیز)، حویرث[۴] بن نقید، فرتنی[۵] (کنیز) سارہ[۶] (ہجو گو)، ہبار[۷] بن اسود، عکرمہ[۸] بن ابی جہل، عبداللہ[۹] بن ابی سرح اور

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

وہ اپنی جان بچانے کی خاطر مکہ معظمہ سے جدے کی طرف بھاگ گئے۔ ان کے چچازاد بھائی حضرت عمیرؓ بن وہب (جن کے قبولِ اسلام کا حال پیچھے بیان کیا جا چکا ہے) فتح مکہ کے موقع پر حضورؐ کے ہمرکاب تھے۔ ان کو حضرت صفوانؓ پر رحم آگیا اور انہوں نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کیا:۔

"یا رسول اللہؐ! صفوان اپنی قوم کا سردار ہے وہ آپؐ کے خوف سے جدے کی طرف بھاگ گیا ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ وہ سمندر میں ڈوب مرے گا۔ میری التجا ہے کہ جہاں آپ نے ہر نیک و بد کو امان دی ہے اس کو بھی امان دے دیجئے۔"

حضرت عمیرؓ کی التجا سن کر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا دریائے رحمت جوش میں آگیا اور آپؐ نے فرمایا: "صفوان مامون ہے۔"

حضرت عمیرؓ نے عرض کیا: "یا رسول اللہ! مجھے کوئی نشانی مرحمت فرمائیں جس کو دیکھ کر صفوان کو یقین آجائے کہ فی الواقع آپؐ نے اسے امان دے دی ہے۔"

اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنی ردائے مبارک عنایت کی۔

ایک اور روایت کے مطابق آپؐ نے نشانی کے طور پر ان کو اپنا وہ عمامہ عنایت فرمایا جو آپؐ نے فتح مکہ کے دن باندھ رکھا تھا۔ اس کے ساتھ ہی حضورؐ نے فرمایا کہ یہ نشانی لے جاؤ اور صفوان کو اسلام کی دعوت دو، اگر وہ قبول کر لے تو بہتر ورنہ اسے غور کرنے کے لیے دو ماہ کی مہلت ہے۔ بہرصورت اسے میرے پاس لے آؤ۔

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

صفوانؓ بن امیہ۔ ان میں سے مؤخر الذکر چھ (۵ تا ۱۰) کو بعد میں اظہارِ ندامت کرنے اور بعض مخلص مسلمانوں کی سفارش پر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاف فرما دیا۔ اس کے بعد یہ سب اسلام پر بڑی ثابت قدمی اور اخلاص سے قائم رہے اور اپنے گزشتہ اعمال کی تلافی کے لیے اسلام کی خاطر جو کچھ بن پڑ سکتا تھا، کیا۔

حضرت عمیرؓ یہ مقدس نشانی لے کر فوراً عازمِ جدّہ ہو گئے جب وہاں پہنچے تو صفوانؓ کشتی پر سوار ہونے کے لیے تیار کھڑے تھے۔ حضرت عمیرؓ کو دیکھا تو دور ہی سے پکار کر کہا ــــ "میری نظروں سے دور ہو جاؤ اور مجھ سے کلام نہ کرو۔"

حضرت عمیرؓ نے بڑے شیریں لہجے میں کہا:

"میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں، ذرا میری بات تو سن لو۔ میں ایک ایسے انسان کے پاس سے آ رہا ہوں جو بہترینِ خلائق اور تمہارے چچا کے فرزند ہیں (یعنی خاندانِ قریش سے ہیں) یہ دیکھو میں ان کی نشانی لایا ہوں تم میرے ساتھ ان کی خدمت میں چلو وہ سراپا رحمت ہیں اور انہوں نے تم کو امان دی ہے اور دو مہینے کی مہلت غور کرنے کے لیے دی ہے۔"

اس پر صفوانؓ حضرت عمیرؓ کے ساتھ مکہ واپس آگئے اور حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی قیام گاہ کی طرف روانہ ہوئے وہاں پہنچے تو دیکھا کہ وہاں مجمع عام ہے۔ انہوں نے سواری پر بیٹھے بیٹھے ہی باآوازِ بلند آپؐ سے پوچھا، یا مُحَمَّد (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) عمیر بن وہب نے تمہاری نشانی (چادر یا عمامہ) دکھا کر مجھ سے کہا ہے کہ تم نے مجھے بُلایا ہے اور مجھے اختیار دیا ہے کہ اگر میں چاہوں تو اسلام قبول کر لوں ورنہ دو مہینے کی مہلت ہے۔ کیا یہ سچ ہے؟"

رسولِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا۔" ابو وہب! سواری سے تو اترو"

انہوں نے کہا۔ "نہیں، جب تک تم صاف صاف نہ بتاؤ گے میں سواری سے نہ اتروں گا۔"

حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا۔ "عمیر نے سچ کہا، اب میں تم کو دو مہینے کے بجائے چار مہینے کی مہلتِ اختیاری دیتا ہوں۔"

یہ سُن کر حضرت صفوانؓ سواری سے اتر پڑے مگر رحمتِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے عفو و درگزر کے باوجود انہوں نے فوراً اسلام قبول نہ کیا اور کچھ دیر حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم

کے پاس بیٹھ کر اپنے گھر چلے گئے۔ البتہ اب ان کے دل میں اسلام اور حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے خلاف ہلکی سی پرخاش باقی نہ رہی۔

آنحضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی شانِ کرم ایسی نہ تھی جو حضرت صفوانؓ کو متاثر نہ کرتی بالخصوص ایسی حالت میں کہ ان کے واجب القتل ہونے کا اعلان کیا جا چکا تھا مگر آبائی مذہب سے محبت ان کے ذہن میں ایسی راسخ ہو چکی تھی کہ اب بھی اسے ترک کرنے پر آمادہ نہ ہوئے، بہرحال حضورؐ نے انہیں اپنے حال پر چھوڑ دیا۔

(۸)

جامع ترمذی اور سُنَن ابی داؤد میں حضرت کلدہ بن حنبل[۱] سے روایت ہے کہ وہ (میرے اخیافی بھائی) صفوان بن امیہ نے مجھے دودھ، ہرنی کا ایک بچہ

---

[۱] پورا نام کلدہؓ بن حنبل بن ملیل ہے۔ ان کے نسب اور قبیلہ کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض نے ان کو غسانی بتایا ہے اور بعض نے اسلمی۔ والدہ کا نام انیسہ بنت معمر بن حبیب بن وہب بن حذافہ بن جمح تھا (ایک روایت میں والدہ کا نام صفیہ بھی آیا ہے) وہ بنو جمح کے حلیف اور حضرت صفوانؓ بن امیہ کے اخیافی بھائی تھے (ایک روایت میں ان کو حضرت صفوانؓ کا اخیافی بھتیجا بتایا گیا ہے)۔ وہ ہمیشہ حضرت صفوانؓ کے پاس رہتے تھے اور ان کی خدمت کیا کرتے تھے۔ سفر اور حضر میں کبھی ان سے جدا نہ ہوتے تھے۔ وہ غزوۂ حنین کے بعد حضرت صفوانؓ کے ساتھ ہی مشرف بہ اسلام ہوئے اور شرفِ صحابیت حاصل کیا۔ جس وقت حضرت صفوانؓ نے تحائف دے کر رسول اکرم صَلَّی اللہُ علیہ وَسَلَّم کی خدمت میں بھیجا تھا اس وقت تک نہ حضرت صفوانؓ ایمان لائے تھے اور نہ حضرت کلدہؓ بن حنبل۔ اگرچہ ایک روایت کے مطابق یہ واقعہ حضرت صفوانؓ کے قبول اسلام کے بعد کا ہے مگر جمہور اہل سیر نے اسے فتح مکہ کے باب میں بیان کیا ہے۔ حضرت کلدہؓ کی مستقل سکونت مکہ میں تھی اور وہیں انہوں نے وفات پائی۔

اور کچھ کھیرے (یا ککڑیاں) دے کر رسول اللہ صَلَّی اللہ عَلَیہِ وَسَلَّم کی خدمت میں بھیجا (تاکہ یہ چیزیں آپؐ کی خدمت میں صفوان کی طرف سے بطورِ ہدیہ پیش کروں) یہ اس وقت کی بات ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کے بالائی حصے میں (جس کو مُعلّٰی کہا جاتا ہے) مقیم تھے۔ میں یہ چیزیں لے کر رسول اللہ صَلَّی اللہ عَلَیہِ وسلم کے پاس پہنچ گیا اور نہ میں نے پہلے سلام کیا اور نہ حاضری کی اجازت چاہی تو آپؐ نے فرمایا، تم واپس جاؤ اور (قاعدہ کے مطابق) اَلسَّلَامُ عَلَیکُم اَدخُلُ ؟ (یعنی السّلامُ عَلَیکُم، کیا میں اندر آسکتا ہوں) کہہ کے اجازت مانگو۔"

یہ روایت یہیں ختم ہو جاتی ہے لیکن قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کلدہ بن حنبل نے حُضُور صَلَّی اللہ عَلَیہِ وَسَلَّم کے ارشاد پر ضرور عمل کیا ہوگا۔ اس حدیث سے یہ مستنبط ہوتا ہے کہ جب کوئی شخص کسی دوسرے سے ملاقات کرنے کے لیے اس کے گھر یا اس کی مجلس میں جانا چاہے تو اس کے لیے لازم ہے کہ پہلے سلام کرے اور اندر آنے کی اجازت مانگے۔ اس کے بغیر ہرگز اچانک داخل نہ ہو۔ حُضُور صَلَّی اللہ عَلَیہِ وَسَلَّم نے حضرت کلدہؓ کو نہ صرف زبانی نصیحت فرمائی بلکہ ان سے عمل بھی کرایا۔

(۹)

فتح مکہ سے سارے عرب پر اسلام کی قُوّت اور شوکت کی دھاک بیٹھ گئی مگر ایک جنگجو قبیلے بنو ہوازن پر اس کا الٹا اثر ہوا۔ یہ لوگ مکہ اور طائف کے درمیان مکہ کے شمالی رُخ پر آباد تھے۔ وہ بڑے زور شور سے مسلمانوں کے خلاف لڑنے کی تیاری کرنے لگے اور اس مقصد کے لیے ایک بڑا لشکر جمع کر لیا۔ ان کا خیال تھا کہ آگے بڑھ کر مکہ پر حملہ کیا جائے۔ سرورِ عالم صَلَّی اللہ عَلَیہِ وَسَلَّم کو خبر ہوئی تو آپؐ خود مکہ سے نکل کر بنو ہوازن کے آمادۂ پیکار لشکر کی طرف بڑھے۔ اسلامی لشکر میں مہاجرین اور انصار کی ایک کثیر تعداد کے علاوہ مکہ کے دو ہزار نو مسلم بھی شامل تھے اور کچھ ایسے لوگ بھی اس لشکر کے ساتھ تھے جو اس وقت تک ایمان تو نہیں

لائے تھے مگر انہوں نے مسلمانوں کی حمایت میں لڑنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا۔ ایسے ہی لوگوں میں حضرت صفوان رضؓ بن امیہ اور ان کے اخیافی بھائی کلدہ رضؓ بن حنبل بھی شامل تھے۔ علامہ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ اس موقع پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفوان رضؓ سے کچھ ہتھیار مانگے۔ انہوں نے پوچھا کہ آپ عاریۃً لینا چاہتے ہیں یا غصبًا (یا جبر کے ذریعے)۔ حضورؐ نے فرمایا، عاریۃً، اور اگر یہ تلف ہو گئے تو ان کا تاوان دیا جائے گا۔ (اُسدُ الغابہ)

بعض روایتوں میں ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ حنین پر روانہ ہونے سے پہلے حضرت صفوان رضؓ سے جنگی ضروریات کے لیے چالیس ہزار درہم بطور قرض اور کچھ زرہیں اور ہتھیار عاریۃً مانگے جو انہوں نے پیش کر دیئے اور خود بھی لشکر اسلام کی معیت میں مکّہ سے نکل کھڑے ہوئے۔ مکّہ سے تقریبًا پچیس میل کے فاصلے پر حُنَین کے میدان میں اسلامی لشکر اور بنو ہوازن کے ساتھ مڈبھیڑ ہوئی۔ بنو ہوازن نے اپنی کمین گاہوں سے اس شدّت سے تیر برسائے کہ مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے اور میدان جنگ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف چند جاں نثار کھڑے رہ گئے۔ اس موقع پر کلدہ بن حنبل نے حضرت صفوان رضؓ سے کہا، دیکھو! محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا سحر آج زائل ہو گیا۔

یہ سن کر حضرت صفوان رضؓ نے غضبناک ہو کر ان سے کہا:

"خدا تیرے منہ کو چاک کرے مجھے یہ بات زیادہ پسند ہے کہ قریش کا کوئی آدمی میری تربیت کرے بہ نسبت اس کے کہ ہوازن کا کوئی شخص میرا مربی ہو۔"

(مطلب یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت بنو ہوازن کے کسی شخص کی اطاعت سے بہتر ہے)

جلد ہی مسلمان سنبھل گئے اور عمِّ رسولؐ حضرت عباس رضؓ کی پکار پر سب میدانِ جنگ میں واپس آ گئے۔

اب انہوں نے بنو ہوازن پر اس زور کا جوابی حملہ کیا کہ ان کے لیے ہتھیار ڈالنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔ غزوۂ حنین کے بعد حضرت صفوانؓ (اپنے آبائی مذہب پر قائم رہتے ہوئے) غزوۂ طائف میں بھی شریک ہوئے۔ طائف سے واپسی پر الجعرّانہ کے مقام پر حضورؐ نے حنین کا مالِ غنیمت تقسیم فرمایا تو حضرت صفوانؓ کو سَو اونٹ عنایت فرمائے۔ (سیرۃ ابنِ ہشام)

ایک اور روایت میں ہے کہ حضورؐ حضرت صفوانؓ کو ایک گھاٹی کی طرف لے گئے جہاں مالِ غنیمت کے بہت سے مویشی چر رہے تھے۔ آپؐ نے حضرت صفوانؓ کی خواہش پر یہ سب مویشی ان کو عنایت فرما دیئے۔ یہ بے مثال فیاضی دیکھ کر حضرت صفوانؓ نے دل میں کہا کہ ایسی فیاضی اللہ کا نبی ہی کر سکتا ہے۔ (المشاہد) چنانچہ وہ کلمۂ شہادت پڑھ کر مُشرّف بہ اسلام ہو گئے۔

یہ واقعہ غزوۂ طائف سے چند دن بعد کا ہے۔

حضرت صفوانؓ اگرچہ بہت تاخیر سے اسلام لائے مگر انہوں نے فیضانِ نبوی سے بہرہ یاب ہونے کی مقدور بھر کوشش کی اور اپنے اخلاصِ عمل سے گزشتہ زندگی کی تلافی کرنے کی سعی بھی کی۔

(۱۰)

حضرت عبداللہ بن عبّاس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ (قبولِ اسلام کے بعد) حضرت صفوانؓ بن امیہ مکّہ کے بالائی حصے میں تھے کہ بعض لوگوں نے ان سے کہا کہ جس شخص نے ہجرت نہیں کی اس کا دین مکمل نہیں ہوا۔ یہ سُن کر انہوں نے کہا کہ جب تک مدینہ نہ جا لوں اپنے گھر واپس نہ جاؤں گا۔ چنانچہ وہیں سے عازمِ مدینہ ہو گئے۔ مدینہ پہنچ کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے پاس قیام کیا اور پھر رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے۔ آپؐ نے پوچھا، کہو ابو وہب کیسے آنا ہوا؟ انہوں نے عرض کیا "یا رسول اللہ! لوگوں نے مجھ سے کہا ہے کہ بغیر ہجرت کے دین مکمل نہیں ہوتا اس لیے مدینہ آگیا ہوں۔" حضورؐ نے فرمایا:۔۔۔۔

"اے ابو وہب مکّہ کی وادیوں کی طرف لوٹ جاؤ اور اپنے گھر ہی میں رہو۔ ہجرت تو (فتح مکّہ کے بعد) ختم ہو چکی ہے لیکن جہاد اور نیّتِ جہاد باقی ہے۔ جب تم لوگوں سے (جہاد کے لیے) نکلنے کے لیے کہا جائے تو تم لوگ (گھروں سے) جہاد کے لیے نکل کھڑے ہونا۔" (ابنِ عساکر، بیہقی)

"الاستیعاب" میں حافظ ابنِ عبدالبرؒ نے یہ روایت اس طرح بیان کی ہے کہ کسی نے حضرت صفوانؓ سے کہا کہ جس نے ہجرت نہیں کی وہ ہلاک ہو جائے گا اور اس کا اسلام قبول نہ ہوگا۔ صفوانؓ یہ سُن کر ہجرت کر کے مدینہ چلے آئے اور حضرت عباسؓ کے پاس ٹھہرے۔ انہوں نے حضورؐ کو حضرت صفوانؓ کی مدینہ میں آمد کا مقصد بتایا تو آپؐ نے فرمایا، فتح مکّہ کے بعد ہجرت ضروری نہیں ہے۔ پھر آپؐ نے حضرت صفوانؓ سے پوچھا، یہاں کس کے پاس ٹھہرے ہو؟

انہوں نے عرض کیا۔ "عبّاس کے پاس"

حضورؐ نے فرمایا۔ "تم ایسے شخص کے ہاں اترے ہو جو سارے قریش میں قریش سے سب سے بڑھ کر محبت کرنے والا ہے۔"

پھر آپؐ نے حضرت صفوانؓ کو مکّہ واپس جانے کی ہدایت فرمائی۔ انہوں نے تعمیلِ ارشاد کی۔

ایک اور روایت میں ہے کہ جب حضرت صفوانؓ نے سنا کہ جس نے ہجرت نہ کی سمجھ لو کہ وہ تباہ ہو گیا تو انہوں نے قسم کھائی کہ جب تک مدینہ جا کر رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں حاضر نہ ہو لوں گا، اپنا سر نہ دھوؤں گا۔ چنانچہ اسی وقت (اونٹ پر) سوار ہو کر مدینہ کی طرف چل پڑے۔ مدینہ پہنچے تو حضورؐ سے مسجدِ نبوی کے دروازے پر ملاقات ہوئی۔ انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھ سے یوں کہا گیا کہ وہ آدمی ہلاک ہو گیا جس نے ہجرت نہیں کی۔ میں نے اسی وقت قسم کھائی کہ جب تک آپؐ کی خدمت میں حاضر نہ ہوں گا اپنا سر نہ دھوؤں گا۔ حضورؐ نے فرمایا، فتح مکّہ کے بعد ہجرت ختم ہو چکی اب جہاد اور نیّت باقی ہے۔ جب تم کو

(جہاد کے لیے) بُلایا جائے تو گھروں سے نکل پڑو۔ (مصنف عبدالرزاق۔کنز العمال)

(۱۱)

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سریر آرائے خلافت ہوئے تو یکایک سارے عرب میں فتنۂ ارتداد کے شعلے بھڑک اٹھے۔ اس پُر آشوب دَور میں اہلِ مکہ پوری ثابت قدمی سے اسلام پر قائم اور خلافتِ صدیقی سے وابستہ رہے، اس میں حضرت سہیلؓ بن عمرو، حضرت صفوانؓ بن امیہ اور بعض دوسرے عمائدِ قریش کی کوششوں کا بڑا دخل تھا۔ "تاریخ طبری" میں ہے کہ سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں حضرت صفوانؓ بن امیہ نے جہادِ شام میں بھرپور حصہ لیا۔ طبری نے اس سلسلہ میں خصوصیت کے ساتھ لکھا ہے کہ وہ یرموک کی مشہور لڑائی میں اسلامی فوج کے ایک دستے کے افسر تھے۔ جہاد سے فارغ ہو کر وہ مکہ واپس آ گئے اور باقی زندگی یہیں گزاری۔

"مصنف عبدالرزاق" اور "کنز العمال" میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت صفوانؓ بن امیہ سے ایک مکان جیل خانہ بنانے کے لیے چار ہزار دینار میں خریدا تھا۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خوشحال آدمی تھے۔

حضرت صفوانؓ بن امیہ کی وفات کے بارے میں دو روایتیں ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ امیر المؤمنین سیدنا عثمان ذوالنورینؓ کے خلاف شورش برپا ہوئی تو حضرت صفوانؓ اسی ہنگامے میں (حضرت عثمانؓ کی حمایت میں) شہید ہو گئے۔ یہ واقعہ ۳۵ھ ہجری کا ہے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ انہوں نے حضرت امیر معاویہؓ کے دورِ خلافت کے اوائل میں ۴۲ھ ہجری میں وفات پائی۔ جمہور اہلِ سیر نے دوسری روایت ہی کو ترجیح دی ہے۔ حضرت صفوانؓ نے اپنے پیچھے دو لڑکے چھوڑے۔ عبداللہ اور امیہ۔

(۱۲)

حضرت صفوانؓ سے سرِدی کچھ احادیث کتابوں میں موجود ہیں۔ ان کے رواۃ

ہیں دونوں فرزندوں عبداللہ اور امیہ کے علاوہ صفوان بن عبداللہ، سعید بن مسیبؒ عطاءؒ بن ابی رباح اور طاؤسؒ وغیرہ شامل ہیں۔

حضرت صفوانؓ بہت اونچے درجے کے خطیب تھے اور فصاحت و بلاغت میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ حافظ ابن حجرؒ نے "الاصابہ" میں لکھا ہے کہ حضرت صفوانؓ کا شمار بلغائے عرب میں ہوتا ہے۔

ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ وہ قریش میں سب سے زیادہ فصیح تھے۔ وہ زمانہ جاہلیت میں قریش کے اشراف میں شمار ہوتے تھے اور کھلانے والوں میں سے تھے (یعنی ان لوگوں میں تھے جو غربا اور مساکین کو کھانا کھلایا کرتے تھے اور مسافروں کی مہمان نوازی کیا کرتے تھے۔) اس کارِ خیر میں ان کے خاندان کی پانچ پشتوں نے بڑی شہرت حاصل کی۔ حضرت صفوانؓ کا دادا خلف بن وہب، ان کا باپ امیہ بن خلف، وہ خود، ان کے بیٹے عبداللہ بن صفوانؓ اور پوتے عمرو بن عبداللہ سبھی کھلانے والوں میں شمار ہوتے تھے۔ حضرت امیر معاویہؓ نے (اپنے دورِ خلافت میں ایک مرتبہ لوگوں سے پوچھا کہ آج کل مکہ میں کون کھلاتا ہے۔ انھوں نے جواب دیا، عبداللہ بن صفوانؓ [1] یہ سن کر امیر معاویہؓ نے فرمایا، مبارک ہو مبارک ہو

---

[1] علامہ ابن اثیرؒ نے حضرت عبداللہ بن صفوانؓ کو صحابہ میں شمار کیا ہے اور لکھا ہے کہ جب حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے خلافت کا دعویٰ کیا تو حضرت عبداللہؓ بن صفوانؓ نے ان کی بیعت کر لی۔ حجاج بن یوسف نے مکہ کا محاصرہ کیا تو ابن زبیرؓ نے ان سے کہا کہ میں نے آپ کو اپنی بیعت سے آزاد کیا آپ حجاج کی امان قبول کرلیں مگر انھوں نے جواب دیا، واللہ میں آپ کے ساتھ آپ کے لیے نہ لڑتا تھا بلکہ اپنے دین کے لیے لڑتا تھا۔ میں حجاج کی امان ہرگز قبول نہ کروں گا۔ چنانچہ وہ حضرت ابن زبیرؓ کے پہلو بہ پہلو لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ یہ واقعہ جمادی الاخریٰ ۷۳ھ ہجری کا ہے۔
مجاہدؒ نے حضرت عبداللہ بن صفوانؓ سے روایت کی ہے کہ میں نے حضرت عباسؓ

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

یہ وہ روشنی ہے جو کبھی گُل نہ ہو گی۔ (اُسدُ الغابہ)

اگرچہ حضرت صفوانؓ بن امیہ نے اپنی زندگی کا ایک بڑا حصہ حق کی مخالفت میں گزارا مگر فتح مکہ کے بعد رحمت عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ان کو معاف کر دینا، ان سے قرض اور ہتھیار وغیرہ عاریتہً لینا اور ان کی تالیف کرنا، ان سب باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ان کے اوصاف وخصائل سے آگاہ تھے اسی لیے آپؐ نے ان سے مشفقانہ برتاؤ فرمایا اور نتیجتہً وہ اسلام کے جانباز سپاہی بن گئے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ



(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

سے نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے پاس سفارش کرائی کہ آپ میرے والد سے ہجرت کے لیے بعیت لے لیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ فتح مکہ کے بعد ہجرت باقی نہیں رہی۔ حضرت عباسؓ نے آپ کو قسم دلائی تو آپؐ نے میرے والد سے بعیت لے لی اور فرمایا، میں نے اپنے چچا کی قسم پوری کر دی مگر فتح مکہ کے بعد ہجرت باقی نہیں رہی۔

حضرت عبداللہؓ بن صفوانؓ سے یہ حدیث بھی مروی ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ علیہ وَسَلَّم نے فرمایا کہ ایک لشکر اس گھر (یعنی کعبہ) پر چڑھائی کرے گا۔ وہ لشکر جنگل میں دھنس جائے گا۔ بعض نے اس حدیث کو مرسل کہا ہے اور بعض نے مسند۔

(اُسدُ الغابہ)

حضرت صفوانؓ بن عسّال

(۱)

ان کا تعلق بنی زاہر سے تھا۔ نسب نامہ یہ ہے:

صفوانؓ بن عسّال بن لیفن بن زاہر بن عامر بن عوثبان بن مراد

مراد کے نام کی نسبت سے بعض نے ان کو مرادی لکھا ہے۔

ارباب سیر نے ان کے قبولِ اسلام کے زمانہ کی تصریح نہیں کی البتہ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے مدنی دورِ رسالت کے ابتدائی سالوں میں قبولیتِ اسلام کا شرف حاصل کیا۔ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں بارہ غزوات میں حصہ لیا تھا مگر انہوں نے ان غزوات کے نام نہیں لکھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں کوفہ آباد ہوا تو حضرت صفوانؓ بن عسّال نے کوفہ میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ سالِ وفات کے بارے میں کتبِ سیر خاموش ہیں۔

(۲)

حضرت صفوانؓ بن عسّال سے سیدنا حضرت عبداللہؓ بن مسعود، حضرت زرؒ بن حبیشؒ، حضرت عبداللہ بن سلمہؓ اور ابو العریفؒ نے روایت کی ہے۔ ان کی مرویات میں سے چار یہ ہیں:۔

(۱) میں (صفوان بن عسّال) رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوا آپؐ اس وقت مسجد میں اپنی سرخ چادر پر ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ میں نے عرض کیا — "یا رسول اللہؐ! میں علم طلب کرنے کے لیے آیا ہوں۔"

آپؐ نے فرمایا۔ "طالبِ علم کے لیے مرحبا۔ طالبِ علم کو فرشتے اپنے بازوؤں

(بیڑوں) سے گھیر لیتے ہیں (یا گھیرے رہتے ہیں)۔" (مُسندِ احمد)

(۲) جب ہم سفر میں ہوتے تو رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ہم کو حکم دیتے کہ تین دن اور تین رات تک اپنے موزوں کو (پاؤں سے) باہر نہ نکالو۔ سوائے ایسی حالت میں کہ ناپاک ہو جاؤ اور غسل واجب ہو جائے لیکن پاخانہ پیشاب اور سونے کے وقت موزے نکالنے (اتارنے) کی ضرورت نہیں ہے۔

(مشکوٰۃ شریف بحوالہ ترمذی و نسائی)

(۳) رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مغرب کی جانب توبہ کا ایک دروازہ بنایا ہوا ہے جس کا عرض ستّر برس مسافت ہے اور یہ دروازہ اس وقت تک بند نہ ہو گا جب تک آفتاب مغرب سے نہ نکلے (یعنی قیامت نہ آئے) اور اللہ تعالیٰ کے اس قول کے یہی معنی ہیں کہ اس روز جب تیرے پروردگار کی بعض نشانیاں ظاہر ہوں گی تو کسی جان کا ایمان لانا اس کو نفع نہ دے گا جب تک کہ اس کو اس سے پہلے شرفِ ایمان حاصل نہ ہو چکا ہو۔ (مشکوٰۃ شریف بحوالہ ترمذی، ابنِ ماجہ)

(۴) ایک یہودی نے اپنے یہودی دوست سے کہا کہ آؤ اس نبی کے پاس چلیں۔ اس دوست نے کہا، اس کو نبی نہ کہو اگر وہ تمہارے ان الفاظ کو سن لے تو اس کی چار آنکھیں ہو جائیں گی (یعنی وہ بہت خوش ہو گا)۔

پس وہ دونوں یہودی رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے (اُن) نو۹ آیاتِ بیّنات کے بارے میں پوچھا (جن کا ذکر قرآنِ پاک میں آیا ہے۔) آپؐ نے فرمایا:

(۱) کسی کو خدا کا شریک نہ ٹھہراؤ۔

(۲) چوری نہ کرو۔

(۳) زنا نہ کرو۔

(۴) ناحق کسی کو قتل نہ کرو۔

(۵) کسی بے گناہ کو کسی الزام میں ماخوذ کر کے حاکم کے پاس نہ لے جاؤ کہ وہ اس کو قتل کی سزا دے دے۔

(۶) جادو نہ کرو۔

(۷) سود نہ کھاؤ۔

(۸) کسی پاک دامن پر تہمت نہ لگاؤ۔

(۹) کُفّار سے جہاد کے دن نہ بھاگو۔

اس کے بعد آپؐ نے فرمایا، اور اے یہود تمہارے لیے یہ خاص حکم ہے کہ تم ہفتہ کے دن زیادتی نہ کرو (یعنی ہفتہ کے دن شکار وغیرہ نہ کھیلو)۔ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ کے یہ الفاظ سن کر دونوں یہودیوں نے آپؐ کے ہاتھوں اور پاؤں کو چوم لیا اور عرض کیا، ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپؐ نبی ہیں۔ آپؐ نے فرمایا، (جب تم مجھ کو نبی مانتے ہو تو تم میری اطاعت کیوں نہیں قبول کر لیتے۔ انہوں نے کہا، (ہمارے نبی) داؤد علیہ السّلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ نبی ہمیشہ ان کی اولاد میں سے رہے اس لیے ہم کو ڈر ہے کہ اگر ہم نے آپؐ کی اطاعت قبول کر لی تو یہود ہم کو قتل کر دیں گے۔

(مشکوٰۃ بحوالہ ترمذی، ابوداؤد۔ نسائی)



حضرت طارقؓ بن شہاب

(۱)

ان کا تعلق قبیلہ بجیلہ کی ایک شاخ اسلم بن احمس سے تھا۔ کنیت ابو عبداللہ تھی۔ اہلِ کوفہ (صحابہ) میں شمار ہوتے ہیں۔ نسب نامہ یہ ہے:—

طارق بن شہاب بن عبد شمس بن سلمہ بن ہلال بن عوف بن جشم بن عمرو بن لوی بن رحم بن معاویہ بن اسلم بن احمس۔

جمہور اربابِ سیر حضرت طارقؓ بن شہاب کے شرفِ صحابیت پر متفق ہیں مگر ان کی زندگی کے حالات کسی نے بیان نہیں کیے۔ البتہ ان سے مروی متعدد احادیث کتب حدیث میں ملتی ہیں۔ ان میں نہ صرف ذاتِ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحابِ رسولؐ کی پاکیزہ باتیں ہیں بلکہ خود حضرت طارقؓ کے بارے میں بھی کچھ معلومات مل جاتی ہیں۔ غالباً عہدِ رسالت میں وہ لڑکے تھے اس لیے غزوات میں حصہ لینے کا موقع نہیں ملا۔ مسندِ ابی داؤد کی ایک حدیث میں ان کا یہ ارشاد نقل ہوا ہے۔

"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے اور حضرت ابوبکرؓ کے عہدِ خلافت میں چھوٹے چھوٹے لشکروں کے ساتھ رہ کر جہاد کیا ہے۔"

ایک اور حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں شام کی جنگوں میں بھی حصہ لیا ہے۔ ایک روایت کے مطابق شیخینؓ کے عہدِ خلافت میں انہوں نے تینتیس ۳۳ لڑائیوں میں حصہ لیا۔ ۸۲ھ میں وفات پائی۔

(۲)

حضرت طارقؓ بن شہاب سے مروی چند احادیث یہ ہیں:—

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جمعہ کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنا

ہر مسلمان پر لازم اور واجب ہے البتہ اس وجوب سے چار قسم کے آدمی مستثنیٰ ہیں۔ ایک غلام جو کسی کا مملوک ہو دوسرے عورت تیسرے نابالغ لڑکا اور چوتھے بیمار۔ (سنن ابی داؤد)

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک شخص صرف ایک مکھی جیسی حقیر چیز کی وجہ سے جنت میں چلا گیا اور دوسرا اسی وجہ سے دوزخ میں چلا گیا۔

حاضرینِ مجلس نے عرض کیا، یا رسول اللہؐ یہ کیسے ہوا، آپؐ نے فرمایا، دو شخص ایک ایسے قبیلے کے پاس سے گزرے جس کا ایک بت تھا اور کوئی شخص اُس بُت پر بھینٹ چڑھائے بغیر وہاں سے نہ گزر سکتا تھا چنانچہ ان سے بھی بت کے سامنے نذر پیش کرنے کے لیے کہا گیا۔ ان میں سے ایک نے عذر کیا کہ میرے پاس نذر پیش کرنے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔ اہلِ قبیلہ نے کہا کہ نذر تو تمہیں ضرور پیش کرنی ہوگی خواہ وہ ایک مکھی ہی ہو۔ اس شخص نے ایک مکھی پکڑ کر بُت کی بھینٹ چڑھا دی۔ اس طرح اہلِ قبیلہ نے اس کو چھوڑ دیا مگر وہ جہنم میں چلا گیا لیکن ان لوگوں نے جب دوسرے شخص سے نذر کا مطالبہ کیا تو اس نے صاف جواب دے دیا کہ میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے سامنے نذر پیش نہیں کروں گا۔ اس بات پر قبیلہ والوں نے اسے شہید کر دیا اور وہ سیدھا جنت میں چلا گیا۔ (مُسندِ احمد)

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ ملاءِ اعلیٰ کس بات میں جھگڑتے ہیں۔ آپ نے فرمایا، درجات[1] اور کفارات[2] میں۔ درجات یہ ہیں: کھانا کھلانا، ہر ایک کو سلام کرنا، رات کو جب لوگ سوتے ہوں، اٹھ کر نماز پڑھنا ـــــ اور

---

[1] درجات سے مراد وہ اعمال اور عبادتیں ہیں جو درجات میں ترقی کا باعث ہوں۔

[2] کفارات سے مراد وہ اعمال اور عبادتیں ہیں جو گناہوں کی معافی کا باعث ہوں۔

کفارات یہ ہیں :۔ سخت سردی کے زمانے میں اچھی طرح وضو کرنا، نماز باجماعت کے لیے جانا، ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا۔

(اسد الغابہ بحوالہ ابوداؤد طیالسی)

(۴) ہم حضرت عبداللہؓ بن مسعود کے پاس بیٹھے تھے کہ ایک آدمی نے آکر خبر دی کہ نماز کھڑی ہو چکی ہے تو عبداللہؓ بن مسعود اٹھے اور ہم بھی ان کے ساتھ چل پڑے۔ جب ہم لوگ مسجد میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ مسجد کے اگلے حصے میں سب لوگ رکوع میں ہیں تو عبداللہؓ بن مسعود مسجد میں جس جگہ تھے وہیں تکبیر کہی اور رکوع میں چلے گئے ہم لوگوں نے بھی ان کی پیروی کی پھر وہ صف میں شامل ہونے کے لیے آگے بڑھے ہم نے بھی اسی طرح کیا۔ (نماز کے بعد ایک آدمی تیزی سے آیا اور اس نے حضرت عبداللہؓ بن مسعود سے مخاطب ہو کر کہا، علیک السلام اے ابو عبدالرحمٰن۔

حضرت عبداللہؓ بن مسعود نے فرمایا، اللہ اور اس کے رسولؐ نے سچ کہا ہے۔

جب ہم نماز سے فارغ ہو کر مسجد سے لوٹے تو حضرت عبداللہؓ گھر کے اندر چلے گئے اور ہم سب باہر بیٹھ گئے۔ ہم میں سے بعض نے بعض سے کہا، تم نے عبداللہؓ بن مسعود کا جوابِ سلام سنا۔ انہوں نے وعلیکم السلام کہنے کے بجائے صَدَقَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ کہا تو ہم میں کون ان سے اس بارے میں دریافت کرے گا۔

میں (طارق) نے کہا، میں ان سے دریافت کروں گا۔

چنانچہ جب حضرت عبداللہؓ گھر سے باہر تشریف لائے تو میں نے ان سے دریافت کیا۔ جواب میں حضرت عبداللہؓ بن مسعود نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث سنائی۔ "قیامت کے قریب لوگ مجمع میں سے مخصوص لوگوں کو سلام کریں گے، تجارت کی طرف عام رجحان ہو جائے گا یہاں تک کہ عورت بھی اپنے خاوند کو تجارت میں مدد دے گی۔ لوگ قطع رحمی کرنے لگیں گے جھوٹی گواہیاں

دیں گے اور سچی شہادت چھپائیں گے اور جوئے کا عام رواج ہو جائے گا۔"
(مُسندِ احمد)

(۵) میں نے عبداللہؓ بن مسعود سے سنا وہ فرماتے تھے کہ میں نے مِقدادؓ بن الاسود کا ایک ایسا کارنامہ دیکھا ہے کہ کاش وہ کارنامہ مجھ سے انجام پاتا جو اس جیسے ہر دوسرے کام سے مجھے عزیز تر تھا۔ مقدادؓ بن الاسود نبی صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم کی خدمت میں حاضر ہوئے اس وقت جب کہ آپؐ لوگوں کو مشرکین مکّہ سے لڑنے کی دعوت دے رہے تھے۔ مقدادؓ نے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم سے عرض کیا، یا رسول اللہ! ہم لوگ آپ سے اس طرح نہیں کہیں گے جیسا کہ موسٰی علیہ السلام کی قوم نے ان سے کہا تھا کہ تم اور تمہارا رَبّ جاکر لڑے۔ نہیں بلکہ ہم آپؐ کے دائیں لڑیں گے اور بائیں لڑیں گے، آپؐ کے آگے لڑیں گے اور آپؐ کے پیچھے لڑیں گے۔ (جب مقدادؓ نے یہ بات کہی) تو میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ علیہ وَسَلَّم کا چہرۂ مبارک خوشی سے چمک اٹھا۔[1] (مُسندِ احمد)

(۶) عترلیس بن عرقوب شیبانی حضرت عبداللہؓ بن مسعود کے پاس آئے اور انہوں نے کہا جس نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ کی وہ تباہ ہو گیا۔ حضرت عبداللہؓ نے فرمایا، وہ شخص بھی ہلاک ہو گیا جس کے دل نے معروف کو نہ پہچانا اور بُری بات کا انکار نہ کیا۔ (ہیثمی۔ کنز العمال)

(۷) حضرت عثمانؓ بن مظعون ایک دن مسجد میں اس حال میں داخل ہوئے کہ ان کے جسم پر ایک دھاری دار بوسیدہ چادر تھی جس میں جا بجا پیوند لگے ہوئے تھے۔ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم کو ان پر بڑا ترس آیا اور آپ کے اصحاب پر رقّت طاری ہو گئی۔ آپؐ نے فرمایا کہ تم لوگوں کا اس وقت کیا حال ہو گا جب تم میں سے ہر

---

[1] یہ واقعہ ۲ سنہ ہجری میں اس وقت پیش آیا تھا جب رسول اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم میدانِ بدر کی طرف تشریف لے جا رہے تھے۔ اثنائے راہ میں آپؐ نے صحابہؓ سے مشورہ کیا تو حضرت مقدادؓ بن الاسود نے یہ الفاظ کہے۔ (طالب ہاشمی)

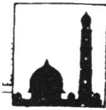
ایک صبح کو ایک جوڑا پہنے گا اور شام کو دوسرا اور ایک پیالہ اس کے سامنے رکھا جائے گا اور دوسرا اٹھایا جائے گا اور تم گھروں پر اس طرح پردہ ڈالو گے جیسا کہ کعبہ پر غلاف ہوتا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ ہم کو پسند ہے کہ ایسا ہو جاتا کہ ہم لوگ بھی چند دن عیش و راحت کی زندگی گزار لیتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایسا ہو کر رہے گا اور تم آج ان لوگوں سے بہتر ہو (جن کو عیش و آرام میسر ہو گا)۔ (حیات الصحابہ بحوالہ ابونعیم فی الحلیہ)

(۸) میں نے (ایک دفعہ) حضرت سلمان رضی اللہ عنہ (فارسی) کے ہاں رات گزاری تاکہ دیکھوں کہ ان کی عبادت میں کیا کوشش ہے۔ وہ اخیر رات میں نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہوئے (حالانکہ میرا خیال تھا کہ وہ رات کا بیشتر حصہ عبادت میں گزارتے ہیں) میں نے ان سے اس بات کا تذکرہ کیا تو انہوں نے کہا۔ پانچوں وقت کی نماز کی پابندی کر دیتے قتل کے ارتکاب سے کم درجے کے گناہوں کا کفارہ ہیں۔ جب لوگ عشاء کی نماز پڑھ لیتے ہیں تو تین مرتبوں پر اترتے ہیں۔ بعض وہ لوگ ہیں جن پر گناہ ہے اور نفع کچھ نہیں بعض وہ لوگ ہیں جن کے لیے نفع ہے اور گناہ نہیں اور بعض وہ ہیں جن کے لیے نہ ثواب ہے اور نہ عذاب۔ جس آدمی نے رات کی تاریکی اور لوگوں کی غفلت کو غنیمت سمجھا اور گناہ کے گھوڑے پر سوار ہو گیا اس کے لیے عذاب ہی عذاب ہے ثواب کچھ نہیں۔ جو آدمی رات کی تاریکی اور لوگوں کی غفلت کو دیکھ کر نماز میں مشغول ہو گیا اس کے لیے نفع ہی نفع ہے نقصان کچھ نہیں اور جس نے عشاء کی نماز پڑھی اور پھر غفلت کی نیند سو گیا اس کے لیے نہ نفع ہے اور نہ نقصان۔ تو اپنے آپ کو تیز رفتاری سے بچا، میانہ روی کو لازم پکڑ لے اور اس پر مداومت اختیار کر۔ (حیات الصحابہ حصہ ہشتم بحوالہ طبرانی)

(۹) (امیر المومنین) حضرت عمر رضی اللہ عنہ شام کی طرف چلے اور ہمارے ساتھ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ بن جراح تھے، ایک ایسے مقام پر پہنچے جہاں پانی میں گھسنا پڑا۔

حضرت عمرؓ اپنی اونٹنی پر تھے وہ اس سے نیچے اترے، اپنے دونوں موزے اتار کر اپنے کندھے پر رکھے پھر اپنی اونٹنی کی مہار پکڑی اور اسے لے کر پانی میں اترے۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے کہا، اے امیرالمومنین آپ خود اپنے پیر سے موزہ اتارتے ہیں اور اس کو اپنے کندھے پر رکھتے ہیں، اپنی اونٹنی کی نکیل خود پکڑتے ہیں اور اسے لے کر پانی میں گھستے ہیں مجھے یہ بات پسند نہیں کہ اس شہر (بیت المقدس) کے لوگ آپ کو یہ باتیں کرتے ہوئے دیکھیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا، اوہو اگر یہ بات اے ابوعبیدہ! تیرے علاوہ کوئی اور کہتا تو میں اسے ایسی سزا دیتا کہ تمام اُمتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے عبرت ہوتی۔ ہم دنیا میں سب سے زیادہ ذلیل تھے ہم کو اللہ نے اسلام کے ذریعے عزت دی۔ ہم جب بھی اسلام کے علاوہ کسی دوسری چیز میں عزت تلاش کریں گے ہم کو اللہ تعالیٰ ذلیل کردے گا۔[1]

(مستدرکِ حاکم)



---

[1] یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب امیرالمومنین حضرت عمر فاروقؓ مدینہ منورہ سے بیت المقدس (جو اس زمانے میں شام میں شامل تھا) تشریف لے گئے کیونکہ بیت المقدس کے عیسائیوں نے حضرت عمرؓ کی آمد پر ہتھیار ڈالنے کا وعدہ کیا تھا۔

(مؤلف)

حضرت طفیلؓ بن حارث مُطّلبی

(۱)

ان کا تعلق ایک ایسے گھرانے سے تھا جو ہمیشہ رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ہوا خواہ رہا اور دُکھ ہو یا سُکھ ہر حال میں آپؐ کا ساتھ دیا۔ ہماری مراد بنو مُطّلب سے ہے جو حضورؐ کے ہم جد تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:

طفیلؓ بن حارث بن مُطّلب بن عبدِ مناف۔

مُطّلب بن عبدِ مناف حضورؐ کے پردادا ہاشم بن عبدِ مناف کے چھوٹے بھائی تھے۔ حضرت طفیلؓ کی والدہ کا نام سخیلہ (یا سخیلہ) تھا۔ وہ بنو ثقیف سے تعلق رکھتی تھیں اور خزاعی بن حویرث ثقفی کی بیٹی تھیں۔

بعثت کے بعد سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اہلِ مکّہ کو توحید کی دعوت دی تو حضرت طفیلؓ کے بڑے بھائی حضرت عبیدہؓ بن الحارث حضور کے دارِ ارقم میں تشریف لے جانے سے پہلے حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے۔ اس کے بعد (ہجرتِ نبوی سے پہلے) حضرت طفیلؓ اور ان کے دوسرے بھائی حضرت حصینؓ بن الحارث بھی سعادت اندوزِ ایمان ہو گئے۔ یوں تینوں بھائیوں کو ”السّابقون الاوّلون“ کی مقدس جماعت میں شامل ہونے کا شرف حاصل ہو گیا۔

(۲)

سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے صحابۂ کرامؓ کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کا اذن دیا تو تینوں بھائی، حضرت عبیدہؓ، حضرت طفیلؓ اور حضرت حصینؓ نے مکے سے مدینے کے لیے رختِ سفر باندھا۔ ان کے ساتھ ایک اور صحابی حضرت مسطحؓ بن اثاثہ بھی تھے۔ اثنائے راہ میں حضرت مسطحؓ کو بچھو نے ڈنک مارا اس لیے وہ پیچھے رہ گئے۔

اگلی منزل پر تینوں بھائیوں کو خبر ملی کہ حضرت مسطحؓ چلنے پھرنے سے بالکل معذور ہو گئے ہیں (کیونکہ بچھو سخت زہریلا تھا)۔ یہ خبر سنتے ہی وہ واپس آئے اور حضرت مسطحؓ کو اٹھا کر مدینہ پہنچے۔ یہاں انہیں حضرت عبداللہؓ بن سلمہ بلوی عجلانی (اوسی انصاری) نے اپنا مہمان بنایا۔ بعد میں سرورِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ان بھائیوں کو مدینہ منورہ میں ایک قطعۂ زمین مرحمت فرمایا جس میں سارا خاندان آباد ہوگیا۔

ہجرت کے چند ماہ بعد سرورِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے مہاجرین اور انصار کے درمیان عقدِ مواخاۃ قائم کرایا تو بقول ابن سعدؒ آپؐ نے حضرت طفیلؓ کو حضرت سفیانؓ بن بُسر انصاری کا مواخاتی بھائی بنایا۔

حضرت طفیلؓ اور ان کے دونوں بھائی رسولِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر جان چھڑکتے تھے اور ان کو راہِ حق میں کسی بھی قربانی سے دریغ نہ تھا۔ رمضان المبارک ۲ھ ہجری میں غزوۂ بدر پیش آیا تو تینوں بھائی اس میں بڑے ذوق و شوق سے شریک ہوئے۔ حضرت عبیدہؓ تو کاری زخم کھا کر رتبۂ شہادت پر فائز ہوئے البتہ حضرت طفیلؓ اور حضرت حصینؓ نے طویل عمر پائی۔

(۳)

غزوۂ بدر کے بعد حضرت طفیلؓ نے غزوۂ اُحد، غزوۂ خندق اور دوسرے غزوات میں بھی دادِ شجاعت دی۔ حافظ ابن عبدالبرؒ نے "الاستیعاب" میں لکھا ہے کہ حضرت طفیلؓ بن الحارث اُن صحابہ میں سے ہیں جو عہدِ رسالت کے تمام غزوات میں شریک ہوئے اور سنہ ۳۲ھ میں فوت ہوئے اس وقت ان کی عمر ستّر برس کی تھی۔ اس زمانے میں حضرت عثمان ذوالنورینؓ مسندِ خلافت پر رونق افروز تھے۔

علامہ ابن اثیرؒ نے حضرت طفیلؓ کے تذکرے میں لکھا ہے کہ بعض روایتوں میں حضرت طفیلؓ کی وفات سنہ ۳۱ھ میں بیان کی گئی ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ حضرت طفیلؓ اور ان کے بھائی حضرت حصینؓ ایک ہی سال میں فوت ہوئے (سنہ ۳۱ھ یا ۳۲ھ میں) حضرت حصینؓ کا انتقال حضرت طفیلؓ کی وفات کے چار ماہ بعد ہوا — لیکن

حضرت حصینؓ کے تذکرے میں انہوں نے عبیدہ بن ابی رافع کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت حصینؓ بن حارث، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تمام مشاہد میں شریک تھے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت حصینؓ، حضرت طفیلؓ کی وفات کے بعد عرصہ تک حیات رہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (اسد الغابہ)

علامہ ابن سعدؒ نے حضرت طفیلؓ کی اولاد میں صرف ایک لڑکے کا نام لیا ہے جن کا نام عامر تھا۔

علامہ ابن اثیرؒ نے "اُسُدُ الغابہ فی معرفۃ الصحابہ" میں یہ بھی لکھا ہے کہ:

"ابو الوفا بغدادی نے ابن عباسؓ سے اللہ تعالیٰ کے قول فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا [1] کے متعلق روایت کی ہے کہ یہ آیت علیؓ، حمزہؓ، جعفرؓ اور عبیدہؓ، طفیلؓ اور حصین (پسرانِ حارثؓ) کے حق میں نازل ہوئی۔"

رضی اللہ تعالیٰ عنہم



---

[1] ترجمہ: پس جو کوئی اپنے پروردگار سے ملنے کی آرزو رکھتا ہو اس کو چاہیے کہ اچھے عمل کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی دوسری ہستی کو شریک نہ کرے۔

(سورۂ کہف۔ ۱۱۰)

حضرت طفیلؓ بن نعمان انصاری

(۱)

خزرج کے خاندان "بنی سلمہ" کے چشم و چراغ تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:
طفیلؓ بن نعمان بن خنساء بن سنان بن عبید بن عدی بن غنم بن کعب بن سلمہ۔

حضرت طفیلؓ ان بزرگوں میں سے ہیں جن کا درجہ خلفائے راشدینؓ، ازواج مطہراتؓ اور مہاجرین اولین کے بعد سب صحابہ سے افضل ہے۔ ہماری مراد اہل عقبہ سے ہے۔ حضرت طفیل ۱۳ بعد بعثت میں مدنی مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ مکہ گئے اور ایک مقررہ رات کو عقبہ کی گھاٹی میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت سے مشرف ہوئے۔ تاریخ میں یہ بیعت "بیعت عقبۂ کبیرہ" یا "بیعت لیلۃ العقبہ" کے نام سے مشہور ہے۔ اسی بیعت کے موقع پر انصار مدینہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس عہد کے ساتھ مدینہ تشریف لانے کی دعوت دی کہ ہم میں سے ہر شخص اپنی جان، مال اور اولاد کے ساتھ آپ کی حفاظت اور مدد کرے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی دعوت قبول فرمالی اور تھوڑے ہی عرصہ کے بعد مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔

(۲)

حضرت طفیلؓ بن نعمان کو دوسرا بڑا شرف غزوۂ بدر میں شریک ہونے کا حاصل ہوا۔ یوں وہ اہل حق کی اس مقدس جماعت میں شامل ہو گئے جن کے اگلے پچھلے سب گناہ اللہ تعالیٰ نے بخش دیئے ہیں۔

غزوۂ اُحد میں ان کی شرکت کے بارے میں ارباب سیر خاموش ہیں البتہ غزوۂ احزاب (۵ھ) میں ان کی شرکت پر سب کا اتفاق ہے۔ امام محمد بن اسحاقؒ اور موسیٰ بن عقبہؒ کے قول کے مطابق انہوں نے اسی غزوے میں جام شہادت پیا۔
رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت ظُہیرؓ بن رافع انصاری

(۱)

اَوس کے خاندان بنی حارثہ سے تھے۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:
ظُہیرؓ بن رافع بن عدی بن زید بن جشم بن حارثہ بن حارث بن خزرج بن عمرو بن مالک بن اوس۔

ان کے آباؤ اجداد بنو حارثہ کے رئیس اور سردار تھے۔ ان کے بعد یہ مسند حضرت ظُہیرؓ اور ان کے بھائی خُدیج کے حصے میں آئی۔ مشہور صحابی حضرت رافعؓ بن خدیج (بن رافع بن عدی) ان کے بھتیجے تھے۔ حضرت ظُہیرؓ کو سب سے پہلے بیعتِ عقبۂ کبیرہ (۱۳ نبوت) میں شریک ہونے کا مہتم بالشان شرف حاصل ہوا۔ ان کے عَقبی صحابی ہونے پر سب اہلِ سیر کا اتفاق ہے۔

(۲)

ہجرتِ نبویؐ کے بعد غزوات کا آغاز ہوا تو بقول امام محمد بن اسحاقؒ سب سے پہلے ان کو غزوۂ بدر میں شریک ہونے کا عظیم شرف حاصل ہوا۔ حافظ ابن عبدالبرؒ نے لکھا ہے کہ وہ غزوۂ بدر میں شریک نہ ہو سکے مگر غزوۂ اُحد اور بعد کے تمام غزوات میں رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ہمرکاب تھے۔ اکثر اہلِ سیر نے غزوۂ بدر سمیت تمام غزوات میں ان کی شرکت کو تسلیم کیا ہے۔ ان کے سالِ وفات کے بارے میں تمام اربابِ سیر خاموش ہیں۔

(۳)

حضرت ظُہیرؓ کے بھتیجے حضرت رافعؓ بن خدیج سے روایت ہے کہ ایک دفعہ (میرے چچا) ظُہیرؓ بن رافع میرے پاس آئے اور بیان کیا کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم

نے ہمیں ایک ایسے کام سے منع کر دیا ہے جس میں ہمارے لیے کچھ آسانی تھی۔ میں نے دریافت کیا کہ وہ کیا کام تھا۔ انہوں نے کہا کہ جو کچھ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا ہے وہ حق ہے (وہ یہ ہے کہ) آپؐ نے مجھ سے پوچھا کہ تم لوگ اپنی زمین کو کیونکر آباد کرتے ہو۔

میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! چوتھائی پر یا کچھ وسق (ایک پیمانہ جو تقریباً ۱۳۰ کلو ۵۰۰ گرام کے برابر ہوتا ہے) خرما و جَو کا مقرر کر کے (کسانوں کو) دے دیتے ہیں۔

اس پر آپؐ نے فرمایا کہ "(اب) ہرگز ایسا نہ کرنا، کھیتی خود کر و یا اس کو پڑا رہنے دو۔ [1] (اُسدُ الغابہ)



حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اُمت میں سے ہر ایک جنّت میں داخل ہوگا سوائے اس کے جس نے انکار کیا۔ دریافت کیا گیا کہ یا رسولُ اللہ وہ کون ہے جس نے انکار کیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ جس نے میری اطاعت کی وہ جنّت میں داخل ہوا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے انکار کیا۔ (صحیح بخاری)

---

[1] یہ ایک اختلافی مسئلہ ہے بعض فقہاء کے نزدیک زمین کا مالک بعض شرائط پر اس کو دوسروں سے آباد کرا سکتا ہے اور بعض زمین کو کرایہ پر اٹھانے کو جائز نہیں سمجھتے۔

حضرت عامرؓ بن امیّہ انصاری

(۱)

خزرج کے خاندان عدی بن نجّار سے تھے۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:
عامرؓ بن امیّہ بن زید بن حسحاس بن مالک بن عدی بن عامر بن غنم بن عدی بن نجّار۔

غزوۂ بدر سے پہلے حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے اور پھر غزوۂ بدر میں شریک ہونے کا عظیم الشان شرف حاصل کیا۔

اگلے سال ۳ھ ہجری میں غزوۂ اُحد میں بھی بڑے جوش اور جذبے کے ساتھ شریک ہوئے اور نہایت بہادری سے لڑتے ہوئے رتبۂ شہادت پر فائز ہوئے۔

حضرت عامرؓ بن امیّہ کے فرزند حضرت ہشامؓ بن عامر سے روایت ہے کہ اُحد کی لڑائی ختم ہونے کے بعد انصار رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا،

یارسول اللہؐ! ہم زخموں اور تھکان سے چور ہیں پس ان (کثیر التعداد) شہیدوں کی نسبت آپؐ کا کیا ارشاد ہے۔

حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا، کشادہ اور گہری قبریں کھودو اور دو دو تین تین شہیدوں کو ایک ایک قبر میں دفن کرتے جاؤ۔

پھر انھوں نے عرض کیا، پہلے قبر میں کس کو رکھیں؟

آپؐ نے فرمایا:

"پہلے اس کو رکھو جسے دوسروں کے مقابلہ میں قرآن زیادہ یاد ہو۔"

ہشامؓ کہتے ہیں کہ میرے والد (حضرت عامرؓ) ایک یا دو انصار سے پہلے قبر میں رکھے گئے۔

(۲)

حضرت عامرؓ بن امیہ نہایت صالح اور مخلص مسلمان تھے۔ حافظ ابن عبدالبرؒ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ہشامؓ بن عامرؓ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اُم المومنین نے فرمایا، عامر کیا اچھے آدمی تھے۔

ابن اثیرؒ کہتے ہیں کہ ہشام نہیں بلکہ ان کے بیٹے سعد بن ہشامؓ اُم المؤمنین حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور انھوں نے اُم المومنین سے وِتروں کی بابت پوچھا تھا۔ (واللہ اعلم)۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

پانچ قومی امراض اور اُن کے نتائج

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کسی قوم کے اندر ملی اور قومی امانتوں میں خیانت کی عادت راہ پا جائے تو اللہ تعالیٰ اس سے جرأت چھین لیتا ہے اور جس قوم میں زنا کاری پھیل جائے تو اُس قوم کی نسل ختم ہونے لگ جاتی ہے اور جب کوئی قوم ناپ تول میں کمی کرنے لگ جائے تو اس سے خوشحالی رخصت ہو جاتی ہے اور جس قوم میں حق کے خلاف فیصلے ہونے لگ جائیں تو اس میں کشت وخون راہ پا جاتا ہے اور جب کوئی قوم بدعہد ہو جائے تو اس پر دشمن مسلط کر دیا جاتا ہے۔

(رواہ مالک مشکوٰۃ باب تغیر الناس صفحہ ۴۵۹)

حضرت عائذؓ بن عمرو مُزَنی

(۱)

عائذ نام، ابو ہبیرہ کنیت۔ بنو مُزَینہ کے چشم و چراغ تھے۔

نسب نامہ یہ ہے:

عائذ بن عمرو بن ہلال بن عبید بن یزید بن رواحہ بن زبینہ بن عدی بن عامر بن ثعلبہ بن ثور بن ہدمہ بن لاطم بن عثمان[1] بن عمرو بن طانجہ بن الیاس بن مضر۔

ہجرتِ نبویؐ کے کچھ عرصہ بعد (صلح حدیبیہ سے پہلے) مشرّف بہ اسلام ہوئے اور فیضانِ نبویؐ سے مقدور بھر بہرہ یاب ہوئے۔ ذیقعدہ ۶ھ ہجری میں ان کو سفرِ حدیبیہ میں سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی ہمرکابی کا شرف حاصل ہوا اور بیعتِ رضوان کی مہتم بالشان سعادت نصیب ہوئی۔

صلح حدیبیہ کے بعد جو غزوات و سرایا پیش آئے۔ ان میں حضرت عائذؓ کی شرکت کے بارے میں اربابِ سِیَر خاموش ہیں۔

(۲)

سیدنا حضرت عُمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں بصرہ آباد ہوا تو حضرت عائذؓ وہاں منتقل ہو گئے اور اپنا مکان بنا کر عزلت گزینی کی زندگی

---

[1] عثمان کی والدہ (عمرو کی اہلیہ) کا نام مُزَینہ تھا۔ ان کی اولاد کو اسی کی طرف منسوب کر کے بنو مُزَینہ کہا جاتا ہے۔

عثمان کا ایک بھائی اوس بن عمرو تھا اس کی اولاد بھی مُزَنی کہلاتی ہے۔

گزارنے لگے۔ حافظ ابن عبدالبرؒ نے "الاستیعاب" میں لکھا ہے کہ وہ صلحائے صحابہ میں سے تھے یعنی بڑے عبادت گزار اور مستغنی المزاج۔ علامہ ابن اثیرؒ کہتے ہیں کہ وہ نیکوکار صحابہ میں سے تھے۔ (اُسدُ الغابہ)

حافظ ابن حجرؒ کا بیان ہے کہ حضرت عائذؓ بن عمرو اپنے گھر میں گوشہ نشینی کی زندگی بسر کرتے تھے اور کہیں آتے جاتے نہ تھے۔ (الاصابہ) لیکن بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کبھی کبھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرنے کے لیے گھر سے نکلا کرتے تھے اور اس معاملے میں کسی بڑی سے بڑی شخصیت کی بھی پروا نہ کرتے تھے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ یزید بن معاویہؓ نے عبیداللہ بن زیاد کو بصرہ کا گورنر مقرر کیا تو اس نے لوگوں پر بڑی سختی کی یہاں تک کہ اہلِ بصرہ سخت تنگ آ گئے۔ حضرت عائذؓ کو لوگوں کی مشکلات اور مصائب کا علم ہوا تو وہ عبیداللہ بن زیاد کے پاس گئے اور اس سے کہا، "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ سب سے بُرا گلہ بان وہ ہے جو بے رحم اور تند مزاج ہو۔ اس لیے تم کو ایسا نہیں ہونا چاہیے۔" (یعنی حکومت چلانے میں بے رحمی اور درشتی سے کام نہیں لینا چاہیے)۔

یہ سن کر عبیداللہ نے کہا۔ "بڑے میاں بیٹھ جاؤ! تم تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی بھوسی ہو۔"

یہ جواب سُن کر حضرت عائذؓ نے فرمایا، کیا صحابہؓ میں بھی بھوسی تھی؟ بھوسی تو بعد میں آنے والوں میں ہے اور ان میں جو صحابی نہیں ہیں۔ (صحیح مسلم جلد ۲ ص ۱۲۲)

عبیداللہ بن زیاد پر ان کی نصیحت کا کچھ اثر نہ ہوا اور وہ اپنی ڈگر پر قائم رہا اسی لیے حضرت عائذؓ اس سے کبیدہ خاطر رہتے تھے۔

(۳)

عبیداللہ بن زیاد کے زمانۂ امارت ہی میں حضرت عائذؓ بن عمرو مرض الموت

میں مبتلا ہوئے۔ اس زمانے میں دستور تھا کہ ممتاز اشخاص کی نمازِ جنازہ خود گورنر پڑھایا کرتے تھے۔ حضرت عائذؓ صاحبِ رسولؐ ہونے کی حیثیت سے اہلِ بصرہ میں بہت بلند مقام رکھتے تھے اس لیے یہ بات یقینی تھی کہ ان کی نمازِ جنازہ گورنر (عبیداللہ بن زیاد) ہی پڑھائے گا مگر وہ عبیداللہ کو پسند نہیں کرتے تھے اور نہیں چاہتے تھے کہ وہ ان کی نمازِ جنازہ پڑھائے۔ چنانچہ انہوں نے وفات سے پہلے وصیت کی کہ میری نمازِ جنازہ ابو برزہؓ پڑھائیں۔ ابو برزہؓ اسلمی بڑے عظیم المرتبت صحابی تھے اور ان کا قیام بصرہ ہی میں تھا حضرت عائذؓ کی وفات کے بعد ان کا جنازہ قبرستان کی طرف لے چلے تو عبیداللہ بن زیاد دستور کے مطابق نمازِ جنازہ پڑھانے کے لیے نکلا مگر جب راستے میں اس کو حضرت عائذؓ کی وصیت کے بارے میں بتایا گیا تو کچھ دور جنازہ کی مشایعت کرکے واپس چلا گیا۔ (طبقات ابن سعد)

(۴)

اگرچہ حضرت عائذؓ بن عمرو بصرہ میں خلوت نشینی کی زندگی گزارتے تھے مگر وہ خشک مزاج نہیں تھے۔ قیمتی لباس پہن لیتے اور باہر نکلتے وقت گھوڑے کی سواری بھی کر لیتے، اس کے برعکس ان کے معاصر حضرت ابو برزہ اسلمیؓ پر زہد و عفاف کا رنگ بہت نمایاں تھا وہ ہمیشہ گیردے رنگ کے دو معمولی کپڑے پہنتے اور گھوڑے پر سوار ہونے سے احتراز کرتے مگر دونوں میں بہت محبت تھی۔ ایک دفعہ کسی شخص نے حضرت عائذؓ سے کہا، حضرت ان ابو برزہ کو دیکھیے وہ لباس اور وضع قطع میں ہمیشہ آپ کی مخالفت کرتے ہیں۔ آپ خز (ایک قیمتی کپڑا) استعمال کرتے ہیں اور گھوڑے پر سوار ہوتے ہیں مگر وہ ان دونوں چیزوں سے اجتناب کرتے ہیں۔ حضرت عائذ نے فرمایا، اللہ ابو برزہؓ پر رحم کرے آج ہم میں ان کے مرتبہ کا کون ہے؟

پھر وہ شخص حضرت ابو برزہؓ کے پاس گیا اور ان سے کہا، حضرت ذرا عائذ کو دیکھیے آپ کی وضع کو پسند نہیں کرتے، خز کا لباس پہنتے ہیں اور بلا تردد گھوڑے کی سواری کرتے ہیں۔

حضرت ابوبرزہؓ نے بھی حضرت عائذؓ کی طرح جواب دیا، اللہ عائذؓ پر پر رحم کرے آج ہم میں ان کے مرتبہ کا کون ہے؟ (طبقات ابن سعد)

(۵)

حضرت عائذؓ بن عمرو سے سات احادیث مروی ہیں۔ ان میں سے ایک حدیث متفق علیہ ہے۔ ان کے رواۃ میں ابو عمران جونیؒ، معاویہ بن قرہؒ، عامر الاحولؒ حشرجؒ اور ابوجمرہ ضبعیؒ شامل ہیں۔

حضرت عائذؓ بن عمرو کی دینی معلومات وسیع تھیں اور ان کے معاصرین ضرورت پڑنے پر ان سے مسائل پوچھا کرتے تھے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابوجمرہ ضبعیؒ کو وتر کے بارے میں کوئی اشکال پیش آیا۔ انہوں نے حضرت عائذؓ بن عمرو سے اس کے بارے میں دریافت کیا۔ انہوں نے ان کے سوال کا ایسا جواب دیا کہ وہ بالکل مطمئن ہو گئے۔ (کتاب المغازی باب غزوۂ حدیبیہ)

حضرت عائذؓ بن عمرو سے مروی احادیث میں سے دو یہ ہیں:

(۱) ایک دفعہ حضرت سلمان (فارسی)، حضرت صہیب (رومی) اور حضرت بلال (حبشی) رضی اللہ تعالیٰ عنہم ایک جماعت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اُدھر سے گزر ہوا۔ ان حضرات نے انھیں دیکھ کر کہا، اللہ کی تلواروں نے اللہ کے دشمن کی گردن میں ابھی تک جگہ نہیں پکڑی؟ (حضرت ابوسفیانؓ قبول ایمان سے پہلے اسلام کے سخت دشمن تھے۔) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی وہاں موجود تھے۔ انہوں نے ان حضرات سے (خشمگیں ہوکر) کہا، کیا تم ایسے شخص کے بارے میں یہ بات کہتے ہو جو قریش کا شیخ اور ان کا سردار ہے؟ پھر حضرت ابوبکر صدیقؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ واقعہ عرض کیا۔ حضورؐ نے فرمایا، اے ابوبکر! شاید تم نے ان مسلمانوں (حضرت سلمانؓ، حضرت صہیبؓ اور حضرت بلالؓ)

کو ناراض کر دیا ؟ اگر تم نے ان کو غصّہ دلایا ہے تو (گویا) تم نے اپنے ربّ کو غصّہ دلایا ہے ۔

یہ سُن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان حضرات کے پاس تشریف لائے اور فرمایا ، اے ہمارے بھائیو ! کیا میری بات پر تم کو غصہ آیا ہے انہوں نے کہا ، نہیں ، اللہ آپ کی مغفرت فرمائے ۔ (صحیح مسلم - الاستیعاب - لیتہ الاولیاء)

(۲) ایک شخص نے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے کچھ مانگا تو آپؐ نے اس کے سوال کو پورا کر دیا ۔ پس جب اس شخص نے اپنے قدم کو دروازے کی دہلیز سے باہر کیا (یعنی اپنا سوال پورا ہونے کے بعد جونہی وہ رخصت ہوا) تو رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا ، اگر سائل سوال (کرنے) کی خرابی کو جانتا تو وہ شخص جس کے پاس کچھ ہوتا کبھی سوال نہ کرتا ۔[1]

(اُسدُ الغابہ فی معرفۃ الصحابہ)

رضی اللہ تعالےٰ عنہ



---

[1] رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے دوسروں کے سامنے دستِ سوال دراز کرنے سے سخت منع فرمایا ہے اور سوال کرنا صرف اسی صورت میں جائز قرار دیا ہے جب سائل کے پاس بالکل کچھ نہ ہو یا وہ کسی ناگہانی آفت میں مبتلا ہو گیا ہو یا سخت مقروض ہو گیا ہو ۔ آپؐ نے فرمایا ہے کہ بلا ضرورت سوال کرنے والے کے چہرے پر قیامت کے دن (گدائی کا) داغ ہوگا ۔

حضرت عبدؓ بن قوال انصاری

(۱)

قبیلہ خزرج کے خاندان ساعدہ سے تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:
عبدؓ بن قوال بن قیس بن دقش بن ثعلبہ بن طریف بن خزرج بن ساعدہ بن کعب بن خزرج اکبر ساعدی انصاری۔

ارباب سیر نے صراحت کے ساتھ تو نہیں لکھا کہ انہوں نے اسلام کب قبول کیا، مگر یہ بات یقینی ہے کہ وہ غزوۂ اُحد سے پہلے شرف ایمان حاصل کر چکے تھے کیونکہ سب سے پہلے انہوں نے غزوۂ اُحد میں دادِ شجاعت دی۔ اس غزوے سے پہلے رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی نے مسلمانوں کو بہکانے کی بہت کوشش کی اور وہ تین سو آدمیوں کو لشکرِ اسلام سے توڑنے میں کامیاب بھی ہو گیا مگر مخلص مسلمانوں نے عبداللہ کی باتوں پر مطلق کان نہ دھرا اور اپنے سے کئی گنا کفارِ قریش کے مقابلے پر ڈٹ گئے حضرت عبدؓ بن قوال انہی مومنین میں شامل تھے۔ غزوۂ اُحد کے بعد وہ غزوۂ خندق اور دوسرے مشاہد میں بھی شریک ہوئے۔ فتح مکہ اور غزوۂ حُنین کے بعد غزوۂ طائف پیش آیا تو اس میں بھی وہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے اسی غزوے میں انہوں نے اپنی جان راہِ حق میں قربان کر دی۔

(۲)

قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوریؒ نے اپنی کتاب "رحمۃ للعالمین" میں لکھا ہے کہ حضرت عبدؓ بن قوال کے ساتھ ان کے بیٹے منذرؓ بھی غزوۂ طائف میں شریک تھے اور وہ بھی اسی غزوے میں شہید ہو گئے۔ حضرت منذرؓ کی غزوہ طائف میں شہادت پر سب اہلِ سیر کا اتفاق ہے مگر بعض نے ان کو حضرت عبدؓ بن قوال کا بھتیجا بتایا ہے اور ان کے والد کا نام عبداللہ یا عباد یا عمرو لکھا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

رضی اللہ تعالےٰ عنہما

حضرت عبدالحمیدؓ بن حفص مخزومی

(۱)

ان کے نام کے بارے میں اختلاف ہے، بعض ارباب سیر نے عبدالحمید لکھا ہے اور بعض نے احمد مگر انہوں نے اپنی کنیت ابو عمرو سے شہرت پائی اور ان کا اصل نام لوگوں کو بھول گیا۔ قریش کی شاخ بنو مخزوم سے تعلق رکھتے تھے اور حضرت خالدؓ بن ولید (سیف اللہ) کے چچازاد بھائی تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:

ابو عمرو عبدالحمید (احمد) بن حفص بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم

والدہ کا نام دُرّہ بنتِ خزاعی بن حارث بن حویرث تھا اور وہ بنو ثقیف سے تعلق رکھتی تھیں۔

حضرت ابو عمروؓ نے فتح مکہ (۸ھ) کے موقع پر اسلام قبول کیا۔ قیاس ہے کہ اس کے بعد وہ بعض غزواتِ نبوی میں بھی شریک ہوئے۔ ۱۰ھ ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک سریہ میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ یمن بھیجا۔ جلیل القدر صحابیہ حضرت فاطمہؓ بنتِ قیس، حضرت ابو عمروؓ کی اہلیہ تھیں۔ کچھ عرصہ سے میاں بیوی میں اختلاف پیدا ہو گئے تھے۔ ان اختلافات نے ایسی شدت اختیار کی حضرت ابو عمروؓ نے یمن روانہ ہونے سے پہلے حضرت فاطمہؓ کو طلاق دے دی۔ وہ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو آپؐ نے فرمایا "تم عدت کا زمانہ اُمِّ شریک کے ہاں گزارو"، مگر حضرت اُمِّ شریکؓ کے گھر ان کے اعزہ و اقارب کے علاوہ دوسرے مہمان بھی بکثرت آتے تھے اس لیے حضورؐ نے اپنے حکم میں ترمیم فرما کر حضرت فاطمہؓ کو مشورہ دیا کہ تم عدت کا زمانہ اپنے (نابینا) ابنِ عمؓ ابنِ اُمِّ مکتومؓ کے ہاں گزارو۔ انہوں نے تعمیلِ ارشاد کی[1]

---

[1] اس واقعہ نے تاریخ میں بڑی شہرت پائی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(۲)
ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابو عمروؓ عہدِ رسالت میں یمن میں فوت ہو گئے
لیکن دوسری روایتوں سے اس روایت کی تغلیط ہوتی ہے۔ ان روایتوں کے مطابق

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

حضرت ابو عمروؓ یمن روانہ ہونے سے کچھ عرصہ پہلے حضرت فاطمہؓ کو دو طلاقیں دے چکے تھے۔ آخری طلاق حضرت عیاشؓ بن ابی ربیعہ کے ذریعے روانگی کے وقت دی اور بطور نفقہ ۵ صاع جو اور ۵ صاع خرمے بھیجے۔ حضرت فاطمہؓ نے عیاشؓ سے کھانے اور مکان کا مطالبہ کیا تو انہوں نے کہا کہ ابو عمرو نے صرف یہ جو اور خرمے دیئے ہیں ان کے علاوہ ہمارے پاس کچھ نہیں جو کچھ دیا گیا ہے یہ بھی محض احسان اور ہمدردی ہے۔ حضرت فاطمہؓ کو اس پر غصہ آگیا اور وہ اپنے کپڑے وغیرہ لے کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئیں اور سارا واقعہ بیان کیا۔ حضورؐ نے ان سے پوچھا، ابو عمرو نے تم کو کَے مرتبہ طلاق دی، انہوں نے عرض کیا "تین بار" آپؐ نے فرمایا، "اب تمہارا نان نفقہ ابو عمرو پر واجب نہیں ہے۔"

اس روایت کی تشریح و تعبیر کے سلسلے میں کتبِ فقہ میں طویل مباحث ملتے ہیں۔ جمہور علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ عدت کے زمانے میں عورت کا نان ونفقہ طلاق دینے والے کے ذمے ہے۔ حضورؐ نے حضرت فاطمہؓ کے معاملہ میں جو فیصلہ دیا اس کا سبب اور پس منظر کچھ اور تھا۔ اب رہا حضورؐ کا یہ حکم کہ فاطمہؓ عدت کا زمانہ ابن امِّ مکتومؓ کے ہاں گزاریں تو اس کی وضاحت علامہ سید سلیمان ندویؒ نے "سیرۃ عائشہ" میں یوں کی ہے:۔

"اسلام میں حکم ہے کہ مطلقہ عورتیں عدت کے دن اپنے شوہر کے ہی گھر گزاریں اور اس حکم کے خلاف صرف ایک فاطمہؓ بنت قیس کی شہادت ہے کہ ان کے شوہر نے ان کو طلاق دے دی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے اپنے شوہر کا گھر چھوڑ کر دوسرے گھر میں جا کر رہیں۔ فاطمہؓ اس واقعہ کو بیان کر کے اجازتِ انتقالِ مکان پر استدلال کرتی تھیں حضرت عائشہؓ کے عہد میں اسی واقعہ کی سند

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حضرت ابوعمرؓ عہدِ فاروقی تک یقینی طور پر حیات تھے اور انہوں نے شام کی کئی لڑائیوں میں مجاہدانہ حصہ لیا۔ علامہ ابن اثیرؒ نے "اُسدُ الغابہ" میں (فتوحاتِ شام میں شریک) ایک مجاہد ناشرہ بن سمی کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ

"میں نے حضرت عمرؓ بن خطاب کو جابیہ (اضلاعِ دمشق میں ایک شہر) والے دن خطبے میں یہ فرماتے ہوئے سُنا کہ (اے مسلمانو) میں تم سے خالد بن ولید کی بابت عذر خواہی کرتا ہوں۔ میں نے انہیں حکم دیا تھا کہ وہ یہ مال صرف مہاجرین کو دیں مگر انہوں نے جاہ اور شرف والے لوگوں اور باتونی آدمیوں کو بھی دیا[1] لہٰذا میں نے انہیں (سپہ سالاری کے عہدے سے) معزول کر دیا اور ابوعبیدہؓ بن جراح کو ان کی جگہ مقرر کیا۔ (اس وقت) حضرت ابوعمرو بن حفص کھڑے ہو گئے اور انہوں نے کہا، خدا کی قسم اے عمر! تم نے ایک ایسے امیر کو موقوف کر دیا ہے جسے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے امیر بنایا تھا اور تم نے ایک ایسی تلوار میان میں کر لی جس کو رسول اللہ صَلَّی اللّٰہ علیہ وسَلَّم نے میان سے باہر نکالا تھا اور تم نے ایک ایسے جھنڈے کو گرا دیا جسے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

سے ایک معزز باپ نے اپنی مطلقہ بیٹی کو شوہر کے یہاں سے بلوا لیا۔ حضرت عائشہؓ نے اس عام حکمِ اسلامی کی مخالفت پر سخت اعتراض کیا۔ مروان اس زمانے میں مدینہ کا گورنر تھا اس کو کہلا بھیجا کہ تم سرکاری حیثیت سے اس معاملہ میں دخل دو اور نفسِ مسئلہ کی نسبت فرمایا کہ اس واقعہ سے عام استدلال جائز نہیں۔ واقعہ یہ تھا کہ فاطمہؓ کے شوہر کا گھر شہر کے کنارہ پر تھا اور رات کو جانوروں کا خوف رہتا تھا۔ اس بنا پر آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ان کو اجازت دی تھی۔ (بحوالہ صحیح بخاری باب قصۂ فاطمہؓ بنتِ قیس)

[1] یہ اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت خالد بن ولیدؓ نے ایک شاعر کو بطورِ انعام کچھ روپیہ دے دیا تھا۔

بلند کیا تھا ـــــ حضرت عمرؓ نے ابو عمروؓ کے سخت اور درشت الفاظ کے جواب میں نہایت نرمی سے) فرمایا "تم چونکہ خالد کے قریبی رشتہ دار ہو اور ابھی نوجوان ہو اس لیے تم کو اپنے چچا کے بیٹے کی حمایت میں غصہ آ گیا۔"

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو عمروؓ بڑے دلیر اور بے باک آدمی تھے اور جس بات کو صحیح سمجھتے تھے، بڑی سے بڑی شخصیت کے سامنے بھی اس کا برملا اظہار کر دیتے تھے۔

مولوی شاہ معین الدین احمد ندوی نے "سیر الصحابہ" میں لکھا ہے کہ حضرت ابو عمروؓ فضل و کمال میں کوئی قابلِ ذکر شخصیت نہ تھے تاہم حدیث کی کتابوں میں ان کی روایتیں موجود ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

پندرہ خصلتیں جو نزولِ بلا کا باعث بنتی ہیں!

حضرت علیؓ ابن ابی طالب کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب میری اُمت میں پندرہ خصلتیں پیدا ہوں تو ان پر مصیبتیں نازل ہونا شروع ہو جائیں گی۔ دریافت کیا گیا کہ وہ کیا ہیں؟ فرمایا: جب سرکاری مال ذاتی ملکیت بنا لیا جائے۔ امانت کو مالِ غنیمت سمجھا جائے۔ زکوٰۃ جرمانہ محسوس ہو۔ شوہر بیوی کا مطیع اور ماں کا نافرمان بن جائے۔ آدمی دوستوں سے بھلائی کرے اور باپ پر ظلم ڈھائے۔ مساجد میں شور مچایا جائے۔ قوم کا رذیل ترین آدمی اس کا لیڈر ہو۔ آدمی کی عزت اُس کی بُرائی کے ڈر سے ہونے لگے۔ نشہ آور چیزیں کھلم کھلا استعمال کی جائیں۔ مرد ابریشم پہنیں۔ آلاتِ موسیقی کو اختیار کیا جائے اور گانے والی لڑکیاں فراہم کی جائیں اور اس وقت کے پچھلے لوگ اگلوں پر لعن طعن کرنے لگیں تو لوگوں کو چاہیئے کہ پھر ہر وقت عذابِ الٰہی کے منتظر رہیں خواہ وہ سرخ آندھی کی شکل میں آئے یا زلزلے کی شکل میں یا اصحاب السبت کی طرح صورتیں مسخ ہونے کی شکل میں۔ (ترمذی اردو ترجمہ صفحہ ۹۱ باب علامات الساعۃ)

حضرت عبدالرحمٰنؓ بن ابزیٰ

(۱)

اہلِ سیر نے ان کا شجرۂ نسب بیان نہیں کیا، صرف اتنا لکھا ہے کہ وہ حضرت نافعؓ بن عبدالحارث کے غلام تھے۔ چونکہ حضرت نافعؓ خزاعی تھے اس لیے حضرت عبدالرحمٰنؓ کو بھی خزاعی کہا جاتا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے حضرت عبدالرحمٰنؓ بن ابزیٰ کے تذکرے میں لکھا ہے کہ خلیفہ بن خیاطؒ، یعقوب بن سفیانؒ، بخاریؒ، ترمذیؒ اور بہت سے دوسرے لوگوں نے ان کو صحابہ میں شمار کیا ہے۔ ابوحاتمؒ نے لکھا ہے کہ عبدالرحمٰنؓ بن ابزیٰ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپؐ کے پیچھے نماز پڑھی یہی ابنِ سعدؒ نے بھی لکھا ہے۔

اربابِ سیر نے یہ تصریح نہیں کی کہ حضرت عبدالرحمٰنؓ شرفِ اسلام سے کب بہرہ ور ہوئے، البتہ خود ان کی اپنی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ صلح حدیبیہ (سنہ ۶ ہجری) سے پہلے حلقہ بگوشِ اسلام ہو چکے تھے اور بیعتِ رضوان میں شریک تھے۔ اس روایت کے الفاظ یہ ہیں:

شهدنا مع علي ممن بايع بيعة الرضوان تحت الشجرة ثمانمائة نفس بصفين فقتل منا ثلثمائة وستون نفسا

"ہم لوگ یعنی وہ کہ جو درخت کے نیچے بیعتِ رضوان کیے ہوئے تھے آٹھ سو کی تعداد میں علیؓ بن ابی طالب کے ساتھ صفین میں شریکِ جنگ ہوئے جن میں سے تین سو ساٹھ آدمی قتل ہوئے۔"

اگرچہ اس روایت کی سند قوی نہیں اور یہ مشکوک معلوم ہوتی ہے مگر اس پر سب کا

اتفاق ہے کہ وہ حضرت علیؓ کے حامیوں میں سے تھے اور جنگ صفین میں ان کی طرف سے شریک تھے۔

(۲)

"صحیح مسلم" میں ہے کہ امیر المؤمنین حضرت عُمرِ فاروقؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں حضرت نافعؓ بن عبدالحارث کو مکّہ کا حاکم بنایا تھا۔ ایک دفعہ وہ حضرت عمرؓ سے ملنے مدینہ گئے اور اپنی جگہ حضرت عبدالرّحمٰنؓ بن ابزیٰ کو مکّہ کا حاکم بنا گئے۔ دورانِ ملاقات میں حضرت عُمرِ فاروقؓ نے ان سے پوچھا، تم مکّہ میں اپنی جگہ کس کو حاکم بنا کر چھوڑ آئے ہو؟ انہوں نے کہا، عبدالرّحمٰنؓ بن ابزیٰ کو۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا: "تم نے اللہ کے اہل یعنی اہلِ مکّہ پر عبدالرّحمٰن بن ابزیٰ (ایک غلام) کو حاکم بنایا؟"

حضرت نافعؓ نے جواب دیا: "اِنَّهٗ قَارِئٌ لِكِتَابِ اللّٰهِ وَعَالِمٌ بِالْفَرَائِضِ (مگر وہ حافظِ قرآن اور فرائض کا عالم ہے")۔

ابو یعلیٰؒ نے اس روایت کو ایک دوسرے طریقے سے بیان کیا ہے۔ اس کے مطابق حضرت عُمرِ فاروقؓ خود مکّہ تشریف لے گئے تھے۔ وہاں کے عامل حضرت نافعؓ بن عبدالحارث نے ان سے درخواست کی کہ ان کی جگہ حضرت عبدالرّحمٰن بن ابزیٰ کو مکّہ کا عامل بنایا جائے تو حضرت عمرؓ نے غصہ کا اظہار کیا۔ اس پر حضرت نافعؓ نے کہا:- "اِنِّیْ وَجَدْتُهٗ اَقْرَاَهُمْ لِكِتَابِ اللّٰهِ وَاَفْقَهَهُمْ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ" (میں نے اس کو سب سے زیادہ کتاب اللہ کا حافظ اور دینی مسائل میں فقیہ پایا۔)

یہ سُن کر حضرت عُمرِ فاروقؓ نے ان کی تواضع کی اور فرمایا:-

"بے شک میں نے بھی رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو یہ فرماتے ہوئے سُنا تھا کہ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ چند قوموں کو قرآن کے ذریعہ سے بلند رتبہ کرے گا اور بہتوں کو اسی کے باعث ذلیل وخوار کرے گا۔"

ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت نافعؓ کی جگہ حضرت خالدؓ بن عاص بن ہشام مخزومی

کو مکہ کا حاکم بنایا۔

(۳)

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے اپنے عہدِ خلافت میں حضرت عبدالرحمٰنؓ کو خراسان کا حاکم مقرر کیا۔ جنگِ صفین کے بعد انہوں نے کوفہ میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی اس لیے ان کا شمار کوفی صحابہ میں ہوتا ہے۔ کتبِ سیر میں ان کا سالِ وفات درج نہیں ہے۔ قیاس یہ ہے کہ انہوں نے امیر معاویہؓ کے دورِ خلافت میں وفات پائی۔ ان سے چند احادیث بھی مروی ہیں۔ رواۃِ حدیث میں ان کے دونوں بیٹے سعیدؒ اور عبداللہؒ اور عبداللہ بن ابی مجالدؒ شامل ہیں۔

حضرت عبدالرحمٰنؓ کی بیشتر روایتیں حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت ابی بن کعبؓ سے منقول ہیں۔ ان میں سے ایک مشہور روایت یہ ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں گیہوں، جو، چھوہاروں اور انگور میں بیع سلم کرتے تھے[1]

علامہ ابن اثیرؒ نے حضرت عبدالرحمٰنؓ کے بارے میں حضرت عمر فاروقؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ عبدالرحمٰنؓ بن ابزیٰ ان لوگوں میں ہیں جن کے مرتبے کو اللہ عزوجل نے قرآن حفظ کرنے کے صلہ میں بلند کیا۔

(اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ)



---

[1] بیع سلم کو بیع سلف بھی کہتے ہیں اس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ ایک معاہدے کے تحت بائع مشتری سے ایک غیر حاضر مبیع کی قیمت پیشگی وصول کر لیتا ہے اور مبیع ایک مقررہ مدت کے بعد مشتری کے سپرد کر دیتا ہے البتہ وہ مشتری کو جس مبیع کا وعدہ کرتا ہے اس کا وصف اس طرح بیان کر دیتا ہے کہ کسی قسم کا ابہام نہیں رہتا۔



حضرت عبدالرحمٰنؓ بن خالدؓ مخزومی

(۱)

سیدنا حضرت عبدالرحمٰنؓ مخزومی اسلام کے اُس عظیم جرنیل کے فرزند تھے جن کو بارگاہِ رسالت سے "سیف اللہ" کا مہتم بالشان لقب مرحمت ہوا اور جو (بقول علامہ شبلیؒ) اتنے بڑے سپہ سالار تھے جن کی نظیر عالمِ اسلام میں کوئی شخص نہ ہوا۔ ان کا سلسلۂ نسب یہ ہے:

عبدالرحمٰنؓ بن خالدؓ سیف اللہ بن ولید بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمرو (بروایتِ دیگر عمر) بن مخزوم بن یقظہ بن مُرّہ بن کعب بن لؤیّ۔

والدہ کا نام اسماء بنتِ اسد بن مدرک خیثمی تھا۔ کنیت ابو محمد تھی ان کے والد حضرت خالدؓ بن ولید نے ذیقعدہ ۶ھ ہجری اور جمادی الاولیٰ ۸ھ ہجری کے درمیانی عرصے میں اسلام قبول کیا تھا۔ اس وقت یہ کم سن تھے۔ قیاس یہ ہے کہ انہوں نے اپنے والد کے ساتھ ہی اسلام قبول کیا۔ ان پر والد کی شجاعت و شہامت کا گہرا اثر تھا۔ بچپن ہی سے بڑے نڈر، دلیر اور پھرتیلے تھے مگر عہدِ رسالت میں کم عمری کی وجہ سے کوئی کارنامہ انجام نہ دے سکے۔

(۲)

سیدنا حضرت عُمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں حضرت عبدالرحمٰنؓ بھرپور جوانی تک پہنچ چکے تھے اور قریش کے شہسواروں اور بہادروں میں شمار ہونے لگے تھے۔ سب سے پہلے وہ شام میں یرموک کی مشہور جنگ میں اپنے والد کے ساتھ شریک ہوئے اور شروع سے اخیر تک دادِ شجاعت دیتے رہے۔

اس کے بعد ان کا نام نمایاں طور پر حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے

زمانۂ خلافت میں سامنے آتا ہے۔ وہ امیر معاویہؓ کے پُرجوش حامیوں میں تھے۔ اس کے برعکس ان کے بھائی مہاجر بن خالدؓ، حضرت علیؓ کے پُرجوش حامی تھے۔ حضرت معاویہؓ کو حضرت عبدالرحمٰنؓ پر بہت اعتماد تھا اور وہ وقتاً فوقتاً ان کو نہایت اہم مہمات پر مامور کرتے رہتے تھے۔

جنگِ صفین سے کچھ پہلے حضرت علیؓ نے موصل، نصیبین، دارا، سنجار، آمد اور کچھ دوسرے علاقوں پر مالک اشتر نخعی کو حاکم مقرر کیا۔ اس وقت ان علاقوں پر امیر معاویہؓ کی طرف سے ضحاک بن قیس فہری حاکم تھے۔ مالک اشتر نے ان علاقوں پر قبضہ کرنے کا ارادہ کیا تو حران اور رقہ کے درمیان مرج کے مقام پر ضحاک بن قیس مزاحم ہوئے۔ شام تک فریقین کے درمیان معرکہ رہا۔ امیر معاویہؓ کو خبر ہوئی تو انہوں نے سواروں کا ایک بہت بڑا لشکر حضرت عبدالرحمٰن بن خالدؓ کی سرکردگی میں بطور کمک روانہ کر دیا۔ مالک اشتر کی قیادت میں علوی فوج وہاں سے موصل چلی گئی اور وہاں خیمہ زن ہو کر امیر معاویہؓ کی کمکی فوج کا انتظار کرنے لگی، مگر ابھی فریقین میں کوئی بڑی ٹکر نہیں ہوئی تھی کہ جنگِ صفین کا آغاز ہو گیا اور دونوں فوجوں کے قائد اپنی اپنی فوج کے ساتھ اپنے بڑے لشکروں میں جا شامل ہوئے جو حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کی قیادت میں ایک دوسرے کے مقابلے پر آ گئے تھے۔

جنگ صفین مدت تک جاری رہی۔ اس دوران میں دونوں فوجوں کے درمیان متعدد خونریز معرکے ہوئے ان میں شامی لشکر کا شہ نشان (بڑا جھنڈا) بالعموم حضرت عبدالرحمٰنؓ بن خالدؓ کے ہاتھ میں ہوتا تھا۔ ایک معرکے میں حضرت عبدالرحمٰن کا مقابلہ حضرت عدیؓ بن حاتم طائی سے ہوا۔ دونوں دن بھر لڑتے رہے مگر ایک دوسرے پر غالب نہ آ سکے، آخر شام کو اپنی اپنی فوجوں کو لے کر واپس چلے گئے۔

ابوحنیفہ دینوری نے "الاخبار الطوال" میں لکھا ہے کہ ایک معرکے میں حضرت عبدالرحمٰن بن خالدؓ نے حضرت علیؓ کی فوج پر اس غضب کا حملہ کیا کہ جس سمت رُخ کرتے راہ کی ہر شے کو تہس نہس کر کے رکھ دیتے۔ آخر مالک اشتر نے علوی فوج

کا جھنڈا اپنے ہاتھ میں لیا اور اس زور کا حملہ کیا کہ شامی فوج کو پیچھے ہٹنے پر مجبور ہونا پڑا۔ مدت تک معرکہ آرا رہنے کے بعد فریقین میں صلح کی گفتگو شروع اور اس سلسلے میں معاہدہ تحکیم معرض تحریر میں آیا تو اس پر امیر معاویہؓ کی طرف سے دستخط کرنے والے اصحاب میں حضرت عبدالرحمنؓ بھی شامل تھے۔

(۳)

علامہ ابن اثیرؒ نے "اُسد الغابہ" میں لکھا ہے کہ حضرت عبدالرحمن بن خالدؓ نے حمص میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ امیر معاویہؓ نے اپنے دورِ خلافت میں ایک مرتبہ انہیں حمص کا حاکم مقرر کیا۔ انہوں نے اپنے فرائضِ منصبی ایسی خوش اسلوبی سے ادا کیے کہ اہلِ حمص نے ان کو ہمیشہ یاد رکھا۔ ان کا ذکر آجاتا تو وہ ان کی تعریف میں رطب اللسان ہو جاتے۔ حضرت عبدالرحمنؓ کے بعد عباس بن ولید حمص کے حاکم مقرر ہوئے تو انہوں نے وہاں کے باشندوں کو حضرت عبدالرحمنؓ کا بہت مداح پایا۔ ایک دن انہوں نے حمص کے عمائد کو بلا کر ان سے پوچھا کہ آپ لوگ عبدالرحمن بن خالدؓ کو حسنِ قدر یاد کرتے ہیں حمص کے کسی دوسرے حاکم کو نہیں یاد کرتے اس کا کیا سبب ہے؟

عمائدِ دمشق نے جو جواب دیا، وہ دورِ حاضر کے حکمرانوں کے لیے چشم کشا ہے۔ ان کا جواب یہ تھا کہ عبدالرحمن کو ہم اس لیے یاد کرتے ہیں کہ "وہ ہمارے عمائد کی عزت کرتے تھے اور ان کو اپنے قریب جگہ دیتے تھے۔ وہ ہم لوگوں کی خطائیں معاف کرتے تھے۔ ایسے منکسر المزاج تھے کہ ہمارے مکانوں میں آکر بیٹھا کرتے تھے۔ ہمارے بازاروں میں جاتے تھے اور مظلوموں کی داد رسی کرتے تھے مریضوں کی عیادت کرتے تھے اور جنازوں میں شریک ہوا کرتے تھے۔"

عمائدِ حمص کے اس جواب سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ حضرت عبدالرحمنؓ بڑے اعلیٰ اخلاق و کردار کے مالک تھے۔ شجاعت و شہامت میں اگر اپنے والد کا نمونہ تھے تو حکومت اور جہانبانی میں سیدنا حضرت عمر فاروقؓ کے اندازِ حکومت و جہانبانی کے پیرو تھے۔ ابنِ اثیرؒ کہتے ہیں کہ وہ صاحبِ فضل و کرم اور نیک سیرت تھے۔

(۴)

حضرت امیر معاویہؓ، حضرت عبد الرحمٰن بن خالدؓ کی عسکری صلاحیتوں کے بڑے مداح اور قدردان تھے۔ چنانچہ انہوں نے رومیوں کے خلاف کئی مہموں میں حضرت عبد الرحمٰن بن خالدؓ کو امیر بنایا۔ شاہ معین الدین احمد ندویؒ نے تاریخ اسلام (حصہ دوم) میں لکھا ہے کہ:

"مسلمانوں کی سب سے بڑی حریف قسطنطنیہ کی رومی حکومت تھی۔ ان کا زیادہ مقابلہ اسی سے رہتا تھا۔ مصر و شام کے علاقے اس کی بحری زد میں تھے۔ اس کی روک تھام کے لیے امیر معاویہؓ نے بحری بیڑا قائم کیا تھا۔ اپنے زمانہ میں رومیوں سے بچاؤ کے لیے انہوں نے بڑے انتظامات کیے۔ بحری بیڑے کے ساتھ ایک مستقل فوج قائم کی جو صرف رومیوں سے برسرپیکار رہتی تھی۔ کوئی سال بحری جنگ سے خالی نہ جاتا۔ عبد اللہؓ بن قیس حارثی، جنادہؓ بن ابی امیہ، عبد الرحمٰنؓ بن خالدؓ بن ولید، بسر بن ابی ارطاۃ، مالک بن ہبیرہ، فضالہؓ بن عبید اور یزیدؓ بن شجرہ وغیرہ مختلف سنوں میں بحری معرکوں میں مشغول رہے۔"

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے "الاصابہ فی تمییز الصحابہ" میں حضرت عبد الرحمٰن بن خالدؓ کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ:

"حافظ ابن عساکرؒ نے بہت سی سندوں سے نقل کیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد حکومت میں ان کو رومیوں کے خلاف جو جنگیں پیش آتی تھیں ان میں اُن (عبد الرحمٰن بن خالدؓ) کو امیر بنایا جاتا تھا۔"

ابن جریر طبری نے اپنی تاریخ میں ۴۴ھ اور ۴۵ھ کے واقعات کے ضمن میں اور حافظ ابن کثیرؒ نے "البدایہ والنہایہ" میں ۴۴ھ اور ۴۶ھ کے واقعات

کے تحت بلادِ روم میں حضرت عبدالرّحمٰن بن خالدؓ کی زیرِ امارت رومیوں سے مسلمانوں کے سرمائی جہاد کا ذکر کیا ہے۔ ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ۵۲ھ یا ۵۵ھ میں قسطنطنیہ کو بھیجے جانے والی وہ مہم جس کا امیر یزید بن معاویہؓ تھا اس سے پہلے بھی کچھ مہمیں قسطنطنیہ بھیجی جا چکی تھیں جن میں سے ایک کے امیر حضرت عبدالرّحمٰن بن خالدؓ تھے۔

عام طور پر بیان کیا جاتا ہے کہ میزبانِ رسول حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ اس مہم میں شامل تھے جو یزید کی قیادت میں قسطنطنیہ بھیجی گئی تھی لیکن "سنن ابی داؤد" کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوایوب انصاریؓ اس مہم میں بھی شریک تھے جو حضرت عبدالرّحمٰنؓ بن خالدؓ کی سرکردگی میں بھیجی گئی تھی۔ البتہ ان دونوں مہموں کے واقعات ایک دوسرے میں گڈمڈ ہوگئے ہیں۔

سننِ ابی داؤد کی روایت یہ ہے:

"اسلم ابی عمران سے روایت ہے کہ ہم مدینے سے جہاد کے لیے قسطنطنیہ کی طرف روانہ ہوئے۔ اس وقت امیرِ لشکر عبدالرّحمٰن بن خالد بن ولید تھے (عین معرکۂ کارزار میں جبکہ) رومی فوج فصیلِ شہر سے پشت لگا کر مسلمانوں سے لڑ رہی تھی (اسلامی لشکر سے نکل کر) ایک شخص دشمن (کی فوج) پر لوٹ پڑا۔ لوگ کہتے رہے، رکو رکو لا الٰہ الا اللہ یہ شخص تو خود اپنے ہاتھوں سے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال رہا ہے۔ یہ سن کر (حضرت) ابوایوبؓ (انصاری) نے کہا کہ یہ آیت تو ہم انصار کے بارے میں اتری ہے (واقعہ یہ ہے) کہ جب اللہ نے اپنے نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی نصرت فرمائی اور اسلام کو غلبہ عطا فرمایا تو ہم نے کہا تھا کہ اب تو ہم کو مدینہ میں رہ کر اپنے اموال کی نگہداشت اور ان کی اصلاح کی طرف توجّہ دینی چاہیے، اس پر اللہ بزرگ و برتر نے یہ آیت نازل فرمائی وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللہِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ (یعنی

اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو) لہٰذا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا یہ تھا کہ ہم جہاد کو چھوڑ کر اپنے اموال کی نگہداشت اور اس کی اصلاح کے لیے اپنے گھر میں بیٹھ رہتے۔

ابو عمران کہتے ہیں کہ (حضرت) ابو ایوب (انصاری) رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلسل اللہ کے راستے میں جہاد ہی کرتے رہے یہاں تک کہ آپ دفن بھی قسطنطنیہ ہی میں ہوئے۔"

(سُنَنِ ابی داؤد باب فی قولہ عزّ وجل وَلَا تُلْقُوا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ)

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو ایوب انصاریؓ جیسے جلیل القدر صحابی حضرت عبدالرحمٰن بن خالدؓ کی قیادت میں شریکِ جہاد ہو چکے تھے حالانکہ وہ صغائرِ صحابہ میں سے تھے۔

سُنَنِ ابی داؤد ہی میں اسی غزوے کا ایک اور واقعہ ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:—

"ابنِ تعلی سے روایت ہے کہ ہم حضرت عبدالرحمٰن بن خالد (بن ولید) رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ جہاد میں شریک تھے۔ (اسی مہم میں) اُن (حضرت عبدالرحمٰن) کے سامنے چار ہٹے کٹے آدمی پیش کیے گئے انہوں نے حکم دیا کہ ان کو قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ تعمیلِ حکم میں ان کو باندھ کر قتل کر دیا گیا۔

امام ابو داؤدؒ فرماتے ہیں کہ ہم سے ہمارے استاذ سعید بن منصور کے علاوہ ایک دوسرے صاحب نے ابنِ وہب سے اس حدیث میں یوں نقل کیا ہے کہ ان چاروں کو باندھ کر تیروں کا نشانہ بنایا گیا تھا جب اس واقعہ کی خبر (حضرت) ابو ایوب الانصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہوئی تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے سُنا ہے کہ آپؐ اس طرح باندھ کر کسی کو قتل کرنے سے منع فرماتے

تھے۔ پس قسم ہے اس ذات عالی کی کہ جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اگر کوئی مرغی بھی ہو تو میں اس کا اس طرح باندھ کر نشانہ نہ لوں۔ پس حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس ارشاد کی اطلاع جب عبدالرحمٰن بن خالد (بن الولید) رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو پہنچی تو انہوں نے اس کے کفارے میں چار غلام آزاد کیے۔"

(سُنن ابی داؤد باب فی قتل الاسیر بالنبل)

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبدالرحمٰنؓ میں ضد اور اَنا نام کو بھی نہ تھی اور وہ نصیحت قبول کرنے اور اپنی اصلاح کرنے میں مطلق پس و پیش نہیں کرتے تھے۔

۴۶ھ ہجری میں ایک نصرانی طبیب ابن اثال نے کسی رنجش کی بنا پر حضرت عبدالرحمٰنؓ کو دوا کے دھوکے سے زہر دے دیا اور وہ اسی کے اثر سے فوت ہو گئے۔ یہ سانحہ دمشق میں پیش آیا[1] حضرت عبدالرحمٰنؓ کے کوئی اولاد نہ تھی۔

کعب بن جعیل نے حضرت عبدالرحمٰنؓ کی وفات پر یہ مرثیہ کہا:

---

[1] ایک روایت میں ہے کہ ابن اثال نے امیر معاویہؓ کے اشارے پر حضرت عبدالرحمٰنؓ کو زہر دیا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ امیر معاویہؓ نے اہلِ شام سے اپنے جانشین کے بارے میں مشورہ کیا تو انہوں نے حضرت عبدالرحمٰن بن خالدؓ کا نام لیا۔ یہ بات حضرت معاویہؓ کو ناگوار گزری اور انہوں نے حضرت عبدالرحمٰنؓ کو مروا ڈالا۔ (اُسدُ الغابہ)

لیکن درایت کی رو سے یہ روایت بالکل بے بنیاد اور غلط ہے۔ بظاہر اسے امیر معاویہؓ کے دشمنوں نے گھڑا ہے۔ امیر معاویہؓ نے اپنے جانشین کے بارے میں اپنی خلافت کے آخری زمانے میں لوگوں سے مشورہ کیا تھا جب کہ حضرت عبدالرحمٰن بن خالدؓ ۴۶ھ ہجری میں فوت ہو چکے تھے اور امیر معاویہؓ ۶۰ھ ہجری میں فوت ہوئے اس لیے ان کی جانشینی کے لیے حضرت عبدالرحمٰنؓ کا نام تجویز کیے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اَلاَ تَبْکِیْ وَمَا ظَلَمَتْ قُرَیْشٌ	بِاَعْوَالِ الْبُکَاءِ عَلٰی فَتَاہَا
لَوْ سُئِلَتْ دِمَشْقُ لَاَخْبَرَتْکُمْ	وَبُصْرٰی مَنْ اَبَاحَ لَکُمْ حِمَاہَا
وَسَیْفُ اللّٰہِ اَوْرَدَہَا الْمَنَایَا	وَہَدَّمَ حِصْنَہَا وَحَمٰی حِمَاہَا

(ترجمہ)

(اے مخاطب) تو نہیں روتا، قریش تو اپنے نوجوان کی موت پہ رونے میں کوتاہی نہیں کرتے ـــ اگر شہر دمشق سے پوچھا جائے تو وہ تم سے بیان کرے گا اور شہر بصری بھی کہ کس نے وہاں کی چراگاہیں تمہارے واسطے عام کر دیں۔

اور کس نے اللہ کی تلوار کو موت کے گھاٹ اتارا اور کس نے دمشق و بصری کے قلعے (جو کافروں نے بنائے تھے) منہدم کیے اور وہاں کی چراگاہیں محفوظ تھیں۔

حضرت عبدالرحمٰنؓ کی ایک مرسل حدیث کتب حدیث میں ملتی ہے وہ حدیث یہ ہے:

(ایک مرتبہ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے اپنے سر اور شانوں میں پچھنے لگوائے۔ لوگوں نے پوچھا کہ آپ نے پچھنے کیوں لگوائے تو انہوں نے جواب دیا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص پچھنے لگوا کر اپنا خون نکلوا دے وہ شخص اگر دوا نہ کرے گا تو اس کو کچھ ضرر نہ ہوگا۔ (اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ)

رضی اللہ تعالیٰ عنہ



حضرت عبدالرحمٰنؓ بن سہل انصاری

(۱)

قبیلہ اوس کے خاندان بنی حارثہ کے چشم و چراغ تھے اس لیے ان کو حارثی بھی کہا جاتا ہے۔ نسب نامہ یہ ہے:

عبدالرحمٰنؓ بن سہل بن زید بن کعب بن عامر بن عدی بن مجدعہ بن حارثہ بن حارث بن خزرج بن عمرو بن مالک بن اوس۔

والدہ کا نام لیلیٰ بنت نافع بن عامر تھا۔

حافظ ابن عبدالبرؒ کے بیان کے مطابق وہ غزوۂ بدر میں شریک تھے مگر حافظ ابو نعیمؒ نے لکھا ہے کہ وہ سب سے پہلے غزوۂ اُحد میں شریک ہوئے اور اس کے بعد عہدِ رسالت کے دوسرے تمام غزوات میں بھی سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا۔

(۲)

غزوۂ خیبر (محرم ۷ھ ہجری) کے بعد کا ذکر ہے کہ حضرت عبدالرحمٰنؓ کے بھائی حضرت عبداللہؓ بن سہل اپنے چچا حضرت مُحیصہؓ بن مسعود کے ساتھ خیبر گئے ——— ایک روایت کے مطابق وہاں جانے سے ان کا مقصد کھجوروں کی بٹائی کرنا تھا۔ اس وقت مسلمانوں کی یہود سے صلح تھی۔ قیامِ خیبر کے دوران میں ایک دن حضرت عبداللہؓ اپنے چچا سے جدا ہو گئے۔ وہ ایک گلی سے گزر رہے تھے کہ کسی نے انہیں شہید کر ڈالا۔ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ کسی نے ان کی گردن توڑ کر پانی کے ایک چشمے میں ڈال دیا۔ حضرت مُحیصہؓ کو ان کی لاش ملی تو انہوں نے خیبر ہی میں دفن کر دیا اور مدینہ واپس آ کر اپنے بڑے بھائی حضرت حُویصہؓ

دوسرے بھتیجے حضرت عبدالرحمٰنؓ (برادر حضرت عبداللہ شہیدؓ) کو ساتھ لے کر بارگاہِ رسالت میں استغاثہ دائر کیا جس میں اس شک کا اظہار کیا کہ حضرت عبداللہؓ کو یہودیوں نے قتل کیا ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کا آغاز حضرت عبدالرحمٰنؓ نے کیا حالانکہ وہ عمر میں چھوٹے تھے اور ان کے دونوں عمّین (چچے) بھی ساتھ تھے۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

کَبِّر۔ کَبِّر (یعنی بڑے کو بولنے دو۔ بڑے کو بولنے دو)

چنانچہ حضرت عبدالرحمٰنؓ خاموش ہو گئے اور حضرت حُوَیِّصَہؓ اور حضرت مُحَیِّصَہؓ نے گفتگو شروع کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

"کیا تم قسم کھا سکتے ہو کہ عبداللہؓ یہودیوں کے ہاتھ سے شہید ہوئے؟ اسی طرح قاتل کو پکڑ کر تمہارے حوالے کیا جا سکتا ہے۔"

انہوں نے عرض کیا:۔ "یا رسول اللہ! ہم کس طرح قسم کھائیں نہ ہم وہاں موجود تھے اور نہ ہم نے انہیں قتل ہوتے دیکھا۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (تو دوسری صورت یہ ہے کہ یہودیوں سے اپنی بے گناہی پر حلف لیا جائے مگر) یہودی تو پچاس قسمیں کھا کر بری الذمہ ہو جائیں گے۔

انہوں نے عرض کیا: "یا رسول اللہ! ہم کافروں کی قسموں پر کیسے اعتبار کریں؟"

خیبر میں صرف یہودی آباد تھے اور بظاہر انہی کی کارستانی تھی لیکن کوئی موقع کی شہادت موجود نہیں تھی اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں سے باز پرس نہ فرمائی اور حضرت عبداللہؓ بن سہل شہید کا خون بہا اپنے پاس سے دے دیا۔ (قتل کی دیت سو اونٹ ہوتی ہے)[1] (صحیح بخاری۔ اُسدُ الغابہ)

---

[1] اس واقعہ سے رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ عدل کا کسی قدر اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اس وقت کے یہودِ خیبر سے اس شرط پر صلح تھی کہ وہ مزارعین کے طور پر رہیں گے اور

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(۳)

حضرت عبدالرحمٰنؓ کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی عقیدت اور محبت تھی اور وہ وقتاً فوقتاً بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر فیضانِ نبوی سے بہرہ یاب ہوا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ ہر غزوے میں شریک ہو کر جاں نثاری کا حق ادا کیا کرتے تھے۔ علامہ ابن اثیرؒ نے "اُسدُ الغابہ" میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن سہل کو سانپ نے ڈس لیا۔ اس زمانے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک جاں نثار ساتھی حضرت عمارہؓ بن حزم انصاری جھاڑ پھونک کا منتر جانتے تھے چونکہ اس منتر کے الفاظ میں شرک کا کوئی لفظ نہ تھا اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ضرورت پڑنے پر یہ منتر پڑھنے کی اجازت دے دی تھی۔ آپؐ کو حضرت عبدالرحمٰنؓ کی مارگزیدگی کا علم ہوا تو حضرت عمارہؓ بن حزم سے فرمایا کہ تم عبدالرحمٰنؓ کی جھاڑ پھونک کر دو۔ انہوں نے تعمیلِ ارشاد کی اور حضورؐ نے خود بھی ان کی شفایابی کے لیے دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں صحت دے دی۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت عبدالرحمٰن کو تفقہ فی الدین کی نعمت بھی عطا کی تھی۔ ایک دفعہ سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہدِ خلافت میں ان کے پاس (ایک میت کی) نانی اور دادی آئیں اور ترکے میں اپنے حصے کا دعویٰ کیا۔ خلیفۃ الرسول نے نانی کو ترکے کا چھٹا حصہ دلا دیا۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن سہل بھی وہاں موجود تھے انہوں نے کہا:

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

مسلمانوں کو ٹپائی دیں گے۔ چونکہ انہوں نے صلح کا معاہدہ نہیں توڑا تھا اس لیے آپؐ نے شبہ یا قرائن کی بناء پر ان کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی اور مقتول کی دیت اپنے پاس سے ادا کر دی، اگر آپؐ چاہتے تو عینی شہادت کے نہ ہوتے ہوئے بھی یہودیوں کو سخت سزا دے سکتے تھے کیونکہ وہی خیبر میں آباد تھے اور ان کے سوا کسی باہر کے آدمی کے قاتل ہونے کا کوئی امکان نہ تھا مگر آپؐ کی شانِ عدل نے گوارا نہ کیا کہ قاتل کی نشان دہی نہ ہونے پر تمام یہودِ خیبر کو سزا دی جائے۔

"اے خلیفۂ رسول اللہ! آپ نے نانی کو ترکہ دلا دیا۔ اگر وہ (میّت کے بجائے) مرجاتی تو اس کے مال سے میّت کو کچھ بھی نہ ملتا! اور اگر دادی مرجاتی تو اس کے مال سے میّت کو میراث ملتی۔"

خلیفۃ الرسول نے حضرت عبد الرحمٰنؓ کی بات قبول کرلی اور ترکے کے چھٹے حصے میں نانی اور دادی دونوں کو شریک کر دیا۔

(اُسد الغابہ۔ تاریخ الخلفاء)

(۴)

سیّدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عبد الرحمٰن بن سہل کے بہت مداح اور قدردان تھے۔ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ امیر المؤمنین حضرت عمرؓ نے جلیل القدر صحابی حضرت عُتبہؓ بن غزوان حاکم بصرہ کی وفات کے بعد حضرت عبد الرحمٰنؓ بن سہل کو بصرہ کا حاکم مقرر کیا۔ وہ عرصہ تک اپنے فرائض مفوضہ بطریق احسن انجام دیتے رہے۔

سیّدنا حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے عہدِ خلافت میں حضرت عبد الرحمٰنؓ اگرچہ بوڑھے ہو چکے تھے مگر شوقِ جہاد ان کو ہر وقت بے تاب رکھتا تھا۔ چنانچہ رومیوں کے خلاف جہاد کے لیے شام تشریف لے گئے۔ اس وقت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، شام کے حاکم تھے۔ خیال ہے کہ انھوں نے رومیوں کے خلاف بعض معرکوں میں ضرور دادِ شجاعت دی ہوگی۔ اسی زمانے میں ایک دن ایک تاجر کے کچھ اونٹ حضرت عبد الرحمٰنؓ کے سامنے سے گزرے۔ ان پر بہت سی مشکیں لدی ہوئی تھیں۔ حضرت عبد الرحمٰنؓ کو شک گزرا کہ ان مشکوں میں شراب ہے۔ وہ جوش میں آکر کھڑے ہو گئے اور اپنے نیزے سے ان مشکوں کو چاک کرنا شروع کر دیا۔ اُس تاجر کے غلاموں نے ان کی مزاحمت کی اور حضرت امیر معاویہؓ کے پاس شکایت کی۔

امیر معاویہؓ نے حضرت عبد الرحمٰنؓ کو بُلا بھیجا اور اس بات پر ناراضی

کا اظہار کیا کہ انہوں نے قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش کی پھر انہوں نے غلاموں سے کہا کہ بوڑھے آدمی ہیں بڑھاپے کے سبب اپنی عقل سے کام نہیں لے سکے اس لیے جو کچھ انہوں نے کیا ہے اس سے درگزر کرو۔

(شاید امیر معاویہؓ کو یہ بتایا گیا کہ ان مشکوں میں شراب نہیں تھی اس لیے وہ ناراض ہوئے کہ تحقیق کیے بغیر ان مشکوں کو پھاڑنا نہیں چاہیے تھا۔)

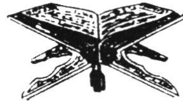
حضرت عبدالرحمٰنؓ نے امیر معاویہؓ کی بات سن کر کہا:—

"خدا کی قسم میں عقل سے محروم نہیں ہوا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں منع فرمایا ہے کہ شراب کو ہم اپنے شکم میں یا پانی کے برتنوں (وغیرہ) میں داخل کریں۔"

(اُسدُ الغابہ)

حضرت عبدالرحمٰنؓ کے سالِ وفات کے بارے میں کتبِ سیر خاموش ہیں۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ



حضرت عبدالرحمٰنؓ بن شبل انصاری

(۱)

قبیلۂ اوس کی شاخ "بنی مالک بن لوذان" سے تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:
عبدالرحمٰنؓ بن شبل بن عمرو بن زید بن نجدہ بن مالک بن لوذان
بن عمرو بن عوف بن عبد عوف بن مالک بن اوس۔
بعض نے اس شجرہ سے عبد عوف کا نام حذف کر دیا ہے۔

زمانۂ جاہلیت میں مالک بن لوذان کی اولاد کو بنو صماء کہا جاتا تھا صماء قبیلہ مزینہ کی ایک عورت تھی جو مالک بن لوذان کی بیوی تھی۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کے لیے بنو صماء کا نام پسند نہ کیا اور اسے بدل کر بنو سمیعہ کر دیا۔

اربابِ سیر نے حضرت عبدالرحمٰنؓ بن شبل کے قبولِ اسلام کا زمانہ صراحت کے ساتھ متعین نہیں کیا مگر بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ انصار کے قدیم الاسلام اصحاب میں سے تھے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہجرتِ نبوی کے قریبی زمانے میں (کچھ پہلے یا کچھ بعد) شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہوئے اور فیضانِ نبوی سے مقدور بھر بہرہ یاب ہوئے۔

(۲)

حضرت عبدالرحمٰن بن شبل کا شمار انصار کے سرداروں (نقیبوں) اور عالموں میں ہوتا تھا مگر تعجب ہے کہ عہدِ رسالت کے کسی غزوے یا خلفائے راشدین کے دور کی (رومیوں اور ایرانیوں کے خلاف) کسی لڑائی کے سلسلے میں ان کا ذکر نہیں آتا۔ قیاس یہ ہے کہ وہ شرکتِ جہاد سے محروم نہیں رہے ہوں گے مگر

کوئی خاص کارنامہ سرانجام نہ دے سکے اس لیے کسی نے ان کا ذکر نہیں کیا۔

ابنِ اثیرؒ اور بعض دوسرے اہلِ سِیَر کا بیان ہے کہ شام فتح ہونے کے بعد حضرت عبدالرّحمٰنؓ بن شبلؓ مدینے سے شام چلے گئے تھے اور وہاں حمص میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔

"مُسنداحمد" میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں خط لکھا کہ آپ نے جو احادیث سُنی ہوں وہ دوسرے لوگوں تک بھی پہنچا دیں۔

ایک اور روایت میں ہے کہ امیر معاویہؓ نے انہیں پیغام بھیجا کہ آپ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے قدیم اور فقیہ صحابہ میں سے ہیں اس لیے ضروری ہے کہ لوگوں کو اپنے مواعظ سے مستفیض کیا کریں۔

امیر معاویہؓ خود بھی ان سے حدیثیں سننے کے بہت مشتاق تھے۔ ایک دفعہ ان سے ملاقات ہوئی تو کہا جب آپ میرے پاس تشریف لائیں تو کوئی حدیث روایت کیا کریں۔

(۳)

حضرت عبدالرّحمٰنؓ بن شبل نے امیر معاویہؓ کے دورِ خلافت میں کسی وقت وفات پائی۔ انہوں نے اپنے پیچھے ایک بیٹی اور تین بیٹے چھوڑے۔ بیٹی کا نام جمیلہ تھا اور بیٹوں کے موسٰی، عزیز اور مسعود۔

حضرت عبدالرّحمٰنؓ کے ایک بھائی عبداللہؓ تھے۔ وہ بھی شرفِ صحابیت سے بہرہ ور تھے[1]۔ ان کے رواۃ میں ابو راشد حرانی، ہیثم بن محمود، ابو سلام اسود اور

---

[1] حضرت عبداللہؓ بن شبل بھی انصار کے سرداروں میں شمار ہوتے تھے۔ علامہ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ ذیقعدہ ۶ھ ہجری میں رسول اللہ صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّم عمرہ کے لیے مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے تو آپؐ کے ہمرکاب صحابہ میں حضرت عبداللہؓ بن شبل بھی شامل تھے اور ان کو حدیبیہ کے اثنائے قیام میں بیعتِ رضوان کا عظیم الشان شرف حاصل ہوا۔ ان

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

یزید بن خمیر شامل ہیں - ان کی مرویات میں سے تین یہ ہیں :

(۱) رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے (سجدہ میں) کوے کی طرح ٹھونگیں مارنے سے، درندوں کی طرح کہنیاں بچھا دینے سے اور (مسجد میں) کسی مقام کو اپنی نماز پڑھنے کے لیے مخصوص کر لینے سے جیسا کہ اونٹ اپنی قیامگاہ کو مخصوص کر لیا کرتا ہے، منع فرمایا ہے۔

(ابوداؤد، نسائی، دارمی)

(۲) رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے گوہ کا گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے۔

(سنن ابی داؤد)

(۳) میں (عبدالرحمٰن بن شبل) نے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا کہ قرآن کو تم لوگ پڑھو اور (اس کے الفاظ کو پڑھتے وقت) لپیٹو نہیں اور اس کو پڑھانے میں بخیلی نہ کرو۔ (اُسُدُ الغابہ)

رضی اللہ تعالیٰ عنہ



(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

زندگی کے مزید حالات نہیں ملتے سوائے اس کے کہ شام کی فتح کے بعد انہوں نے حمص میں سکونت اختیار کر لی تھی (جیسا کہ حضرت عبدالرحمٰن بن شبل نے کیا) اور یہ کہ ان کی وفات امیر معاویہؓ کے دورِ خلافت میں ہوئی - ان سے یہ حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ایک شخص کا نام لے کر دعا کی کہ اے اللہ اس پر لعنت کر اور اس کے دل کو بہت برا دل بنا دے اور اس کے پیٹ کو جہنم کی آگ سے بھر دے۔

(اُسُدُ الغابہ فی معرفۃ الصحابہ)

حضرت عبدالرحمٰن بن مُعاذؓ انصاری

(۱)

جلیل القدر صحابی، امام الفقہاء حضرت مُعاذ بن جَبَل انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اکلوتے فرزند تھے۔ خاندانی تعلّق قبیلہ خزرج کی ایک شاخ اُدَیّ بن سعد (بنو اُدَیّ) سے تھا۔ نسب نامہ یہ ہے:

عبدالرحمٰنؓ بن مُعاذؓ بن جَبَل بن عمرو بن اوس بن عائذ بن عدی بن کعب بن عمرو بن اُدَیّ بن سعد بن علی بن اسد بن ساردۃ بن یزید بن جشم بن خزرج اکبر۔

حضرت عبدالرحمٰنؓ پیدائشی مسلمان تھے کیونکہ ان کے والد حضرت معاذؓ بن جَبَل ہجرتِ نبویؐ سے پہلے ہی سعادت اندوزِ مسلمان ہو چکے تھے اور بیعتِ عقبۂ کبیرہ (۱۳ بعد بعثت) کا شرف حاصل کر چکے تھے حضرت عبدالرحمٰنؓ نے ہوش سنبھالا تو اپنے گھر پر اسلام کو پرتو فگن دیکھا۔ عالمِ ربّانی والد نے ان کی تعلیم و تربیت بڑے اہتمام سے کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت عبدالرحمٰنؓ کم عمری کے باوجود بزرگ صحابہ میں شمار ہوئے۔ حضرت مُعاذؓ کے اندازِ تربیت کا اندازہ اس روایت سے کیا جا سکتا ہے کہ ایک دفعہ حضرت عبدالرحمٰنؓ سے کہا:—

"بیٹا! جب تو کوئی نماز پڑھے تو اس طرح پڑھ جیسے تو دنیا سے رخصت ہو رہا ہے اور اس کے بعد کبھی یہاں نہیں آئے گا، بیٹا! اچھی طرح سمجھ لے کہ مومن دو نیکیوں کے درمیان مرتا ہے ایک وہ جس کو موت سے پہلے کیا ہے دوسری وہ جس کو موخر کیا ہے (یعنی صدقہ جاریہ)۔"

(۲)

عہدِ رسالت کے کسی غزوے میں حضرت عبدالرحمٰنؓ بن مُعاذؓ کا نام نظر نہیں آتا۔ بظاہر اس کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں ان کی عمر پندرہ برس سے کم تھی۔ سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں شام میں رومیوں کے خلاف معرکہ آرائیوں کا آغاز ہوا تو حضرت معاذؓ بن جبل بھی میدانِ جہاد میں پہنچ گئے۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بھی (جن کا عُنفوانِ شباب تھا) اپنے والدِ گرامی کے ساتھ تھے۔ دونوں باپ بیٹے متعدد لڑائیوں میں سربکف ہو کر لڑے۔ ۱۵ھ ہجری میں (بعہدِ خلافت حضرت عمر فاروقؓ) یرموک کی ہولناک لڑائی میں دونوں شریک تھے۔ اس لڑائی میں حضرت مُعاذؓ بن جبل میمنہ کے ایک حصے کے افسر تھے۔ ایک موقع پر رومیوں نے مسلمانوں پر ایسا تند و تیز حملہ کیا کہ اسلامی لشکر کا میمنہ اپنی فوج سے لوٹ کر الگ ہو گیا۔ حضرت معاذؓ نے یہ حالت دیکھی تو وہ گھوڑے سے کود پڑے اور کہا، میں پیدل لڑوں گا اگر کوئی بہادر اس گھوڑے کا حق ادا کر سکے تو گھوڑا حاضر ہے۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے والدِ گرامی کی بات سنی تو آگے بڑھ کر کہا، یہ حق میں ادا کروں گا کیونکہ میں سوار ہو کر اچھا لڑ سکتا ہوں۔ غرض دونوں باپ بیٹے رومیوں کی صفوں میں گھس گئے اور اس بہادری سے لڑے کہ مسلمانوں کے اکھڑے ہوئے قدم پھر جم گئے۔

(۳)

یرموک کے بعد شام میں کئی اور معرکے پیش آئے حضرت مُعاذؓ اور حضرت عبدالرحمٰنؓ ان سب میں شریک رہے یہاں تک کہ سارا شام فتح ہو گیا۔ اسی زمانے (۱۸ھ ہجری) میں شام میں طاعون (پلیگ) کی خوفناک وبا پھوٹ پڑی جو تاریخ میں "طاعونِ عمواس" کے نام سے مشہور ہے۔ ہزاروں مجاہدین اس وبا میں مبتلا ہو کر فوت ہو گئے، ان میں سپہ سالارِ شام حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح

بھی شامل تھے۔ انہوں نے اپنی وفات سے پہلے حضرت معاذؓ بن جبل کو اپنا جانشین بنایا۔ وہ حضرت ابو عبیدہؓ کی تدفین سے فارغ ہوئے تو حضرت عمروؓ بن العاص نے انہیں مشورہ دیا کہ یہاں سے کسی دوسری جگہ منتقل ہو جانا چاہیے۔ حضرت معاذؓ کے نزدیک ایسا کرنا تقدیر الٰہی سے بھاگنے کے مترادف تھا اس لیے انہوں نے حضرت عمروؓ بن العاص سے اتفاق نہ کیا اور منبر پر چڑھ کر خطبہ دیا جس میں فرمایا:

"لوگو! میں نے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے سُنا ہے کہ مسلمان شام کو فتح کر لیں گے۔ پھر ایک بیماری پیدا ہو گی جو پھوڑے کی طرح جسم کو زخمی کرے گی جو اس میں مرے گا وہ شہید ہو گا اور اس کا نامۂ اعمال پاک ہو جائے گا۔ خداوندا، اگر میں نے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا یہ ارشاد سُنا ہے تو یہ رحمت میرے گھر میں بھیج اور مجھ کو اس میں کافی حصہ دے۔"

خطبہ کے بعد خیمے میں آئے تو محبوب فرزند عبد الرحمٰن کو بیمار پایا۔ بڑے ضبط اور حوصلے سے کام لے کر ان کو نصیحت کی: —— "اے بیٹے یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ دیکھنا اس میں کوئی شُبہ تمہارے دل میں پیدا نہ ہو۔"

بیٹے نے جواب دیا: "ابا جان! اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صابروں میں پائیں گے۔"[1] یہ کہہ کر پیک اجل کو لبیک کہا۔ اس کے جلد ہی بعد حضرت معاذؓ بن جبل بھی اسی بیماری میں مبتلا ہو کر خالق حقیقی کے پاس پہنچ گئے۔

حضرت عبد الرحمٰنؓ کی وفات سے حضرت معاذؓ بن جبل کے خاندان "بنو ادیّ" کا خاتمہ ہو گیا۔ بعض اہل سیر نے لکھا ہے کہ حضرت معاذؓ بن جبل کا کوئی لڑکا نہیں تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت مُعاذؓ نے اپنے پیچھے کوئی لڑکا نہیں چھوڑا کیونکہ ان کے اکلوتے بیٹے عبد الرحمٰنؓ ان سے پہلے ہی فوت ہو گئے تھے۔ اگر کسی کی مراد یہ ہے کہ حضرت مُعاذؓ کی سرے سے اولاد ہی نہیں ہوئی تو یہ صحیح نہیں کیونکہ مستند روایتوں میں حضرت عبد الرحمٰنؓ کا ذکر صراحت کے ساتھ آیا ہے۔

---

[1] ایک روایت میں اس کے اُلٹ آیا ہے یعنی حضرت عبد الرحمٰن نے بیماری کی حالت میں حضرت معاذؓ سے کہا "یہ مرض جو حق ہے اللہ کی طرف سے ہے اس میں شک نہ کیجئے گا۔" حضرت معاذؓ نے جواب دیا، "انشاء اللہ تو مجھے صابرین میں پائے گا۔" (مُسندِ احمد جلد ۵ ص ۲۴۰/۲۴۱)

حضرت عبداللہؓ بن ابی ربیعہ مخزومی

(۱)

ان کا تعلق قریش کی معزز شاخ بنی مخزوم سے تھا۔ وہ جلیل القدر صحابی حضرت عیاشؓ بن ابی ربیعہ کے حقیقی اور مشہور دشمنِ اسلام ابوجہل کے سوتیلے (اخیافی یعنی ماں جائے نیز چچازاد) بھائی تھے۔ سلسلۂ نسب یہ ہے :

عبداللہؓ بن ابی ربیعہ بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم

بقول ابن اثیرؒ حضرت عبداللہؓ کی کنیت ابوعبدالرحمٰن تھی۔ (ان کے بھائی حضرت عیاشؓ کی کنیت بھی ابوعبدالرحمٰن بیان کی جاتی ہے البتہ بعض نے ابوعبداللہ بھی بیان کی ہے)۔

حضرت عبداللہؓ کے والد ابی ربیعہ کا اصل نام عمرو تھا اور اس کا لقب ذوالرمحین تھا۔ وہ ابوجہل کے باپ ہشام کا بھائی تھا۔ ہشام نے ابوجہل اور حارثؓ کی والدہ کو طلاق دی تو ابی ربیعہ نے اس سے نکاح کر لیا۔ اس سے حضرت عیاشؓ اور حضرت عبداللہؓ پیدا ہوئے۔ والدہ کا نام اسماء بنت مخرمہ تھا۔ بعض نے لکھا ہے کہ وہ بھی بنو مخزوم سے تھیں اور بعض کہتے ہیں کہ بنی دارم سے تھیں۔ جو لوگ ان کے دارمیہ ہونے کے قائل ہیں انہوں نے ان کا سلسلۂ نسب اس طرح بیان کیا ہے :- اسماء بنتِ مخرمہ بن جندل بن ابیر بن نہشل بن دارم

اسماء عرصہ تک اسلام کی مخالفت کرتی رہیں۔ بعض روایات کے مطابق بالآخر اللہ تعالیٰ نے انہیں قبولِ ایمان کی توفیق دی۔

(۲)

حضرت عبداللہؓ کا شمار قریش کے عمائد میں ہوتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ

بڑے خونریز تھے۔ ۶ ؁ بعد بعثت میں مسلمانوں کے ایک بڑے قافلے نے حبش کی طرف ہجرت کی اور وہاں تمام مہاجرین امن و عافیت کی زندگی بسر کرنے لگے تو مشرکین قریش سخت پیچ و تاب کھانے لگے اور انھوں نے فیصلہ کیا کہ نجاشی (شاہ حبشہ) کے پاس ایک سفارت بھیجی جائے جو اس سے درخواست کرے کہ مسلمانوں کو اپنے وطن سے نکال دے۔ سفارت کا کام حضرت عمرؓو بن العاص اور حضرت عبداللہؓ بن ابی ربیعہ کے سپرد کیا گیا۔ یہ دونوں اس وقت معاندین اسلام کے زمرے میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔

حافظ ابن کثیرؒ کا بیان ہے کہ اس دو رکنی وفد کو حبشہ کے بادشاہ اور عمائد سلطنت کے لیے بہت سے قیمتی تحفے مہیا کیے گئے۔ ان میں خاص بادشاہ کے لیے یہ تحفے تھے دیباج کا ایک جُبّہ۔ ایک عربی گھوڑا اور مکّہ کا نفیس ترین چمڑا۔

وفد نے حبش پہنچ کر یہ تحائف نجاشی اور عمائد سلطنت کی خدمت میں پیش کیے تو وہ بہت خوش ہوئے۔ اس کے بعد وفد نے اپنی آمد کا مقصد بیان کیا تو اعیان سلطنت نے اس کی تائید کی مگر بادشاہ بہت انصاف پسند تھا۔ اس نے مہاجرین کا موقف سُنے بغیر کوئی قدم اٹھانے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ اس نے مہاجرین کو دربار میں طلب کیا اور ان سے پوچھا کہ یہ تم لوگوں نے کونسا نیا دین ایجاد کیا ہے؟ حضرت جعفرؓ بن ابی طالب نے مہاجرین کی ترجمانی کرتے ہوئے دربار میں ایک مؤثر تقریر کی جس نے بادشاہ کو ہلا کر رکھ دیا۔ اس تقریر کا خلاصہ یہ ہے:

"اے بادشاہ! ہم اہل عرب دنیا کی جاہل ترین قوم تھے۔ مُردار کھاتے تھے۔ بُتوں کو پوجتے تھے۔ ہر قسم کی بدکاریوں میں مبتلا تھے۔ قطع رحمی، پڑوسیوں کی حق تلفی، خونریزی، حرام کاری اور ظلم و تعدّی ہمارا شیوہ تھا۔ زبردست کمزور کو کھا جاتا تھا۔ ملک میں کوئی قاعدہ اور قانون نہ تھا۔ ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے ہم میں سے ایک ایسی برگزیدہ ہستی کو رسول بنا کر مبعوث کیا جس کے حسب و نسب، تقویٰ و طہارت، فضل و شرف، صدق و امانت اور دیانت و عفاف کے دوست دشمن سبھی معترف

ہیں۔ اس رسولؐ نے ہم کو توحید کا سبق دیا۔ بتوں کی پرستش سے منع فرمایا اور ہمیں حکم دیا کہ ہمیشہ سچ بولیں، وعدہ پورا کریں، حلال روزی کھائیں، امانت ادا کریں، ہر طرح کے گناہوں سے بچیں۔ دختر کُشی، ڈاکہ زنی، چوری، غیبت، عیب جوئی اور فواحش سے احتراز کریں۔ یتیم کا مال نہ کھائیں، باعصمت خواتین پر تہمت نہ لگائیں۔ ہم لوگ اس مقدس ہستی پر ایمان لائے، کفر و شرک کو چھوڑ دیا، بداعمالیوں سے دستکش ہو گئے خدائے واحد کی عبادت کو اپنا شعار بنایا، حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھا ــــ اے بادشاہ! اسی بناء پر ہماری قوم ہماری دشمن ہو گئی ہم پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے اور پھر بُت پرستی اختیار کرنے کی ترغیب دی مگر ہمارے ضمیر نے پھر گمراہی کی دلدل میں گرنا گوارا نہ کیا جب ان لوگوں نے ہم پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا تو ہم امن و عافیت کی تلاش میں آپ کے ملک میں چلے آئے۔"

اس کے بعد بادشاہ کی خواہش پر حضرت جعفرؓ نے قرآن حکیم کی کچھ آیات کی تلاوت کی۔ انہیں سُن کر بادشاہ پر رِقّت طاری ہو گئی اور اس نے حکم دیا کہ مکّی سفیروں کے تحائف واپس دے دیئے جائیں اور ان سے کہہ دیا جائے کہ میں مظلوم مسلمانوں کو ہرگز ان کے حوالے نہ کروں گا۔

دوسرے دن وفد نے ایک بار پھر بادشاہ کو مسلمانوں سے برگشتہ کرنے کی کوشش کی مگر اب بھی اس کو ناکامی ہوئی اور وہ ناکام و نامراد مکّہ واپس آیا۔

(۳)

مشہور روایات کے مطابق حضرت عبداللہؓ بن ربیعہ نے فتح مکّہ (رمضان ۸ھ ہجری) کے موقع پر اسلام قبول کیا اگرچہ ایک روایت یہ بھی ہے کہ وہ فتح مکّہ سے کچھ پہلے شرف ایمان سے بہرہ ور ہو گئے تھے۔ علّامہ ابن اثیرؒ نے "اُسُدُ الغابہ" میں لکھا ہے کہ:

"بعض لوگوں نے کہا ہے کہ انہوں (عبداللہؓ بن ابی ربیعہ) نے حارثؓ بن ہشام

کے ساتھ اُمِ ہانیؓ کے گھر میں فتح مکّہ کے دن پناہ لی تھی۔ حضرت علیؓ نے دونوں کے مارنے کا ارادہ کیا۔ اُمِ ہانیؓ نے حضرت علیؓ کو روک دیا اور رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہو کر آپؐ کو اس واقعہ کی خبر دی۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ جس کو تم نے پناہ دی اس کو میں نے بھی پناہ دی۔"

زمانۂ جاہلیت میں حضرت عبداللہؓ کا نام بجیرا تھا۔ مشرکینِ قریش ان کی مجلس میں بیٹھنا اپنے لیے باعثِ فخر سمجھتے تھے۔ انہی کی نسبت ابنِ زبعریؓ نے یہ شعر کہا ہے:

بُجَیْرُ ابْنُ ذِی الرُّمْحَیْنِ اَجْلَسَ مَجْلِسِی   وَرَاحَ عَلَیْنَا فَضْلُہٗ غَیْرَ عَاتِمِ

(بجیر ابن ذی الرمحین نے مجھے اپنے پاس بٹھایا اور ہم پر اس کی عنایت و شفقت بیدرنگ ہوئی)

انہوں نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا تو حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ان کا نام عبداللہؓ رکھا اور انہوں نے اسی نام سے شہرت پائی۔

ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت عبداللہ بن ابی ربیعہ کو یمن اور اس کے گرد ونواح کی فوج کا افسر مقرر فرمایا۔ حضرت عمر فاروقؓ کی شہادت تک وہ برابر اسی کام پر مامور رہے بلکہ حضرت عمرؓ نے انہیں صنعاء کا والی بھی مقرر کر دیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہٗ کے خلاف شورش برپا ہوئی اور باغیوں نے کاشانۂ خلافت کا محاصرہ کر لیا تو حضرت عبداللہؓ امیر المؤمنین کی مدد کے لیے یمن سے روانہ ہوئے۔ مکّہ معظمہ کے قریب پہنچے تو سواری سے گر پڑے اور اسی صدمہ سے فوت ہو گئے۔ یہ ۳۵ھ کا واقعہ ہے۔

حضرت عبداللہؓ بن ابی ربیعہ سے یہ حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے مجھ سے چالیس ہزار درہم قرض لیے۔ (جب) آپؐ کے پاس مال آیا تو آپؐ نے مجھ کو دیا (یعنی قرض واپس کر دیا) اور فرمایا، اللہ تمہارے مال اور گھر والوں میں برکت دے۔ قرض کا بدلہ یہی ہے کہ ادا کیا جائے اور اس کے لیے اظہارِ تشکر کیا جائے۔

(سنن نسائی)

رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ

---

(۹)

حضرت عبداللہؓ بن بدر جُہَنی

(۱)

مشہور قبیلہ بنو جُہَینہ سے تعلّق رکھتے تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:

عبداللہؓ بن بدر بن بعجہ بن زید بن معادیہ بن خشان (یا حسان) بن سعد (یا اسعد) بن ودیعہ بن عدی بن غنم بن ربعۃ بن رشدان بن قیس بن جہینہ جہنی۔

بعض نے اس نسب نامہ میں ودیعہ کے بعد میذول کا اضافہ کیا ہے۔ ان کی کنیت ابوبعجہ تھی۔ زمانۂ جاہلیّت میں ان کا نام عبدالعُزّیٰ تھا۔ جب مُشرّف بہ اسلام ہوئے تو رسولِ اکرم صَلَّی اللہ علیہ وسَلَّم نے اسے بدل کر عبداللہ نام رکھ دیا۔

حافظ ابنِ حجر عسقلانیؒ نے "الاصابہ" میں لکھا ہے کہ ہجرتِ نبوی کے بعد وہ اور ان کے اخیافی بھائی ابو مرد عہؓ قبولِ اسلام کے لیے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے تو آنحضور صَلَّی اللہ علیہ وسَلَّم نے ان سے پوچھا، تمہارا نام کیا ہے؟

انہوں نے عرض کیا: "عبدالعُزّیٰ" (یعنی عزّیٰ بُت کا بندہ)

آپؐ نے فرمایا: "نہیں، تم عبداللہ (اللہ کے بندے) ہو!"

پھر پوچھا: "کس خاندان سے ہو؟"

عرض کیا: "بنی غیان سے" (یعنی گمراہ کی اولاد)

حضورؐ نے فرمایا، "نہیں تم بنی رشدان سے ہو" (یعنی ہدایت یافتہ کی اولاد ہو)

اس کے بعد آپؐ نے پوچھا۔ "سکونت کہاں ہے؟"

انہوں نے کہا، "وادیٔ غویا" میں۔

آپؐ نے فرمایا، "نہیں یہ وادیٔ راشد ہے۔"

اس طرح رحمتِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ان کی تمام جاہلی نسبتوں کو مبارک نسبتوں سے بدل دیا۔

علامہ ابن سعدؒ کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ فتح مکہ سے (کچھ عرصہ) پہلے ایمان لائے، مگر حافظ ابن حجرؒ نے صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ وہ ہجرتِ نبویؐ کے ابتدائی سالوں میں مُشرّف بہ اسلام ہوئے اور یہی صحیح ہے۔

(۲)

قبولِ اسلام کے بعد حضرت عبداللہؓ بن بدر سب سے پہلے غزوۂ اُحُد میں شریک ہوئے۔ جمادی الاولیٰ (بروایتِ دیگر شوال) ۶ھ ہجری میں وہ مہم کرزؓ بن جابر فہری میں شریک ہوئے اس کو سریّہ عُرَیْنہ بھی کہا جاتا ہے۔ ہوا یہ کہ قبیلہ عُرَیْنہ[1] کے آٹھ افراد بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور قبولِ اسلام کے بعد مدینہ ہی میں رہنے لگے۔ ان کو مدینہ منوّرہ کی آب و ہوا راس نہ آئی اور ان کے پیٹ پھول گئے۔ اس پر حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ان کو مدینہ سے چھ میل دور ایک چراگاہ میں بھیج دیا جہاں آپؐ کی اونٹنیاں چرا کرتی تھیں۔ ان کے نگران آپؐ کے آزاد کردہ غلام حضرت یسار نوبیؓ تھے۔ یہ لوگ جب اونٹنیوں کا دودھ پی پی کر تندرست ہو گئے تو انہوں نے غدّاری پر کمر باندھی اور حضورؐ کی پندرہ اونٹنیاں ہانک کر لے چلے۔ حضرت یسارؓ نے مزاحمت کی تو ان کی آنکھیں پھوڑ ڈالیں اور پھر ہاتھ پاؤں کاٹ کر انہیں شہید کر ڈالا۔ حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو اس المناک واقعہ کی خبر ملی تو آپؐ نے حضرت کرزؓ بن جابر فہری کو بیس سوار دے کر ان بدبختوں کے تعاقب میں روانہ فرمایا۔ ان سواروں میں حضرت عبداللہ بن بدر بھی شامل تھے۔ مجاہدین نے برق رفتاری سے چل کر لٹیروں کو جالیا اور ان کو گرفتار کر کے مدینہ لے آئے۔ حکمِ الٰہی کے مطابق ان لوگوں کو عبرتناک سزا دی گئی۔ ان کی آنکھوں میں سلائی پھیری گئی اور

---

[1] بعض اربابِ سِیَر نے اس قبیلہ کا نام عُرَنِیّہ لکھا ہے اور اس کو بنی بجیلہ کی ایک شاخ بتایا ہے بعض کہتے ہیں کہ صحیح نام عُرَیْنہ ہے اور یہ نجد کے ایک قبیلے عامر بن صعصعہ کی ایک شاخ تھا۔

ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر سُولی پر چڑھایا گیا۔

رمضان المبارک ۸ھ ہجری میں حضرت عبداللہؓ بن بدر نے فتح مکہ کے موقع پر سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا۔ لشکرِ اسلام میں بنوجہینہ کے چار علمبردار تھے۔ ان میں سے ایک عبداللہؓ بن بَدر تھے۔

قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہؓ بن بَدر عہدِ رسالت کے بعض اور غزوات میں بھی شریک ہوئے ہوں گے مگر اربابِ سیر نے ان کی تصریح نہیں کی۔

(۳)

حضرت عبداللہؓ بن بدر نے مدینہ مُنوّرہ میں اپنا گھر بنا لیا تھا اور ایک مسجد بھی تعمیر کرائی تھی۔ حافظ ابنِ حجرؒ کہتے ہیں کہ مسجدِ نبوی کے بعد مدینہ مُنوّرہ میں تعمیر ہونے والی یہ دوسری مسجد تھی۔ اسی لیے حضرت عبداللہؓ بن بدر کا شمار مَدنی صحابہ میں کیا جاتا ہے۔ ان کا ایک گھر اپنے وطن میں بھی تھا جہاں کبھی کبھار چلے جاتے تھے۔ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں قبیلہ جُہَینہ شمالی حجاز میں بواط کے مغرب میں آباد تھا۔ قیاس یہ ہے کہ حضرت عبداللہؓ بن بدر کا گھر بھی وہیں ہوگا۔

بقولِ ابن سعدؒ، حضرت عبداللہؓ بن بدر نے امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں وفات پائی۔

رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ

حضرت عبداللہ رضؓ بن ثعلبہ قضاعی

(۱)

بنو قضاعہ کی شاخ بنی عذرہ سے تھے اور مکّہ میں قریش کے خاندان "بنی زہرہ" کے حلیف تھے۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:۔ —— عبداللہؓ بن ثعلبہؓ بن صعیر (بروایتِ دیگر ابی صعیر) بن عمرو بن زید بن سنان بن مہتجن بن سلامان بن عدی بن صعیر بن خراز بن کاہل بن عذرہ قضاعی عذری —— ان کے والد حضرت ثعلبہؓ کو بھی شرفِ صحابیت حاصل ہے۔ ان سے یہ حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم (ایک مرتبہ) خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے اور آپؐ نے ہر چھوٹے بڑے آزاد اور غلام کی طرف سے ایک صاع چھوہارے یا ایک صاع جَو صدقۂ فطر ادا کرنے کا حکم دیا۔ (اُسدُ الغابہ)

حضرت عبداللہؓ بن ثعلبہ کی کنیت ابو محمّد تھی۔

(۲)

حضرت عبداللہؓ کا شمار صغائر صحابہ میں ہوتا ہے۔ ایک مشہور روایت کے مطابق ان کی ولادت ہجرت نبوی سے چار سال پہلے ہوئی۔ ان کے والدین انہیں (بغرض برکت) رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمتِ اقدس میں لے گئے۔ آپؐ نے اپنا دستِ مبارک ان پر پھیر دیا اور ان کے لیے دعائے برکت کی۔ —— چونکہ کمسن تھے اس لیے عہدِ رسالت کے کسی غزوے میں شریک نہ ہو سکے۔ انہوں نے ۸۹ سنہ ہجری میں وفات پائی اس وقت ان کی عمر ترانوے ۹۳ برس کی تھی۔
ان سے یہ حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے شہداءِ اُحد کے لیے فرمایا تھا کہ ان کو مع خون کے (یعنی بغیر غسل دیئے ہوئے) دفن کرو اس لیے کہ اللہ کی راہ میں قتل ہونے والے قیامت کے دن اس حال میں اٹھیں گے کہ ان کا بدن خون میں تر ہوگا تو اس (خون) کی خوشبو مشک کی خوشبو کے مانند ہوگی —— بعض لوگوں نے حضرت عبداللہؓ بن ثعلبہ کا سالِ ولادت ۴ سنہ ہجری اور بعض نے ۸ سنہ ہجری بیان کیا ہے۔ اس صورت میں غزوۂ اُحد کے شہداء کی نسبت ان کا حدیث بیان کرنا مستبعد ہے۔ اس لیے قیاسِ غالب یہی ہے کہ وہ ہجرت سے پہلے پیدا ہوئے تھے۔

رضی اللہ تعالیٰ اعنہٗ   واللہ تعالیٰ اعلم۔

حضرت عبداللہ رضؓ بن سلمہ انصاری

(۱)

اصلاً قبیلہ بلی سے تھے اور مدینہ میں قبیلہ اوس کی شاخ بنی عمرو بن عوف کے حلیف تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:

عبداللہؓ بن سلمہ بن مالک بن حارث (حارثہ) بن عدی بن عجلان بن حارثہ بن ضبیعہ (بلوی عجلانی انصاری اوسی)

ان کی کنیت ابو محمد تھی۔ والدہ کا نام انیسہؓ بنت عدی تھا۔ ان کو بھی شرف صحابیت حاصل ہے۔ ہجرت نبویؐ کے بعد جلد ہی شرف ایمان سے بہرہ ور ہوئے۔ بڑے بہادر اور مخلص مسلمان تھے اور شعر و شاعری میں بھی درک رکھتے تھے۔

(۲)

رمضان سنہ ۲ ہجری میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ بدر کے لیے روانہ ہوئے تو حضرت عبداللہؓ بن سلمہ بھی آپؐ کے ہم رکاب تھے۔ اس طرح ان کو بدری صحابی ہونے کا مہتم بالشان شرف حاصل ہو گیا۔

سنہ ۳ ہجری میں غزوۂ اُحد پیش آیا۔ اس میں بھی بڑے جوش اور جذبے کے ساتھ شریک ہوئے اور مردانہ وار لڑتے ہوئے ابن الزبعری کے ہاتھ سے شہادت پائی۔ لڑائی ختم ہوئی تو شہداء کی تدفین کا مسئلہ پیش آیا۔ چونکہ ان کی تعداد زیادہ تھی اس لیے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی کہ دو دو تین تین شہیدوں کو ایک قبر میں دفن کیا جائے۔ اس موقع پر حضرت عبداللہؓ کی والدہ حضرت انیسہؓ بنت عدی بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا:

" یا رسول اللہ! میرا بیٹا بدری تھا اب غزوۂ اُحُد میں شہید ہو گیا ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ اس کو (شہر میں) اپنے مکان کے قریب دفن کروں تاکہ اس کی نزدیکی سے میری ڈھارس بندھی رہے۔"

حضورﷺ صَلَّی اللّٰہ عَلَیہِ وَسَلَّم نے ان کو اجازت دے دی۔ حضرت مُجَذَّرؓ بن زیاد بلوی انصاری ایک بدری صحابی حضرت عبد اللہؓ بن سلمہ کے جگری دوست تھے وہ بھی اس لڑائی میں حارث بن سوید کے ہاتھ سے شہید ہو گئے تھے۔ دونوں دوستوں کی لاشیں کمبل میں لپیٹ کر ایک ہی اونٹ پر رکھی گئیں۔ حضرت مُجَذَّرؓ دبلے پتلے آدمی تھے اور حضرت عبد اللہؓ بہت جسیم تھے لیکن اونٹ پر دونوں برابر رہے۔ یہ دیکھ کر لوگوں نے حیرت کا اظہار کیا تو رسولِ اکرم صَلَّی اللّٰہ عَلَیہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ دونوں کے عمل نے ان کو برابر کر دیا ۔۔۔ اس کے بعد دونوں دوستوں کو مدینہ لے جا کر سپردِ خاک کر دیا گیا۔

(۳)

حضرت عبد اللہؓ بن سلمہ چونکہ ہجرتِ نبوی کے ابتدائی زمانے میں شہید ہو گئے تھے اس لیے ان سے کوئی حدیث مروی نہیں ہے۔ حافظ ابن حجر نے "الاصابہ" میں ان کے کچھ اشعار نقل کیے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک خوشگو شاعر تھے۔ نمونۂ کلام یہ ہے: ــــــ

اَنَا الَّذِیْ قَالَ اَصْلِیْ مِنْ بَلِیّ
اَطْعَنُ بِالصَّعْدَۃِ حَتّٰی تَنْثَنِیْ

(لوگوں میں میرے بارے میں مشہور ہے کہ قبیلہ بلی سے ہوں۔ چھوٹے نیزے سے وار کرتا ہوں یہاں تک کہ وہ مڑ جاتا ہے۔)

رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

حضرت عبداللہؓ بن قرط ازدی ثمالی

(۱)

ان کا شمار قرنِ اوّل کے بہادر اور صاحبِ تدبیر اصحاب میں ہوتا ہے لیکن اربابِ سیَر ان کے شجرۂ نسب کے بارے میں خاموش ہیں۔ اس بات پر البتہ سب کا اتفاق ہے کہ ان کا نام عبداللہ بن قرط تھا اور وہ قبیلہ ازد کی شاخ بنی ثمال سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے شرفِ صحابیت پر بھی سب کا اتفاق ہے لیکن یہ معلوم نہیں کہ وہ کب بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر سعادتِ ایمان سے بہرہ ور ہوئے۔

علامہ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ زمانۂ جاہلیّت میں ان کا نام شیطان (بن قرط) تھا۔ جب وہ بارگاہِ نبویؐ میں حاضر ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام پوچھا، جب انہوں نے اپنا نام بتایا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ناپسند کیا اور ان کا نام عبداللہ رکھ دیا۔ عہدِ رسالت میں ان کی زندگی کا کوئی اور واقعہ سیرت نگاروں نے بیان نہیں کیا، البتہ ان کی مرویات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ فیضانِ نبویؐ سے مقدور بھر بہرہ یاب ہوئے۔

(۲)

خلیفۃ الرّسول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں سلطنتِ روم کے خلاف معرکہ آرائیوں کا آغاز ہوا تو حضرت عبداللہؓ بن قرط ایک اسلامی لشکر میں شامل ہو کر شام کے میدانِ جہاد میں پہنچ گئے اور رومیوں کے خلاف متعدد معرکوں میں دادِ شجاعت دی۔ حضرت یزیدؓ بن ابی سفیانؓ جو حضرت عبداللہؓ کے لشکر کے سپہ سالار تھے حضرت عبداللہؓ پر بہت اعتماد

کرتے تھے۔ ایک موقع پر انہیں بعض عسکری معاملات کے بارے میں خلیفۃ الرسولؓ سے تازہ ہدایات لینے کی ضرورت محسوس ہوئی تو انہوں نے خلیفۃ الرسولؓ کے نام ایک خط لکھا اور اسے ان کو پہنچانے کی ذمہ داری حضرت عبداللہؓ بن قرط کے سپرد کی۔ انہوں نے یہ کام پورے احساسِ ذمہ داری کے ساتھ انجام دیا۔ سیدنا حضرت عمرؓ فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں حضرت عبداللہؓ یرموک کی خونیں لڑائی میں بھی سرفروشانہ شریک ہوئے اور شروع سے اخیر تک سر دھڑ کی بازی لگا کر دادِ شجاعت دیتے رہے۔ ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ وہ فتح دمشق میں بھی شریک تھے۔

(۳)

امین الامۃ سیدنا حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح امیرِ شام حضرت عبداللہؓ بن قرط کے مجاہدانہ کردار اور انتظامی صلاحیتوں سے آگاہ ہوئے تو انہوں نے ان کو دو مرتبہ حمص کا حاکم بنایا۔ انہوں نے اپنے فرائضِ مفوضہ نہایت حسن و خوبی سے انجام دیئے۔ حضرت امیر معاویہؓ بھی ان کے مداح اور قدردان تھے۔ چنانچہ اپنے دورِ خلافت میں انہوں نے بھی حضرت عبداللہؓ بن قرط کو حمص کا حاکم (گورنر) مقرر کیا۔ اس زمانے میں اسلامی سلطنت کی سرحدیں روم کی بازنطینی سلطنت سے ملتی تھیں اور مسلمانوں کی رومیوں سے اکثر معرکہ آرائیاں ہوتی رہتی تھیں۔ حضرت عبداللہؓ بن قرط کو شوقِ جہاد نے حمص میں چین سے نہ بیٹھنے دیا اور وہ امیر معاویہؓ سے اجازت لے کر رومیوں کے خلاف جہاد کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔ ۵٦ سنہ ہجری میں وہ رومیوں کے خلاف ایک معرکے میں مردانہ وار لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔

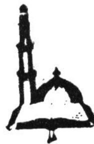
(۴)

حضرت عبداللہؓ بن قرط سے مروی کچھ احادیث کُتُبِ احادیث میں موجود ہیں۔ ان کے رواۃِ حدیث میں عصیفؒ بن حارث، عمروؒ بن محصن، سلیم بن عامر جنائزیؒ اور عبداللہ بن یحییٰؒ شامل ہیں۔ ان سے مروی ایک مشہور حدیث یہ ہے:

"رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ تمام دنوں سے افضل اللہ کے نزدیک قربانی کا دن ہے اور وہ دن جس میں لوگ وقوف کرتے ہیں —— پھر پانچ یا چھ قربانی کے اونٹ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے قریب کیے گئے۔ وہ اونٹ خود بخود آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے قریب ہوتے جاتے تھے اور آپؐ ان کو ذبح کرتے جاتے تھے پس جب وہ گر گئے تو آپؐ نے آہستہ آواز سے ایک بات ارشاد فرمائی جس کو میں سمجھ نہ سکا۔ چنانچہ میں نے ان لوگوں سے جو آپؐ کے قریب تھے، پوچھا کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے کیا فرمایا؟ لوگوں نے کہا کہ آپؐ نے یہ فرمایا کہ جو شخص (اللہ کی خوشنودی) چاہے دنیا سے بے تعلقی پیدا کرے۔" (اُسُدُ الغابہ فی معرفۃ الصحابہ)

حافظ ابن عبد البرؒ نے "الاستیعاب" میں لکھا ہے کہ حضرت عبد اللہؓ بن قرط کے ایک بھائی عبد الرحمٰنؓ تھے، ان کو بھی شرف صحابیت حاصل ہے۔ انہوں نے شام میں سکونت اختیار کر لی تھی اور ان کا شمار اہلِ فلسطین میں ہوتا ہے ان سے معراج النبیؐ کے بارے میں ایک طویل حدیث مروی ہے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ



حضرت عبداللہؓ بن قیس انصاری

(۱)

قبیلہ خزرج کی معزز شاخ بنی نجّار سے تھے۔ نسب نامہ ہے:
عبداللہؓ بن قیس بن خالد بن خلدہ بن حارث بن سواد بن مالک بن غنم بن مالک بن نجّار[1] (اُسدُ الغابہ)

حضرت عبداللہؓ انصار کے ان بزرگوں سے ہیں جن کو غزوۂ بدر سے پہلے قبولِ اسلام کی سعادت نصیب ہو گئی تھی۔

رمضان ۲ ہجری میں غزوۂ بدر پیش آیا تو اس میں حضرت عبداللہؓ بن قیس بھی رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہٖ وسلّم کے ہمرکاب تھے۔ اس طرح ان کو بدری صحابی ہونے کا عظیم الشان شرف حاصل ہو گیا۔

اگلے سال (۳ ہجری میں) بھی وہ غزوۂ اُحُد میں بڑے جوش اور جذبے کے ساتھ شریک ہوئے۔ ابن سعد کا بیان ہے کہ انہوں نے اسی غزوے میں شہادت پائی مگر واقدی اور بعض دوسرے اربابِ سِیَر نے لکھا ہے کہ وہ اُحُد کے بعد بھی زندہ رہے اور تمام مشاہد میں رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہٖ وسلّم کے ہمراہ شریک ہوئے۔ ان اہلِ سِیَر کے بیان کے مطابق حضرت عبداللہؓ بن قیس نے حضرت عثمان ذوالنّورینؓ کے عہدِ خلافت میں وفات پائی۔ واللہ اعلم بالصواب

حضرت عبداللہؓ بن قیس نے اپنے پیچھے کوئی اولاد نہیں چھوڑی

---

[1] قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوریؒ نے اپنی کتاب "اصحابِ بدر" میں حضرت عبداللہؓ بن قیس کا شجرۂ نسب اس طرح بیان کیا ہے ـــــ عبداللہؓ بن قیس بن خالد بن حارث بن سواد بن مالک بن غنم بن مالک بن نجّار۔ گویا انہوں نے اس شجرے سے خلدہ کا نام خارج کر دیا ہے! انہوں نے اس شجرے کا ماخذ بیان نہیں کیا۔

(۲)

علامہ ابن اثیرؒ نے "اُسدُ الغابہ" میں ابن مندہؒ اور ابو نُعیمؒ کے حوالے سے "عبداللہؓ بن قیس انصاری" کا ایک اور ترجمہ بھی شامل کیا ہے اس میں ان کا نسب نامہ بیان نہیں کیا البتہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی یہ حدیث درج کی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "روئے زمین پر جو شخص اس حال میں مرے گا کہ اس کے دل میں رائی کے برابر بھی غرور ہو، اللہ اس کو دوزخ میں ڈالے گا"۔ عبداللہؓ بن قیس نے حضورؐ کا یہ ارشاد سنا تو رونے لگے۔ آپؐ نے ان سے پوچھا، "اے عبداللہ بن قیس روتے کیوں ہو؟"

انہوں نے عرض کیا۔ "آپ کا ارشاد سن کر مجھے اپنے انجام کے بارے میں خوف پیدا ہو گیا ہے اسی لیے روتا ہوں۔"

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "خوش ہو جاؤ کہ تم جنت میں جاؤ گے۔"

اس کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی لشکر بھیجا (جس میں حضرت عبداللہؓ بن قیس بھی شامل تھے) اسی مہم (سریّہ) میں انہوں نے شہادت پائی۔

علامہ ابن اثیرؒ نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ ممکن ہے یہ عبداللہؓ بن قیس بن خالد نجاری (انصاری) ہوں۔ اگر اس قیاس کو تسلیم کر لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ حضرت عبداللہؓ بن قیس بن خالد نجاری انصاری نہ غزوۂ اُحُد میں شہید ہوئے اور نہ حضرت عثمان غنیؓ کے دورِ خلافت میں فوت ہوئے بلکہ عہدِ رسالت کے کسی سریّے میں شہید ہوئے۔ یعنی کسی ایسی لڑائی میں جس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود شریک نہیں تھے۔ (واللہ اعلم بالصواب)



حضرت عبداللہؓ بن مالک بن بُحَیْنہ

(۱)

ان کا پورا نسب نامہ کسی نے بیان نہیں کیا مگر اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ ان کا تعلق قبیلہ ازدشنوٴہ سے تھا جو قریش کی شاخ بنی مُطّلِب بن عبدِ مناف کا حلیف تھا۔ مالک کے والد (حضرت عبداللہؓ کے دادا) کا نام قشب ازدی تھا۔ مالک کی اہلیہ (حضرت عبداللہؓ کی والدہ) کا نام بحینہ تھا۔ وہ حارث بن مُطّلِب بن عبد مناف کی بیٹی تھیں۔ مختلف روایات میں حضرت عبداللہ کا نام دو طریقوں سے آیا ہے، ماں کے نام کی نسبت سے عبداللہ بن بحینہ اور ماں باپ دونوں کے ناموں کی نسبت سے عبداللہ بن مالک بن بحینہ۔ بعض لوگوں کا بیان ہے کہ بحینہ حضرت عبداللہؓ کی دادی کا نام تھا مگر حافظ ابن عبدالبرؒ نے لکھا ہے کہ بحینہ فی الحقیقت حضرت عبداللہ کی والدہ تھیں البتہ مالک بن بحینہ کے الفاظ سے یہ شبہ ضرور ہوتا ہے کہ بحینہ حضرت عبداللہؓ کی دادی تھیں۔

حضرت عبداللہؓ کی کنیت ابو محمدؐ تھی اور وہ اپنی کنیت کے ساتھ زیادہ مشہور ہیں۔ حافظ ابنِ عبدالبرؒ نے ان کا تذکرہ ان کی کنیت کے ساتھ ہی لکھا ہے۔

(۲)

اربابِ سیَر نے حضرت عبداللہؓ کے حالاتِ زندگی بہت کم بیان کیے ہیں۔ یہ بھی معلوم نہیں کہ انہوں نے کب اسلام قبول کیا۔ ان کے بارے میں زیادہ سے زیادہ جو معلوم ہو سکا ہے وہ یہ ہے کہ ان کی سکونت مدینہ منوّرہ سے تیس میل کے فاصلے پر ایک مقام "بطنِ ریم" میں تھی اور ان کا شمار بڑے عابد و زاہد اور فاضل صحابہ میں ہوتا تھا۔ ان سے بہت سی احادیث مروی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کو

فیضانِ نبوی سے بہرہ یاب ہونے کا خوب موقع ملا۔ علّامہ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہؓ بن مالک بحینہ نے حضرت امیر معاویہؓ کی خلافت کے آخری زمانے میں وفات پائی۔

(۳)

حضرت عبداللہؓ بن مالک بن بحینہ سے جن اصحاب نے روایت کی ہے ان میں ان کے فرزند علیؒ، حضرت عطاء بن یسارؒ، حضرت اعرجؒ اور محمدؒ بن عبدالرحمٰن بن ثوبانؒ کے اسماءِ گرامی قابلِ ذکر ہیں۔ ان سے مروی تین احادیث یہ ہیں:۔

(۱) رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے (صحابہ کو) ظہر کی نماز پڑھائی اور دو رکعت پڑھ کر ــــــ قعدہ میں بیٹھنے کے بجائے آپؐ کھڑے ہو گئے۔ صحابہ بھی آپؐ کے ساتھ کھڑے ہو گئے یہاں تک کہ جب نماز پڑھ چکے اور سلام پھیرنے کا وقت آیا تو صحابہ نے تکبیر کہی تو آپؐ نے سلام سے پہلے دو سجدے کر لیے پھر سلام پھیرا۔ [۱]

(۲) رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ایک شخص کو دیکھا کہ دو رکعت پڑھ رہا ہے اور نماز کی تکبیر ہو چکی تھی۔ جب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں نے اس شخص کو گھیر لیا (یعنی اس کے گرد جمع ہو گئے) تو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے (اس سے مخاطب ہو کر فرمایا، کیا صبح کی چار رکعات ہیں؟ [۲] (صحیح بخاری)

(۳) رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم جب نماز پڑھتے تو اپنے ہاتھوں کو یہاں تک دور رکھتے کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی ظاہر ہو جاتی۔ [۳] (صحیح بخاری)

---

[۱] بعض دوسری احادیث میں سجدۂ سہو کا یہ طریقہ بیان ہوا ہے کہ آخری قعدہ میں تشہد پڑھنے کے بعد دائیں طرف سلام پھیریں اس کے بعد دو سجدے کریں اور پھر تشہد، درود شریف اور دعائے ماثورہ پڑھ کر حسب معمول دونوں طرف سلام پھیر کر نماز ختم کریں (شامی وغیرہ) حضرت عمرانؓ بن حصینؓ، حضرت عائشہ صدیقہؓ، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص حضرت مغیرہؓ بن شعبہ اور حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے سہو کے دو سجدے سلام کے بعد کیے۔ (بدائع الصنائع)

[۲] اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ یہ فجر کی نماز تھی۔ اگر کوئی شخص تنہا نمازِ فجر کے لیے کھڑا ہو جائے اور ادھر نمازِ فجر (فرض) کی جماعت کھڑی ہو جائے تو تکبیر سنتے ہی اسے اپنی نماز قطع کر کے جماعت میں شامل ہو جانا چاہیے۔

[۳] صحیح بخاری کے جس باب میں یہ حدیث آئی ہے اس کا عنوان ہے:

"سجدہ میں اپنے بازوؤں کو کھلا رکھے اور اپنے پہلوؤں سے دور رکھے۔"

اس حدیث میں ہاتھوں کو دور رکھنے سے یہی مراد ہے کہ اپنے بازوؤں کو کھلا رکھے اور اپنے پہلوؤں سے دور رکھے۔

حضرت عبداللہ رضؓ بن مربع انصاری

(۱)

قبیلہ اَوس کے خاندان "بنو حارثہ" سے تھے۔ سلسلۂ نسب یہ ہے :-
عبداللہؓ بن مربع بن قیظی بن عمرو بن زید بن جشم بن حارثہ بن حارث بن خزرج بن عمرو بن مالک بن اوس۔
غزوۂ اُحُد سے پہلے مُشرّف بہ اسلام ہوئے۔ ان کا باپ مربع بن قیظی منافق تھا اور اندھا تھا۔ حافظ ابن عبد البرؒ کا بیان ہے کہ اس نے اپنا باغ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بند کر دیا تھا۔ جب آپؐ اپنے جان نثاروں کے ساتھ اُحُد کے لیے روانہ ہونے لگے تو مربع مسلمانوں کے منہ پر مٹی پھینکتا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہو کر کہتا تھا کہ اگر آپ نبی ہیں تو میرے باغ میں سے مت گزریئے (اُحُد کی طرف جانے والا ایک راستہ اس کے باغ میں سے ہو کر گزرتا تھا[۱]) مگر اس کے سعادت مند فرزند حضرت عبداللہؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نہایت مخلص شیدائی تھے۔ باپ کی روش کے برعکس وہ حضورؐ کی ہمرکابی میں اُحُد پہنچے اور مشرکین کے خلاف سربکف ہو کر لڑے۔
غزوۂ اُحُد کے بعد حضرت عبداللہؓ بن مربع نے غزوۂ خندق، خیبر اور عہدِ رسالت

---

[۱] ایک روایت میں ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اُحُد جاتے ہوئے اس کے احاطے میں داخل ہوئے تو مربع بن قیظی نے کہا کہ اگر آپ نبی ہوتے تو میری اجازت کے بغیر میرے احاطے میں داخل نہ ہوتے۔ یہ بات مربع کے نفاق کی دلیل تھی ورنہ بظاہر وہ اسلام کا دم بھرتا تھا اور ایک سچے مسلمان سے ہرگز اس بات کی توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ حالتِ جنگ میں مجاہدین کو اپنی مقبوضہ زمین پر سے نہ گزرنے دے۔

کے دوسرے غزوات میں بھی دادِ شجاعت دی۔

(۲)

سیدنا حضرت عُمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں حضرت عبداللہؓ اس مہم میں شریک ہوئے جو امیر المومنینؓ نے حضرت ابو عُبید ثقفیؓ کی قیادت میں عراقِ عرب بھیجی۔ ان کے ایک بھائی حضرت عبدالرحمٰنؓ بن مربع (بروایتِ دیگر عقبہؓ بن مربع) بھی ان کے ساتھ تھے۔ دونوں بھائی معرکہ جسر میں ایرانی مجوسیوں کے خلاف لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ یہ واقعہ رمضان ۱۳ ہجری کا ہے۔

(۳)

حضرت عبداللہؓ بن صفوانؓ جمحی سے روایت ہے کہ (عہدِ رسالت میں) ان کے ایک ماموں یزیدؓ بن شیبان نے ان سے بیان کیا کہ ہمارے پاس (عبداللہ) ابن مربع آئے اور کہا کہ مجھے تمہارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا ہے اور فرمایا ہے کہ تم اپنے مراسمِ حج پر قائم رہو کیونکہ ان کو تم نے اپنے جدِ امجد ابراہیم علیہ السلام سے میراث میں پایا ہے۔ (الاستیعاب)

ایک اور حدیث میں حضرت عبداللہ بن مربع کہتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپؐ چشمۂ زمزم کے پاس تشریف لے گئے اور (کھڑے ہو کر) اس کا پانی پیا۔ (اُسدُ الغابہ)

حضرت عبداللہؓ بن یزیدؓ خطمی انصاری

(۱)

اَوس کے خاندان بنی خطمہ سے تعلق رکھتے تھے۔ کنیت ابو موسیٰ تھی۔

نسب نامہ یہ ہے :

عبداللہؓ بن یزیدؓ بن حصن بن عمرو بن الحارث بن خطمہ بن جشم بن مالک بن اوس۔

ان کے والد حضرت یزیدؓ بن حصن کو بھی شرفِ صحابیت حاصل تھا۔ وہ غزوۂ اُحُد اور اس کے مابعد اُن غزوات میں بھی شریک تھے جو ۸ھ ہجری سے پہلے پیش آئے۔ انہوں نے فتح مکہ (رمضان ۸ھ) سے کچھ پہلے وفات پائی۔

اہلِ سیر نے حضرت عبداللہ بن یزید رضی اللہ عنہما کا زمانۂ قبولِ اسلام بیان نہیں کیا مگر قیاسِ غالب یہ ہے کہ وہ ہجرتِ نبوی کے بعد اپنے والد کے ساتھ شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہوئے۔ حضرت یزیدؓ بن حصن غزوۂ اُحُد (۳ھ) میں شریک تھے اس لیے وہ اور حضرت عبداللہؓ غزوۂ اُحُد سے پہلے یقیناً حلقہ بگوشِ اسلام ہو چکے تھے۔

بقول ابنِ اثیرؒ حضرت عبداللہ بن یزید رضی اللہ عنہما کا شمار اکابر صحابہ میں ہوتا ہے۔

(۲)

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں نزولِ اجلال فرمایا تو اس وقت حضرت عبداللہؓ کی عمر تقریباً گیارہ برس کی تھی۔ قبولِ اسلام کے بعد ان کو سب سے پہلے ذیقعدہ ۶ھ ہجری میں سفرِ حدیبیہ میں رحمتِ عالم

صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی اور پھر بیعتِ رضوان کا مہتم بالشان شرف حاصل ہوا۔ اس وقت ان کی عمر صرف سترہ برس کی تھی۔

بیعتِ رضوان کے بعد انہوں نے عہدِ رسالت کے دوسرے تمام غزوات میں شرکت کی۔ عہدِ رسالت کے بعد پہلے تین خلفاء راشدینؓ کے زمانے میں ان کی سرگرمیوں اور مشاغل کے بارے میں اربابِ سِیَر خاموش ہیں۔ ان کا نام دوبارہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں منظرِ عام پر آتا ہے۔ حافظ ابنِ عبدالبرؒ کا بیان ہے کہ وہ حضرت علیؓ کے پُرجوش حامیوں میں سے تھے۔ جنگ جمل اور جنگِ صفّین میں حضرت علیؓ کی طرف سے سربکف ہو کر لڑے۔ اس کے بعد معرکۂ نہروان میں خارجیوں کے خلاف اپنی تلوار کے جوہر دکھائے۔

(۳)

حضرت عبداللہ بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے خاصی طویل زندگی پائی۔ وہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے دورِ خلافت (۶۴ھ تا ۷۳ھ) میں اگرچہ بوڑھے ہو چکے تھے مگر خاصے چاق و چوبند تھے۔ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ وہ مدینہ منوّرہ سے نقل مکانی کر کے کوفہ چلے گئے تھے اور وہیں اپنا مکان بنا لیا تھا۔ یزید بن معاویہؓ کی وفات (۶۴ھ) کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے عراق پر قبضہ کر لیا تو انہوں نے حضرت عبداللہ بن یزیدؓ کو کوفہ کا حاکم مقرر کیا۔ ان کے زمانۂ امارت میں کوفہ میں تحریکِ توّابین نے بڑا زور باندھا۔ اس تحریک میں وہ لوگ شامل تھے جنہوں نے ہزارہا خطوط بھیج کر سیّدنا حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کوفہ آنے کی دعوت دی تھی مگر جب وہ تشریف لائے تو یزیدی لشکر کے خوف سے اپنے گھروں میں بیٹھے رہے اور سیّدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قافلے کو میدانِ کربلا میں تنہا چھوڑ دیا۔ سانحۂ کربلا (محرّم ۶۱ھ) کے بعد اُن کے ضمیر کی چبھن انہیں چین نہیں لینے دیتی تھی۔ پشیمان تو تھے مگر منظم طور پر خونِ حسینؓ کے انتقام کی آواز بلند نہ کر سکتے تھے آخر انہیں ایک مخلص اور بہادر رہنما کی قیادت میسر آ گئی ــــ یہ قائد تھے

ابومطرف سلیمانؓ بن صُرَدُ الخزاعی ۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے اور ان کا شمار حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور ان کی اولاد کے پُرجوش حامیوں میں ہوتا تھا۔ ان کا قیام کوفہ کے محلہ خزیمہ میں تھا۔ نہایت عابد و زاہد اور اپنی قوم میں بہت با اثر تھے۔ جب ۶۰ھ میں کوفہ میں سیدنا حسینؓ کے حامیوں کی جماعت بنی تو ان کا مرکز حضرت سلیمانؓ بن صرد کا گھر قرار پایا۔ وہیں سے سیدنا حسینؓ کو کوفہ تشریف لانے کے دعوت نامے بھیجے جاتے تھے لیکن فلکِ پیر کی شعبدہ بازی ملاحظہ ہو کہ جب سیدنا حسینؓ اپنے اہل و عیال اور مٹھی بھر رفقاء کے ساتھ میدانِ کربلا میں پہنچے تو حضرت سلیمانؓ اور ان کے ساتھی ان کی کچھ مدد نہ کرسکے اور کربلا کا دلدوز سانحہ پیش آیا۔ اس سانحہ کے بعد وہ بہت شرمسار ہوئے۔ ہر وقت روتے رہتے تھے نوّے بانوے برس کی عمر کو پہنچ چکے تھے اور اب زندگی کا ایک ہی مقصد رہ گیا تھا کہ مرنے سے پہلے کسی طرح حسینؓ مظلوم کا ان کے قاتلوں سے انتقام لیں۔ انہوں نے اس مقصد کے لیے اہلِ کوفہ کو بُلایا تو کم و بیش سولہ ہزار آدمیوں نے ان کی دعوت پر لبیک کہا اور ان کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔ یہی لوگ تاریخ میں توّابین (یعنی توبہ کرنے والے) کہلاتے ہیں۔

تحریکِ توّابین نے جب زور پکڑا تو حضرت عبداللہ بن یزیدؓ (حاکم کوفہ) کو امن و امان میں خلل کا اندیشہ پیدا ہوا مگر ان کو کوئی خاص پریشانی نہ ہوئی کیونکہ اصلاً یہ تحریک بنوامیّہ کے خلاف تھی۔ اس موقع پر انھوں نے بڑی حکمت و تدبیر سے کام لیا اور اعلان کر دیا کہ ہمیں حضرت حسینؓ کی مظلومانہ شہادت کا سخت رنج ہے۔ جو لوگ ان کے قاتلوں کے خلاف لڑنا چاہتے ہوں ہماری طرف سے ان کے لیے امان ہے۔ ہوسکا تو ہم بھی ان کی مدد کریں گے مگر وہ اس بات کا خیال رکھیں کہ شہر کے امن و امان میں خلل نہ پڑے۔

(۴)

حضرت عبداللہ بن یزیدؓ کے اعلان کے بعد توّابین نے زور شور سے لڑائی

کی تیاری شروع کر دی۔ ربیع الثانی ۶۵ھ کا چاند دیکھ کر حضرت سلیمانؓ بن صُرد نے اعلانِ عام کر دیا ——— "لوگو جس کو رضائے الٰہی اور روزِ آخرت کی بہتری مطلوب ہو وہ حسینؓ کا انتقام لینے کے لیے نکلے۔" یہ اعلان سن کر اہلِ کوفہ کی ایک کثیر تعداد حضرت سلیمانؓ کے پاس پہنچ گئی۔ ان میں سے ایک شخص عبداللہ بن سعد بن نفیل نے باآوازِ بلند اہلِ کوفہ سے کہا: ———

"بھائیو! حسینؓ کے قاتلوں کی اکثریت تو کوفہ میں موجود ہے۔ ہمیں پہلے ان سے نبٹنا چاہیے۔"

حضرت سلیمانؓ بن صُرد نے جواب دیا۔ "قاتلوں کا سردار عبیداللہ بن زیاد ہے۔ جب تک ہم اسے کیفرِ کردار تک نہ پہنچا لیں گے دوسری طرف متوجہ نہ ہوں گے۔ یہ کہہ کر وہ اپنے حامیوں کے ساتھ کوفہ سے نکلے اور نخیلہ میں جا پڑاؤ ڈالا۔ وہاں پہنچتے پہنچتے ان کے ساتھ صرف چار ہزار آدمی رہ گئے باقی سب نے بے وفائی کی اور اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔ مگر حضرت سلیمانؓ بن صُرد نے ہمت نہ ہاری اور تین دن نخیلہ میں قیام کے بعد میدانِ کربلا کی طرف کوچ کیا۔

توابین میدانِ کربلا میں پہنچے تو ان کی عجیب کیفیت ہوئی، سب فرطِ غم سے نڈھال تھے اور رو رو کر کہتے تھے "اے فرزندِ رسولؐ آپ پر اور آپ کے ساتھیوں پر اللہ کی رحمت ہو۔"

حضرت سلیمانؓ نے مرقدِ حسینؓ کے سامنے کھڑے ہو کر نہایت رقّت سے دعا مانگی ——— "اے اللہ! حسین شہید پر رحمت نازل فرما۔ واللہ ہم اس کے دین پر ہیں اور اس کے محب ہیں۔ اس کے دشمنوں کے دشمن اور اس کے دوستوں کے دوست ہیں۔ اے اللہ! ہم نے نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند سے بے وفائی کی تو ہمارے اس گناہ کو معاف فرما اور ہماری توبہ قبول کر لے۔ اے مولا! حسینؓ اور اصحابِ حسینؓ شہداء صدیقین پر اپنی رحمت نازل فرما اور قیامت کے دن ہمیں ان کے ساتھ اٹھا۔"

کربلا سے چل کر توابین ۲۱ جمادی الاولیٰ ۶۵ھ ہجری کو عین الوردہ کے مقام پر پہنچے۔ ابن زیاد نے اپنے ایک افسر شرحبیل بن کلاع کو ان سے نبرد آزما ہونے ہونے کے لیے بھیجا۔ توابین نہایت بے جگری سے لڑے اور شرحبیل کو شکست فاش دی۔ اب ابنِ زیاد نے حصین بن نمیرؔ کو بارہ ہزار فوج دے کر عین الوردہ روانہ کیا اور دوسرے دن آٹھ ہزار کا ایک امدادی لشکر بھی بھیج دیا۔ چار ہزار توابین نے اپنے سے پانچ گنا لشکر کا بڑی بہادری سے مقابلہ کیا مگر ان میں سے بیشتر میدانِ جنگ میں کام آئے جن میں حضرت سلیمانؓ بن صُرد بھی شامل تھے۔ جو باقی بچے انہوں نے رات کی تاریکی میں کوفہ کا رُخ کیا اور وہاں پہنچ کر لوگوں کو اس حادثہ کی اطلاع دی۔

(۵)

جس زمانے میں توابین خونِ حسینؓ کا انتقام لینے کے لیے منظم ہو رہے تھے کوفہ کے سیاسی افق پر ایک اور شخصیت نمودار ہوئی۔ یہ شخصیت مختار بن ابی عبید ثقفی کی تھی جو فقیہ الامۃ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا برادرِ نسبتی (اہلیہ کا بھائی) تھا اس کے والد حضرت ابو عبید ثقفیؓ (تابعی) عہدِ فاروقی کے نامور بہادر تھے۔ وہ ۱۳ھ ہجری میں ایرانیوں کے خلاف معرکۂ جسر (پُل کی لڑائی) میں مجاہدینِ اسلام کی قیادت کرتے ہوئے شہید ہوئے۔ مختار کے ابتدائی حالات کے بارے میں تاریخ میں متضاد روایتیں ملتی ہیں البتہ اتنا پتہ ضرور چلتا ہے کہ وہ کچھ عرصہ ابنِ زیاد کی قید میں رہا۔ سانحۂ کربلا کے بعد وہ ابنِ زیاد کی قید سے رہا ہو کر مکہ پہنچا اور کئی مہینے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی خدمت میں رہا۔ اسی دوران میں جب حصین بن نمیرؔ نے مکہ پر حملہ کیا تو مختار ابنِ زبیرؓ کی طرف سے اُموی لشکر کے خلاف بڑی بہادری سے لڑا۔ اس کے بعد وہ کچھ عرصہ اور ابنِ زبیرؓ کے پاس ٹھہرا لیکن درپردہ ان کا مخالف ہو گیا کیونکہ اس نے جو توقعات ان سے وابستہ کی تھیں وہ انہوں نے پوری نہ کیں۔ ان دنوں واقعۂ کربلا کی وجہ سے عام مسلمانوں کے دل زخمی تھے۔ مختار نے اس واقعہ کا سہارا لے کر "خونِ حسینؓ کے انتقام" کے نام پر ایک نئی تحریک جاری کرنے کا عزم کر لیا۔ اس مقصد کے لیے

وہ سیّدنا زین العابدینؒ (ابنِ سیّدنا حسینؓ) اور حضرت محمد بن حنفیہؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تاکہ ان کی حمایت حاصل کر سکے۔ سیّدنا زین العابدینؒ نے تو اس کی تحریک کی حمایت سے انکار کر دیا البتہ حضرت محمدؒ بن حنفیہؒ نے اس کی سرپرستی کا وعدہ کیا[۱]۔ اس کے بعد مختار کوفہ آ گیا اور اپنی تحریک کی تنظیم میں مشغول ہو گیا۔ وہ ایک حوصلہ مند اور چالاک آدمی تھا۔ اگرچہ توّابین کا مقصد بھی "خونِ حسینؓ کا انتقام" ہی تھا مگر مختار نے اپنی تحریک کو ان سے بالکل الگ رکھا اور حضرت محمد بن حنفیہؒ کو مہدئ زماں ظاہر کر کے اور ان کی نمائندگی کا دعویٰ کر کے لوگوں کو حکومت کے خلاف خروج پر ابھارنے لگا۔ حضرت عبداللہ بن یزیدؓ کو اس کی سرگرمیوں کا علم ہوا تو انہوں نے اپنے مشیروں سے مشورہ کیا۔ انہوں نے رائے دی کہ مختار، محمد بن حنفیہ کی خلافت کے لیے راہ ہموار کر رہا ہے اور اس کی سرگرمیاں سخت خطرناک ہیں۔ اس پر حضرت عبداللہ بن یزیدؓ نے مختار کو گرفتار کر کے حوالۂ زنداں کر دیا۔ مختار نے قید خانے سے اپنے بہنوئی حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو پیغام بھیجا کہ آپ عبداللہ بن یزید سے میری رہائی کی سفارش کریں، میں ابن زبیرؓ کے خلاف ہرگز بغاوت نہ کروں گا اور اگر بدعہدی کروں تو میرے سب غلام آزاد ہو جائیں گے اور خانۂ کعبہ میں ایک ہزار اونٹنیوں کی قربانی مجھ پر فرض ہو جائے گی۔

سیّدنا حضرت عبداللہ بن عمرؓ بڑے نرم دل بزرگ تھے۔ انہوں نے حضرت عبداللہ بن یزیدؓ کو ایک پُرزور سفارشی خط لکھا۔ حضرت عبداللہ بن یزیدؓ، ابن عمرؓ جیسے عظیم المرتبت صحابی کی سفارش رد نہ کر سکتے تھے۔ انہوں نے مختار کو رہا کر دیا۔

رہا ہوتے ہی مختار ہمہ تن اپنی طاقت بڑھانے میں مصروف ہو گیا۔ اسی اثناء میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے حضرت عبداللہ بن یزیدؓ کو اپنے عہدے

---

[۱] حضرت محمدؒ بن حنفیہؒ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے اور سیّدنا حضرت حسینؓ شہید کربلا کے سوتیلے بھائی تھے۔

(امارتِ کوفہ) سے سبکدوش کردیا، اور ان کی جگہ عبداللہ بن مطیعؓ کو کوفہ کا امیر مقرر کیا۔ جلد ہی مختار نے اتنی طاقت فراہم کرلی کہ اس نے عبداللہ بن مطیعؓ کو شکست دے کر کوفہ سے نکال دیا اور خود کوفہ پر اپنا تسلّط جمالیا۔ اس کے بعد اس نے ان تمام لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا جو واقعۂ کربلا میں شریک تھے یا بنو امیّہ کے ہوا خواہ تھے ——— اب مختار نے پورے عراق پر قبضہ کرنا چاہا مگر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے بھائی مُصعب بن زبیرؓ نے اس کو شکست دی اور وہ لڑتا ہوا مارا گیا۔

(۶)

حضرت عبداللہ بن یزیدؓ کے سالِ وفات کے بارے میں کُتُبِ سِیَر خاموش ہیں قیاس یہ ہے کہ انہوں نے عبدالملک بن مروان کے عہدِ خلافت میں ۷۳ھ سے ۸۶ھ کے درمیان کسی وقت وفات پائی۔

حضرت عبداللہ بن یزیدؓ سے مروی چند احادیث کُتُبِ حدیث میں موجود ہیں۔ ان کے رواۃ میں موسیٰؒ (فرزند) عدی بن ثابتؒ (نواسے) ابوبردہؒ بن ابی موسیٰ اشعریؓ اور امام شعبیؒ شامل ہیں۔

ان سے مروی دو حدیثیں ہم یہاں درج کرتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن یزیدؓ انصاری سے روایت ہے کہ:

(۱) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوٹ اور مُثلہ سے منع فرمایا ہے۔[۱]
(صحیح بخاری۔ باب النُّہبیٰ)

---

[۱] اس حدیث پاک میں "لوٹ" سے مراد ہے دوسرے کا مال لوٹ لینا یعنی مالک کی مرضی کے بغیر اسے جبراً و قہراً لے لینا۔ میدانِ جنگ میں دشمن کا جو مال ہاتھ آئے اسے غنیمت کہا جاتا ہے اس پر لُوٹ (کے لفظ کا جو یہاں استعمال ہوا ہے) اطلاق نہیں ہوتا۔

[۲] مُثلہ کا مطلب یہ ہے کہ لاشوں کے کان ناک ہونٹ وغیرہ کاٹ کر ان کو بگاڑ دیا جائے

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(۲) رسول اللہ صَلَّی اللّٰہ علیہ وسلّم ایک دعا یہ بھی کیا کرتے تھے ۔

اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ حُبَّکَ وَحُبَّ مَنْ یَّنْفَعُنِیْ حُبُّہٗ عِنْدَکَ
اَللّٰھُمَّ مَا رَزَقْتَنِیْ مِمَّا اُحِبُّ فَاجْعَلْہُ قُوَّۃً لِّیْ فِیْمَا تُحِبُّ
وَمَا زَوَیْتَ عَنِّیْ مِمَّا اُحِبُّ فَاجْعَلْہُ فَرَاغًا لِّیْ فِیْمَا تُحِبُّ ۔
(رواہ الترمذی)

یعنی اے اللہ! مجھے اپنی مَحبّت عطا فرما اور اپنے ان بندوں کی مَحبّت عطا فرما جن کی محبت میرے لیے تیرے نزدیک نفع مند ہو ۔

اے اللہ! میری چاہت اور رغبت کی جو چیزیں تو نے مجھے مرحمت فرمائی ہیں، اُن سے مجھے ان کاموں میں تقویت پہنچا جو تجھے محبوب ہیں اور میری رغبت اور چاہت کی جو چیزیں تو نے مجھے عطا نہیں فرمائیں (اور میرے اوقات کو ان سے فارغ رکھا) تو مجھے توفیق دے کہ میں اس فراغ کو ان کاموں میں استعمال کروں جو تجھے محبوب ہیں ؎۱ (جامع ترمذی)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ۔ زمانۂ جاہلیت میں دشمن کی لاشوں کے ساتھ ایسا سلوک کرنے کا عام رواج تھا ۔ رسولِ رحمت صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ایسا کرنے سے منع فرما دیا ۔

؎۱ شارحینِ حدیث نے اس حدیث کی شرح یوں کی ہے کہ بندے کو برابر یہ دعا کرنی چاہیے کہ اللہ نے اس کو جو مرغوب نعمتیں عطا فرمائی ہیں وہ ان کو تقرب الی اللہ کا وسیلہ بنائے (یہ نہ ہو کہ بندہ ان نعمتوں میں مست و منہمک ہو کر اللہ سے غافل ہو جائے یا ان کا اس طرح استعمال کرے کہ اللہ ناراض ہو جائے)

اور اگر بندے کو اس کی مرغوب چیزیں نہ ملیں اور اس کی وجہ سے اس کو فرصت و فراغ حاصل ہو تو اس کو اللہ توفیق دے کہ فراغت کے اوقات اس کی مرضیات ہی میں لگائے یعنی ایسے کاموں میں جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہو ۔

حضرت عبدِ یا لیلؓ ثقفی

(۱)

بعض نے ان کا نام عبد یالیل بتایا ہے اور بعض ان کو عبدِ یا لیل کہتے ہیں۔ ان کا تعلق طائف کے نامور قبیلے بنو ثقیف سے تھا۔ نسب نامہ یہ ہے :

عبد یالیلؓ بن عمرو بن عُمیر بن عوف بن عقدہ بن غیرہ بن عوف بن ثقیف۔

حضرت عبدِ یالیلؓ نے بنو ثقیف کے ایک معزز اور خوشحال گھرانے میں آنکھیں کھولیں اور بڑے ہو کر اپنے قبیلے کے سر برآوردہ رؤسا میں شمار ہوئے۔ ان کا نام تاریخ میں پہلی بار اس وقت منظرِ عام پر آتا ہے جب (سنہ ۱۰ بعد بعثت میں) سرورِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم تبلیغ حق کے لیے مکّہ معظمہ سے طائف تشریف لے گئے۔ اس سے پہلے کہ ہم آنحضورؐ کے سفرِ طائف کا حال لکھیں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ طائف اور بنو ثقیف کی تاریخ اور دوسرے ضروری حالات اجمالی طور پر بیان کر دیئے جائیں۔

(۲)

طائف، ارضِ حجاز کا ایک بہت قدیم اور مشہور شہر ہے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ یہ صدیوں سے مکّہ معظمہ کا توام شہر رہا ہے۔ خود قرآنِ حکیم میں اس کی طرف اشارہ موجود ہے۔ سورۂ الزُّخرُف میں ارشاد ہوا ہے :

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ ھٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰی رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْیَتَیْنِ عَظِیْمٍ۔ (آیت ۳۱)

(اور کفار کہتے ہیں کہ قرآن ان دو بستیوں کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہ اترا)

مفسرین کے نزدیک "قریتین" سے مراد مکّہ معظمہ اور طائف ہی کے شہر ہیں۔ طائف مکّہ معظمہ سے جنوب مشرق کی جانب تقریباً پچاس میل کے فاصلے پر سلسلۂ کوہِ سراۃ کی سطح مرتفع میں واقع ہے اس کو "وج" سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ شہر اپنی سرسبزی، شادابی، پانی کی فراوانی اور خوشگوار آب و ہوا کی بدولت حجاز کی جنت کہلاتا ہے۔ یہاں سرسبز پہاڑوں کے دامن میں انگور، انجیر، بہی اور انار وغیرہ کے حدِ نظر تک پھیلے ہوئے باغات عجیب و دلآویز منظر پیش کرتے ہیں۔

سطح سمندر سے طائف کی بلندی تقریبًا پانچ ہزار فٹ ہے اور یہاں کا موسم سرما خاصا شدید ہوتا ہے یہاں تک کہ بعض اوقات درجۂ حرارت نقطۂ انجماد تک پہنچ جاتا ہے۔ البتہ گرمی کا موسم نہایت خوشگوار ہوتا ہے اور مکّہ کے ذی حیثیت لوگ گرمیاں گزارنے یہاں آجاتے ہیں۔

طائف کب آباد ہوا اور اس کی بنیاد کس نے ڈالی؟ اس کے بارے میں حتمی طور پر کچھ کہنا مشکل ہے البتہ یہ بات پورے وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ یہ ایک بہت ہی قدیم شہر ہے کیونکہ اس کے مضافات میں ماقبل تاریخ دَور کے متعدد آثار ملتے ہیں جو بالعموم چٹانوں پر کھودی گئی تصویروں کی شکل میں ہیں۔

جس زمانے میں آفتابِ رسالت فاران کی چوٹیوں سے طلوع ہوا، طائف پر بنو ثقیف کا تسلّط تھا اور آج بھی طائف میں ثقفی قبیلے کے لوگ کثرت سے آباد ہیں۔ ان لوگوں کے نسبی تعلق کے بارے میں مؤرخین میں زمانۂ قدیم سے اختلاف چلا آرہا ہے اس سلسلے میں تین اقوال یہ ہیں:

(۱) ان کا تعلّق قومِ ثمود سے ہے جس میں حضرت صالح علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے اور جو اپنی نافرمانی اور کفر وطغیان کے باعث اللہ تعالیٰ کے غضب کا شکار ہو گئی تھی۔

(۲) وہ بنو ہوازن سے ہیں ——— بنو ہوازن وہی قبیلہ ہے جس کی شاخ بنو سعد سے سرورِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا رضاعی تعلق پیدا ہوا۔

(۳) وہ بنو ایاد سے نکلے ہیں (ایاد اور ہوازن دونوں ہم جد قبائل ہیں)

تاہم جمہور مؤرخین اس بات پر متفق ہیں کہ قریشِ مکّہ کی طرح بنو ثقیف بھی عدنانی النسل ہیں۔ ان کا مورثِ اعلیٰ ثقیف بن مُنبّہ بن بکر بن ہوازن بعثت نبوی سے کوئی تین سو سال پہلے طائف میں وارد ہوا۔ اس وقت وہاں بنو عدوان (قیس عیلان کے ایک خانوادے) کی حکومت تھی۔ کہا جاتا ہے کہ ثقیف بن مُنبّہ نے اپنے ایک اعادی ابن عمّ کو قتل کر ڈالا اور قصاص کے خوف سے بھاگ کر طائف آگیا جہاں سردارِ علاقہ عامر بن الظرب العدوانی نے اسے نہ صرف پناہ دی بلکہ اپنی بیٹی بھی اس سے بیاہ دی۔ زمانۂ جاہلیت میں عدنانی قبائل بالعموم آپس میں لڑتے بھڑتے رہتے تھے۔ کبھی ایک قبیلہ غالب آجاتا کبھی دوسرا۔ یوں ان میں اکھاڑ پچھاڑ کا لامتناہی سلسلہ جاری رہتا تھا۔ مؤرخین نے آئے دن کی ان خانہ جنگیوں کے استقصا سے اپنے عجز کا اظہار کیا ہے۔ انہی خانہ جنگیوں کے دوران میں قبیلہ عدوان طائف سے ہمیشہ کے لیے نکلنے پر مجبور ہو گیا

لیکن ثقیف اور اس کی دور اندیش اولاد نے ایسا طرزِ عمل اختیار کیا کہ دشمنوں نے ان سے کچھ تعرّض نہ کیا اور یوں عدوان کے جلاوطن ہونے کے بعد وہ طائف میں ہمہ مقتدر ہو گئے۔

شروع میں بنو ثقیف کی تعداد اتنی نہ تھی کہ وہ تنہا طائف کی ساری قابلِ زراعت زمین کو کام میں لا سکتے چنانچہ انہوں نے دوسرے دوست قبائل کو بھی طائف آنے کی دعوت دی۔ ان میں سے کچھ قبائل نے یہ دعوت قبول کر لی اور وہ بنو ثقیف سے حلیفانہ تعلق قائم کر کے طائف میں آ بسے۔ یہ لوگ احلاف کہلاتے تھے۔ ان احلاف کے علاوہ طائف کے ایک حصے میں قدیم زمانے سے یہودی بھی آباد تھے۔ علامہ بلاذریؒ نے "فتوح البُلدان" میں لکھا ہے:

"طائف کے ایک حصے میں یہودیوں کی آبادی تھی جو یمن و یثرب سے نکال دیئے گئے تھے اور بسلسلۂ تجارت یہاں آ کر آباد ہو گئے تھے۔"

ثقفی بڑے جفاکش، ذہین اور جنگجو لوگ تھے۔ انہوں نے طائف سے مُتّصل وادئ وَج میں طرح طرح کے پھلوں بالخصوص انگور کے بے شمار باغات لگائے اور اپنی زمینوں میں گندم، مکئی اور سبزیوں ترکاریوں کی وسیع پیمانے پر کاشت کی۔ ندی نالوں اور چشموں سے آب رسانی کے ایسے عمدہ انتظامات کیے کہ کوئی متمدّن سے متمدّن قوم بھی ان سے بہتر طریقے نہیں سوچ سکتی تھی۔ زراعت اور باغبانی کے ساتھ ساتھ انہوں نے طائف میں انگور اور مکئی کی شراب کشید کرنے اور کھالوں کی دباغت کی صنعتیں بھی قائم کر رکھی تھیں۔ اکثر مؤرخین کا بیان ہے کہ قبلِ اسلام طائف سے پھلوں اور سبزیوں کے علاوہ انگور کی شراب، گیہوں، مکڑی اور دباغت شدہ کھالیں باہر بھیجی جاتی تھیں اور ان کی برآمد سے اہلِ طائف کو کثیر آمدنی ہوتی تھی۔ مکہ، یمن اور شمالی عرب کے علاوہ ایران اور شام میں بھی ان چیزوں کی بے حد مانگ تھی اور طائف ایک اہم تجارتی مرکز کی حیثیت اختیار کر گیا تھا۔ اپنے شہر کی حفاظت کے لیے بنو ثقیف نے ایک ایسی مضبوط فصیل تیار کر لی تھی کہ عرب بھر میں اس کا جواب نہیں تھا۔ امام سہیلیؒ

صاحب "روض الانف" نے لکھا ہے کہ یہ عظیم الشان فصیل بعض کندی (یمنی) کاریگروں نے تعمیر کی تھی لیکن ابوالفرج اصفہانی اور کچھ دوسرے مؤرخین کا بیان ہے کہ طائف کے تاجر اکثر ایران کے شاہی دربار میں آتے جاتے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ ایران کا ایک بادشاہ (جس کے نام کی تصریح نہیں کی گئی) ایک طائفی تاجر پر اس قدر مہربان ہوا کہ اس نے تاجر کو منہ مانگی مراد دینے کا وعدہ کیا۔ وطن پرست تاجر نے بادشاہ (کسریٰ) سے درخواست کی کہ ہمارے دیار کے اردگرد ایک ناقابلِ تسخیر حفاظتی فصیل بنوا دیجئے۔ چنانچہ بادشاہ نے اس کے ساتھ فنِ تعمیر میں طاق ایک ایرانی مہندس بھیج دیا جس نے اپنی نگرانی میں طائف کے اردگرد فصیل بنوائی اور یوں طائفی تاجر کی خواہش پوری کر دی۔ اس فصیل کی تعمیر کے بعد طائف ایک مضبوط اور محفوظ قلعے کی حیثیت اختیار کر گیا جس کو تسخیر کرنا اگر ناممکن نہیں تو سخت محال تھا۔ بنو ثقیف اور ان کے احلاف یوں تو بڑے جنگ آزما لوگ تھے اور بیک وقت سینکڑوں سردانِ جنگی میدان میں لا سکتے تھے لیکن اس کے باوجود وہ مکہ کے طاقتور قبائل قریش سے نہایت قریبی روابط قائم رکھنے کو ناگزیر سمجھتے تھے۔ اس کا ایک سبب تو یہ تھا کہ ان کی بیشتر پیداوار اور مصنوعات کی نکاسی مکہ میں ہوتی تھی اور دوسرا یہ کہ کسی بڑے غنیم کے حملہ کی صورت میں ان کو قریش سے مؤثر امداد مل سکتی تھی۔ چنانچہ ان کے اہلِ مکہ کے ساتھ نہ صرف تجارتی بلکہ ازدواجی تعلقات بھی تھے۔ وہ اپنی لڑکیاں قریش میں اور قریش اپنی بیٹیاں بنو ثقیف میں بیاہنے میں کوئی عار نہیں سمجھتے تھے۔ طائف کے قریب دوسرا طاقتور قبیلہ "بنو ہوازن" کا تھا۔ بنو ثقیف کی اس قبیلہ کے لوگوں سے بھی رشتہ داریاں تھیں۔ اس طرح وہ سیاسی، فوجی اور معاشی ہر لحاظ سے نہایت طاقتور اور محفوظ تھے۔

(٣)

سرورِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی بعثت سے چالیس سال پہلے ابرہہ حبشی (ابرہۃ الاشرم) ایک لشکرِ گراں کے ساتھ مکہ پر حملہ آور ہوا۔ اس لشکر میں ہاتھی بھی شامل تھے۔ اس لیے قرآنِ کریم نے حملہ آوروں کو "اصحاب الفیل" کا نام دیا۔ اس لشکر کی تباہی و بربادی

تاریخ کا مشہور واقعہ ہے۔ اس موقع پر اہلِ طائف اور اہلِ مکّہ کے تعلقات میں کسی قدر رخنہ پڑ گیا۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ طائف کے ایک باشندے ابو رغال نے مکّہ پر حملہ کے لیے ابرہہ کے لشکر کی رہبری کی۔ اہلِ مکّہ کے نزدیک یہ ایک غدارانہ فعل تھا۔ ابرہہ کے لشکر کی تباہی کے ساتھ غالباً ابو رغال بھی ہلاک ہوگیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کی غدارانہ حرکت کی وجہ سے اہلِ مکّہ اور دوسرے اہلِ عرب صدیوں تک اس قبر پر پتھراؤ کرتے رہے۔ یہ قبر مکّہ سے قریب مغمس کے مقام پر تھی۔ چونکہ طائف اور مکّہ زمانۂ قدیم سے ایک دوسرے پر انحصار کرتے چلے آئے تھے اس لیے وہ زیادہ دیر تک ایک دوسرے سے دُور نہ رہ سکے اور دونوں شہروں سے کچھ سن رسیدہ داناؤں کی مساعی سے بنو ثقیف اور قریش کے دیرینہ تعلقات جلد ہی بحال ہوگئے۔

قسم قسم کے میووں، غلّے اور مال و دولت کی فراوانی نے اہلِ طائف کو نشۂ پندار میں بدمست کر دیا تھا۔ وہ اپنے خالقِ حقیقی کو بالکل بھلا بیٹھے تھے اور "لات" و "یالیل" نامی بتوں کی پرستش کرتے تھے۔ "یالیل" ان کا مقامی بت یا دیوتا تھا، جس کی گھر گھر میں پرستش ہوتی تھی اور لات ان کا بڑا بُت تھا جس کو انہوں نے ایک عظیم الشان ہیکل میں نصب کر رکھا تھا۔ یاقوت رومی نے "معجم البلدان" میں لکھا ہے کہ اہلِ طائف نے اپنے ہیکل (بت خانے) کو کعبۂ ثانی کی حیثیت دے رکھی تھی اور اپنے شہر کو بھی ایک حرم قرار دے دیا تھا جس میں چرند پرند کا شکار اور جنگلی درختوں کا کاٹنا ممنوع تھا۔ بعض دوسرے مؤرخین نے یہاں تک لکھا ہے کہ طائف کا بُت خانہ کعبے کا حریف تھا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ان مؤرخین نے اس بارے میں کسی قدر مبالغے سے کام لیا ہے کیونکہ عام اہلِ عرب کو کعبہ سے اس قدر عقیدت تھی کہ وہ اس کے مقابلے میں کسی دوسرے کعبے کا نام سننا بھی گوارا نہ کرتے تھے۔ مشہور تاریخی واقعہ ہے کہ ابرہۃ الاشرم نے یمن میں مصنوعی کعبہ بنایا تو عربوں میں اس کا شدید رَدِّ عمل ہوا اور انہوں نے اس مصنوعی کعبے میں نجاست پھینک کر اپنی نفرت کا بھرپور اظہار کیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اہلِ طائف نے اپنے

بت خانے کی تزئین و آرائش اور اس کی شان و شوکت بڑھانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی تھی لیکن انہوں نے مکہ سے اپنی وابستگی ختم نہیں کی تھی اور دوسرے اہلِ عرب کی طرح وہ بھی حج کے لیے مکہ ہی جاتے تھے۔ البتہ اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ "لات" کے پجاری بعض دوسرے قبیلوں میں بھی تھے اور وہ اس پر چڑھاوے چڑھانے طائف بھی آیا کرتے تھے۔ خود قریشِ مکہ "ہبل" "عُزّیٰ" "مناف" وغیرہ کے علاوہ "لات" کو بھی مانتے تھے۔ صحیح بخاری (تفسیر سورۂ نجم) میں ہے کہ قریش "لات" اور "عزّیٰ" کی قسم کھایا کرتے تھے۔ امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی مُسند میں لکھا ہے کہ قریش سونے سے پہلے "لات" اور "عُزّیٰ" کی پوجا پاٹ کیا کرتے تھے۔ یاقوت نے "معجم" میں بیان کیا ہے کہ قریش کعبہ کا طواف کرتے وقت دوسرے بتوں کے علاوہ "لات" کی جے بھی پکارا کرتے تھے۔ گویا "لات" بنو ثقیف اور قریش کا مشترکہ دیوتا تھا تاہم اس کا خاص معبد طائف میں تعمیر کیا گیا تھا۔ سید سلیمان ندویؒ نے "تاریخ ارض القرآن" میں لکھا ہے کہ "لات" ایک گول سپید پتھر کی صورت میں تھا اور اس پر ایک عمارت تعمیر کر دی گئی تھی۔ لات سے بنو ثقیف کی عقیدت کا یہ عالم تھا کہ ان کے نزدیک اس کی شان میں گستاخی کرنا تباہی اور بربادی کو دعوت دینے کے مترادف تھا بعض روایتوں میں ہے کہ اہلِ طائف کے نزدیک لات کی حیثیت ایک دیبی کی تھی جو بیشمار قوتوں کی مالک تھی۔

بُت پرستی اور شرک کے علاوہ اہلِ طائف دوسرے اخلاقی رذائل میں بھی بُری طرح مبتلا تھے۔ شراب نوشی، سود خواری اور زنا جیسے عیوب ان کی گھٹی میں پڑے تھے اور کثرتِ ازدواج کی یہ کیفیت تھی کہ ایک ایک آدمی نے دس دس عورتیں گھر میں ڈال رکھی تھیں۔ "دائرۂ معارفِ اسلامیہ" کے مطابق ابن حبیب نے "کتاب المحبّر" میں ایک پوری فصل ان ثقفیوں پر لکھی ہے جن کی عہدِ اسلام کے آغاز پر دس دس بیویاں تھیں۔ اہلِ طائف کے یہی لیل و نہار تھے کہ اُفقِ مکہ پر خورشیدِ رسالت کا طلوع ہوا۔

(۴)

بنو ثقیف اور ان کے احلاف کی طرح قریش مکہ بھی گمراہی اور اخلاقی پستی کی دلدل میں گلے گلے تک دھنسے ہوئے تھے۔ جب تک سرورِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے دعوتِ حق کا آغاز نہیں فرمایا تھا، ان کی زبانیں آپؐ کے اعلیٰ و ارفع اخلاق اور پسندیدہ و پاکیزہ خصائل کی تعریفیں کرتے نہ تھکتی تھیں یہاں تک کہ انہوں نے آپؐ کو "الامین" کا لقب دے رکھا تھا لیکن جونہی آپؐ نے ان کو توحید کی دعوت دی اور بت پرستی سے منع فرمایا وہ آتش زیر پا ہو گئے اور آپؐ کی ایذا رسانی کو اپنا شعار بنا لیا۔ ان کی حرماں نصیبی دیکھیئے کہ رحمتِ حق ان کے گھر میں اتری لیکن انہوں نے اس کی طرف سے آنکھیں بند کر لیں۔ مشرکین قریش نے دعوتِ توحید کے جواب میں جو طرزِ عمل اختیار کیا وہ تاریخ کا ایک المناک باب ہے۔

رحمتِ دوعالم صَلَّی اللّٰہ علیہ وَسَلَّم ان کو مسلسل نجاتِ اُخروی کا راستہ دکھاتے رہے لیکن وہ برابر کفر و عصیاں اور تمرّد کے راستے پر گامزن رہے، البتہ جن سعادت مند نفوس کے مقدّر میں اللہ تعالیٰ نے سبقت فی الاسلام کا شرف لکھا تھا انہوں نے ہر قسم کے خطرات کے علی الرغم دعوتِ حق پر لبیک کہی اور اس کی پاداش میں کفّار کے بے پناہ ظلم و ستم کا نشانہ بن گئے۔ ۵ھ اور ۶ھ بعدِ بعثت میں بہت سے مسلمان حضورؐ کے ایما پر حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے لیکن اس سے مشرکین کی آتشِ غضب ٹھنڈی ہونے کے بجائے اور بھڑک اٹھی یہاں تک کہ ۷ھ بعدِ بعثت میں انہوں نے بنو ہاشم اور بنو مُطّلب کو "شعبِ ابی طالب" میں محصور کر دیا اور ان سے ہر قسم کے تعلقات منقطع کر لیے۔ سیدالانامؐ سمیت بنو ہاشم و بنو مُطّلب کے تمام اہلِ حق اور ان کے حامی پورے تین برس تک "شعبِ ابی طالب" میں سرہ گداز مصائب و آلام جھیلتے رہے۔ ۱۰ھ بعدِ بعثت میں یہ دلدوز مقاطعہ ختم ہوا تو چند ماہ بعد حضورؐ کے جاں نثار چچا جناب ابو طالب اور انتہائی غمگسار و وفادار رفیقۂ حیات اُمّ المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ تھوڑے ہی دنوں کے فصل سے وفات پا گئے۔

ان دونوں مونس و غمخوار ہستیوں کے سانحۂ ارتحال سے حضورؐ کو شدید صدمہ پہنچا۔ ابن سعدؒ کا بیان ہے کہ سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم اس سال (سنہ ۱۰ نبوت) کو "عامُ الحُزن" (سالِ غم) سے تعبیر فرمایا کرتے تھے۔ جناب ابو طالب اور حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کی زندگی میں مشرکین کو حضورؐ پر کھلم کھلا کبھی ہاتھ اٹھانے کی جرأت نہ ہوئی تھی لیکن اب وہ حضورؐ کو اذیتیں پہنچانے پر بہت جری ہو گئے، اور آپؐ کو ستانے کے لیے کسی اوچھی سے اوچھی اور ذلیل سے ذلیل حرکت سے بھی دریغ نہ کیا۔ آپؐ کے فرقِ اقدس پر مٹی پھینکنے، سجدے کی حالت میں آپؐ کے دوشِ مبارک (یا پشتِ مبارک) پر اونٹنی کا اوجھ رکھنے، آپؐ کو غلیظ گالیاں دینے اور اسی قبیل کی اور بے ہودگیوں کے واقعات اسی زمانے کے ہیں۔ قریش کی شدید مخالفت، شرارتوں اور ایذا رسانیوں کے باوجود ہادیٔ برحق صلّی اللہ علیہ وسلّم نے دعوت الی اللہ کا کام بدستور جاری رکھا لیکن جب آپؐ نے دیکھا کہ ان لوگوں کی ضد اور شقاوت انتہا کو پہنچ چکی ہے تو آپؐ نے یہی مناسب سمجھا کہ کچھ عرصہ کے لیے ان لوگوں کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے اور طائف جا کر وہاں کے صاحب اثر اشراف و رؤساء کو حق کی دعوت دی جائے۔ اس سے پہلے حضورؐ کی بعثت اور آپؐ کی دعوت کا حال اہلِ طائف کو معلوم ہو چکا تھا لیکن انہوں نے اسے درخورِ اعتنا ہی نہ سمجھا تھا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ ان کے اور اہلِ مکّہ کے درمیان صرف تجارتی تعلقات ہی نہیں تھے بلکہ رشتہ داریوں کے بندھن بھی تھے مؤرخین نے اس سلسلے میں ابو سفیانؓ (اموی) ابولہب (ہاشمی) اور معمر جمحیؓ کی بیٹیوں کا خصوصیت سے ذکر کیا ہے جو طائف میں بیاہی گئی تھیں۔ اسی طرح طائف کی کئی لڑکیاں مکّے میں بیاہی گئی تھیں۔ بنو ثقیف کا ایک شخص اَخنس بن شریق مکّے میں آ کر حضورؐ کے ننھیالی خاندان بنو زہرہ کا حلیف بن گیا تھا اور اپنی قابلیت کی بناء پر مکّے میں سرداری کا مقام حاصل کر لیا تھا بعض روایتوں میں ہے کہ بنو زہرہ کی بنو ثقیف کے خاندان "بنو عبد یا لیل" کے ساتھ رشتہ داری تھی اس لیے طائف کے بنو عبد یا لیل کو حضورؐ کے ماموؤں کا خاندان کہا جاتا تھا۔ علاوہ ازیں مکّہ کے کئی رؤساء نے طائف میں

زمینیں خرید کر وہاں باغات لگا رکھے تھے۔ دونوں شہروں کے باشندے ایک دوسرے کے ہاں اس کثرت سے آتے جاتے رہتے تھے کہ "من تو شدم تو من شدی" والا معاملہ ہوگیا تھا۔ پھر قریش مکہ کو کعبہ کی تولیت کی وجہ سے عرب بھر میں جو منفرد مقام حاصل تھا اس کی وجہ سے بھی طائف کے لوگ اہل مکہ کے زیر اثر تھے لیکن ان باتوں کے باوجود اگر دونوں شہروں کے حالات کا بنظر غائر جائزہ لیا جائے تو یہ نتیجہ اخذ کرنا غلط نہ ہوگا کہ اہل طائف میں اتنا دم خم ضرور موجود تھا کہ وہ اہل مکہ کی روش کے خلاف آزادانہ طرز عمل بھی اختیار کر سکتے تھے۔ اس کے بعض عمائد بدوی قبائل میں زبردست اثر و رسوخ کے مالک تھے اور لوگ ان کو سر آنکھوں پر بٹھاتے تھے۔ رئیس طائف عروہ بن مسعود ثقفی کا قریش مکہ کے نزدیک جو مرتبہ تھا وہ اُن کے اس قول سے ظاہر ہوتا ہے جس کی طرف قرآن حکیم میں اشارہ کیا گیا ہے کہ "قرآن ان بستیوں (مکہ اور طائف) کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہ اترا"۔ ان دو بڑے آدمیوں سے قریش کی مراد ولید بن مغیرہ مخزومی اور عروہ بن مسعود ثقفی تھے۔

طائف کا ایک شاعر اور مفکر جس کو بعثت نبوی کے وقت ملک گیر شہرت حاصل تھی، اُمیہ بن ابی الصلت ثقفی تھا۔ وہ زمانۂ جاہلیت کے ان اشخاص میں شمار ہوتا ہے جنہیں حُنفا کہا جاتا ہے، وہ توحید باری تعالیٰ، یوم آخرت، جزا و سزا، عرش، ملائکہ اور سابقہ انبیاء کا قائل تھا اور اپنے اشعار میں اکثر ان کا ذکر کرتا تھا۔ صاحب الاغانی کا بیان ہے کہ اُمیہ بن ابی الصلت کو خود منصب نبوت پر فائز ہونے کی امید تھی۔ چنانچہ جب اس نے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی خبر سُنی تو سخت مایوس ہوا محض رشک اور حسد کی بنا پر اس نے حضورؐ کی رسالت کو تسلیم نہ کیا اور آپؐ کی برگزیدگی اور عظمت کا اعتراف کرنے کے باوجود شرف ایمان سے محروم رہا۔

عرب کا نامور طبیب حارث بن کلدہ بھی بنو ثقیف ہی کا چشم و چراغ تھا اور اپنی دانائی اور حذاقت کی بنا پر "طبیب العرب" کے لقب سے مشہور تھا۔ اس نے ایران جاکر "جندی شاپور" کے شہرہ آفاق "طبی دار العلم" میں تعلیم پائی تھی۔ ایک

دفعہ انوشیرواں (نوشیروانِ) عادل شاہِ ایران نے اسے اپنے دربار میں بُلا بھیجا اور بڑی دیر تک اس سے گفتگو کرتا رہا۔ حارث بن کلدہ نے بادشاہ کے ہر سوال کا جواب ایسی عمدگی سے دیا کہ وہ حارث کی غیر معمولی ذہانت، عقل و دانش، حذاقت اور تبحرِ علمی کا قائل ہو گیا۔ اہلِ مکہ بھی اس کے علاج اور مشوروں سے اکثر فائدہ اٹھایا کرتے تھے۔ خود سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ایک دفعہ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کے علاج کے لیے اسے مکہ بلا بھیجا تھا۔ افسوس کہ اس شخص کو بھی دعوتِ حق قبول کرنے کی توفیق نصیب نہ ہوئی۔ (مؤرخین کا عام طور پر یہی خیال ہے۔ اگرچہ بعض نے اخیر عمر میں اس کے مشرف بہ اسلام ہو جانے کا خیال بھی ظاہر کیا ہے۔ واللہ اعلم)

بنو ثقیف کا ایک اور مشہور شخص عمرو بن امیہ بن العلاج تھا، وہ غیر معمولی صلاحیتوں کا مالک تھا اور سارا عرب اس کی عبقریت کا معترف تھا۔ اس طرح نامور شاعر النابغۃ الجعدی کا تعلق بھی طائف سے تھا۔

بنو ثقیف کے ایک اور بااثر رئیس غیلان بن سلمہ کے حالات اسی کتاب میں تفصیل کے ساتھ الگ بیان کیے گئے ہیں۔

مختصر یہ کہ طائف محض ایک زرخیز، شاداب اور خوش سواد خطۂ زمین ہی نہیں تھا بلکہ اس دور کے متعدد ناموران عرب کا مرز بوم بھی تھا۔ اہلِ طائف کی اس اہم حیثیت کے پیشِ نظر رحمتِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ان کو براہِ راست دعوتِ توحید دینے کا قصد فرمایا۔ بلا شبہ اس میں یہ خطرہ ضرور تھا کہ شاید اہلِ طائف بھی مشرکینِ مکہ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے معاندانہ طرزِ عمل اختیار کریں لیکن اس امکان کو بھی رد نہیں کیا جا سکتا تھا کہ اللہ تعالیٰ انہیں قبولِ حق کی توفیق دے اور وہ اسلام کے قوی دست و بازو بن جائیں۔

(۵)

شوال ۱۰ بعد بعثت کے آخر میں سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے مکہ سے طائف کا عزم فرمایا۔ بعض روایتوں میں مکہ معظمہ سے آپؐ کے روانہ ہونے کی تاریخ ۲۷ شوال

بیان کی گئی ہے۔ امام ابن اسحاقؒ کا بیان ہے کہ حضورؐ تنہا تشریف لے گئے تھے لیکن ابن سعدؒ، ابن قتیبہؒ، بلاذریؒ اور بعض دوسرے اہلِ سیر نے لکھا ہے کہ سفرِ طائف میں حِبُّ النبیؐ حضرت زیدؓ بن حارثہ بھی آپؐ کے ساتھ تھے۔ جمہور مؤرخین نے انہی روایات کو ترجیح دی ہے۔ مکہ سے طائف تک تمام سفر حضورؐ نے پیادہ پا کیا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ اثنائے سفر میں مکہ اور طائف کے درمیان بسنے والے کچھ قبیلوں کو بھی حضورؐ نے توحید کی دعوت دی لیکن انہوں نے اس پر مطلق کوئی دھیان نہ دیا۔ جس وقت حضورؐ نے طائف کو اپنے قدومِ میمنت لزوم سے مشرف فرمایا، بنو ثقیف کی زمامِ قیادت عمرو بن عمیر بن عوف ثقفی کے تین بیٹوں عبد یالیل[1]، مسعود اور حبیب کے ہاتھوں میں تھی[2] اور ان میں سے ایک کی شادی قریش کے خاندان بنو جمح میں ہوئی تھی اور صفیہ بنتِ معمر جمحی اس کی اہلیہ تھی۔ سرسبز باغات اور زرخیز زمینوں کی بے حساب آمدنی نے ان تینوں بھائیوں کا دماغ آسمان پر چڑھا رکھا تھا اور وہ کسی دوسرے کو خاطر ہی میں نہ لاتے تھے۔ حضورؐ ان تینوں سے ملے، توحید کی دعوت دی اور اپنی آمد کی غرض بیان کی لیکن یہ تینوں دعوتِ حق پر ٹھنڈے دل سے غور کرنے کے بجائے برہم ہو گئے اور سخت بداخلاقی کا مظاہرہ کیا۔ عبد یالیل نے تنک کر کہا:

"اگر خدا نے تمہیں رسول بنایا ہے تو گویا اس نے کعبہ کا غلاف پرزے پرزے کر ڈالا ہے۔" (یا بروایتِ دیگر "تو میں کعبے کے پردے نوچ ڈالوں گا۔")

دوسرے بھائی مسعود نے تمسخر آمیز لہجے میں کہا:

"کیا خدا کو تمہارے سوا اور کوئی نہ ملتا تھا کہ اسے رسول بناتا، تمہارے پاس تو چڑھنے کے لیے سواری تک نہیں۔"

---

[1] یہی عبد یالیل ہیں جن کے حالات ہم یہاں بیان کر رہے ہیں۔

[2] اربابِ سیر نے ان کے ایک چوتھے بھائی ربیعہ کا ذکر بھی کیا ہے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سفرِ طائف کے سلسلے میں ان کا نام کسی نے نہیں لیا۔

تیسرا بھائی حبیب منطقیانہ انداز میں یوں گویا ہوا :

"میں تم سے مطلق کوئی بات نہیں کرنا چاہتا، اگر تم واقعی خدا کے سچے رسول ہو تو تمہاری بات کو جھٹلانا سخت خطرناک اور خلاف ادب ہے اور اگر تم جھوٹے ہو تو ایک کذاب سے گفتگو کرنا میرے شایان شان نہیں"۔

حضورؐ نے ان کے مایوس کن جوابات سن کر فرمایا کہ خیر میرے ساتھ جو سلوک تم نے کیا سو کیا اب کم از کم اتنا تو کرو کہ جو باتیں ہمارے درمیان ہوئی ہیں ان کو پردۂ اخفاء میں رکھو۔

حضورؐ کی یہ خواہش اس خیال کے پیش نظر تھی کہ اگر قریش کو ان باتوں کا علم ہو گیا تو وہ اہلِ حق پر جور و تعدی کرنے میں اور دلیر ہو جائیں گے، لیکن بنو ثقیف کے ان تینوں سرداروں نے حضورؐ کی اس خواہش کا جواب خندۂ استہزاء سے دیا اور عربوں کی روایتی مہمان نوازی کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اپنے غلاموں، شہر کے لفنگوں، شہدوں اور شریر لونڈوں کو اشارہ کر دیا کہ حق کے داعیٔ اعظمؐ کو خوب ستائیں یہاں تک کہ وہ طائف سے نکل جائیں۔ ان شریروں کو تفننِ طبع کا ایک سامان ہاتھ آ گیا۔ حضورؐ ان کو نیکی اور بھلائی کی طرف بلاتے اور وہ اس کے جواب میں آپؐ کو غلیظ گالیاں دیتے، ٹھٹھا کرتے، تالیاں بجاتے اور پتھر مارتے تھے۔ باختلافِ روایت حضورؐ دس دن یا ایک ماہ تک طائف میں مقیم رہے۔ ابنِ سعد کے بیان کے مطابق طائف میں آپؐ کے قیام کی کل مدت دس دن تھی لیکن حافظ سخاویؒ اور ابن قتیبہؒ نے لکھا ہے کہ آپؐ نے ایک مہینہ طائف میں قیام فرمایا اور اس دوران میں وہاں کے تمام اشراف و رؤسا کو حق کی دعوت دی۔ حافظ سخاویؒ نے یہ وضاحت بھی کی ہے کہ پہلے بیس دن آپؐ دوسرے لوگوں سے ملتے رہے پھر عبد یالیل اور اس کے بھائیوں سے ملے اور اس ملاقات کے بعد آپؐ دس دن اور طائف میں ٹھہرے۔ یہ دس دن حضورؐ پر نہایت سخت تھے آپؐ جدھر کا رُخ کرتے، طائف کے شریر النفس لوگ آپؐ کا تعاقب کرتے۔ انہوں نے شقاوت، خباثت اور غنڈہ پن کی انتہا کر دی۔ عربوں کی قومی روایات کو بُری

طرح پامال کیا۔ دریدہ دہنی اور ستمگری کا وہ طوفانِ بدتمیزی برپا کیا کہ زمین و آسمان تھرا اٹھے۔ جاں نثارِ رسول حضرت زیدؓ بن حارثہ حضورؐ کے دائیں بائیں آگے پیچھے دوڑتے پھرتے تھے اور بدمعاشوں کے پتھروں کو اپنے ہاتھوں اور جسم پر روکتے تھے لیکن جب چاروں طرف سے پتھروں کی بوچھاڑ ہو رہی ہو تو فخرِ موجوداتؐ کی ذاتِ گرامی ضرر سے کیسے محفوظ رہ سکتی تھی۔ حضورؐ کا جسمِ اقدس لہولہان ہو جاتا تھا اور ٹخنوں، پنڈلیوں اور گھٹنوں سے خون کے دھارے بہہ نکلتے تھے۔ ایک دن شریروں نے اتنے پتھر برسائے کہ حضرت زیدؓ بھی زخموں سے چُور چُور ہو گئے۔ (ابن سعدؒ کا بیان ہے کہ ان کا سر پھٹ گیا) اور حضورؐ بھی مجروح و نزار ہو کر زمین پر گر پڑے۔ اس وقت جسمِ پاک کے ہر حصے سے خون رِس رہا تھا۔ شریروں نے بغلوں میں ہاتھ دے کر کھڑا کر دیا اور پھر پتھر برسانے شروع کر دیئے۔ آخر انسانیت کے محسنِ اعظمؐ اپنے جاں نثار ساتھی کے ہمراہ زخموں سے چُور اور خون میں غلطیدہ طائف سے نکلے اور کچھ دُور جا کر ایک باغ کے اندر انگور کی ٹٹیوں میں پناہ لی۔ طائفی اوباش بھی اب تھک ہار کر واپس چلے گئے۔ باغ میں ذرا اطمینان کی سانس لینی نصیب ہوئی تو حضرت زیدؓ نے اپنی چادر سے حضورؐ کے جسمِ اطہر سے خون صاف کیا۔ نعلین میں خون اس طرح جم گیا تھا کہ حضورؐ بمشکل اپنے پاؤں باہر نکال سکے۔ قریب ہی پانی موجود تھا۔ حضورؐ لڑکھڑاتے ہوئے اٹھے، وضو کیا اور بارگاہِ رب العزت میں وہ پُرسوز دعا کی جو تاریخ میں "دعائے طائف" کے نام سے مشہور ہے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ پہلے آپؐ نے دو رکعت نماز پڑھی اور اس کے بعد یہ دعا مانگی۔ ابن ہشامؒ، ابن جریر طبریؒ، ابن قیمؒ، حافظ ابن کثیرؒ اور کئی دوسرے اربابِ علم نے معمولی لفظی تغیر کے ساتھ اس دُعا کے جو الفاظ نقل کیے ہیں ان کا ترجمہ یہ ہے:

"الٰہی! میں اپنے ضعف، بے بسی اور لوگوں کی نظروں میں اپنی تحقیر اور بے بضاعتی کی فریاد تجھ ہی سے کرتا ہوں۔ اے ارحم الراحمین! اے درماندہ ناتوانوں کے مالک، تو ہی میرا رب ہے۔ اے میرے آقا تو مجھے

کس کے سپرد کرتا ہے۔ بیگانوں کے جو ترش رو ہوں گے یا دشمنوں کے جو میرے نیک و بد کے مالک ہوں گے۔ بارِ خداوندا! جب تک تو مجھ سے ناخوش نہیں ہے مجھے ان مصائب کی پروا نہیں ہے کیونکہ تیری عافیت اور بخشش میرے لیے بہت وسیع ہے۔ میں پناہ مانگتا ہوں تیری ذاتِ پاک کے نور کی جس سے آسمان روشن ہوئے، تاریکیاں دور ہوئیں اور دنیا و آخرت کے کام ٹھیک ہوئے۔ تجھ سے اس بات کی پناہ مانگتا ہوں کہ مجھ پر غضب نازل کرے یا تیری ناخوشی مجھ پر وارد ہو اور تجھی کو جب تک چاہے عتاب کرنے کا حق ہے، میں تیری مرضی پر راضی ہوں یہاں تک کہ تو راضی ہو جائے اور تیری مدد اور تائید کے بغیر کسی کو کوئی قدرت نہیں۔"

جس باغ میں سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اور حضرت زیدؓ بن حارثہ نے پناہ لی تھی۔ اس کے مالک مکّہ کے دو رئیس بھائی عُتبہ و شیبہ فرزندانِ ربیعہ (بن عبدشمس بن عبد مناف بن قصیّ) تھے۔ وہ اتفاق سے طائف آئے ہوئے تھے اور وہ اس وقت باغ میں موجود تھے۔ انہوں نے دُور سے ان زخمی اور خستہ حال مسافروں کو دیکھا تو مشرک ہونے کے باوجود ان کی رگِ حمیت پھڑک اٹھی کیونکہ حضورؐ ان کے ہم وطن بھی تھے اور قریشی بھی۔ پھر ان میں عربی شرافت اور مہمان نوازی ابھی موجود تھی دونوں بھائیوں نے اپنے نصرانی غلام عدّاس کو حکم دیا کہ جاؤ انگوروں کا ایک خوشہ طباق میں رکھ کر ان مسافروں کو دے آؤ۔ عدّاس بھی ان مقدس مسافروں کی حالت سے بہت متاثر تھا۔ اس نے جلدی جلدی کچھ پکے ہوئے انگور چُنے اور ایک طباق میں رکھ کر آپؐ کی خدمت میں پیش کیے اور کہا:

"یہ میرے آقا نے بھیجے ہیں آپ ہماری پناہ میں ہیں اور ہمارے مہمان ہیں۔"

حضورؐ نے "بسم اللہ" (بروایتِ دیگر بسم اللہِ الرَّحمٰنِ الرَّحیم) کہہ کر انگوروں کی طرف دستِ مبارک بڑھایا تو عدّاس حیران رہ گیا، اس نے کہا:

"خدا کی قسم اس سرزمین کے باشندوں سے تو میں نے کبھی ایسا کلمہ نہیں سنا۔"
حضورؐ نے پوچھا: "بھائی تمہارا آبائی وطن کونسا ہے اور تم کس دین کے پیرو ہو؟"
عداس نے جواب دیا: "میں ارضِ نینویٰ کا رہنے والا ہوں اور دینِ مسیحی کا پیرو ہوں۔"
حضورؐ نے فرمایا: "اچھا تو تم مردِ صالح یونسؑ ابن متیٰ کے ہم وطن ہو۔"
فرطِ تحیّر سے عداس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں بے اختیار ہو کر پوچھا:
"یونسؑ بن متیٰ، آپ یونسؑ بن متیٰ کو کیسے جانتے ہیں؟"
حضورؐ نے فرمایا: "یونسؑ میرے بھائی ہیں وہ بھی خدا کے نبی تھے اور میں بھی خدا کا نبی ہوں۔"
عداس کو اللہ تعالیٰ نے فطرتِ سعید عطا فرمائی تھی اور پھر وہ تورات و انجیل میں بھی شُدبُد رکھتا تھا۔ لسانِ رسالت سے اعلانِ نبوّت سُن کر اس کو یقین ہو گیا کہ مقدّس مسافر فی الحقیقت نویدِ مسیحا اور یوحنا کا "وہ نبی" ہے۔ اسی وقت رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں گر پڑا۔ اشک ہائے عقیدت سے انہیں تر کیا اور پھر والہانہ آپؐ کے سرِ اقدس اور ہاتھوں کو چومتے ہوئے عرض پیرا ہوا:

اشہد انک عبد اللہ ورسولہ

(میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک آپ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں)

عتبہ اور شیبہ دُور سے عداسؓ کی یہ کیفیت دیکھ رہے تھے۔ جب وہ ان کے پاس لوٹ کر گیا تو انہوں نے کہا: "تجھے کیا ہو گیا کہ تو اس مسافر کے ہاتھ پاؤں اور سر چومنے لگا؟"

عداس نے جواب دیا: —— "صاحبو! یہ مسافر ایک رفیع المرتبت ہستی ہے۔ آج رُوئے زمین پر اس سے بہتر کوئی انسان نہیں ہے، اس نے مجھے ایک ایسی بات بتائی جو ایک نبی کے سوا کسی کو معلوم نہیں ہو سکتی۔"

دونوں بھائیوں نے عداسؓ کو ڈانٹ پلائی کہ خبردار اپنا دین ترک نہ کرنا، تیرا دین اس مسافر کے دین سے بہتر ہے۔

باغ میں کچھ دیر ستانے کے بعد حضورؐ طائف سے چل پڑے۔ اس وقت آپؐ سخت اندوہگین تھے۔ صحیحین میں اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ میں نے ایک مرتبہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے پوچھا:

"یا رسول اللہؐ! کیا آپ پر کوئی ایسا دن بھی آیا ہے جو یومِ اُحُد سے زیادہ سخت ہو؟"

حضورؐ نے فرمایا: "ہاں۔ وہ دن سب سے زیادہ سخت تھا جب میں نے طائف سے مراجعت کی تھی۔ میں (باغ سے نکل کر) ملول و محزون آرہا تھا کہ "قرن الثعالب" (جس کو "قرن المنازل" بھی کہا جاتا ہے) کے مقام پر اچانک ابر کے ایک ٹکڑے نے میرے اوپر سایہ کرلیا، میں نے نظر اٹھا کر دیکھا تو جبرئیلؑ دکھائی دیئے۔ انہوں نے پکار کر مجھ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے وہ سب کچھ سُن لیا ہے جو آپ کی قوم نے آپ سے کہا اور اس سلوک کو بھی دیکھ لیا جو دعوتِ توحید کے جواب میں آپ سے روا رکھا گیا، یہ پہاڑوں کا فرشتہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے پاس بھیجا ہے تاکہ آپ جو چاہیں اسے حکم دیں۔ اتنے میں فرشتۂ جبال نے پکار کر مجھے سلام کیا اور کہا، اے محمدؐ مجھے آپ کے رب نے آپ کے پاس بھیجا ہے کہ آپ کے ہر ارشاد کی تعمیل کروں، اگر آپ کی مرضی مبارک ہو تو اس وادی کے دوطرفہ پہاڑوں کو باہم ملا کر یہاں کی تمام آبادی کو تہس نہس کردوں۔"

میں نے جواب دیا، نہیں میں ایسا نہیں چاہتا بلکہ مجھے اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی پشتوں سے ایسے لوگ پیدا کرے گا جو خدائے واحد کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔

بعض اہلِ سِیَر نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ فرشتۂ جبال نے حضورؐ سے اہلِ طائف کو تباہ کرنے کی اجازت طلب کی تھی لیکن بعض نے اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ اس نے جبلِ بوقبیس اور جبلِ قعیقعان کو باہم ملا کر اہلِ مکہ کو تباہ کرنے کا اِذن مانگا تھا کیونکہ

یہ اہلِ مکّہ کا ظلم و عناد ہی تھا جس کے باعث آپ کو طائف جانا پڑا تھا۔

(۶)

رمضان المبارک ۸ھ ہجری میں مکّہ پر پرچم اسلام بلند ہوا تو سارے عرب نے اسلام کی صداقت اور عظمت کے سامنے سر جھکا دیا لیکن بنو ثقیف اور بنو ہوازن کی بدبختی تھی یا کم عقلی کہ مکّہ پر اہلِ حق کے استیلا نے ان کو سیخ پا کر دیا اور وہ اسلام کا قلع قمع کرنے کے لیے زور شور سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ مؤرخین نے ثقیف اور ہوازن کی طرزِ عمل کی مختلف توجیہات کی ہیں۔ بعض نے لکھا ہے کہ یہ لوگ مسلمانوں کو بت شکنی کی سزا دینے کے علاوہ اہلِ مکّہ کے ان باغات اور قطعات پر بلا دغدغہ قبضہ کرنا چاہتے تھے جو طائف میں تھے۔ بعض نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ وہ مکّہ کی منڈی ہاتھ سے نکل جانے پر مشتعل ہو گئے۔ کچھ اس طرف گئے ہیں کہ اسلام کا روز افزوں غلبہ دیکھ کر وہ مضطرب ہو گئے کہ اب ان کی باری آنے والی ہے، یہی سوچ کر انہوں نے خود سبقت کر کے پوری قوت سے مسلمانوں پر یلغار کرنے کی ٹھانی۔ قطع نظر اس کے کہ ان لوگوں کی سرکشی کا حقیقی سبب کیا تھا انہوں نے نہایت اہتمام سے لڑائی کی تیاری کی اور قبائل مضر، ہلال اور جشم کو بھی اپنے ساتھ ملا کر مکّہ کی طرف بڑھے۔ حضورؐ کو ان لوگوں کے فاسد ارادے کی اطلاع ملی تو آپؐ ایک لشکرِ گراں کے ساتھ ان کے مقابلے کے لیے مکّہ معظمہ سے روانہ ہوئے۔ وادیٔ حنین میں دونوں لشکروں کے درمیان خونریز لڑائی ہوئی جس میں بنو ہوازن، بنو ثقیف اور ان کے حلیفوں کو عبرتناک شکست ہوئی اور وہ دو حصوں میں منتشر ہو گئے۔ ایک گروہ نے بھاگ کر طائف میں پناہ لی اور دوسرا اوطاس کی گھاٹی میں جا چھپا۔ حضورؐ نے حضرت ابو عامر اشعریؓ کی قیادت میں ایک مختصر فوج اوطاس بھیجی۔ حضرت ابو عامرؓ اگرچہ مردانہ وار لڑتے ہوئے شہید ہو گئے لیکن ان کی فوج نے مشرکین کو شکست فاش دے کر نہ صرف بے شمار مالِ غنیمت پر قبضہ کر لیا، بلکہ دشمن کی بہت بڑی تعداد کو قیدی بھی بنا لیا۔ طائف کی طرف حضورؐ نے خود پیشقدمی فرمائی اور اس کا نہایت سختی سے محاصرہ کر لیا۔ اس وقت طائف اپنی

مضبوط شہر پناہ (فصیل) کی بدولت ایک ناقابلِ تسخیر قلعے کی حیثیت رکھتا تھا۔
اہلِ طائف نے اس میں سال بھر کی رسد اور کثیر مقدار میں سامانِ حرب و ضرب جمع کر رکھا تھا اور وہ فصیل کے لاتعداد برجوں اور دمدموں سے طویل عرصے تک شہر کا مؤثر دفاع کر سکتے تھے۔ یوں بھی بنو ثقیف اور ان کے احلاف جنگ آزما لوگ تھے اور فنونِ حرب سے ان کے لگاؤ کا یہ عالم تھا کہ ان کے بعض افراد نے جرش جا کر منجنیق، دبابہ، ضبور جیسے قلعہ شکن اور دفاعی آلاتِ حرب بنانے کی تعلیم حاصل کی تھی (جرش اس زمانے میں اس قسم کا سامانِ حرب بنانے کا بہت بڑا مرکز تھا) بعض مؤرخین نے اس سلسلے میں غیلان بن سلمہ ثقفی اور عروہ بن مسعود ثقفی کا نام خصوصیت سے لیا ہے۔ ابنِ ہشام کا بیان ہے کہ ان دونوں کو یہ فن سیکھنے کے لیے حضورؐ نے جرش بھیجا تھا اس لیے وہ غزوۂ حنین اور محاصرۂ طائف میں حضورؐ کے ساتھ نہ رہ سکے۔
لیکن بیشتر روایتوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ غیلانؓ بن سلمہ اور عروہؓ بن مسعود نے محاصرۂ طائف کے بعد اسلام قبول کیا تھا اس لیے صحیح یہ ہے کہ انہوں نے قبولِ اسلام سے پہلے اس صنعت (یا فن) کی تعلیم حاصل کی تھی۔ البتہ بعض دوسرے مسلمانوں کو حضورؐ نے غزوۂ خیبر کے بعد یہ صنعت سیکھنے کے لیے ضرور جرش بھیجا تھا۔

محاصرے کے دوران میں مسلمانوں نے بار بار قلعے پر حملے کیے لیکن قلعہ بند طائفیوں نے زبردست مزاحمت کی اور مسلمانوں پر فصیلِ شہر سے بے پناہ آتش باری اور تیر اندازی کر کے انہیں قلعہ میں داخل نہ ہونے دیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ قلعے کی برجیوں سے لوہے کی گرم سلاخوں، پتھروں اور تیروں کی بارش کر دیتے تھے۔ مسلمانوں نے شہر پناہ میں شگاف ڈالنے کے لیے منجنیق اور دبابے بھی استعمال کیے لیکن مضبوط فصیل کو مطلق کوئی ضرر نہ پہنچا۔ تقریباً تین ہفتے کے محاصرے کے بعد حضورؐ نے مسلمانوں کو محاصرہ اٹھا کر مدینہ منورہ کی طرف مراجعت کرنے کا حکم دیا۔ حضورؐ نے قلعہ فتح کیے بغیر طائف کا محاصرہ کیوں اٹھا لیا؟ مؤرخین نے اس کے جواب میں مختلف قیاس آرائیاں کی ہیں جن میں سے کچھ یہ ہیں:

(۱) محاصرے کا طویل عرصے تک جاری رہنا ملک کے امن و امان میں خلل ڈال سکتا تھا۔

(۲) طائف کو لاتعداد جانوں کی قربانی دے کر مسخّر کرنے سے یہ بہتر تھا کہ اہلِ طائف پر معاشی دباؤ ڈال کر جھکنے پر مجبور کیا جائے۔

(۳) قریش مکہ اور دوسرے عرب قبائل کے قبولِ اسلام کے بعد طائف کے لیے ممکن نہ تھا کہ وہ زیادہ عرصے تک اپنی انفرادیت اور اہمیت برقرار رکھ سکے۔

(۴) اہلِ طائف کو سرکشی کی سزا دینے کے لیے حضورؐ نے اعلان کیا کہ شہر سے باہر ان کے تمام باغات برباد کر دیے جائیں گے۔ یہ اہلِ طائف کی دُکھتی رگ تھی اِنہوں نے ابن الاسود ثقفی کو حضرت مغیرہؓ بن شعبہ اور حضرت ابو سفیانؓ کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ اگر محمد (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) نے ہمارے باغوں کو برباد کر دیا تو ہم اپنی روزی سے محروم ہو جائیں گے۔ ان سے خدا اور صلۂ رحمی کا واسطہ دے کر درخواست کریں کہ وہ فی الحال ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دیں۔ حضورؐ کے سامنے یہ درخواست پیش ہوئی تو آپؐ نے محاصرہ کو مزید طول دینا مناسب نہ سمجھا۔

طائف کا محاصرہ اٹھانے کا پس منظر کچھ بھی ہو، حضورؐ نے اس دُعا کے ساتھ اہلِ طائف کو اپنے حال پر چھوڑ دیا:

اَللّٰھُمَّ اھْدِ ثَقِیْفًا وَّاْتِ بِھِمْ

(الٰہی ثقیف کو ہدایت دے کہ میرے پاس حاضر ہو جائیں)

غزوۂ طائف میں باختلافِ روایت بارہ یا تیرہ مسلمان شہید ہوئے۔ ان کی قبریں آج بھی طائف کی موجودہ فصیل کے باہر موجود ہیں۔

(۷)

سرورِ عالم صَلَّی اللّٰہ علیہ وَسَلَّم غزوۂ طائف سے واپس تشریف لاتے ہوئے ایک قریبی مقام جعرانہ میں رونق افروز ہوئے اور وہاں چودہ دن مقیم رہ کر حنین اور اوطاس کا مالِ غنیمت تقسیم فرمایا۔ ابھی حضورؐ جعرّانہ ہی میں تھے کہ طائف کے مردِ بزرگ عروہ بن مسعود ثقفی کے نہاں خانۂ دل میں یکایک شمعِ ایمان روشن ہو گئی، حضورؐ کے پیچھے پیچھے

جعرّانہ پہنچ گئے اور بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر سعادت اندوزِ اسلام ہو گئے۔ قبولِ اسلام کے بعد چند دن حضورؐ سے اسلام کی تعلیم حاصل کی اور آپؐ سے اجازت مانگی کہ طائف جا کر بنو ثقیف کو حق کی دعوت دیں۔ حضورؐ نے بنو ثقیف کی شقاوتِ قلبی کے پیشِ نظر فرمایا:
"مجھے خدشہ ہے کہ تمہاری قوم تمہیں قتل کر دے گی۔"

انہوں نے عرض کیا "یا رسول اللہ! اہلِ طائف میری بے انتہا تعظیم و تکریم کرتے ہیں اور بمنزلہ اپنے باپ کے سمجھتے ہیں، مجھے امید ہے کہ وہ میری بات کو رد نہیں کریں گے۔"
ان کا جوشِ ایمان دیکھ کر حضورؐ نے انہیں تبلیغِ حق کی اجازت دے دی۔

عروہؓ نے طائف پہنچ کر جونہی اپنے اسلام کا اعلان کیا اور لوگوں کو توحید کی دعوت دی، اہلِ طائف ان کے خون کے پیاسے ہو گئے۔ امام حاکمؒ نے اپنی "مستدرک" میں لکھا ہے کہ حضرت عروہؓ فجر کی اذان دے رہے تھے کہ بنو مالک (ثقیف کی ایک شاخ) کے ایک شخص اوس بن عوف نے تاک کر ایسا تیر مارا کہ ان کی رگِ اکحل میں پیوست ہو گیا۔ یہ تیر پیغامِ قضا ثابت ہوا۔ جب ان کی جانبری کی کوئی امید نہ رہی تو ان کے اہلِ خاندان ہتھیار باندھ کر ان کے پاس آئے اور کہا کہ ہم آپ کا بدلہ ضرور لیں گے خواہ ہمارا بچہ بچہ مارا جائے جب تک ہم بنو مالک کے دس سردار قتل نہ کر لیں گے ہم کو چین نہ آئے گا۔ حضرت عروہؓ نیک نفسی میں اپنی مثال آپ تھے۔ انہوں نے فرمایا ـــــ "یہ تو اللہ تعالیٰ کا مجھ پر خاص احسان ہے کہ اس نے مجھے رتبۂ شہادت سے سرفراز فرمایا۔ میرے بدلہ میں کسی کو قتل نہ کرو میں نے اپنا خون معاف کیا، میری تو اب صرف یہ آرزو ہے کہ مجھے رسول اللہ صَلَّی اللہ عَلَیہِ وَسَلَّم کے ان ساتھیوں کے پاس دفن کرنا جو محاصرۂ طائف کے دوران میں شہید ہوئے۔" ایک اور روایت میں حضرت عروہؓ سے یہ الفاظ بھی منسوب ہیں۔ "میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صَلَّی اللہ عَلَیہِ وَسَلَّم اللہ کے سچے رسول ہیں جنہوں نے مجھے اس بات کی خبر دی تھی کہ تمہاری قوم تمہیں قتل کر ڈالے گی۔"

اس وصیت کے بعد حضرت عروہؓ نے اپنی جان جانِ آفرین کے سپرد کر دی۔ اہلِ خاندان نے طائف کے گنجِ شہیداں میں سپرد کر کے ان کی آخری تمنا پوری کر دی۔ رحمتِ عالم صَلَّی اللہ عَلَیہِ وَسَلَّم

کو حضرت عروہؓ کی شہادت کی اطلاع ملی تو آپؐ نے فرمایا : "عروہؓ کی مثال صاحبِ یٰسین (حضرت عیسیٰؑ) جیسی ہے جنہوں نے اپنی قوم کو حق کی طرف بلایا اور اس نے انہیں شہید کر ڈالا"۔ بنو مالک نے حضرت عروہؓ کو تو قبولِ حق کے جرم میں شہید کر ڈالا لیکن وہ اپنے نامور سردار عوف بن مالک نصری کو لوائے توحید تھامنے سے باز نہ رکھ سکے۔ عوف بن مالک وہی شخص تھے جنہوں نے غزوۂ حنین میں ہوازن ثقیف اور دوسرے مشرک قبائل کے متحدہ لشکر کی قیادت کی تھی اور پھر طائف میں قلعہ بند ہو کر مسلمانوں کی پُر زور مزاحمت کی تھی۔ حضورؐ کے طائف سے تشریف لے جانے کے بعد ان کے دل کی دُنیا یکایک بدل گئی۔ حضورؐ کے قیام جعرّانہ کے دوران میں ہی ایک دن بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہو گئے۔ حضورؐ نے انہیں مؤلفۃ القلوب میں شمار کر کے سو اونٹ مرحمت فرمائے۔

رحمتِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم طائف سے چلے تھے تو آپؐ نے دعا مانگی تھی "الٰہی ثقیف کو ہدایت دے اور انہیں میرے پاس بھیج"۔ محبوبِ ربّ العلمین کی دعا کو درِ اجابت تک پہنچنے میں کچھ زیادہ دیر نہ لگی۔ اگلے سال ہی (شعبان یا رمضان ۹ھ ہجری میں) بنو ثقیف آستانۂ اسلام کے سامنے سر جھکانے پر مجبور ہو گئے۔ اس سلسلہ میں علامہ شبلی نعمانیؒ نے "سیرۃ النبی" میں یہ روایت بیان کی ہے :

"عروہ کا خون رائیگاں نہیں جا سکتا تھا۔ صخر بن عیلہ رئیس احمس یہ سُن کر کہ آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم طائف کا محاصرہ کیے ہوئے ہیں کچھ سوار لے کر چل کھڑا ہوا تھا۔ اتفاق سے اس وقت آپؐ طائف چھوڑ کر مدینہ کی طرف مراجعت فرما چکے تھے۔ صخر نے عہد کیا کہ جب تک اہلِ طائف آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی اطاعت قبول نہ کر لیں گے قلعہ کا محاصرہ نہ چھوڑوں گا۔ آخر اہلِ طائف نے اطاعت قبول کر لی۔ صخر نے خدمتِ نبوی میں اطلاع کی تو آپؐ نے مسجدِ نبوی میں تمام لوگوں کو جمع کیا اور احمس کے لیے دس مرتبہ دُعا فرمائی۔ چند روز بعد اہلِ طائف نے باہم مشورہ کیا کہ تمام عرب اسلام

لاچکا اب ہم اکیلے کیا کر سکتے ہیں۔ غرض یہ رائے قرار پائی کہ چند سفیر مقرر کر کے آنحضرت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں بھیجے جائیں۔"

ڈاکٹر مُحمّد حمید اللہ اپنی کتاب "رسولِ اکرمؐ کی سیاسی زندگی" میں یوں رقمطراز ہیں:

"غالباً مسلمانانِ مکہ نے طائف سے معاشی و اخلاقی قطع تعلق کر لیا ہو گا۔ اس معاشی دباؤ کو طائف کتنے دنوں سہار سکتا۔ جبکہ اس کے چو طرف اسلام تیزی سے پھیلتا جا رہا تھا؟ چند ماہ بعد آخر انہوں نے بھی آنحضرتؐ سے دوستی کے حصول کے لیے ایک وفد مدینہ بھیجا۔"

"دائرۂ معارفِ اسلامیہ (اردو)" میں بیان کیا گیا ہے کہ:

"رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے (طائف کا) مزید محاصرہ رکھنے کے بجائے ثقیف کے بعض حریف قبائل کو جو مسلمان ہو گئے تھے، اس پر مامور کیا کہ طائف پر معاشی دباؤ ڈالتے رہیں۔ سال بھر بھی نہ گزرا تھا کہ اہلِ طائف نے پریشان ہو کر اطاعت قبول کر لی۔" (جلد ۱۲)

اہلِ طائف کے اطاعت قبول کرنے کا پس منظر کچھ بھی ہو بہر صورت ان کے وفد کی بارگاہِ رسالت میں حاضری تاریخِ اسلام کا ایک اہم واقعہ ہے۔ رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ان کو اللہ سے مانگا تھا تاکہ وہ اور اُن کے اخلاف اسلام کے دست و بازو بن کر نجاتِ اُخروی کے مستحق بن جائیں۔

(۸)

شعبان یا رمضان ۹ھ ہجری میں اہلِ طائف نے اپنے چند ذی اثر اور زیرک آدمیوں کا ایک وفد مرتب کیا جو عبد یا لیلؓ کی قیادت میں عازمِ مدینہ ہوا۔ علامہ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ بنو ثقیف نے پہلے حضرت عبدِ یا لیل کو تنہا حضورؐ کی خدمت میں بھیجنا چاہا مگر انہوں نے یہ بات منظور نہ کی چنانچہ ان کے ساتھ پانچ آدمی بھیجے گئے۔ ان کے نام تھے شرُحبیل بن غیلان، حکم بن عمرو، نمیر بن خرشہ، اوس بن عوف اور عثمان بن ابی العاص۔[1] جب یہ وفد مدینہ منورہ کے قریب مقام ذی حرض میں پہنچا تو ان کی ملاقات حضرت مغیرہ بن شعبہ ثقفیؓ

---

[1] اُسد الغابہ

سے ہوئی جو وہاں اونٹ چرا رہے تھے۔ انھیں اپنے ثقفی بھائی بندوں کے آنے کی غرض و غایت معلوم ہوئی تو اس قدر خوش ہوئے کہ حضورؐ کو اطلاع دینے کے لیے مدینہ منوّرہ کی طرف دوڑ پڑے۔ راستے میں حضرت ابوبکر صدیقؓ مل گئے۔ انہوں نے پوچھا، خیر تو ہے اس طرح بے تحاشا کیوں بھاگ رہے ہو؟ حضرت مغیرہؓ نے واقعہ بیان کیا تو صدیق اکبرؓ نے انہیں قسم دے کر کہا کہ یہ خوشخبری مجھ کو پہنچانے دو۔ چنانچہ انہوں نے جب حضورؐ کو وفدِ ثقیف کی آمد کی اطلاع دی تو آپؐ کو بھی بے انتہا مسرت ہوئی۔ اسی اثناء میں حضرت مغیرہؓ بھی ارکانِ وفد کو ساتھ لے کر بارگاہِ نبوّت میں حاضر ہو گئے۔ حضرت مغیرہؓ نے ان لوگوں کو تعلیم دی تھی کہ دربارِ رسالت میں پہنچ کر اس طریقہ سے سلام عرض کرنا لیکن ان کے رگ و ریشے میں تو جاہلیت رچی ہوئی تھی اپنے ہی قدیم دستور کے مطابق سلام کیا تاہم حضورؐ نے اس کو کوئی اہمیت نہ دی۔ حضرت مغیرہؓ نے عرض کیا: "یا رسول اللہؐ! یہ میری قوم کے لوگ ہیں کیا میں ان کو اپنے پاس اتار لوں اور ان کی خاطر مدارات کر دوں۔"

حضورؐ نے فرمایا، میں منع نہیں کرتا کہ تم اپنی قوم کی عزّت کرو لیکن ان کو ایسی جگہ اتارو جہاں قرآن کی آواز ان کے کانوں میں پڑتی رہے اور وہ مسلمانوں کو نماز پڑھتے دیکھ سکیں۔ چنانچہ حضورؐ کے ایماء پر ان لوگوں کو مسجدِ نبوی کے صحن میں خیمے نصب کر کے ٹھہرایا گیا۔ یہ لوگ نماز اور خطبہ کے وقت موجود رہتے تھے گو خود شریک نہیں ہوتے تھے۔ حضورؐ نمازِ عشاء کے بعد خود ان کے پاس تشریف لے جاتے اور کھڑے کھڑے دیر تک ان سے گفتگو فرماتے رہتے۔ ایک دن انہوں نے حضورؐ سے پوچھا کہ آپؐ ہم سے تو اپنی رسالت کا اقرار کرانا چاہتے ہیں لیکن خود آپ خطبے میں اپنا نام نہیں لیتے۔ حضورؐ نے فرمایا "میں سب سے پہلے اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ اللہ نے مجھے نبی اور رسول بنا کر بھیجا ہے اور اس کی طرف سے میں خلقت کی ہدایت اور اصلاح کے لیے مبعوث ہوا ہوں۔"

آہستہ آہستہ یہ لوگ اسلام قبول کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ اس سلسلے میں رسولِ اکرمؐ اور رئیسِ وفد عبدِ یالیل کے درمیان وقتاً فوقتاً جو گفتگو ہوئی وہ اس طرح تھی:

عبدِ یالیل : ہمارے ہاں مرد عام طور پر مجرد رہتے ہیں اس لیے وہ زناکاری پر مجبور ہیں کیا اس کی اجازت ہوگی ؟

حضورؐ : زنا تو قطعاً حرام ہے اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے :

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ○ (سورہ بنی اسرائیل آیۃ ۳۲)

(زنا کے پاس ہو کر بھی نہ پھٹکنا۔ کیونکہ یہ بے حیائی اور بہت بُرا چلن ہے)

عبدِ یالیل : اور سود کے بارے میں آپ کا کیا حکم ہے۔ یہ تو ہمارا اپنا مال ہے۔

حضورؐ : تم اپنا اصل روپیہ واپس لے سکتے ہو لیکن سود تو بالکل حرام ہے۔ اللہ کا حکم ہے :

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ (البقرہ۔ آیۃ ۲۷۸)

(اے لوگو! اگر تم ایمان رکھتے ہو تو اللہ سے ڈرو اور جو سود لوگوں کے ذمے باقی ہے اس کو چھوڑ دو)

عبدِ یالیل : اور شراب کے بارے میں آپ کا کیا ارشاد ہے؟ ہم لوگ پشت ہا پشت سے شراب کے رسیا ہیں کہ یہ ہمارے ملک کے انگوروں کا عرق ہے اس کی اجازت تو دے دیں۔

حضورؐ : اللہ تعالیٰ نے شرک اور جوئے وغیرہ کے ساتھ شراب بھی حرام کر دی ہے اور فرمایا ہے :

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○ (المآئدہ ۹۰)

(اے ایمان والو شراب، جوا، بت اور پانسے یہ سب شیطانی کام ہیں۔ ان سے بچتے رہو تاکہ فلاح پاؤ)

عبدِ یالیل : ہمیں نماز سے تو معاف فرمایا جائے۔

حضورؐ : جس دین میں خدا کی عبادت نہ کی جائے وہ دینِ فطرت نہیں۔

یہ درخواستیں نامنظور ہوگئیں تو اہلِ وفد نے زکوٰۃ اور جہاد سے مستثنیٰ کیے جانے کی درخواست کی۔ حضورؐ نے فرمایا، اچھا اس کے لیے تم کو مجبور نہیں کیا جائے گا ——

حضرت جابرؓ بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ میں نے بعد میں رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو یہ فرماتے سُنا کہ جب یہ لوگ صِدقِ دل سے اسلام قبول کریں گے تو جہاد بھی کریں گے اور زکوٰۃ بھی دیں گے۔

اہلِ وفد نے یہ درخواست بھی کی کہ طائف کو حرم قرار دیا جائے۔ حضورؐ نے ان کی یہ درخواست بھی اس صورت میں قبول فرمائی کہ وادیٔ طائف میں جنگلی خاردار درخت کاٹنا، شکار کرنا، ظلم کرنا، چوری یا کوئی اور برائی کرنا سب حرام ہیں۔

یہ باتیں طے ہو جانے کے بعد اہلِ وفد نے پوچھا کہ ہمارے بُت لات کے بارے میں آپ کا کیا ارادہ ہے؟

حضورؐ نے فرمایا: "اسے توڑ دیا جائے گا۔"

یہ لوگ اپنے بُت سے اتنے خوفزدہ تھے کہ حضورؐ کا ارشاد سن کر ان پر سکتہ طاری ہو گیا، بولے:

"اگر لات کو آپؐ کے ارادے کا علم ہو گیا تو وہ ہمیں تباہ و برباد کر دے گا۔"

حضرت عمر فاروقؓ بھی اس موقع پر موجود تھے ان سے ضبط نہ ہو سکا اور ان لوگوں کو ملامت کرنے لگے کہ تم ایک بے جان پتھر سے اتنا ڈرتے ہو؟

اہلِ وفد نے برہم ہو کر کہا: "عمر تم نہ بولو، ہم تمہارے پاس نہیں آئے —" یہ کہہ کر حضورؐ کی خدمت میں عرض کیا، ہم میں تو اتنا حوصلہ نہیں کہ لات کو ہاتھ لگائیں آپ جو چاہیں کریں۔

حضورؐ نے متبسم ہو کر فرمایا: "اچھا تو یہ بُت شکنی ہمارے ذمے ہی رہی تم لوگ یہ کام نہ کرنا۔"

اس کے بعد سب اہلِ وفد سعادت اندوزِ اسلام ہو گئے۔ ایک روایت میں ہے کہ جو شرطیں وفدِ ثقیف نے پیش کیں وہ ان سب کو ایک معاہدے کی صورت میں لکھ کر اپنے ساتھ لائے تھے اور چاہتے تھے کہ حضورؐ اس پر اپنی مُہر ثبت فرما دیں، لیکن دانائے کونینؐ نے ان کو ایسی حکمت اور محبّت سے سمجھایا کہ وہ اپنے تمام لغو مطالبوں سے

دست بردار ہو گئے، اور اس تحریری معاہدے پر دستخط کرنے پر تیار ہو گئے جو حضورؐ نے تجویز فرمایا۔ ابو عبیدؒ نے یہ معاہدہ "کتاب الاموال" میں پورے کا پورا نقل کیا ہے اس کا متن یہ ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم یہ ایک تحریر ہے اللہ کے رسول اور نبی محمدؐ کی ثقیف کے لیے۔ ان کو اس اللہ کا ذمہ دیا جاتا ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور نبی محمدؐ بن عبداللہ کا ذمہ اس چیز کے متعلق جو اس دستاویز میں لکھا جاتا ہے بے شک ان کی وادی حرام ہے اور سب کی سب خدا کے لیے حرام کی گئی ہے وہاں کے جنگلی خاردار درخت، وہاں کا شکار، وہاں کا ظلم کرنا، چوری کرنا یا کوئی اور برائی کرنا (سب حرام ہیں)۔

اور اس وادیٔ وَجّ پر ثقیف ہی کا سب سے زیادہ حق ہے، ان کے طائف کو مفتوح نہیں کیا جائے گا اور نہ کوئی مسلمان وہاں جا کر ان کو وہاں سے نکال سکے گا۔ وہ اپنے شہر طائف میں یا اپنی وادی میں جو عمارت چاہیں گے، بنا سکیں گے۔ ان کو نہ فوجی خدمت کے لیے مجبور کیا جائیگا اور نہ ان سے (بزور) عشر لیا جائے گا نہ زکوٰۃ۔ یہ مسلمانوں ہی کی ایک جماعت ہیں مسلمانوں میں جہاں آنا جانا چاہیں آجا سکیں گے۔ وہ کسی کو قیدی بنائیں گے تو اس کے بارے میں خود ہی فیصلہ کر سکیں گے ان کو رہن کی ضمانت پر جو قرض وصول کرنا ہو اس پر سود نہیں لیا جائے گا اگر اس کے ادا کرنے کی مدت آجائے اور ادا نہ کیا جائے تو قرض کی رقم کا بڑھنا سود ہے اور اللہ سے برأت اور جو قرض رہن کی ضمانت پر آنے والے موسم عکاظ کے بعد تک کے لیے ہو تو اس کا اصل راس المال عکاظ میں ادا کر دیا جائے اور ثقیف کو ان کے کھاتوں میں ان کے قبولِ اسلام کے دن لوگوں سے جو وصول طلب دیون ہیں وہ ان کو ملیں گے۔

اور ثقیف کو لوگوں سے جو امانت یا مال یا آدمی (لونڈی غلام) جسے

امانت رکھانے والے نے مالِ غنیمت میں پایا تھا یا کھویا تھا، وصول طلب ہو تو ضرور واپس کیا جائے گا۔

اور ثقیف کے جو آدمی یا سامان (اب) موجود نہ ہوں تو ان کو بھی وہی تحفظ حاصل ہوگا جو حاضر الوقت کو ہے اور ان کا جو مال لیّہ (وادیٔ وَج کا ایک مقام) میں ہو تو اس کو بھی وہی تحفظ حاصل ہوگا جو وَج کے مال کو ہے۔

اور ثقیف کا جو حلیف یا تجارتی معاملت دار ہو، اس کو بھی ثقیف ہی کے حقوق حاصل ہوں گے۔

اور اگر ثقیف پر کوئی الزام لگانے والا الزام لگائے یا کوئی ظلم کرنے والا ان پر ظلم کرے تو اس کی بات نہیں مانی جائے گی خواہ مال کے متعلق ہو یا جان کے اور رسول اللہ اور تمام مسلمان ثقیف کی مدد اس شخص کے خلاف کریں گے جو ان پر ظلم کرے۔

اور ثقیف کو جس شخص کا اپنے ہاں آنا پسند نہ ہوگا وہ ان کے ہاں نہ جا سکے گا اور بازار اور بیوپار گھروں کے صحنوں میں ہوگا۔

ان کا امیر انہیں میں سے کوئی ہوا کرے گا، کوئی دوسرا نہیں۔ بنو مالک پر ان کا اپنا امیر اور احلاف پر ان کا اپنا امیر ہوگا۔

اور ثقیف والے قریش کے جن تاکستانوں کو پانی فراہم کریں گے تو پانی فراہم کرنے والے کو پیداوار کا آدھا ملے گا۔

اور ان کے پاس جو اسیر ہو جسے اس کے مالک نے بیچ دیا ہو تو اسی کو اس کی بیع کا حق ہوگا اور جو بیچا نہ گیا ہو تو اس میں (فدیہ) چھ اونٹنیاں ہوں گی آدھوں آدھ تین سالہ اونٹنیاں اور دودھ پلائی عمدہ موٹی۔

اور جس نے معاملہ بیع کر کے کچھ خریدا ہو تو اس بیع کا اسی کو حق ہے۔"

حافظ ابن عبدالبرؒ اور بعض دوسرے علماء نے اس معاہدے کی کچھ شقوں کا متن مختلف

صورت میں دیا ہے۔ بدکاری اور شراب خواری سے بچنے اور نماز کی پابندی جیسے احکام کو معاہدہ میں اندراج کا محتاج نہیں سمجھا گیا۔ کیونکہ ان میں کسی قسم کی رعایت ممکن ہی نہیں تھی۔ البتہ فوجی خدمت کے بارے میں (وقتی طور پر) ان کو رعایت اس لیے دی گئی کہ جہاد فرض کفایہ ہے۔ ہر شخص پر واجب نہیں اور جب واجب بھی ہو تو اس کے خاص مواقع ہیں روز کا کام نہیں۔ اس طرح زکوٰۃ کے بارے میں شق اس لیے شامل کی گئی کہ یہ سال کے بعد واجب ہوتی ہے۔ حضورؐ کو یقین تھا کہ جب ان لوگوں کے دلوں میں ایمان راسخ ہو جائے گا تو خود بخود ہی زکوٰۃ بھی ادا کریں گے اور جہاد کے لیے بھی نکلیں گے اور فی الواقع بعد میں یہی ہوا۔

وفدِ ثقیف نے مدینہ منوّرہ میں چند روز قیام کے بعد وطن کو مراجعت کا عزم کیا تو انہوں نے حضورؐ سے درخواست کی کہ ہمارے لیے کوئی امام مقرّر فرما دیجئے۔ آپؐ نے وفد کے ایک نوجوان رکن عثمانؓ بن ابی العاص کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا:

"یہ دانا آدمی ہے اور یہی تمہارا امیر اور امام ہوگا۔"

تمام اہلِ وفد نے حضورؐ کے ارشاد کے سامنے سر جھکا دیا۔ پھر آپؐ نے عثمانؓ بن ابی العاص سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"نماز پڑھاتے وقت لوگوں کی حالت کا خیال رکھنا ان میں بوڑھے بچے بیمار کمزور اور کاروباری ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔"

حضرت عثمانؓ وفدِ ثقیف کے سب سے کم عمر رکن تھے لیکن فہم و فراست، شوقِ تعلیم اور جوشِ ایمان کی بنا پر وہ سب اہلِ وفد پر فائق تھے انہوں نے مدینہ پہنچ کر وفد سے الگ ہو کر سب سے پہلے بارگاہِ رسالت میں حاضری دی تھی اور قبولِ اسلام کا شرف حاصل کیا تھا۔ وفد کے دوسرے اکابر تو مختلف مسائل کے بارے میں حضورؐ سے گفتگو کرتے رہے اور وہ ان سے چھپ کر پہلے سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے اور پھر حضرت اُبیؓ بن کعب سے قرآن کی تعلیم حاصل کرتے رہے۔ ایک دن حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان کا علمی شوق دیکھا تو فرمایا: "یہ لڑکا تفقّہ فی الدین اور تعلیمِ قرآن کا بہت مشتاق ہے۔"

حضورؐ کو علم ہو گیا تھا کہ یہ جوہرِ قابل ہے اس لیے آپؐ نے انہیں بنو ثقیف کی امارت و امامت کے لیے منتخب فرمایا۔

وفدِ ثقیف حضورؐ سے رخصت ہو کر طائف پہنچا تو بیشتر بنو ثقیف اور ان کے احلاف حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے "الاصابہ" میں لکھا ہے کہ کچھ عرصہ بعد حجۃ الوداع کا موقع آیا تو کوئی ثقفی ایسا نہ تھا جس نے اسلام نہ قبول کر لیا ہو۔

وفد کی روانگی کے چند دن بعد حضورؐ نے حضرت مغیرہؓ بن شعبہ اور حضرت ابو سفیانؓ (اور ایک روایت کے مطابق حضرت خالدؓ بن ولید کو بھی) طائف بھیجا کہ لات اور اس کے معبد کو برباد کر دیں۔ اہلِ طائف میں سے اکثر مسلمان ہو چکے تھے لیکن پھر بھی ان کے دل سے "لات" کی ہیبت نہ گئی تھی۔ طبری کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ثقفی عورتوں کے دلوں سے کفر و شرک کا زنگ دُور ہونے میں کافی وقت لگا۔

حضرت مغیرہؓ نے بتکدہ کو گرانے کا آغاز کیا تو عورتیں روتی ہوئی ننگے سر گھروں سے نکل آئیں اور یہ اشعار پڑھ کر اپنے مردوں کو ملامت کرنے لگیں:

الا ابکین دفاع	لوگوں پر روکہ بزدلوں نے
اسلمها المرضاع	اپنے بتوں کو دشمنوں کے
الم یحسنوا المصاع	حوالے کر دیا اور ان سے معرکہ آرا نہ ہوئے

حضرت مغیرہؓ نے پہلے لات کے بُت کو توڑا پھر بتکدہ کی دیواروں پر چڑھ گئے اور انہیں گرانا شروع کر دیا۔ ان کے ساتھیوں نے بھی ان کی امداد کی اور سب نے مل کر نہ صرف عمارت کا ایک ایک پتھر گرا دیا بلکہ اس کی بنیادیں تک کھود ڈالیں۔ بتکدہ کی بربادی کے بعد اہلِ طائف کے دلوں میں توحید کی بنیاد مستحکم ہو گئی اور وہ اسلام کے بازوئے شمشیر زن بن گئے۔

۱۰ھ ہجری میں حجۃ الوداع کا موقع آیا تو تمام بنو ثقیف نے بڑے ذوق و شوق سے رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا اس وقت

وہ راہِ حق کے جانباز سپاہی بن چکے تھے اور زکوٰۃ وعشر کی ادائیگی کو بھی خوش دلی سے قبول کر چکے تھے۔

بعض اہلِ سیر نے لکھا ہے کہ بنو ثقیف کا جو وفد بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا تھا اس کی قیادت حضرت عبدِ یالیل کے بیٹے مسعود کر رہے تھے ــــــ مگر امام محمد بن اسحاقؒ نے صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ یہ خود حضرت عبدِ یالیلؓ ہی تھے۔ ان کے شرفِ صحابیت پر سب کا اتفاق ہے۔

حضرت عبدِ یالیلؓ کے اس سے زیادہ حالات کُتُبِ سیر میں نہیں ملتے اور نہ ان کا سالِ وفات ہی کسی کتاب میں درج ہے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مشتبہ اُمور سے بچنے کی اہمیت

نعمان بن بشیرؓ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی اور ان دونوں کے درمیان کچھ مشتبہ چیزیں ہیں جن کو اکثر لوگ نہیں جانتے۔ لہٰذا جو شخص ان مشتبہ چیزوں سے بچ کر رہا، اس نے اپنے دین اور آبرو کو محفوظ کر لیا اور جو اُن میں پڑ گیا، وہ حرام میں پڑ گیا۔ جیسے وہ چرواہا جو محفوظ چراگاہ کے گرد اپنے جانور چراتا ہے۔ ہر وقت ممکن ہے کہ وہ چراگاہ میں جا گھُسے۔ یقین جانو کہ ہر بادشاہ کی ایک محفوظ چراگاہ ہوتی ہے اور اللہ کی محفوظ چراگاہ اس کے محارم[1] ہیں۔ نیز آگاہ رہو کہ جسمِ انسانی میں گوشت کا ایک ایسا ٹکڑا ہے کہ وہ بگڑ جائے تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے اور اگر وہ درست حالت میں ہو تو سارا جسم درست رہتا ہے اور وہ دل ہے!

(متفق علیہ مشکوٰۃ باب الکسب وطلب الحلال ص۲۴۱)

---

[1] یعنی وہ چیزیں، جن کی حرمت اللہ نے قائم کی ہے یا جن کو اس نے حرام ٹھہرایا ہے۔

حضرت عُتبہؓ بن مسعود ہُذلی

(۱)

حبرالاُمّۃ سیّدنا حضرت عبداللہؓ بن مسعود کے حقیقی بھائی تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:

عتبہؓ بن مسعود بن غافل بن حبیب بن شمخ بن فار بن مخزوم بن صاہلہ
بن کاہل بن حارث بن تمیم بن سعد بن ہذیل بن مدرکہ بن الیاس بن مضر

کنیت ابوعبداللہ تھی اور خاندانی تعلق مضری قبیلہ ہذیل سے تھا جو اضلاعِ نجد میں آباد تھا۔

سرورِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی بعثت سے قبل حضرت عبداللہؓ اور حضرت عتبہؓ کے والد مسعود اپنے وطن کو خیر باد کہہ کر مکہ آ گئے تھے اور بنی زہرہ کے عبد بن حارث قرشی سے حلیفانہ تعلقات قائم کر لیے تھے۔ حضرت عبداللہؓ بن مسعود کے بارے میں تو اربابِ سِیَر نے صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ وہ قبولِ اسلام سے پہلے مشہور مشرک عقبہ بن ابی مُعَیط کی بھیڑ بکریاں چَراتے تھے مگر حضرت عتبہؓ کے بارے میں وضاحت نہیں کی کہ وہ کیا کرتے تھے۔ قیاس یہ ہے کہ وہ بھی اسی قسم کا کوئی کام کرتے ہوں گے۔ یہ دونوں بھائیوں کے عنفوانِ شباب کا زمانہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں فطرتِ سعید سے نوازا تھا۔ رحمتِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے دعوتِ توحید کا آغاز فرمایا تو دونوں بھائیوں نے اس پر لبیک کہا اس طرح ان کو "السَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْن" کی مقدس جماعت میں شامل ہونے کا عظیم شرف حاصل ہو گیا۔

(۲)

دعوتِ توحید کے آغاز میں جن سعید الفطرت ہستیوں نے اسلام قبول کیا، مشرکینِ قریش نے ان پر بے پناہ مظالم ڈھانے شروع کر دیئے۔ ۵ھ اور ۶ھ بعد بعثت

میں حضورؐ کے ایماء پر مظلوم مسلمانوں کی ایک معقول تعداد حبشہ کی طرف ہجرت کر گئی۔ دوسری ہجرتِ حبشہ (۶؁ بعد بعثت) کے مہاجرین میں حضرت عتبہؓ بن مسعود بھی شامل تھے جبکہ ان کے بھائی حضرت عبداللہؓ بن مسعود پہلی ہجرت میں بھی شریک تھے اور دوسری میں بھی۔ حضورؐ کی ہجرت الی المدینہ سے کچھ عرصہ پہلے حبش سے واپس مکہ آ گئے اور پھر وہاں سے ہجرت کر کے مدینہ گئے۔ ابنِ سعدؒ کا بیان ہے کہ حضرت عتبہؓ بن مسعود غزوۂ اُحد سے پہلے حبش سے مدینہ پہنچے اور غزوۂ اُحد میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا۔

حافظ ابنِ عبدالبرؒ نے "الاستیعاب" میں لکھا ہے کہ حضرت عتبہؓ غزوہ اُحد کے بعد عہدِ رسالت کے دوسرے تمام غزوات میں بھی شریک ہوئے۔ اس طرح ان کو جانبازانِ اسلام میں ایک نمایاں مقام حاصل ہو گیا۔

(۳)

امام حاکمؒ نے اپنی "مستدرک" میں لکھا ہے کہ حضرت عتبہؓ بن مسعود نے سیدنا حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں وفات پائی۔ (یعنی ۱۳؁ھ اور ۲۴؁ھ کے درمیان کسی وقت) حضرت عبداللہؓ بن مسعود اس وقت حیات تھے۔ ان کو بھائی کی وفات کا سخت صدمہ ہوا اور وہ فرطِ غم سے رونے لگے۔ لوگوں نے حیران ہو کر ان سے کہا، آپ بھی روتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا، اس میں حیرت کی کیا بات ہے، میرا بھائی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں میرا ساتھی تھا اور وہ عمرؓ بن الخطاب کے سوا سب لوگوں سے مجھ کو زیادہ محبوب تھا۔

سیدنا حضرت عبداللہؓ بن مسعود فضل و کمال کے اعتبار سے بہت بلند مقام پر فائز تھے اور حبر الاُمّۃ اور فقیہ الاُمّت کہلاتے تھے۔ اہلِ سیر کا بیان ہے کہ حضرت عتبہؓ بن مسعود بھی علم و فضل کے لحاظ سے ان سے کچھ کم نہ تھے مگر انہوں نے زیادہ عمر نہ پائی اس لیے ان کی صلاحیتیں اجاگر نہ ہو سکیں۔ امام زہریؒ کا بیان ہے کہ عبداللہؓ بن مسعود اپنے بھائی سے زیادہ عالم نہ تھے! ورنہ ان سے زیادہ قدیم الصحبت تھے لیکن عتبہؓ، عبداللہؓ سے پہلے انتقال کر گئے۔ (اُسد الغابہ)

ایک روایت میں حضرت عتبہؓ بن مسعود کا سالِ وفات ۴۴؁ھ بیان کیا گیا ہے لیکن یہ صحیح نہیں کیونکہ اس سے لازم آتا ہے کہ حضرت عتبہؓ نے حضرت عبداللہؓ کے بعد وفات پائی (حضرت عبداللہ بن مسعود کا سالِ وفات ۳۲؁ھ ہے) حالانکہ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ حضرت عتبہؓ حضرت عبداللہؓ سے پہلے فوت ہوئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت عدیؓ بن ابی الزغباء جُہَنی انصاری

(۱)

عرب کے مشہور قبیلہ جُہینہ کے چشم و چراغ تھے اور مدینہ میں خزرج کے خاندان بنی مالک بن نجار کے حلیف تھے۔ اس لیے ان کو جُہَنی بھی کہا جاتا ہے اور انصاری بھی۔ والد کا اصل نام سنان تھا مگر وہ اپنی کنیت ابی الزغباء سے مشہور ہیں۔

سلسلۂ نسب یہ ہے:

عدیؓ بن سنان (ابی الزغباء) بن سبیع بن ثعلبہ بن ربیعہ بن زہرہ بن ہذیل بن سعد بن عدی بن کاہل بن نصر بن مالک بن غطفان بن قیس بن جہینہ۔

ہجرتِ نبوی کے بعد شرف اسلام سے بہرہ ور ہوئے اور اس کے ساتھ ہی راہِ حق کے ایک جانباز سپاہی بن گئے۔

(۲)

رمضان ۲ھ ہجری میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ بدر کے لیے روانہ ہوئے تو جن تین سو تیرہ سرفروشوں کو آپؐ کی ہمرکابی کا شرف حاصل ہوا، ان میں حضرت عدیؓ بن ابی الزغباء بھی شامل تھے۔ علامہ ابن سعد کا بیان ہے کہ اثنائے راہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عدیؓ اور اپنے ایک دوسرے جاں نثار حضرت بسبسؓ کو مشرکینِ مکہ کے بارے میں معلومات فراہم کرنے کے لیے آگے بھیجا[۱]۔ وہ دونوں چاہِ بدر تک گئے اور واپس آکر حضورؐ کو اطلاع دی کہ

---

[۱] حضرت بسبسؓ کا تعلق بھی بنو جہینہ سے تھا اور وہ انصار کے قبیلہ بنی ساعدہ بن

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

قریش مکہ بڑے ساز و سامان کے ساتھ مسلمانوں سے لڑنے کے لیے آرہے ہیں۔ لڑائی کا آغاز ہوا تو حضرت عدیؓ نے سر بکف ہو کر دشمنانِ حق کے خلاف دادِ شجاعت دی۔ اس کے بعد وہ اُحُد، احزاب اور عہدِ رسالت کے دوسرے تمام غزوات میں بھی شریک ہوئے اور سرفروشی کا حق ادا کر دیا۔

اربابِ سِیَر ان کی زندگی کے دوسرے حالات کے بارے میں خاموش ہیں اور نہ ان سے مروی کسی حدیث کا پتہ چلتا ہے البتہ ان کی وفات کے بارے میں بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ یہ حضرت عُمَرِ فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں واقع ہوئی۔

حضرت عدیؓ کے شرف و مجد کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ اہلِ بدر میں سے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے مغفرت کی بشارت دی اور ان کو نہایت بلند مرتبہ عطا کیا۔ مزید برآں وہ دوسرے تمام غزوات میں بھی رحمتِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ہمرکاب رہے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

کعب بن خزرج کے حلیف تھے اس لیے ان کو بھی جہنی انصاری کہا جاتا ہے۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:
بَسبسؓ بن عمرو بن ثعلبہ بن خرشہ بن عمرو بن سعد بن ذبیان بن رشدان بن غطفان بن قیس بن جہینہ
بعض لوگوں نے ان کا نام بسیسہ بن عمرو لکھا ہے اور کچھ نے بسبسہ بن بشر مگر مشہور بَسبَس بن عمرو ہے۔ انصار میں سے کسی نے ان کو مخاطب کر کے بطورِ رجز یہ کہا ہے:—
افصم لہا صدرہا یا بَسبَس یعنی اے بَسبَس ان کے سینے اس بات سے رُک گئے ہیں۔
حضرت بَسبَسؓ کے مزید حالات کتبِ سِیَر میں نہیں ملتے۔ ان کی جلالتِ قدر کا یہی ثبوت کافی ہے کہ وہ اصحابِ بدر میں سے ہیں۔

حضرت عُروہ رضؓ بن اَبی الجَعد البارِقی

(۱)

عہدِ رسالت کے ایک مبارک دن کا ذکر ہے کہ سرورِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّم نے اپنے ایک جاں نثار نوجوان کو ایک دینار دیا اور فرمایا کہ میرے لیے ایک بکری خرید لاؤ۔ وہ صاحب دینار لے کر گئے اور کسی بکریوں والے سے بھاؤ تاؤ کر کے اُس ایک دینار کی دو۲ بکریاں خرید لیں۔ پھر آتے آتے ان دو بکریوں میں سے ایک بکری، ایک دینار کی بیچ دی۔ بارگاہِ رسالتؐ میں واپس پہنچے تو آنحضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّم کی خدمت میں ایک بکری بھی پیش کر دی اور ایک دینار بھی۔ آپؐ ان کے اس سودے سے بہت خوش ہوئے اور ان صاحب کے لیے (بطورِ خاص) خرید و فروخت یعنی تجارت میں برکت کی دُعا فرمائی۔ اس دُعا کی برکت سے ان کا یہ حال ہوا کہ اگر مٹی بھی خرید لیتے تو اس میں بھی ان کو نفع ہو جاتا۔

یہ صاحبِ رسولؐ جنھوں نے اپنی ہوشیاری اور دیانتداری سے رحمتِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّم کو مسرور کیا اور آپؐ سے برکت کی دعا لی، حضرت عروہ بن ابی الجعد البارقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔

(۲)

حضرت عروہ بارقیؓ کے والد کا نام ایک روایت میں جعد آیا ہے اور ایک دوسری روایت میں عیاض بن ابی الجعد۔ مگر جمہور اہلِ سیر ان کو ابن ابی الجعد ہی کہتے ہیں۔ ان کا قبیلہ ازد کی شاخ بارِق سے تھا اور وہ بارِق بن عدی بن حارثہ بن امرؤ القیس بن ثعلبہ بن مازن بن ازد کی اولاد سے تھے۔ ابنِ اثیرؒ

کا بیان ہے کہ ان کو بارِق اس لیے کہا گیا کہ وہ ایک پہاڑ کے نزدیک فروکش ہوئے تھے جس کا نام بارِق تھا۔ چنانچہ وہ اسی سے منسوب ہو گئے۔ ان کو بارقی کہا جائے یا ازدی اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔

حضرت عروہؓ کا شمار فاضل اور با صلاحیّت صحابہ میں ہوتا ہے مگر تعجب ہے کہ سیرت کی کتابوں میں ان کے بہت کم حالاتِ زندگی ملتے ہیں۔ ان کے قبولِ اسلام کے زمانے کا تو کسی نے مطلق ذکر نہیں کیا اور نہ یہ بتایا ہے کہ وہ کون سے غزوات میں شریک ہوئے۔ البتہ ان سے مروی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اتنا عرصہ صحبتِ نبوی سے فیض یاب ہونے کی سعادت ضرور نصیب ہوئی کہ سرورِ کائنات صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ان پر اعتماد فرمانے لگے اور ان سے اپنے ذاتی کام بھی لینے لگے۔ اوپر کی روایت صحیح بخاری میں خود حضرت عروہ بارقیؓ سے منقول ہوئی ہے۔

صحیح بخاری کی ایک اور حدیث میں ان سے روایت ہے کہ:

"نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ گھوڑوں کی پیشانیوں میں قیامت تک برکت رکھی گئی ہے۔ ثواب بھی ملتا ہے اور مال بھی۔" [1]

مُسندِ ابی داؤد طیالسی کی ایک حدیث میں حضرت عروہ بارقیؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو گھوڑے کے رخسار پر مسح کرتے دیکھا گیا۔ آپؐ سے اس کی نسبت پوچھا گیا تو آپؐ نے فرمایا کہ جبریلؑ نے گھوڑے

---

[1] اس حدیث میں جہاد کی غرض سے گھوڑے رکھنے کی طرف اشارہ ہے یعنی ان کے ذریعے جہاد کا ثواب بھی ملتا ہے اور جب دشمن پر اللہ تعالیٰ فتح دیتا ہے تو مالِ غنیمت بھی ملتا ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی صحیح بخاری کی ایک اور حدیث میں بھی رسولِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے جہاد کی نیّت سے گھوڑے رکھنے اور ان کی نگہداشت کرنے کا بہت ثواب بتایا ہے۔

کی (نگہداشت کی) بابت مجھے بہت تاکید کی ہے۔

حضرت عروہ بارقیؓ نے ہادیٔ برحق صلّی اللہ علیہ وسلّم کے یہ ارشادات صرف سنے ہی نہیں بلکہ زندگی بھر ان پر عمل بھی کرتے رہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ان کو گھوڑوں سے بہت محبت تھی اور وہ ہمیشہ بغرض جہاد بہت سے گھوڑے اپنے پاس رکھا کرتے تھے۔ ایک دفعہ انہوں نے ایک گھوڑا دس ہزار درہم کو خریدا تھا۔ شبیب بن غرقدہؒ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں نے عروہؓ کے گھر ستّر گھوڑے جہاد فی سبیل اللہ کے لیے بندھے ہوئے دیکھے۔

دراصل بعض صحابہ یہ گھوڑے اس لیے اپنے پاس رکھتے تھے کہ جب جہاد کا اعلان ہو تو مجاہدین کو ان گھوڑوں پر سوار کر کے فوراً جہاد کے لیے روانہ کر دیا جائے۔

(۳)

علامہ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں کوفہ آباد ہونے کے بعد حضرت عروہ بارقیؓ نے کوفہ میں سکونت اختیار کر لی تھی۔

قاضی شریحؒ کے تقرر سے پہلے حضرت عمر فاروقؓ نے ان کو کوفہ کا قاضی مقرر کیا تھا۔ گویا امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ کے نزدیک حضرت عروہؓ بارقی میں وہ قابلیت اور صلاحیت موجود تھی جو منصب قضا کے لیے ضروری ہوتی ہے اور سیدنا فاروقِ اعظمؓ کی مردم شناسی ایک ایسی تاریخی حقیقت ہے جس کا دوست دشمن سبھی نے اعتراف کیا ہے۔

سیدنا حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے عہدِ خلافت میں حضرت عروہ بارقیؓ بعض سرحدوں کی حفاظت پر مامور تھے۔ وہ اس زمانے میں بعض دوسرے لوگوں کے ساتھ کوفہ سے شام چلے گئے تھے۔ ان سب اصحاب میں وہ معمر تھے۔ —— ایک روایت کے مطابق امیر المؤمنین حضرت عثمانؓ نے خود انہیں کوفہ سے شام بھیجا تھا۔

حضرت عروہ بارقیؓ کے سالِ وفات کے بارے میں کتبِ سیر خاموش ہیں۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت عقیلؓ بن ابی طالب

(۱)

عقیل نام ۔ ابویزید کنیت ۔ خاندان بنی ہاشم کے چشم و چراغ اور رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے حقیقی چچازاد بھائی تھے ۔ سلسلۂ نسب یہ ہے :

عقیلؓ بن ابی طالب بن عبدالمطّلب بن ہاشم بن عبدِ مناف بن قُصیّ قرشی ہاشمی ۔

والدہ کا نام فاطمہؓ بنتِ اسد بن ہاشم تھا ۔ علّامہ ابنِ اثیرؒ نے "اُسدُ الغابہ" میں لکھا ہے کہ وہ حضرت جعفرؓ (طیّار) بن ابی طالب اور حضرت علیؓ بن ابی طالب کے عَلّاتی (ماں کی طرف سے سوتیلے) بھائی تھے ۔ مگر "اُسدُ الغابہ" ہی میں انہوں نے حضرت علیؓ کی والدہ کا نام بھی فاطمہ بنتِ اسد بن ہاشم لکھا ہے ——— مولوی شاہ معین الدین احمد ندوی مرحوم نے اپنی تالیف "مہاجرین حصہ دوم (سیر الصحابہ جلد سوم)" میں ابنِ اثیرؒ کے حوالے سے حضرت عقیلؓ کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کا سوتیلا بھائی بتایا ہے ۔ کچھ اور مؤرّخین نے بھی ان کو حضرت جعفر اور حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہما کا علّاتی بڑا بھائی بتایا ہے ۔ مگر یہاں اشکال پیدا ہوتا ہے کہ اگر ان سب کی والدہ فاطمہؓ بنتِ اسد بن ہاشم تھیں تو پھر حضرت عقیلؓ کو حضرت جعفرؓ اور حضرت علیؓ کا عَلّاتی بھائی کیسے کہا جا سکتا ہے ۔ ایک ہی ماں باپ کے بیٹے تو آپس میں حقیقی بھائی ہوتے ہیں ۔

اردو دائرۂ معارفِ اسلامیہ (دانشگاہِ پنجاب لاہور) میں جناب ابو طالب کے ترجمہ کے آخر میں یہ عبارت ملتی ہے : ———

" ابو طالب نے دو شادیاں کیں ۔ پہلی بیوی جن کا نام حضرت فاطمہؓ بنتِ اسد بن ہاشم تھا ،

مشرف بہ اسلام ہوئیں۔ ان سے ابو طالب کی حسبِ ذیل اولاد ہوئی۔

(۱) طالب (۲) اُمّ ہانی فاختہؓ (۳) عقیلؓ (۴) جعفرؓ (۵) جمانہ (۶) علیؓ (۷) اُمّ طالب ریطہ۔

دوسری بیوی سے ایک لڑکا پیدا ہوا طلیق (دیکھئے ابن سعد) ان آٹھ بچوں میں پیدائش کے لحاظ سے جو ترتیب تھی اس کا اجمالی حال "الاستیعاب" (حالاتِ علیؓ) اور المسعودی سے معلوم ہوتا ہے۔"

(اردو دائرۂ معارف اسلامیہ جلد اوّل ص ۸۳۶ - ۸۳۷)

اس تحقیق کی روشنی میں حضرت عقیلؓ کو وثوق کے ساتھ حضرت جعفرؓ اور حضرت علیؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا حقیقی بڑا بھائی کہا جا سکتا ہے۔ وہ عمر میں حضرت جعفرؓ سے دس سال اور حضرت علیؓ سے بیس سال بڑے تھے۔

(۲)

حضرت عقیلؓ مآثر و انساب کے بڑے عالم، فصیح اللسان، شگفتہ مزاج اور حاضر جواب آدمی تھے۔ بعض اربابِ سیر نے لکھا ہے کہ علم الانساب اور قریش کی تاریخ پر وہ مسلمہ سند تسلیم کیے جاتے تھے۔ وہ زمانۂ جاہلیت میں قریش کے اشراف میں شمار ہوتے تھے اور قریش کے سبھی خاندانوں میں بڑی عزت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ وہ قریش کے ان چار معززین میں سے تھے جن کو قریش (اپنے باہمی جھگڑوں یا مفاخرت وغیرہ میں) حَکَم (ثالث یا فیصلہ کرنے والا) بنایا کرتے تھے۔ دوسرے تین مخرمہؓ بن نوفل زہری، ابوجہمؓ بن حذیفہ — اور حویطبؓ بن عبدالعزیٰ تھے بعد میں ان سب کو قبولِ اسلام اور صحابیت کا شرف حاصل ہوا۔

حضرت مخرمہؓ بن نوفل اور حضرت ابوجہمؓ بن حذیفہ کے حالات اس کتاب میں دوسری جگہ بیان کر دیئے گئے ہیں۔ حضرت حویطب بن عبدالعزیٰ[1]

---

[1] حضرت ابو محمد حویطبؓ بن عبدالعزیٰ کا تعلق قریش کے خاندان عامر بن لُوَیّ سے تھا۔

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کے حالات نیچے حاشیہ میں دیکھیں۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت عقیلؓ بالعموم قریش کے معائب اور ایسی باتیں جن لوگ نہ جانتے تھے، بیان کیا کرتے تھے جبکہ باقی تینوں عام طور پر قریش کے محاسن بیان کیا کرتے تھے۔ ابن اثیرؒ نے لکھا ہے کہ اگر قریش کا کوئی ایسا شخص حضرت عقیلؓ کے پاس آجاتا جس میں زیادہ برائیاں ہوتیں تو ان کا فیصلہ سننے کے بعد وہ کہتا کہ کاش میں ان کے پاس نہ آتا انہوں نے تو میرے ایسے معائب بھی بیان کر دیئے ہیں جن کی لوگوں کو کچھ خبر نہ تھی۔

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ حق کا آغاز فرمایا تو حضرت عقیلؓ

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

فتح مکہ (۸ھ) کے فوراً بعد مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اس وقت ان کی عمر اسّی برس کے لگ بھگ تھی۔ وہ مکہ کے رؤسا میں سے تھے۔ "مستدرک حاکم" میں ہے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے طلب کرنے پر انہوں نے آپؐ کو چالیس ہزار درہم قرض دیئے (غالباً آپؐ نے یہ رقم غزوۂ حُنین کے اخراجات پورے کرنے کے لیے قرض لی) اس کے بعد انہوں نے غزوۂ حنین اور غزوۂ طائف میں حضورؐ کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا۔ حضورؐ نے حنین کے مالِ غنیمت سے انہیں سَو اونٹ مرحمت فرمائے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں انہیں اس جماعت کا رکن مقرر کیا جو انصابِ حرم کی تجدید کے لیے تشکیل دی گئی تھی۔ حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کے بعد جن جاں بازوں نے ان کی میّت کی تدفین کی ان میں حضرت حویطبؓ بھی شامل تھے۔

حضرت حویطبؓ نے حضرت امیر معاویہؓ کے عہدِ خلافت میں مدینہ میں وفات پائی۔ اس وقت ان کی عمر ایک سو بیس سال کی تھی۔

اہلِ سِیَر نے لکھا ہے کہ حضرت حویطبؓ بڑے جری اور بے باک آدمی تھے اور حق بات کہنے میں کسی بڑی سے بڑی شخصیت کی بھی پروا نہیں کرتے تھے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ساتھ رہے۔ لڑائی میں کفار کو شکست ہوئی تو حضرت عقیلؓ حضرت عبیدؓ بن اوس انصاری کے ہاتھ گرفتار ہو گئے۔

لڑائی کے دوسرے دن رسولِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ جاکر دیکھو کہ میرے گھرانے کے کون کون سے آدمی گرفتار ہوئے ہیں۔ انہوں نے جاکر قیدیوں کا جائزہ لیا اور واپس آکر بتایا کہ عباسؓ، نوفلؓ بن حارث اور عقیلؓ تین ہاشمی گرفتار ہوئے ہیں۔ یہ سُن کر حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم بہ نفسِ نفیس ان سے ملنے تشریف لے گئے اور کچھ دیر ان کے ساتھ مصروفِ گفتگو رہے۔ علامہ ابنِ سعدؒ کا بیان ہے کہ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے حضرت عقیلؓ کے پاس کھڑے ہو کر فرمایا:۔

"ابو جہل قتل ہو گیا۔"

عقیلؓ بولے، "اب تہامہ میں مسلمانوں کی مزاحمت کرنے والا کوئی نہیں رہا۔"

اس کے بعد جب آنحضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اسیرانِ بدر کو فدیہ کے عوض رہا کرنے کا فیصلہ کیا تو حضرت عباسؓ نے (جو خود بھی اسیروں میں تھے) اپنا اور حضرت عقیلؓ (بھتیجے) دونوں کا فدیہ اپنے پاس سے ادا کر دیا۔ یوں وہ رہا ہو کر مکہ واپس آ گئے۔

(۴)

حضرت عقیلؓ مکہ واپس جاکر مسلمانوں کے خلاف پھر کسی لڑائی میں شریک نہیں ہوئے۔ انہوں نے صلح حدیبیہ (ذیقعدہ ۶ھ) اور غزوۂ مؤتہ کے درمیان کسی وقت اسلام قبول کیا اور ۸ھ میں مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے۔ جمادی الاولی ۸ھ ہجری میں سرورِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے حضرت زیدؓ بن حارثہ کی سرکردگی میں، حضرت حارثؓ بن عمیر ازدی کی شہادت کا بدلہ لینے کے لیے شام کی طرف لشکر روانہ فرمایا تو حضرت عقیلؓ اس میں شامل ہو گئے۔ مؤتہ کے مقام پر اس لشکر کی کثیر التعداد دشمن سے مڈبھیڑ ہوئی۔ مسلمان بڑی ثابت قدمی سے لڑے

باہمہ عقل و دانش اس کو قبول کرنے سے گریزاں رہے حالانکہ ان کے چھوٹے بھائی حضرت علیؓ نے قریش کے نونہالوں میں سب سے پہلے اس پر لبیک کہا اور تھوڑے ہی دنوں کے بعد حضرت جعفرؓ بھی بادۂ توحید سے سرشار ہو گئے۔ ایک روایت کے مطابق حضرت عقیلؓ کا دل بھی اسلام کی طرف مائل ہو گیا تھا مگر کفار کی طعنہ زنی کا خوف علانیہ قبولِ حق میں مانع تھا۔ اس طرح طویل عرصہ گزر گیا یہاں تک کہ رسولِ اکرم صَلَّی اللّٰہ علیہ وَسَلَّم مکّے سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے گئے۔

(۳)

رمضان ۲ ہجری میں مشرکین قریش معرکۂ بدر کے لیے روانہ ہوئے، تو حضرت عقیلؓ بھی با دلِ ناخواستہ لشکرِ قریش میں شامل ہو گئے۔ اُن کے بڑے بھائی طالب بن ابی طالب بھی ساتھ تھے۔ کہا جاتا ہے کہ دونوں بھائیوں کو مشرکین نے مجبور کر کے اپنے لشکر میں شامل کیا تھا ——— مولانا ابوالقاسم رفیق دلاوریؒ نے "سیرۃِ کبریٰ" میں لکھا ہے کہ اثنائے راہ میں طالب کی کسی شخص سے گفتگو چھڑ گئی۔ دورانِ گفتگو میں اس شخص نے طالب سے کہا، واللہ ہم خوب جانتے ہیں کہ تم بنو ہاشم گو ہمارے ساتھ آ گئے ہو مگر دل سے تم مُحمّد (صَلَّی اللّٰہ عَلَیہِ وَسَلَّم) کے حامی ہو۔ یہ سُن کر طالب کچھ دوسرے لوگوں کے ساتھ مکّہ کو پلٹ گئے۔

ابنِ جریر طبری کا بیان ہے کہ طالب نے الجُحفہ کے مقام سے مراجعت کی (یہ جگہ مکّہ سے ۱۷۳ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے) اس کے بعد ان کا کوئی نام و نشان نہ ملا کہ کدھر گئے۔ نہ تو وہ مکّہ معظّمہ پہنچے نہ بدر کے قیدیوں میں شامل تھے اور نہ غزوۂ بدر کے مقتولین میں ان کی لاش ملی[1] البتہ حضرت عقیلؓ لشکرِ قریش کے

---

[1] ایک روایت کے مطابق طالب بدر کی لڑائی میں شریک ہوئے اور مسلمانوں کے ہاتھ اسیر ہو گئے۔ رہائی کے بعد انہوں نے حالتِ شرک ہی میں وفات پائی۔ مگر یہ روایت مشکوک ہے جمہور اربابِ سِیَر نے ان کے لڑائی میں شریک ہونے اور گرفتار ہونے کا ذکر نہیں کیا۔

مگر تین ہزار مسلمانوں کے مقابلے میں دشمن کی تعداد ایک لاکھ سے بھی زیادہ تھی اس لیے وہ پیچھے ہٹنے کا نام نہیں لیتا تھا۔ لڑائی کے دوران میں حضرت زیدؓ بن حارثہ شہید ہو گئے۔ ان کے بعد حضرت جعفرؓ بن ابی طالب (حضرت عقیلؓ کے چھوٹے بھائی) امیر لشکر بنے وہ بھی شہید ہو گئے تو حضرت عبداللہؓ بن رواحہ انصاری نے عَلَمِ امارت سنبھالا (یہ سب کچھ آنحضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی ہدایت کے مطابق ہُوا) وہ بھی جامِ شہادت پی کر خُلدِ بریں کو سدھارے تو مسلمانوں نے حضرت خالدؓ بن ولید کو اپنا قائد بنایا۔ انہوں نے اپنی بے مثال شجاعت اور خداداد عسکری صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر اس شان سے جنگ کی کہ رومیوں کا منہ پھیر دیا اور اپنے لشکر کو (سوائے چند شہداء کے) صحیح و سالم واپس لے کر آئے اس لڑائی میں ان کے ہاتھ سے نو تلواریں ٹوٹیں اور ان کو بارگاہِ رسالت سے "سیف اللہ" کا مہتم بالشان لقب مرحمت ہوا۔

حضرت عقیلؓ غزوہ مُوتہ میں بڑی بہادری سے لڑے۔ وہاں سے واپس آئے تو بیمار ہو گئے اور ایک مدت تک صاحبِ فراش رہے یہی وجہ ہے کہ غزوہ مُوتہ کے بعد کسی غزوے میں شریک نہ ہو سکے۔ جمہور اربابِ سیر کا یہی خیال ہے مگر حافظ ابنِ حجر عسقلانیؒ نے "الاصابہ" میں لکھا ہے کہ حضرت عقیلؓ غزوہ حنین میں شریک تھے۔ جب لڑائی کے آغاز میں مسلمانوں میں انتشار پھیلا تو سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ساتھ جو سرفروش میدانِ جنگ میں ثابت قدم رہے حضرت عقیلؓ بھی ان میں شامل تھے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اربابِ سیر کا بیان ہے کہ سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو حضرت عقیلؓ سے بہت محبّت تھی۔ آپؐ ان سے فرمایا کرتے تھے کہ مجھ کو تمہارے ساتھ دوہری محبّت ہے ایک تو قرابت کی وجہ سے اور دوسرے اس بناء پر کہ میرے چچا ابو طالب تم کو محبوب رکھتے تھے۔ (تہذیب الکمال، اُسدُ الغابہ)

علّامہ ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے خیبر کی پیداوار

سے حضرت عقیلؓ کے لیے ایک سو چالیس وسق سالانہ مقرر فرمایا تھا۔[1]

(اُسُدُ الغابہ)

بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عقیلؓ قبولِ اسلام سے پہلے بھی کبھی کبھار مدینہ مُنوّرہ کا چکر لگا جاتے تھے۔ اس سفر سے ان کا مقصد غالباً اپنے چھوٹے بھائی حضرت علیؓ اور دوسرے اعزّہ واقارب سے ملاقات کرنا ہوتا تھا۔

(۵)

سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی وفات کے بعد تقریباً پچیس برس تک حضرت عقیلؓ کی سرگرمیوں اور مشاغل کے بارے میں بہت کم معلومات ملتی ہیں۔ صرف اتنا معلوم ہے کہ امیرالمومنین حضرت عُمر فاروقؓ نے جب وظائف کی فہرست مرتب کرائی تو اس کام میں مدد دینے کے لیے حضرت عقیلؓ کو بھی طلب کیا تھا۔

بعض اربابِ سِیَر نے لکھا ہے کہ کبھی کبھی مسجدِ نبوی میں ان کے لیے ایک بوریا بچھا دیا جاتا تھا جس پر آکر وہ بیٹھتے تھے۔ (بروایت دیگران کے پاس ایک بوریا تھا جس پر نماز کے بعد بیٹھ جاتے تھے)[2] چونکہ علم الانساب کے بڑے ماہر تھے اور ایامِ عرب کے واقعات سے بھی غیر معمولی واقفیت رکھتے تھے اس لیے لوگ ان کے پاس انساب کے بارے میں معلومات حاصل کرنے یا ایامِ عرب کی داستانیں سننے کے لیے جمع ہو جاتے تھے۔ (مُسندِ احمد بن حنبل ج۔۱)

ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ وہ قریش کے معائب بڑی بے باکی سے بیان کیا کرتے

---

[1] وسق ایک اونٹ کے لادنے بھر کا سامان ہوتا تھا جو گیہوں کے وزن کے اعتبار سے ۱۳۰ کلو ۵۰۰ گرام یا تقریباً ساڑھے تین من بنتا تھا۔ (جزیرۃ العرب از مولانا محمد رابع حسنی)

[2] مؤطا امام مالکؒ میں مالک بن عامر الاصبحی سے روایت ہے کہ جمعہ کے روز حضرت عقیلؓ بن ابی طالب کے لیے ایک چٹائی مسجد کی مغربی دیوار کے ساتھ بچھا دی جاتی تھی۔ جب دیوار کا سایہ پوری چٹائی پر چھا جاتا تھا تب حضرت عمرؓ باہر آتے اور نمازِ جمعہ پڑھاتے۔

تھے، اس بنا پر بہت سے لوگ ان کے مخالف ہو گئے تھے اور ان کے بارے میں غلط باتیں کہتے تھے۔

"دائرۂ معارف اسلامیہ" (اردو) میں ہے کہ "حضرت عقیل خوشحال آدمی تھے اور خاصا خدم و حشم رکھتے تھے۔" غالباً ان کی خوشحالی کا زمانہ امیر معاویہؓ کے پاس جانے کے بعد شروع ہوا (جیساکہ آگے ذکر آتا ہے) غزوۂ بدر (۲ھ) کے موقع پر تو ان میں اتنی استطاعت بھی نہ تھی کہ اپنا زرِ فدیہ ادا کر سکتے چنانچہ حضرت عباسؓ نے فدیہ دے کر ان کو آزاد کرایا۔"

ایک روایت میں ہے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکہ سے ہجرت کے بعد حضرت عقیلؓ نے حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کا مکان بیچ ڈالا تھا تاکہ اپنے اخراجات پورے کر سکیں۔ ان کی زندگی پُر آسائش ہو یا غریبانہ بہرصورت جب حضرت علیؓ کا دورِ خلافت آیا تو وہ چالیس ہزار درہم کے مقروض تھے۔ اس قرض کی ادائیگی کی فکر میں امیر المؤمنین حضرت علیؓ کے پاس کوفہ گئے۔ حضرت علیؓ نے ان کی بہت تعظیم و تکریم کی اور اپنے پاس ٹھہرایا۔ پھر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ چچا کو کپڑے پہناؤ۔ انہوں نے اپنے کپڑے ان کو پہنا دیئے۔ شام ہوئی اور دسترخوان بچھا تو اس پر صرف روٹی نمک اور ترکاری تھی۔ حضرت عقیلؓ نے کہا، بس یہی سامان ہے؟ حضرت علیؓ نے فرمایا، جی ہاں۔ حضرت عقیلؓ نے کہا، میرا یہاں آنے کا مقصد یہ ہے کہ تم میرا قرض ادا کر دو۔

حضرت علیؓ نے پوچھا، کتنا قرض ہے؟

انہوں نے کہا، چالیس ہزار درہم۔

حضرت علیؓ نے فرمایا، اتنی رقم میرے پاس کہاں؟ ہاں اگر آپ کچھ عرصہ صبر کریں تو مجھ کو جو چار ہزار وظیفہ ملتا ہے وہ مل جائے تو آپ کو دے دوں گا۔

حضرت عقیلؓ نے کہا، بیت المال کے تم مالک ہو، اس میں سے دے دو وظیفہ کے انتظار میں مجھے نہ رکھو۔

حضرت علیؓ نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ کیا آپ چاہتے ہیں کہ آپ کا بھائی مسلمانوں کا مال آپ کو دے کر جہنّم میں جائے۔

اب حضرت عقیلؓ نے کہا، تو کیا میں معاویہؓ کے پاس چلا جاؤں؟

حضرت علیؓ نے فرمایا، جو آپ کا جی چاہے کریں۔

(۶)

حضرت علیؓ کی طرف سے مایوس ہو کر حضرت عقیلؓ دمشق پہنچے اور امیر معاویہؓ سے ملاقات کی۔ انہوں نے بڑی آؤ بھگت کی۔ اثنائے گفتگو میں انہوں نے پوچھا، اے ابو یزید! تم نے علی اور ان کے ساتھیوں کو کیسا پایا؟

انہوں نے جواب دیا —— "وہ لوگ حقیقی معنوں میں صحابۂ رسولؐ ہیں۔ بس صرف اسی قدر کمی ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ان کے درمیان تشریف فرما نہیں اور تم اور تمہارے اصحاب ٹھیک ابو سفیانؓ اور ان کے اصحاب کی طرح ہیں صرف اتنی کمی ہے کہ تمہارے درمیان ابو سفیانؓ موجود نہیں ہیں۔"

دوسرے دن حضرت عقیلؓ، امیر معاویہؓ کے دربار میں گئے تو انہوں نے ان کو اہلاً وسہلاً ومرحبا کہا اور اپنی مَسنَد کے پہلو میں کرسی پر بٹھایا۔ کچھ دیر دونوں کے درمیان گفتگو ہوتی رہی۔ اس کے بعد امیر معاویہؓ نے ان کو پچاس ہزار درہم دینے کا حکم دیا۔ وہ یہ درہم لے کر خوش خوش دربار سے لوٹے۔[۱]

لہ ابن اثیرؒ نے "اُسُدُ الغابہ" میں لکھا ہے کہ جب حضرت عقیلؓ امیر معاویہؓ کے دربار میں گئے تو انہوں نے دیکھا کہ ضحاک بن قیس فہری امیر معاویہؓ کی مَسنَد پر ان کے پہلو میں بیٹھے ہیں۔ ضحاکؓ بنی فہر کے سردار تھے اور ان کا شمار قریش کے نامور بہادروں میں ہوتا تھا۔ فتح دمشق میں شریک تھے اور وہیں سکونت اختیار کر لی تھی۔ وہ امیر معاویہؓ کے پُرجوش حامیوں میں سے تھے۔ جنگِ صفین میں ان کی طرف سے شریک ہوئے۔ ۵۳ھ ہجری میں امیر معاویہؓ نے ان کو کوفے کا گورنر مقرر کیا پھر ولایتِ دمشق پر تبدیل

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سیّدنا حضرت علیؓ اور حضرت امیر معاویہؓ کے درمیان اختلافات نے شدت پکڑی تو امیر معاویہؓ، حضرت عقیلؓ کی مثال دے کر لوگوں سے کہتے کہ دیکھو اگر میں حق پر نہ ہوتا تو عقیلؓ اپنے بھائی کو چھوڑ کر میرے پاس کیوں آجاتے۔ ایک دن حضرت عقیلؓ کی موجودگی میں وہ یہی دلیل دے کر لوگوں کو اپنی حمایت پر آمادہ کر رہے تھے تو حضرت عقیلؓ ضبط نہ کر سکے اور حضرت معاویہؓ سے مخاطب ہو کر کہنے لگے :۔۔۔۔

"میرا بھائی دین کے معاملے میں میرے لیے بہتر ہے اور تم دنیا کے معاملے میں میرے لیے بہتر ہو۔ بلاشبہ دنیا تو میری بہتر ہو گئی رہا آخرت کا معاملہ تو اللہ کے احسان اور اپنے حسن خاتمہ کی دعا کرتا ہوں۔"

ایک دفعہ انہوں نے حضرت علیؓ کو ایک خط لکھا جس میں انہوں نے عبداللہ بن سعد بن ابی سرح سے اپنی ملاقات کا اور ضحاک بن قیس فہری کی حیرہ پر یلغار کا ذکر کیا، ساتھ ہی اپنے بیٹوں وغیرہ کے ساتھ ان کے پاس آنے کی پیشکش کی۔ اس خط کے جواب میں حضرت علیؓ نے ان کو یہ خط لکھا :۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اللہ کے بندے، مسلمانوں کے امیر علی کی طرف سے

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

کر دیا۔ امیر معاویہؓ ان کے بہت قدر دان تھے۔ حضرت عقیلؓ نے ان کے پہلو میں بیٹھے دیکھا تو پوچھا کہ اے معاویہ! یہ کون ہے؟ انہوں نے بتایا کہ یہ ضحاک بن قیس فہری ہیں۔ حضرت عقیلؓ نے شاید ان کی عزت افزائی کو بُرا محسوس کیا۔ انہوں نے کہا، سبحان اللہ! جس کا باپ ہمارے مویشیوں کو مقام ابطح میں خصی کیا کرتا تھا اور اس فن میں خوب ماہر تھا۔ ضحاک نے کہا بے شک میں قریش کی خوبیوں کا عالم ہوں اور آپ ان کے معائب کے۔ اس طرح بات ختم ہو گئی۔ ضحاک ۶۴ھ میں جنگِ مرج راہط میں مروان بن الحکم کے خلاف لڑتے ہوئے کام آئے۔

عقیل بن ابی طالب کے نام

آپ پر اللہ کی سلامتی ہو۔ میں آپ کے سامنے اللہ کی حمد وثنا کرتا ہوں جس کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں۔ اَمّا بعد اللہ ہمیں اور آپ کو اسی طرح اپنی حفاظت میں رکھے جس طرح وہ اپنے بغیر دیکھے ڈرنے والے کی حفاظت کرتا ہے۔ بے شک وہ حمد کے لائق اور بزرگ و برتر ہے۔

عبدالرحمٰن بن عبید ازدی آپ کا خط لے کر میرے پاس آئے جس میں آپ نے لکھا ہے کہ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح[1] سے آپ کی ملاقات ہوگئی جبکہ وہ طلقاء (فتح مکہ کے بعد معاف کیے جانے والے لوگوں) کی اولاد میں سے چالیس نوجوانوں کے ساتھ قدید سے مغرب کی طرف جا

---

[1] حضرت عبداللہؓ بن سعد بن ابی سرح کا تعلق قریش کے خاندان عامر بن لؤی سے تھا۔ اس لیے انہیں عامری کہا جاتا ہے۔ نسب نامہ یہ ہے:

عبداللہؓ بن سعد بن ابی سرح بن حارث بن حُبَیب بن جذیمہ بن مالک بن حِسل بن عامر بن لؤی۔

ان کی کنیت ابویحییٰ تھی۔ سیدنا حضرت عثمان ذوالنورینؓ نے ان کی والدہ کا دودھ پیا تھا۔ اس نسبت سے وہ سیدنا حضرت عثمانؓ کے رضاعی بھائی تھے۔ ان کا شمار عقلاء قریش میں ہوتا تھا اور وہ قریش کے ان لوگوں میں سے تھے جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے۔ آنحضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ان کو کتابِ وحی میں شامل کرلیا۔ کتابتِ وحی کے دوران میں انہوں نے وحی کے بعض الفاظ تبدیل کرنے کی کوشش کی یا بروایتِ دیگر ان کے منہ سے کچھ ایسے الفاظ نکلے جو وحی سے مطابقت رکھتے تھے اس سے وہ غلط فہمی میں مبتلا ہوگئے اور حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا اعتماد کھو بیٹھے۔ آپؐ کے عتاب سے بچنے کے لیے وہ مدینہ سے بھاگ کر مکہ چلے گئے۔ فتح مکہ کے موقع پر حضورؐ نے انہیں واجب القتل قرار دیا مگر

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

رہا تھا۔ آپ جس ابن ابی سرح کے بارے میں لکھ رہے ہیں وہ تو بہت پہلے اللہ، اس کے رسولؐ اور اس کی کتاب کو دھوکا دے چکا ہے۔ وہ اللہ کے راستے سے بھٹک چکا ہے اور اپنی کج روی کے باعث بغاوت کر چکا ہے لہٰذا آپ ابن ابی سرح اور قریش کا خیال اپنے دل سے نکال دیں اور ان کو ان کی گمراہی میں سرگرداں، بغاوت میں مصروف اور چٹیل میدان میں سر مارتا ہوا چھوڑ دیں کیونکہ قریش نے آج آپ کے بھائی سے اسی طرح لڑنے پر اتفاق کر لیا ہے جیسے ماضی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

حضرت عثمانؓ کی سفارش پر آپؐ نے انہیں معاف فرما دیا۔ اس کے بعد وہ عمر بھر اپنی لغزش پر شرمسار رہے۔ سیدنا حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں حضرت عمروؓ بن العاص کے ساتھ فتح مصر میں شریک تھے۔ سیدنا حضرت عثمانؓ نے اپنے دورِ خلافت میں (۲۵ھ میں) ان کو حضرت عمروؓ بن العاص کی جگہ مصر کا گورنر بنا دیا۔ انہوں نے اپنے دورِ امارت میں افریقیہ فتح کیا اور نوبہ کے حبشیوں کو بھی مسخر کیا۔ ۳۴ھ میں رومیوں کے خلاف جہاد میں حصہ لیا۔ وہاں سے پلٹ کر مشرق کی طرف آ رہے تھے کہ شام اور مصر کے درمیان ان کو حضرت عثمانؓ کی شہادت کی خبر ملی وہاں سے وہ حضرت معاویہؓ سے ملنے شام چلے گئے۔ پھر عسقلان میں سکونت اختیار کر لی۔ جنگ صفین میں شریک نہ ہوئے (غیر جانبدار رہے) وہ اکثر دعا کیا کرتے تھے کہ الٰہی میرا آخری عمل نماز کو کرنا۔ باختلافِ روایت ۳۶ھ یا ۳۷ھ میں ایک دن فجر کی نماز پڑھی پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ اور والعادیات پڑھی اور دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد کوئی دوسری سورۃ پڑھی۔ پھر رکوع و سجود کے بعد قعدہ میں بیٹھے۔ داہنی طرف سلام پھیرنے کے بعد بائیں طرف سلام پھیرنے لگے کہ پیغامِ اجل آ پہنچا اور وہ جاں بحق ہو گئے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان پر حالتِ نماز میں موت وارد کر کے ان کی دعا پوری کر دی۔

سے جنگ پر کیا تھا۔ یوں وہ ایسے ہو گئے جیسے اس کے حق سے واقف ہی نہیں، اس کی فضیلت کے منکر ہو گئے اس سے بخیل دشمنی فریب کرنے لگے، اس کے خلاف لڑائی چھیڑ دی۔ اس کے مقابلے میں مختلف قبیلوں کے لشکر لا کر کھڑے کر دیئے اور اللہ کے نور کو بجھانے کی کوشش کرنے لگے۔ الٰہی تو میری طرف سے قریش سے بدلہ لے۔ انہوں نے مجھ سے قطع رحمی کی میرے خلاف ایک دوسرے کے معاون ہو گئے۔ مجھے میرے حق سے محروم کر دیا اور میرے بھائی کی حکومت مجھ سے چھین کر ایک ایسے شخص (امیر معاویہؓ) کے سپرد کر دی جو نہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے رشتے کے لحاظ سے میری مثل تھا نہ سبقتِ اسلام میں اِلّا یہ کہ مدعی وہ دعویٰ کر بیٹھے جس کی نہ مجھے خبر ہے اور نہ یہ اللہ کے نزدیک معتبر ہے۔ اللہ ہر حال میں حمد کے لائق ہے۔

آپ نے اہلِ حیرہ پر ضحاک بن قیس کی غارت گری کا جو ذکر کیا ہے تو خود غارتگری کرنا تو کجا وہ اس کے قریب تک نہیں جا سکتا۔ ہاں سواروں کے ایک دستے کے ساتھ آیا تھا اور سماوہ پر قبضہ کر لیا تھا پھر واقصہ، شراف، قطقطانہ اور اس کے نواحی مقامات پر سے بھی گزرا۔ میں نے مسلمانوں کا ایک بڑا جیش اس کے تعاقب میں بھیجا اس جیش نے بڑی تیزی سے چل کر اس کو جا لیا۔ اس نے ایک ساعت کے مقابلے کے بعد راہِ فرار اختیار کی۔

آپ نے موجودہ حالات میں میری رائے دریافت کی ہے میری رائے مخالفین سے اس وقت تک جنگ جاری رکھنے کی ہے جب تک میں اللہ سے ملوں نہ میرے اردگرد لوگوں کی کثرت میری عزت بڑھا سکتی ہے اور نہ ان کا مجھ سے جدا ہونا مجھے وحشت زدہ کر سکتا ہے کیونکہ میں حق پر ہوں اور اللہ اہلِ حق کے ساتھ ہوتا ہے۔ واللہ

میں حق پر مر جانے میں بالکل کراہت محسوس نہیں کرتا اور موت کے بعد خیرِ کامل صرف اہلِ حق ہی کے لیے ہے۔

آپ نے اپنے بیٹوں وغیرہ کے ساتھ میرے پاس آنے کی جو پیشکش کی ہے اس کی مجھے قطعاً ضرورت نہیں۔ آپ اپنی جگہ راشد و محمود بنے بیٹھے رہیں۔ خدا کی قسم مجھے یہ پسند نہیں کہ میں ہلاک ہوں تو آپ بھی میرے ساتھ ہلاک ہو جائیں۔ آپ اپنے بھائی کو خواہ اس کو ساری دنیا اور تمام لوگ چھوڑ جائیں، گڑگڑانے والا، کمزوری کی بناء پر ظلم و ستم سہنے والا، کسی قاعد کے لیے نرم لگام والا اور کسی سوار کے لیے پیٹھ جھکا دینے والا ہرگز نہ سمجھیں، وہ تو قبیلۂ بنی سُلیم کے شاعر کے بقول ایسا ہے:

فَإِنْ تَسْأَلِيْنِيْ كَيْفَ أَنْتَ فَإِنَّنِيْ	جو پوچھتی ہے کہ تو کیسا ہے تو (سن مجھ سے)
صَبُوْرٌ عَلٰى رَيْبِ الزَّمَانِ صَلِيْبُ	میں حوادث کا سہنے والا ہوں، بہادر ہوں
يَعِزُّ عَلَيَّ أَنْ تُرٰى بِيْ كَآبَةٌ	یہ امر مجھ پر گراں ہے کہ مجھ کو زبوں حال دیکھا
فَيَشْمَتَ عَادٍ أَوْ يُسَاءَ حَبِيْبُ	جائے کہ جس سے دشمن خوش ہوں اور دوست غمگین۔

وَالسَّلَامُ

(شرح ابن ابی الحدید۔ الامامۃ والسیاسۃ)

(۷)

شام میں چند سال قیام کے بعد حضرت عقیل رضی اللہ عنہ مدینہ واپس آگئے تھے۔ ایک روایت کے مطابق وہ آخری عمر میں نابینا ہو گئے تھے۔ بہ اختلافِ روایت انہوں نے ۵۰ھ ہجری یا ۶۰ھ ہجری میں وفات پائی اور مدینہ منوّرہ میں دفن ہوئے۔

حضرت عقیل رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی میں متعدد شادیاں کیں جن سے کثیر اولاد ہوئی اہلِ سیر نے سولہ بیٹوں اور سات بیٹیوں کے نام صراحت سے لیے ہیں مگر ان کی

اولاد کی اصل تعداد اس سے زیادہ تھی۔

یزید کے ساتھ جھگڑے میں حضرت عقیلؓ کے متعدد صاحبزادوں نے اپنے ابن عم سیدنا حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دل وجان سے حمایت کی۔ ان میں سے ایک یعنی مسلم بن عقیلؓ کو عبیداللہ بن زیاد نے کوفہ میں قتل کرادیا۔ چھ یا نو صاحبزادوں نے میدانِ کربلا میں یزیدی لشکر سے لڑتے ہوئے شہادت پائی۔

علم الانساب اور ایام عرب کے تو حضرت عقیلؓ بہت بڑے عالم تھے مگر حدیث میں ان کو وہ درجہ حاصل نہ ہو سکا جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ابن عمؓ اور محبوب صحابی ہونے کی حیثیت سے ہونا چاہیئے تھا۔ اس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ ہجرت کے بعد وہ پھر مکہ لوٹ گئے تھے اور عرصہ تک وہیں مقیم رہے اس لیے ان کو فیضانِ نبوی سے بہرہ یاب ہونے کا موقع بہت کم ملا۔ ان سے صرف تین چار احادیث مروی ہیں۔ رواۃ میں محمدؒ (فرزند) حسن بصریؒ اور عطاؒ شامل ہیں۔

ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عقیلؓ سُنّتِ نبوی کی پابندی کا خاص خیال رکھتے تھے۔ ایک دفعہ نئی شادی کی۔ صبح کو احباب مبارکباد دینے آئے اور عرب کے پرانے طریقے کے مطابق بطور تہنیت یہ الفاظ کہے:

"اللہ تمہیں بہت سے بیٹے بیٹیاں عنایت فرمائے۔"

اگرچہ ان الفاظ میں کوئی قابل اعتراض بات نہ تھی مگر یہ مسنون طریقے کے مطابق نہیں تھے اس لیے حضرت عقیلؓ نے مبارکباد دینے والوں سے فرمایا یہ نہ کہو، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس قسم کے الفاظ میں مبارکباد دینے سے) منع کیا ہے اور فرمایا ہے کہ کہو اللہ تمہارے لیے برکت دے اور تم پر برکت نازل کرے اور تمہارے لیے اس بی بی میں برکت دے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت عمروؓ بن ابی سرح فہری

(۱)

ارباب سِیَر میں ان کے نام کے بارے میں اختلاف ہے۔ موسیٰ بن عقبہؒ، ابن اسحاقؒ اور ابن کلبی نے عمروؓ بن ابی سرح لکھا ہے مگر واقدیؒ اور ابو معشرؒ نے کہا ہے کہ ان کا نام مَعْمَرؓ بن ابی سرح تھا۔ بہر صورت وہ "السابقون الاوّلون" کی مقدّس جماعت کے ایک معزّز رکن تھے۔ خاندانی تعلق بنو فہر سے تھا۔

سلسلۂ نسب یہ ہے:

عمروؓ بن ابی سرح بن ربیعہ بن ہلال بن مالک بن ضبہ بن حارث بن فہر۔ فہری قرشی۔

والدہ کا نام زینب تھا اور وہ بنو عامر بن لُوّیؔ سے تھیں ان کا نسب نامہ یہ ہے:

زینب بنت ربیعہ بن ہلال بن ضباب بن حجیر بن عبد بن معیص بن عامر بن لُوّیؔ۔

علّامہ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ حضرت عمروؓ بن ابی سرح کی کنیت ابو سعید تھی۔

(۲)

حضرت عمروؓ بن ابی سرح ان خوش بخت اصحاب میں سے ہیں جن کو دعوتِ توحید کے ابتدائی زمانے میں قبولِ اسلام کی توفیق نصیب ہوئی۔ ایمان لانے کے بعد دوسرے مسلمانوں کی طرح وہ بھی مشرکین مکّہ کے ظلم و ستم کا نشانہ بن گئے۔

۶ سنہ بعد بعثت میں سرورِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے مسلمانوں کو دوسری مرتبہ حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کا مشورہ دیا تو وہ بھی بہت سے دوسرے مسلمانوں

کے ساتھ ہجرت کر کے حبش چلے گئے۔ امام ابن اسحاقؒ کا بیان ہے کہ وہ حبشہ میں کئی سال غریب الوطنی کی زندگی گزارنے کے بعد سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت الی المدینہ سے پہلے متعدد دوسرے مسلمانوں (مہاجرین حبشہ) کے ساتھ مکہ واپس آ گئے۔ کچھ عرصہ بعد حضورؐ نے مسلمانوں کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا تو حضرت عمرؓو بن ابی سرح بھی ارضِ مکہ کو خیر باد کہہ کر مدینے چلے گئے۔ وہاں حضرت کلثومؓ بن ہدم انصاری نے ان کو اپنا مہمان بنایا۔

(۳)

حضرت عمرؓو بڑے مخلص اور پُرجوش مسلمان تھے۔ رمضان ۲ھ ہجری میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ بدر کے لیے روانہ ہوئے تو حضرت عمرؓو اور ان کے بھائی حضرت وہبؓ بن ابی سرح بھی حضورؐ کے ہم رکاب تھے۔ غزوے میں دونوں بھائی سر بکف ہو کر لڑے اور اپنے آپ کو بارگاہِ الٰہی سے وعدۂ مغفرت کا حقدار بنا لیا۔

غزوۂ بدر کے بعد حضرت عمرؓو نے غزوۂ اُحد، غزوۂ خندق اور عہدِ رسالت کے دوسرے مشہور غزوات میں بھی اپنی تلوار کے جوہر دکھائے۔ سرورِ عالمؐ کی رحلت کے بعد حضرت عمرؓو بن ابی سرح کی سرگرمیوں اور مشاغل کے بارے میں کُتبِ سِیَر خاموش ہیں۔

(۴)

علامہ واقدی اور طبری کے قول کے مطابق حضرت عمرؓو بن ابی سرح نے ۳۰ھ ہجری میں بعہدِ خلافت حضرت عثمان ذوالنورینؓ وفات پائی مگر حافظ ابن عبدالبرؒ نے "الاستیعاب" میں ان کا سالِ وفات ۳۳ھ ہجری لکھا ہے۔ ابن اثیرؒ نے پہلی روایت کو ترجیح دی ہے۔ مقامِ وفات مدینہ منوّرہ تھا۔ ابن اسحاقؒ کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓو بن ابی سرح لاولد فوت ہوئے مگر علامہ ابن سعد نے معمرؓ بن ابی سرح کا نام لے کر لکھا ہے کہ ان کے دو بیویاں تھیں اور دونوں سے اولاد تھی۔ ایک بیوی کا نام اُمامہ بنت عامر تھا۔ ان کے بطن سے عبداللہ پیدا ہوئے دوسری بیوی کا نام امہ بنت جراح تھا (وہ حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح کی بہن تھیں) ان کے بطن سے عمیر پیدا ہوئے۔ اگر عمرؓو اور معمرؓ ایک ہی شخصیت ہیں تو پھر عبداللہ اور عمیر کو حضرت عمرؓو بن ابی سرح ہی کے بیٹے سمجھنا چاہیے۔

حضرت عمروؓ بن حُرَیثؓ مخزومی

(۱)

ہجرتِ نبوی کے چند سال بعد کا ذکر ہے کہ ایک دن ایک قریشی صاحب رسولؐ اپنے کم سن بیٹے کی انگلی پکڑے ہوئے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کی "یارسول اللہ! یہ میرا لختِ جگر ہے اس کے لیے دعا کیجئے۔"

سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ نے نہایت شفقت سے بچے کے سر پر ہاتھ پھیرا اور بارگاہِ رب العزت میں دعا کی کہ الٰہی اس بچے کو خرید و فروخت میں برکت دینا اور اس کو رزقِ کثیر عطا فرمانا۔

سیدالانبیاء والمرسلین صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم کی دعا کا یہ اثر ہوا کہ جب یہ صاحبزادے بڑے ہوئے تو ان کا یہ حال تھا کہ مٹی میں ہاتھ ڈالتے تھے تو وہ سونا بن جاتی تھی اور ان کا شمار کوفہ کے متموّل ترین افراد میں ہوتا تھا۔

یہ صاحبزادے جن کو یہ عظیم سعادت نصیب ہوئی کہ حبیبِ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سر پر اپنا دستِ شفقت پھیرا اور ان کے لیے رزقِ کثیر کی دعا فرمائی حضرت عمروؓ بن حُرَیثؓ تھے۔

(۲)

حضرت عمروؓ بن حُرَیثؓ کا تعلق قریش کی شاخ بنو مخزوم سے تھا[۱] اور ان کی کنیت ابوسعید تھی۔ سلسلۂ نسب یہ ہے: ——

---

[۱] ابو حنیفۃ الدینوری نے "الاخبار الطوال" میں حضرت عمروؓ بن حریثؓ کو عدوی لکھا ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ جمہور اربابِ سیر کے نزدیک وہ مخزومی تھے۔

عمروؓ بن حُریث بن عمرو بن عثمان بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم

حضرت عمروؓ کے والد حضرت حُریثؓ بن عمروؓ کو بھی شرفِ صحابیت حاصل ہوا۔ حضرت عمروؓ اگرچہ عہدِ رسالت میں صغیر السن تھے مگر بہت ذہین اور ہوشیار تھے۔ ان کو سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے بہت عقیدت اور محبت تھی۔ وقتاً فوقتاً حضورؐ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوتے اور جو کچھ آپؐ کو کرتا دیکھتے یا جو کچھ آپؐ سے سُنتے اس کو یاد رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ حضورؐ بھی ان پر بہت شفقت فرماتے تھے۔ ایک دفعہ ان کے بڑے بھائی حضرت سعیدؓ بن حریثؓ[1] ان کو بارگاہِ رسالت میں لے گئے۔ اس وقت سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم لوگوں میں سونا تقسیم فرما رہے تھے۔ آپؐ نے سونے کا ایک ٹکڑا حضرت عمروؓ کو بھی عنایت فرمایا۔

علّامہ ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی رحلت کے وقت حضرت عمروؓ بن حُریثؓ کی عمر بارہ سال کی تھی۔ چونکہ حضورؐ بالعموم پندرہ سال سے کم عمر کے لڑکوں کو لڑائی میں شریک ہونے کی اجازت نہیں دیتے تھے اس لیے حضرت عمروؓ عہدِ نبوی کے کسی غزوے میں شریک نہ ہو سکے۔

(۳)

حضرت عمروؓ بن حُریثؓ نے سب سے اوّل سیّدنا حضرت عُمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں میدانِ جہاد میں قدم رکھا۔ امیر المؤمنینؓ نے حضرت سعدؓ بن ابی وقّاص کی قیادت میں اسلامی لشکر عراقِ عرب کی طرف روانہ کیا تو حضرت عمروؓ بھی اس میں شریک

---

[1] حضرت سعیدؓ بن حُریثؓ فتح مکّہ سے پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے۔ فتح مکّہ میں سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ہمرکاب تھے۔ اس وقت ان کی عمر پندرہ سال کی تھی۔ عہدِ رسالت کے بعد مسلمانوں نے خراسان پر لشکر کشی کی تو وہ بھی اسلامی لشکر میں شریک ہو گئے اور عرصہ تک جہاد میں مصروف رہے۔ انہوں نے کوفہ میں اقامت اختیار کر لی تھی۔ ابن مندہ کے قول کے مطابق وہیں فوت ہوئے۔ اولاد کوئی نہ چھوڑی۔ ان سے یہ حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ جس شخص نے جائداد یا مکان فروخت کیا اور اس کی قیمت کو اسی کی مثل میں نہ صرف کیا تو اس میں برکت نہ ہوگی۔

ہو گئے۔ اس وقت ان کا عنفوانِ شباب تھا اور ان کی رگ رگ میں بجلیاں بھری ہوئی تھیں۔ انہوں نے عراق عرب کے کئی معرکوں میں دادِ شجاعت دی بالخصوص قادسیہ کی فیصلہ کن جنگ میں کئی کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔ کوفہ آباد ہوا تو انہوں نے وہاں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ ابن الاثیرؒ کا بیان ہے کہ وہ پہلے قرشی ہیں جنہوں نے کوفہ میں گھر بنایا۔ وہاں انہوں نے تجارت کا پیشہ اختیار کر لیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے کاروبار میں بڑی برکت دی اور ان کا شمار کوفہ کے متموّل ترین لوگوں میں ہونے لگا۔ بعض روایتوں کے مطابق وہ کوفہ میں سب سے زیادہ مالدار آدمی تھے۔ اہلِ کوفہ ان کی بہت عزت کرتے تھے اور ہر طبقے کے لوگ ان کے پاس آتے جاتے تھے۔ ان کو حضرت عمرؓ پر اس قدر اعتماد تھا کہ بلا تکلف اپنی قیمتی امانتیں ان کے پاس رکھ دیتے تھے۔

ابو حنیفۃ الدینوری نے "الاخبار الطوال" میں بیان کیا ہے کہ جنگِ نہاوند کے بعد اسلامی لشکر کے ایک افسر حضرت سائبؓ بن اقرع کو ایک آتش کدے سے بہت بڑا خزانہ ملا۔ اس میں دو سنگار دان بھی تھے جن میں بہت سے بیش قیمت ہیرے جڑے ہوئے تھے۔ امیر المومنین حضرت عمرِ فاروقؓ نے حضرت سائبؓ کو حکم دیا کہ ان دونوں سنگار دانوں کو بیچ دو تاکہ ان کی قیمت مسلمانوں کے وظائف اور عطیات پر صرف کی جائے۔ حضرت سائبؓ نے انہیں کوفہ لے جا کر لوگوں کے سامنے فروخت کے لیے پیش کیا تو ان کی قیمت کا تخمینہ کئی لاکھ دینار کیا گیا۔ اتنی خطیر رقم خرچ کرنا کسی عام امیر آدمی کے بس کی بات نہ تھی یہ صرف حضرت عمروؓ بن حریث کی ہمت تھی کہ انہوں نے اتنی بڑی رقم فراہم کر کے یہ سنگار دان خرید لیے اور بعد میں حیرہ کی منڈی میں انہیں فروخت کر کے بیش قرار منافع حاصل کیا۔ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمروؓ اپنی دولت میں غریبوں اور حاجت مندوں کو برابر شریک رکھتے تھے اسی لیے وہ عوام الناس میں بہت ہر دلعزیز تھے۔

حضرت عمروؓ اگرچہ سیاسی سرگرمیوں میں زیادہ حصہ نہیں لیتے تھے مگر ان کا شمار امیر معاویہؓ کے حامیوں میں ہوتا تھا۔ مُسندِ احمد میں حضرت عبداللہ بن یسارؓ

سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمروؓ بن حریث حضرت حسنؑ کی عیادت کے لیے گئے۔ حضرت علیؓ نے ان سے فرمایا، تم حسنؑ کی عیادت کرتے ہو حالانکہ تمہارے جی میں جو ہے سو ہے۔ (یہ اشارہ تھا اس بات کی طرف کہ وہ دل سے امیر معاویہؓ کے حامی ہیں) حضرت عمروؓ نے ان سے کہا کہ آپ میرے رب نہیں ہیں کہ میرے دل میں جس طرح چاہیں تصرف کریں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا: "سُن لو! یہ بات مجھے اس سے منع نہیں کرتی کہ میں تمہیں نصیحت نہ کروں۔ میں نے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے سنا ہے آپؐ فرماتے تھے جب کوئی مسلمان اپنے بھائی کی عیادت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ستر ہزار فرشتے مقرر کر دیتا ہے جو اس کے لیے دعائے مغفرت کرتے رہتے ہیں خواہ دن کی کسی ساعت میں بھی عیادت کرے، یہاں تک کہ شام ہو جائے اور رات کو کسی ساعت میں عیادت کرے تو صبح تک اس کے لیے استغفار کرتے ہیں۔"

اس نصیحت سے حضرت علیؓ کا مقصد غالباً حضرت عمروؓ بن حریثؓ کو یہ بتانا تھا کہ ہر کام میں خلوصِ نیّت ہونا چاہیے یہ نہیں کہ دل میں کچھ اور ہو اور زبان پر کچھ اور۔ اگر کسی بیمار کی عیادت خلوصِ نیّت سے کی جائے تو اس میں بے حد اجر و ثواب ہے اور اگر یہ محض دکھاوے کے لیے کی جائے تو اس کا کوئی فائدہ نہیں۔

کوفہ کے گورنر زیاد کو حضرت عمروؓ پر اس قدر اعتماد تھا کہ بعض اوقات وہ کوفہ سے باہر جاتے وقت اپنی نیابت کی ذمہ داری ان کے سپرد کر جاتا تھا۔

حضرت عمروؓ بن حُریثؓ نے تقریباً چھیاسی سال کی عمر پائی اور ۸۵ھ میں کوفہ میں فوت ہوئے۔

(۴)

حضرت عمروؓ بن حُریثؓ کا شمار راویانِ حدیث صحابہؓ کے طبقۂ پنجم میں ہوتا ہے یعنی وہ صحابہ جن کی مرویات کی تعداد چالیس سے کم ہے۔ ان سے اٹھارہ احادیث مروی ہیں۔ ان میں سے کچھ یہ ہیں:

(۱) رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ تم اپنے خادموں سے جتنی ہلکی خدمت

ہوں گے اتنا ہی اجر وثواب تمہارے نامۂ اعمال میں لکھا جائے گا۔
(ترغیب و ترہیب بحوالہ ابویعلیٰ)

(۲) میں نے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو منبر پر (خطبہ دیتے ہوئے) دیکھا، اس وقت آپؐ سیاہ رنگ کا عمامہ زیب سر فرمائے ہوئے تھے اور اس کا کنارہ (شملہ) آپؐ نے پشت پر دونوں مونڈھوں کے درمیان لٹکا رکھا تھا۔ (صحیح مسلم)

(۳) (ایک دن) رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے حضرت عبداللہؓ بن مسعود سے فرمایا، خطبہ دو تو انہوں نے (اپنے خطبے میں) پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی اور نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر سلام و درود بھیجا اور حق کی شہادت کے ساتھ شہادت دی پھر کہا، اللہ کے ربّ ہونے پر ہم راضی ہیں اور اسلام کے اپنا دین ہونے پر راضی ہیں اور مجھے تمہارے لیے وہ چیز پسند ہے جو اللہ اور اللہ کے رسولؐ کو پسند ہے۔
رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ان کا خطبہ سن کر فرمایا، میں نے تمہارے لیے وہ چیز پسند کی جو تمہارے لیے ابنِ اُمِّ عبد[1] نے پسند کی۔
(حیاۃ الصحابہ جلد سوم بحوالہ منتخب ج۔ ۵ صفحہ ۲۳۰)

(۴) میں نے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو فجر کی نماز میں "سورۃ والفجر اور واللیل اذا یغشیٰ" پڑھتے سنا ہے۔ (مشکوٰۃ بحوالہ صحیح مسلم)



---

[1] فقیہ الاُمّت حضرت عبداللہؓ بن مسعود کی والدہ کا نام اُمِّ عبد تھا۔ چنانچہ رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کبھی کبھی ان کو ابنِ اُمِّ عبد کہہ کر پکارا کرتے تھے۔

حضرت عمرؓو بن عثمان تیمی

(۱)

سیّدنا حضرت عمرؓو بن عثمان کو "السابقون الاوّلون" کی مقدس جماعت کا ایک معزّز رکن ہونے کا عظیم شرف حاصل ہے۔ ان کا تعلق قریش کی شاخ بنو تیم سے تھا جو تعدادِ افراد کے لحاظ سے قریش کا سب سے چھوٹا خاندان تھا مگر عزّت اور مرتبہ کے اعتبار سے بہت بلند مقام رکھتا تھا۔ اُشناق کا منصب اسی خاندان کے سپرد تھا (یعنی وہ خون بہا اور تاوان کی رقوم معیّن کیا کرتے تھے) حضرت عمرؓو بن عثمان کا سلسلۂ نسب یہ ہے:

عمرؓو بن عثمان بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مُرّہ بن کعب بن لوّی قرشی

والدہ کا نام ہندہ تھا وہ بیاع بن عبدیالیل بن عنمرہ بن لیث بن بکر کی بیٹی تھیں۔

حضرت عمرؓو بن عثمان جلیل القدر صحابی حضرت طلحہؓ بن عبیداللہ (یکے از اصحاب عشرہ مبشرہ) کے چچا تھے۔ خلیفۃ الرسول سیّدنا ابوبکر صدیقؓ کے والد حضرت ابو قحافہؓ بن عامر بن عمرو، حضرت عمرؓو بن عثمان کے چچازاد بھائی تھے اس نسبت سے صدیق اکبرؓ بھی حضرت عمرؓو بن عثمان کے بھتیجے ہوتے تھے۔

(۲)

رحمتِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے دعوتِ حق کا آغاز فرمایا تو پہلے آپؐ نے ان سعید الفطرت لوگوں کو اپنا مخاطب بنایا جن سے توقع تھی کہ وہ قبولِ حق سے گریز نہیں کریں گے۔ حضرت عمرؓو بن عثمان بھی ان میں شامل تھے۔ وہ دعوتِ حق کے ابتدائی تین سالوں میں شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہو گئے اور "السابقون الاوّلون" میں ممتاز مقام حاصل کر لیا۔ جب رازدارانہ تبلیغ کا تین سالہ دور ختم ہوا اور حضور

نے لوگوں کو کھلے عام حق کی طرف بلانا شروع کیا تو مشرکین کی آتش غضب بھڑک اٹھی اور انہوں نے علمبرداران حق پر بے پناہ مظالم ڈھانے شروع کر دیئے۔ اس پر حضورؐ نے مسلمانوں کو حبش کی طرف ہجرت کر جانے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ ۵ھ بعد بعثت میں مظلوم مسلمانوں کی ایک مختصر جماعت حبش کی طرف ہجرت کر گئی۔ اس سے اگلے سال ۶ھ بعد بعثت کے آغاز میں) تقریباً سو مسلمانوں کا ایک قافلہ عازم حبشہ ہوا اس قافلے میں اسّی سے کچھ اوپر مرد تھے اور باقی (اٹھارہ یا انیس) خواتین تھیں۔ مشرکین نے اس قافلے کو روکنے کے بہت جتن کیے مگر وہ بچ بچا کر بخیریت حبش پہنچ گیا۔ اس قافلے میں حضرت عمروؓ بن عثمان بھی شامل تھے

(۳)

مہاجرین حبشہ کی ایک معقول تعداد حضورؐ کی ہجرت الی المدینہ سے پہلے مکہ واپس آگئی مگر بہت سے مسلمان حبش ہی میں مقیم رہے۔ حضرت عمروؓ بن عثمان نے بھی قیام حبش ہی کو ترجیح دی اور تیرہ سال تک غریب الوطنی کی زندگی گزارتے رہے۔ یہ سب مہاجرین غزوۂ خیبر (محرم ۷ھ ہجری) کے موقع پر حضرت جعفرؓ بن ابی طالب کے ساتھ حبش سے مدینہ پہنچے۔ اس وقت حضورؐ خیبر کی تسخیر کے بعد وہیں تشریف فرما تھے۔ یہ اصحاب شوق لقاء میں مدینہ سے خیبر جا کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے۔ آپؐ اپنے بچھڑے ہوئے ساتھیوں سے مل کر بہت مسرور ہوئے ہر ایک سے معانقہ فرمایا اور ہر ایک کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ پھر ان کو خیبر کے مالِ غنیمت سے غزوۂ خیبر کے شرکاء کے برابر حصہ دیا۔ اس سے پہلے جو غزوات ہو چکے تھے ان میں تو یہ اصحاب شریک نہ ہو سکے البتہ مابعد کے غزوات میں حضورؐ کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا۔ ارباب سیر کا بیان ہے کہ امیرالمومنین حضرت عمرؓ فاروق کے عہدِ خلافت میں عراق عرب پر فوج کشی ہوئی تو حضرت عمروؓ بن عثمان بھی اسلامی لشکر میں شریک ہو گئے اور حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کی قیادت میں اس سلسلہ کے مشہور معرکہ قادسیہ میں دادِ شجاعت دیتے ہوئے شہادت پائی۔ اپنے پیچھے کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت عمرؓو بن مَعدی کرِب زُبَیدی

(۱)

یمن کے مشہور قبیلے مذحج کی ایک شاخ بنی زُبَید تھی۔ حضرت عمرؓو بن معدی کرب اسی بنی زبید کے چشم و چراغ تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:

عمرؓو بن معدی کرب بن عبداللہ بن عمرو بن خُصم (بروایتِ دیگر عصم) بن عمرو بن زبید اصغر (اس کا دوسرا نام مبنہ تھا) بن ربیعہ بن سلمہ بن مازن بن ربیعہ بن مینہ بن زبید اکبر بن حارثؓ بن صعب بن سعد عشیرہ بن مذحج زبیدی مذحجی۔

ان کی کنیت ابوثور تھی۔ بڑے قد کاٹھ اور ڈیل ڈول کے آدمی تھے۔ ان کا شمار عرب کے نامور بہادروں اور شہسواروں میں ہوتا تھا۔ بعض روایتوں کے مطابق وہ ایک ہزار شہسواروں کے برابر تسلیم کیے جاتے تھے۔ بہت اونچے درجے کے شاعر تھے اور عرب بھر میں ان کی شاعری کی دھوم مچی ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ وہ ایک شعلہ بیان خطیب تھے اور عرب کے نامور خطیبوں میں شمار ہوتے تھے۔ زمانۂ جاہلیت میں انہوں نے ڈاکہ زنی اور غارت گری کو اپنا پیشہ بنا رکھا تھا۔ مختلف قبیلوں پر چھاپے مارنا اور راہ چلتے قافلوں اور مسافروں کو لوٹ لینا ان کا آئے دن کا کام تھا۔ عرب میں ان کا نام دہشت کی علامت بن گیا تھا اور کمزور دل کے لوگ اس کو سُن کر کانپ اٹھتے تھے [۱] ان کے یہی لیل و نہار تھے۔ کہ

---

[۱] حضرت عمرؓو بن معدی کرب ایک دفعہ حضرت عمرؓ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں مدینہ منورہ آئے اور بارگاہِ خلافت میں حاضر ہوئے۔ امیر المؤمنینؓ اور دوسرے صحابہؓ

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

آفتابِ رسالت فاران کی چوٹیوں سے طلوع ہوا اور آہستہ آہستہ اس کی کرنیں عرب کے گوشے گوشے پر پڑنے لگیں۔ فتح مکہ (رمضان المبارک ۸ھ ہجری) کے بعد تو یہ کیفیت ہوئی کہ معبودانِ باطل کے پجاریوں پر ہیبتِ حق طاری ہو گئی اور وہ

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

کے نزدیک حضرت عمروؓ اپنے شجاعانہ کارناموں اور سن رسیدگی کی بنا پر بڑی قدر و منزلت کے حامل تھے۔ سب ان سے بڑی محبّت اور تپاک سے ملے۔ اثنائے گفتگو میں زمانۂ جاہلیت کی باتیں چھڑ گئیں۔ امیر المومنینؓ نے ان سے پوچھا، زمانۂ جاہلیت میں تمہیں ہر قسم کے آدمیوں سے واسطہ پڑا ہو گا ذرا یہ تو بتاؤ تم نے اپنی زندگی میں سب سے زیادہ بزدل سب سے زیادہ مکّار اور سب سے زیادہ شجاع کس کو پایا؟

حضرت عمروؓ بن معدی کرب نے عرض کیا:

"امیر المومنین! مجھے بہت سے لوگوں سے ملنے کا اتفاق ہوا ہے۔ جب میں گزشتہ زمانے پر نظر ڈالتا ہوں تو سب سے بزدل، سب سے مکّار اور سب سے شجاع جن کرداروں سے مجھے واسطہ پڑا اُن کے حالات بیان کرتا ہوں۔

زمانۂ جاہلیت میں میری زندگی تاخت و تاراج میں گزرا کرتی تھی اور میرے خاندان کی گزران اسی پر تھی۔ میری شجاعت ایسی مشہور ہو گئی تھی کہ میرا نام سُن کر لوگوں کے حوصلے پست ہو جایا کرتے تھے اور کسی کو مقابلہ کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ ایک دن ڈکیتی کے لیے گھر سے نکلا ایک جگہ دیکھا کہ ایک گھوڑا کھڑا ہے، اس کے قریب زمین پر نیزہ گڑا ہوا ہے اور پاس ہی ایک شخص زمین پر بیٹھا ہے۔ میں جھپٹ کر اس شخص کے قریب پہنچا اور کہا، سنبھل جا کہ تیرا قاتل آپہنچا۔ اس نے پوچھا، پہلے یہ بتاؤ کہ تم ہو کون؟ میں نے کہا، عمرو بن معدی کرب زبیدی۔ یہ سنتے ہی وہ شخص سہم کر زمین پر گر پڑا، دیکھا تو وہ مر چکا تھا۔ امیر المومنین یہ شخص مجھے اپنی زندگی میں سب سے بزدل نظر آیا۔ اب جسے میں نے سب سے مکّار پایا اس کا حال سُنیے:

ایک دفعہ میں کسی شکار کی تلاش میں نکلا۔ ایک مقام پر دیکھا کہ ایک گھوڑا کھڑا ہے،

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

دور و نزدیک ہر جگہ سے اپنے علاقوں اور قبیلوں کے نمائندہ وفد بنا کر جوق در جوق بارگاہِ رسالتؐ میں حاضر ہونے لگے۔ ۱۰ھ ہجری میں بنو زبید کا ایک وفد بھی مدینہ منورہ آیا اور ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

اس کے برابر زمین پر نیزا گڑا ہے اور ایک شخص دور بیٹھا ہوا پیشاب کر رہا ہے۔ میں نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور اس کے پاس جا کر ڈپٹ کے کہا، سنبھل جا کہ تیرا قاتل آ پہنچا۔

اس شخص نے لاپروائی سے کہا، کیا سچ مچ مجھ سے لڑو گے ؟

میں : اب یہ سمجھ لے کہ میری تلوار تیرا کام تمام کیا چاہتی ہے۔

وہ : ہوں! تمہارا نام کیا ہے ؟

میں : عمرو بن معدی کرب زبیدی۔

وہ : اچھا تو تم عمرو بن معدی کرب ہو مگر جو کچھ تم کر رہے ہو یہ مردوں کا شیوہ نہیں۔

میں : کیوں ؟

وہ : میں پا پیادہ اور تم سوار! اگر مرد ہو تو قسم کھاؤ کہ جب تک میں گھوڑے پر سوار ہو کر ہتھیار نہ سنبھال لوں مجھ سے نہیں لڑو گے۔

میں نے قسم کھائی کہ جب تک وہ سوار نہ ہولے گا اس سے ہرگز نہ لڑوں گا۔ یہ سن کر وہ شخص اٹھا اور گھوڑے کے قریب آ کر اطمینان سے زمین پر بیٹھ گیا۔

میں : یہ کیا ؟

وہ : نہ میں گھوڑے پر سوار ہوں گا اور نہ لڑائی کی نوبت آئے گی اگر تم نے عہد شکنی کی تو سارے عرب میں بدعہد اور بزدل مشہور ہو جاؤ گے۔

اے امیر المؤمنین مجھے سوا اس کے کچھ بن نہ پڑا کہ اس کو چھوڑ کر اپنا راستہ لیا۔ اس شخص سے بڑھ کر مکار اور فقرہ باز آج تک میری نظر سے نہیں گزرا۔

اب اس کا حال سنیے جس کی شجاعت آج تک میرے دل پر نقش ہے۔ ایک دفعہ رہزنی

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہو کر شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہوا اور دولتِ ایمان سے مالا مال ہو کر وطن کو مراجعت کی۔ اس وفد میں حضرت عمروؓ بن معدی کرب بھی شامل تھے۔ ایک اور روایت کے مطابق وہ بنی مراد کے وفد میں شامل ہو کر ۹ھ ہجری میں مدینہ منورہ آئے اور اسی سال قبولِ اسلام کا شرف حاصل کیا۔ جمہور اہلِ سیر نے پہلی روایت کو ترجیح دی ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

کے لیے صحرا میں جا رہا تھا کہ مجھے ایک نہایت خوبرو سبزہ آغاز نوجوان نظر آیا۔ وہ گھوڑے پر سوار تھا اور میری طرف آ رہا تھا۔ اس سے پہلے میں نے ایسا خوش جمال اور وجیہ کوئی شخص نہیں دیکھا تھا۔ قریب آ کر اس نے سلام کہا۔ میں نے سلام کا جواب دیا اور اس سے پوچھا، تم کون ہو؟

نوجوان: میرا نام حارث بن سعد ہے۔

میں: ہوشیار ہو جا۔ تیرا قاتل آ پہنچا۔

حارث: کم بخت تو کون ہے؟

میں: عمرو بن معدی کرب زبیدی۔

حارث: وہی حقیر اور ذلیل آدمی؟ خدا کی قسم صرف یہ سمجھ کر چھوڑے دیتا ہوں کہ تجھ جیسے ذلیل آدمی پر کیا ہاتھ اٹھاؤں۔

امیر المومنین یہ سن کر میں دل میں سخت شرمندہ ہوا اور اس کا یہ جملہ مجھ پر سخت گراں گزرا۔ میں نے اس سے کہا:

اب یہ باتیں رہنے دے اور سنبھل جا کیونکہ تیرا قاتل میں ہوں۔ میں قسم کھاتا ہوں کہ اب اس میدان سے ہم میں سے ایک ہی شخص زندہ بچ کے جا سکتا ہے۔

حارث: میں تجھ سے پھر کہتا ہوں کہ اپنی جان سلامت لے کر چلا جا، میں اس گھرانے سے ہوں جس میں سے کسی پر آج تک کوئی سوار غالب نہیں آ سکا۔

میں: میں بھی ویسا ہی ہوں۔

حارث: اچھا تو بتا تجھے کیا پسند ہے؟ پہلے میں وار کروں یا تو کرے گا؟

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(۲)

سنہ ۱۰ ہجری کے آخر میں یمن کے ایک شخص الاسود العنسی نے نبوّت کا دعویٰ کیا اور قبیلہ مذحج کو اپنے ساتھ ملا کر اسلامی اقتدار کے خلاف کھُلّم کھُلّا علمِ بغاوت بلند کر دیا۔ اس شخص کا اصل نام عبیلہ (یا عبہلہ) تھا اور وہ قبیلہ مذحج کی ایک

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

میں: میں ہی حملہ کرتا ہوں، سنبھل۔

یہ کہہ کر میں نے اپنی پوری طاقت سے اس کو نیزہ مارا اور مجھے یقین تھا کہ میرا نیزہ اس کی پیٹھ توڑ کر نکل گیا ہو گا مگر اس نے اپنے گھوڑے پر جھک کر ایسی خوبصورتی سے میرا وار خالی دیا کہ میں ششدر رہ گیا۔ اب اس نے اپنے نیزے سے میرے سر کو ہلکا سا کونچا دیا اور کہا:

"اے عمرو! اسے یہ پہلا وار ہے اگر تجھ جیسے ذلیل شخص کو قتل کرنا میں اپنی ذلت نہ سمجھتا تو یہ نیزہ تیرے مغز کے پار ہو گیا ہوتا۔"

امیر المؤمنین یہ جملہ سن کر میں نے اپنے آپ کو اتنا حقیر محسوس کیا کہ موت زندگی سے پیاری معلوم ہونے لگی۔ میں نے بڑے جوش سے حارث پر دوسرا وار کیا مگر اس نے بڑی صفائی سے یہ بھی خالی دیا اور بجلی کی سی تیزی کے ساتھ میرے سر میں اپنے نیزے سے یہ کہہ کر دوسرا کونچا دیا۔ "یہ دوسری ہوئی۔" اب تو میں ذلّت کے دریا میں غرق ہو گیا اور جھلّا کر اس پر تیسرا وار کیا۔ اس دفعہ وار خالی دیتے وقت وہ گھوڑے کی پیٹھ سے زمین پر گر گیا، میں نے سمجھا کہ بس اب یہ میرے قابو میں آ گیا مگر دیکھتا کیا ہوں کہ وہ چشم زدن میں زمین سے اٹھ کر گھوڑے پر سوار ہو گیا اور اپنے نیزے سے میرے سر کو تیسرا کونچا دے کر چلّایا، "یہ تیسری ہوئی، صرف ذلیل سمجھ کر تجھے چھوڑے دیتا ہوں۔"

میں: نہیں تو مجھے قتل ہی کر ڈال تاکہ عرب کے سواروں کو میری ذلت کی خبر نہ پہنچے۔

وہ: اے عمرو! قصور تین ہی بار معاف کیا جاتا ہے۔ اب چوتھی بار میں غالب آیا تو یقیناً تجھے قتل کر ڈالوں گا۔

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

شاخ بنی عنس سے تعلق رکھتا تھا۔ وہ یمن میں "کہف احصار" کے مقام پر پیدا ہوا اور وہیں پلا بڑھا۔ کہانت، شعبدہ بازی اور خطابت میں ید طولیٰ رکھتا تھا اور لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنے کا خاص ملکہ رکھتا تھا۔ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ وہ ہر وقت عمامے کے اوپر چادر ڈالے رہتا تھا تاکہ اس کا چہرہ چھپا رہے۔ چونکہ

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

امیرالمؤمنین! اس کا یہ جملہ سن کر میں ایسا ہیبت زدہ ہوا کہ اس سے مقابلہ کا خیال دماغ سے یکسر کافور ہو گیا۔ اب میں نے اس سے دوستی پیدا کرنی چاہی اور اس سے کہا کہ میں تمہارے ساتھ رہنا چاہتا ہوں۔ اس نے فوراً جواب دیا، نہیں تم میرے ساتھ رہنے کے قابل نہیں ہو۔ اس کی یہ بات سن کر میں خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا مگر اپنی بات پر اصرار جاری رکھا۔ آخر اس نے جھلا کر کہا:

"جانتے بھی ہو میں کہاں جا رہا ہوں؟"

میں: واللہ! میں نہیں جانتا۔

حارث: میں موت کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ رہا ہوں اور اس کے منہ میں جا رہا ہوں۔

میں: تو میں بھی تمہارے ساتھ موت کے منہ میں جاؤں گا۔

اس نے کہا: اچھا تو چلو۔

اب ہم دونوں اس مقام سے روانہ ہوئے اور سارا دن چلتے رہے، رات ہوئی اور ہم برابر چلتے گئے۔ جب تھوڑی رات گزر گئی تو ہم ایک عرب قبیلے کی بستی کے قریب پہنچ گئے وہاں حارث نے میری طرف دیکھا اور کہا، اے عمرو وہ موت اسی قبیلے میں ہے اب تم میرا گھوڑا روکو اور میں اس قبیلے میں جا کر اپنی مراد حاصل کر لاؤں یا اسی کوشش میں جان دے دوں۔ یہ کہہ کر اس نے گھوڑے کی باگ اچھال کر میری طرف پھینک دی اور چلا گیا۔ کچھ دیر کے بعد حارث اس حالت میں واپس آیا کہ ایک پری تمثال دوشیزہ اور ایک اونٹنی اس کے ساتھ تھی۔ حارث نے اس دوشیزہ کو اس اونٹنی پر سوار کرایا اور مجھ سے کہا، عمرو اگر کہو تو میں

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

عربی زبان میں اوڑھنی یا دوپٹے کو خمار کہتے ہیں اس لیے اس کو ذوالخمار کہتے تھے مگر علامہ بلاذری نے "فتوح البلدان" میں لکھا ہے کہ اس کا لقب (ذوالخمار نہیں بلکہ) ذوالحمار (یعنی گدھے والا) تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کے پاس ایک سدھایا ہوا گدھا تھا۔ جب وہ اس سے کہتا کہ مجھے سجدہ کرو تو وہ فوراً اپنے

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

اونٹنی کی مہار لے کے چلوں اور تم ادھر ادھر لوگوں کو دیکھتے اور میری حفاظت کرتے چلو اور یا تم مہار ہاتھ میں لو اور میں تمہاری حفاظت کرتا چلوں۔ میں نے کہا، میں اونٹنی کی مہار تھام کر چلتا ہوں تم میری حفاظت کرتے چلو۔ اس طرح ہم وہاں سے روانہ ہوئے اور رات بھر چلتے رہے۔ صبح ہوئی تو میں نے دیکھا کہ تین شتر سوار ہمارے تعاقب میں لپکے چلے آ رہے ہیں۔ جب وہ قریب آ گئے تو معلوم ہوا کہ ان میں سے دو جوان تھے اور ایک معمر۔ جوان تو اس لڑکی کے بھائی تھے اور بوڑھا اس کا باپ۔ بوڑھے نے حارث سے مخاطب ہو کر کہا، لڑکی ہمارے حوالے کر دو۔ حارث نے کہا، یہ کبھی نہیں ہو سکتا وہ اپنی خوشی سے میرے ساتھ آئی ہے۔ اب بوڑھے نے اپنے ایک بیٹے سے کہا، تم اس سے نبٹو۔ وہ اپنا نیزہ لیے ہوئے حارث کے مقابل ہوا۔ حارث نے رجزیہ اشعار پڑھتے ہوئے اس پر اپنے نیزے کا ایسا بھرپور وار کیا کہ کمر توڑ کر نکل گیا۔ اب بوڑھے نے دوسرے بیٹے کو حکم دیا کہ تم اس کا مقابلہ کرو اس ذلت کی زندگی سے موت بہتر ہے۔ جب وہ حارث کے سامنے آیا تو اس نے اس کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اب بوڑھا خود حارث کے مقابل ہوا اور اس سے کہا، تم نے جوانوں کو تو مار لیا اب میں بوڑھا رہ گیا ہوں مجھ سے مقابلہ کرنا ہے تو ہم دونوں کو سواری سے اترنا چاہیئے اور یہ عہد کرنا چاہیئے کہ دونوں ایک دوسرے پر ایک ایک وار کریں جس کا وار پورا نہ پڑے اس کی جان حریف پر حلال ہو گی۔ حارث نے کہا مجھے یہ شرط منظور ہے۔ یہ کہہ کر وہ اپنے گھوڑے سے اتر پڑا اور بوڑھا بھی اپنے اونٹ پر سے نیچے آ گیا۔ پھر دونوں نے ایک دوسرے پر حملہ کیا۔ بوڑھے نے اپنا نیزہ حارث کے پیٹ میں اتار دیا

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

گھٹنے زمین پر ٹیک دیا کرتا تھا۔ واللہ اعلم بالصواب۔ عبیلہ اپنے اصل نام کے بجائے الاسود کے نام سے مشہور ہو گیا تھا کیونکہ اس کا رنگ بہت سیاہ تھا اور خدوخال بھی بہت کریہہ تھے۔

حضرت عمرؓ بن معدی کرب قبولِ اسلام کے بعد وطن واپس پہنچے تو بدقسمتی سے وہ بھی اسود عنسی کے دامِ تزویر میں گرفتار ہو گئے اس کی وجہ یہ تھی کہ جس وفد کے ساتھ وہ گئے تھے اس نے قبولِ اسلام کے بعد بہت تھوڑا عرصہ مدینہ منورہ میں قیام کیا تھا۔ اس لیے حضرت عمرؓ بن معدی کرب کو فیضانِ نبویؐ سے بہرہ یاب ہونے کا موقع بہت کم ملا اور اسلام پوری طرح ان کے ذہن میں راسخ نہ ہوا۔ اسود عنسی نے ایک بڑا لشکر جمع کر کے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کیے ہوئے عمالِ یمن کے خلاف لڑائی چھیڑ دی۔ اس سلسلے میں کئی معرکے ہوئے ایسے ہی ایک معرکے میں عمرؓ بن معدی کرب کا سامنا زبید اور نجران کے درمیانی علاقے کے عامل

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

اور حارث نے اپنی تلوار سے بڈھے کے سر کو دو ٹکڑے کر ڈالا۔ دونوں ایک ساتھ گرے اور مر گئے۔ یہ نظارہ دیکھ کر مجھ پر سکتہ طاری ہو گیا پھر سنبھلا اور اونٹوں اور گھوڑوں کو لے کر چلنے کا ارادہ کیا۔ جب اس دوشیزہ کے اونٹ کی مہار پکڑی تو اس نے کہا، مجھے کہاں لے چلے ہو میں تمہارے لیے نہیں ہوں اور نہ تم میرے قابل ہو۔

میں نے کہا اس وقت خاموش رہو۔ باتوں کا وقت نہیں ہے۔ دوشیزہ نے کہا، نہیں یہ نہیں ہو سکتا اگر میرے شوہر بننا چاہتے ہو تو ایک نیزہ اور ایک تلوار میرے ہاتھ میں دو اگر مقابلے میں تم مجھ پر غالب آ جاؤ تو مجھ کو لے جانا ورنہ میں تم کو قتل کر ڈالوں گی۔

امیر المومنین! اس خاندان کی دلاوری کا مجھ پر ایسا رعب طاری ہو گیا تھا کہ مجھے اس لڑکی کا مطالبہ ماننے کی ہمت نہ پڑی اور میں نے اس سے پھر کہا۔ "وہ اس وقت ان باتوں کو چھوڑو اور میرے ساتھ چلو۔" لڑکی نے کہا، یہ ناممکن ہے۔ یہ کہہ کر وہ اونٹ

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حضرت خالدؓ بن سعید بن العاص سے ہو گیا۔ حضرت خالدؓ بن سعید کے بازوؤں میں حق کی طاقت تھی۔ انہوں نے عمرو بن معدی کرب کو ان کی شجاعت اور زور آوری کے باوجود ایسا زچ کیا کہ وہ زخمی حالت میں اپنا گھوڑا اور تلوار چھوڑ کر راہِ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے۔ تاہم اسود عنسی نے ایسا زور باندھا کہ حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے عُمّال کو اپنے علاقوں سے نکلنا پڑا اور اسود نے نجران اور صنعاء وغیرہ پر قبضہ کر لیا۔ آخر یمن کے ایک مسلمان امیر فیروز دیلمیؓ (جن کو شرفِ صحابیت حاصل تھا) ایک خفیہ راستے سے اسود عنسی کے گھر میں داخل ہو گئے اور اس کو قتل کر ڈالا۔ یہ واقعہ سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی رحلت سے پانچ دن پہلے پیش آیا۔ اسود عنسی کے قتل سے اس کے ساتھیوں کے حوصلے پست ہو گئے تھے مگر جب آنحضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

پر سے کود پڑی اور لپک کر میرے ہاتھ سے نیزہ چھین لیا۔ پھر پیچھے ہٹی اور کہا سنبھل۔
—— امیر المؤمنین اگر میں پھرتی سے تلوار نہ نکال لیتا تو اس نے مجھے مار ہی ڈالا تھا۔ میرا جی نہیں چاہتا تھا کہ اس پر حملہ کروں مگر جب دیکھا کہ وہ مرنے مارنے پر تلی ہوئی ہے تو میں احتیاط اور ہوشیاری سے اس کا مقابلہ کرنے لگا۔ اس نے مجھے بہت زچ کیا اور کسی طرح میرے قابو میں نہ آئی۔ آخر میری تلوار کا ایک وار کام کر گیا اور وہ شدید زخمی ہو کر گر پڑی پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس نے دم توڑ دیا۔
امیر المؤمنین! اس بہادر لڑکی کی صورت مجھے عمر بھر نہ بھولے گی۔ آج بھی جب خاک اور خون میں لتھڑا ہوا اس کا جسم مجھے یاد آتا ہے تو میرا کلیجہ پھٹنے لگتا ہے۔ میں نے اپنی زندگی میں اُس سے بڑھ کر بہادر کسی شخص کو نہیں دیکھا۔

(صد پارۂ دل (تذکرۂ مشاہیر عالم)
از مولانا عبدالحلیم شررؔ لکھنوی مرحوم

کی وفات کی خبر یمن پہنچی تو عمرو بن معدی کرب اور قیس بن عبد یغوث نے تمام اطرافِ یمن میں فتنہ و فساد برپا کر دیا اور صنعاء پر قبضہ کر لیا۔ حضرت فیروز دیلمیؓ نے ان حالات کی اطلاع خلیفۃ الرسول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دی تو انہوں نے حاکمِ عک و اشعریین حضرت طاہرؓ بن ابی ہالہ، حاکمِ سکون و سکاسک عکاشہؓ بن ثور اور یمن کے مسلمان رئیسوں ذوالکلاع حمیری اور حوشب ذی ظلیم وغیرہ کو لکھا کہ وہ فوراً حضرت فیروزؓ کی مدد کے لیے پہنچیں۔ وہ سب اپنے لشکر لے کر حضرت فیروزؓ کی مدد کے لیے پہنچ گئے اور پھر سب نے مل کر مرتدین پر حملہ کر کے ان کو شکست دی اور صنعاء پر قابض ہو گئے۔ قیس بن عبد یغوث اور عمرو بن معدی کرب نے صنعاء سے بھاگ کر پھر ایک بڑا لشکر جمع کر لیا۔ اسی اثناء میں حضرت مہاجرؓ بن ابی امیہؓ اپنی فوج کے ساتھ یمن پہنچ گئے۔ انہوں نے مرتدین کو شکست دے کر قیس بن عبد یغوث اور عمرو بن معدی کرب کو گرفتار کر لیا اور پھر ان کو پابجولاں خلیفۃ الرسولؐ کے پاس مدینہ منورہ بھیج دیا۔

(۳)

خلیفۃ الرسولؐ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ دلی خواہش ہوتی کہ مرتد پر حد جاری کرنے سے پہلے اس سے توبہ کا مطالبہ ضرور کیا جائے۔ اگر وہ اسلام کی طرف پلٹ آئے تو اس کو معاف کر دیا جائے۔ چنانچہ جب عمرو بن معدی کرب ان کے سامنے پیش کیے گئے تو انہوں نے عمرو کو سخت ملامت کی اور فرمایا، تم کو شرم نہیں آتی کہ مارا مارا پھرتا ہے اور گرفتاری کی ذلت اٹھاتا ہے اگر دین کی حمایت کرتا تو اللہ تم کو بلند مرتبہ عطا کرتا۔

عمروؓ بن معدی کرب نے ندامت سے سر جھکا لیا اور عرض کیا:

"اے خلیفۃ الرسول! جو ہو چکا سو ہو چکا مجھے معاف فرما دیجئے اب میں توبہ کرتا ہوں، اللہ سے مغفرت طلب کرتا ہوں اور سچے دل سے عہد کرتا ہوں کہ آئندہ کبھی اسلام سے منہ نہ موڑوں گا۔"

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان کو معاف کر دیا اور وہ ایک سچے اور راسخ العقیدہ مسلمان بن کر وطن واپس گئے۔ اس کے بعد ان کی زندگی کا وہ دور شروع ہوا جس میں وہ ایک ایسے سرفروش مجاہد کی حیثیت سے نظر آتے ہیں، جو ہر وقت اپنی جان ہتھیلی پر رکھے اسے راہِ حق میں قربان کرنے کے لیے تیار رہتا ہے۔ انہوں نے شام اور ایران کی جنگوں میں ایسے محیّر العقول کارنامے انجام دیئے کہ ان کا حال پڑھ کر خون میں حرارت پیدا ہو جاتی ہے۔ حضرت عمروؓ نے راہِ حق میں لڑتے لڑتے شہادت پائی اور اس طرح اپنی لغزش کی تلافی کر دی۔ بلاشبہ ان کو اسلام کے قابلِ فخر جانبازوں میں شمار کیا جاتا ہے۔

حضرت عمروؓ بن معدی کرب کے ساتھی قیس بن عبد یغوث نے بھی اپنے کیے پر ندامت کا اظہار کیا اور توبہ کی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے انہیں بھی معاف کر دیا۔ انہوں نے بھی رومیوں اور ایرانیوں کے خلاف جہاد میں سرفروشانہ حصہ لے کر اپنی لغزش کی تلافی کر دی۔

(۴)

علامہ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ توبہ کے بعد حضرت عمروؓ بن معدی کرب وطن واپس چلے گئے اور کچھ عرصہ بعد پھر مدینہ منوّرہ آئے اس وقت سلطنتِ روم سے جنگ کا آغاز ہو چکا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمروؓ کو شام کے محاذِ جنگ پر بھیج دیا۔ وہاں انہوں نے کئی معرکوں میں اپنی شجاعت کے جوہر دکھائے۔ مؤرخین نے یرموک کی خونریز لڑائی میں ان کے شجاعانہ کارناموں کا خصوصیّت سے ذکر کیا ہے۔ اس لڑائی میں قیصرِ روم نے اپنی پوری طاقت جھونک دی تھی اور رومی لشکر کے مقابلے میں مسلمانوں کی تعداد کئی گنا کم تھی۔ یہ اہلِ حق کی قوتِ ایمانی اور حضرت خالدؓ بن ولید، حضرت ضرارؓ بن الازور، حضرت عکرمہؓ بن ابی جہل، حضرت عمروؓ بن معدی کرب جیسے سرفروشوں کی بہادری اور عزم و استقامت ہی کا نتیجہ تھا کہ رومیوں کو شکستِ فاش ہوئی۔ مالک بن عبید اللہ

سے روایت ہے کہ میں نے جنگِ یرموک میں رومیوں سے مقابلہ کرنے والے ایک مجاہد سے بڑھ کر کسی کو صاحبِ شرف نہیں دیکھا۔ لڑائی میں ایک بھاری بھرکم قوی ہیکل رومی نے اس مجاہد پر حملہ کیا اس نے آناً فاناً اس کافر کو قتل کر ڈالا۔ پھر ایک اور رومی اُس کی طرف بڑھا اس نے اس کو بھی جہنم واصل کر دیا۔ پھر جب رومی شکست کھا گئے تو مجاہد نے دور تک ان کا پیچھا کیا اس کے بعد وہ اپنے بڑے خیمے کی طرف واپس آیا اور گھوڑے سے اتر کر بڑے بڑے طشت منگوائے اور اپنے آس پاس کے لوگوں کو (کھانے کی) دعوت دی۔ میں نے لوگوں سے پوچھا، یہ کون ہے؟ جواب ملا، یہ عمرؓو بن معدی کرب زبیدی ہیں۔" (حیاۃ الصحابہ)

مؤرخین نے جہاں شام کے محاذ پر، یرموک کی لڑائی میں حضرت عمرؓو بن معدی کرب کی شرکت کا خصوصیت سے ذکر کیا ہے وہاں عراقِ عرب کے محاذ پر قادسیّہ کی ہولناک لڑائی میں بھی ان کے کارناموں کا بطورِ خاص ذکر کیا ہے۔ یرموک اور قادسیّہ کی لڑائیوں کی ترتیب کے بارے میں مؤرخین میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یرموک کی جنگ پہلے ہوئی اور قادسیّہ کی بعد میں اور بعض کے نزدیک قادسیّہ کی لڑائی پہلے ہوئی اور یرموک کی بعد میں۔ کچھ اس طرف گئے ہیں کہ یرموک کی دو لڑائیاں ہوئیں۔ ایک جنگِ قادسیّہ سے پہلے اور ایک بعد میں۔ صورتِ واقعہ کچھ بھی ہو حضرت عمرؓو بن معدی کرب ان دونوں لڑائیوں میں شریک تھے اور دونوں میں انہوں نے اپنی شجاعت کی دھاک بٹھا دی۔ جس طرح یرموک کی لڑائی شام کی سب سے بڑی لڑائی تھی اسی طرح عراقِ عرب کی لڑائیوں میں جنگِ قادسیّہ سب سے زیادہ خونریز لڑائی تھی[1]۔ قادسیّہ میں اسلامی فوج

---

[1] عام طور پر مؤرخین نے لکھا ہے کہ قادسیّہ کی لڑائی محرم ۱۴ھ میں ہوئی اور یرموک کی رجب ۱۵ھ میں۔ بعض نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ جنگِ قادسیّہ ۱۴ھ اور ۱۶ھ کے درمیان کسی وقت ہوئی۔ جو اصحاب یرموک کی دو لڑائیوں کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ یرموک

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کے سپہ سالار حضرت سعدؓ بن ابی وقاص تھے۔ مدینہ منوّرہ سے چلتے وقت ان کے ساتھ صرف چار ہزار سرفروش تھے، جن میں حضرت عمروؓ بن معدی کرب بھی شامل تھے۔ قیاس یہ ہے کہ ایرانیوں کی جنگی تیاریوں کی اطلاع پاکر جب حضرت عمر فاروقؓ نے قاصدوں اور نقیبوں کے ذریعے تمام اہلِ عرب کو دعوتِ جہاد دی تو ہر طرف سے قبائلِ عرب کا طوفان امنڈ آیا، جن میں ان کے بڑے بڑے سردار، شاعر، خطیب، نامی بہادر اور اہل الرائے اصحاب موجود تھے۔ حضرت عمروؓ بن معدی کرب بھی اپنے قبیلے کے بہت سے جانبازوں کے ساتھ مدینہ مُنوّرہ پہنچے اور حضرت سعدؓ کے لشکر میں شامل ہو گئے۔ حضرت سعدؓ کے کوچ کے بعد حضرت عمرؓ ان کی مدد کے لیے فوج کے مزید دستے روانہ کرتے رہے یہاں تک کہ ثعلبہ کے مقام تک پہنچتے پہنچتے ان کے پاس بیس بائیس ہزار فوج جمع ہو گئی۔ ثعلبہ میں تین ماہ قیام کرنے کے بعد حضرت سعدؓ شراف کے مقام پر پہنچے تو حضرت مثنیٰؓ بن حارثہ شیبانی کی آٹھ ہزار فوج بھی ان سے آملی۔ خود حضرت مثنیٰؓ معرکہ جسر میں کھائے ہوئے زخموں کی وجہ سے ذوقار کے مقام پر وفات پا گئے تھے۔

دوسری طرف شاہِ ایران یزدگرد نے اپنے نامور جرنیل رستم بن فرخ زاد کو مسلمانوں کے مقابلے پر مامور کیا تھا۔ رستم کے ساتھ ایک لاکھ اسّی ہزار فوج اور تین سو جنگی ہاتھی تھے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے ایرانیوں کی عسکری قوّت اور جنگی تیاریوں کا حال امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

کی پہلی لڑائی ۱۳ ھ ہجری میں ہوئی۔ یہ لڑائی ابھی جاری تھی کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے وفات پائی اور حضرت عمرؓ مسند نشین خلافت ہوئے۔ ان کی خلافت کے آغاز ہی میں رومیوں نے پہلی جنگِ یرموک میں شکست کھائی اور مسلمانوں نے آگے بڑھ کر دمشق کا محاصرہ کر لیا۔ یرموک کی دوسری اور بڑی جنگ ۱۵ھ میں ہوئی۔ حضرت عمروؓ بن معدی کرب اسی میں شریک ہوئے۔

کو تفصیل کے ساتھ لکھ بھیجا اور ان سے مدد بھیجنے کی درخواست کی۔ اس کے جواب میں امیر المؤمنین رضؓ نے انہیں ایک طویل خط لکھا جس میں دوسری ہدایات کے علاوہ یہ بھی لکھا کہ :

"تمہارے لشکر میں مالک بن عوف، حنظلہ بن ربیعہ، طلیحہ بن خویلد، عمرو بن معدی کرب اور ان جیسے دوسرے عرب شہسوار اور ایسے جانباز مجاہد ہیں جن کے دلوں میں ثواب اور جہاد کی پُرزور لگن ہے۔ اللہ پر بھروسا کرو اور اسی سے مدد کی دُعا مانگو۔"

(حضرت عمر فاروق رضؓ کے سرکاری خطوط بحوالہ الکتفاء)

ایک اور روایت میں ہے کہ امیر المؤمنین حضرت عمر رضؓ نے ایک خط میں حضرت سعدؓ کو لکھا کہ :

"طلیحہ بن خویلد[1] اور عمرو بن معدی کرب سے جنگی امور میں صلاح مشورہ کرو کیونکہ ہر کاریگر اپنی صنعت سے واقف ہوتا ہے لیکن انہیں کوئی عہدہ نہ دو۔"

(ازالۃ الخفاء ۲/۱۹۳)

---

[1] طلیحہ ابن خویلد بنو اسد بن خزیمہ کے سرداروں میں سے تھے اور عرب کے مشہور بہادروں میں شمار ہوتے تھے۔ انہوں نے ۹ھ میں اپنے قبیلے کے ساتھ اسلام قبول کیا اور شرفِ صحابیت سے بہرہ ور ہوئے لیکن بعد میں اسلام سے منحرف ہو گئے اور نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ سرورِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ان کی سرکوبی پر حضرت ضرارؓ ابن اَزْوَر کو مامور فرمایا۔ حضرت ضرارؓ نے انہیں واردات کے مقام پر شکست فاش دی اور وہ بھاگ کر بزاخہ چلے گئے۔ سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے عہدِ خلافت میں حضرت خالدؓ بن ولید نے بزاخہ پہنچ کر طلیحہ کو تباہ کن شکست دی اور انہوں نے بھاگ کر شام میں بنو کلب کے پاس پناہ لی۔ چند دن کے بعد انہوں نے تائب ہو کر دوبارہ اسلام قبول کر لیا۔ حضرت عمر فاروق رضؓ خلیفہ ہوئے تو طلیحہ نے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت کی پھر وہ مجاہدینِ اسلام کے ساتھ ایران گئے

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

طبرانیؒ نے محمد بن سلام جُمحیؒ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ "حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت سعدؓ کو لکھا کہ میں نے تمہاری امداد دو ہزار آدمیوں کے ساتھ کی ہے ایک عمرو بن معدی کرب اور ایک طلیحہ بن خویلد (رضی اللہ عنہما)"۔

گویا حضرت عمر فاروقؓ کے نزدیک بھی حضرت عمروؓ بن معدی کرب ایک ہزار بہادروں کے برابر تھے۔

(۵)

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص شراف سے چل کر عذیب ہوتے ہوئے قادسیہ پہنچے اور وہیں پڑاؤ ڈال دیا۔ انہوں نے حضرت عمر فاروقؓ کو تمام حالات کی اطلاع دی تو امیر المؤمنینؓ کی طرف سے انہیں یہ حکم موصول ہوا کہ (جنگ سے پہلے) شاہِ ایران کے پاس چند ذی رائے، بہادر اور وجیہ لوگوں کو سفیر بنا کر بھیجو جو اس کو اسلام کی دعوت دیں۔ اگر شاہِ ایران اس دعوت کو رد کرے گا تو اس کا وبال اسی کی گردن پر پڑے گا۔

امیر المؤمنینؓ کا حکم ملتے ہی حضرت سعدؓ نے چودہ نامور آدمیوں کی ایک سفارت

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

اور ایرانیوں کے خلاف کئی معرکوں میں دادِ شجاعت دی۔ ابن خلدون کا بیان ہے کہ انہوں نے معرکۂ نہاوند میں بڑی بہادری سے لڑتے ہوئے شہادت پائی اور یوں اپنی جان دے کر اپنی لغزش کی تلافی کر دی۔

۲ھ طلیحہؓ اور عمروؓ کو افسر نہ بنانے کی ہدایت کا سبب بظاہر دو باتیں معلوم ہوتی ہیں:

(۱) یہ دونوں ایک مرتبہ فتنۂ ردّہ میں ملوّث ہو چکے تھے۔

(۲) دونوں بڑے جی دار اور نڈر تھے اور جنگی مصلحتوں سے بے نیاز ہو کر دشمن کے ٹڈی دل میں گھس جاتے تھے اس طرح ان کے ساتھیوں کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو سکتا تھا۔

ترتیب دی جو وجاہت، شجاعت، تقریر وخطابت اور تدبیر وسیاست میں عرب بھر میں انتخاب تھے۔ ان کے نام یہ ہیں :۔

عمرو رضؓ بن معدی کرب، اشعث رضؓ بن قیس، حارث رضؓ بن حسان، عطارد رضؓ بن حاجب، عاصم رضؓ بن عمرو، معنیؓ بن حارثہ، مغیرہ رضؓ بن شعبہ (یہ سب قد وقامت اور ظاہری رعب ودبدبہ کے لحاظ سے سارے عرب میں مشہور تھے) نعمان رضؓ بن مقرن، بسر رضؓ بن ابی رہم، مغیرہ بن زرارہ، فرات رضؓ بن حیان العجلی، قیس رضؓ بن زرارہ، عدی رضؓ بن سہیل اور حنظلہ رضؓ بن ربیع تمیمی (یہ حضرات تدبیر وسیاست میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے)۔

اس وفد کی قیادت حضرت سعد رضؓ نے حضرت نعمان رضؓ بن مقرن کے سپرد کی۔

اللہ کے یہ پاکباز بندے اس شان سے ایران کے دارالحکومت مدائن پہنچے کہ عربوں کے سادہ روایتی کپڑوں میں ملبوس تھے اور معمولی کوڑوں کے سوا ان کے پاس کوئی ہتھیار نہ تھا۔ دو چار کے گھوڑوں پر زین تھی اور باقی اپنے گھوڑوں کی ننگی پیٹھ پر سوار تھے۔ مدائن کے لوگ ان کو دیکھ دیکھ کر حیران ہوتے تھے کہ یہ لوگ کس ہیئت کذائی میں اپنے ملک کی نمائندگی کرنے آئے ہیں۔ یزدگرد کو اسلامی سفارت کی آمد کی اطلاع ملی تو اس نے بڑی شان وشوکت سے دربار سجایا اور سفارت کو بلا بھیجا۔ مسلمان سفراء کسروی دربار میں بڑی بے نیازی سے داخل ہوئے۔ چونکہ دونوں فریق ایک دوسرے کی زبان سے ناآشنا تھے اس لیے ایک ترجمان کے ذریعے گفتگو کا آغاز ہوا۔ یزدگرد نے پوچھا:

"تم لوگ ہمارے ملک پر کیوں حملہ آور ہوئے کیا اس لیے کہ ہم اپنے داخلی امور میں مصروف تھے؟"

قائدِ وفد حضرت نعمان رضؓ بن مقرن جواب دینے کے لیے آگے بڑھے پہلے مختصر طور پر اسلام کے بارے میں کچھ باتیں کیں پھر کہا ہم تمام دنیا کے سامنے دو چیزیں پیش کرتے ہیں جزیہ یا تلوار۔

یہ سن کر یزدگرد آگ بگولا ہو گیا اور اس نے بڑی حقارت کے ساتھ کہا:

"تم بھوکے اور ننگے لوگ کہ سانپ اور چھپکلی تمہاری غذا ہے، ہمارے ملک کو لوٹنا چاہتے ہو۔ تم بھول گئے ہو کہ دنیا میں تم سے بڑھ کر ذلیل کوئی قوم نہیں تھی، تم جب کبھی سرکشی کرتے تھے تو سرحد کے زمینداروں کو حکم بھیج دیا جاتا تھا وہ تمہارے کس بل نکال دیتے تھے۔ اب میں زیادہ سے زیادہ تمہارے لیے یہ کر سکتا ہوں کہ تمہارے اونٹوں پر غلّہ اور چھوہارے لاد دوں اور عرب پر ایسا حاکم مقرر کر دوں جو تمہاری آسائش کا خیال رکھے اس کے علاوہ اگر تم کچھ چاہتے ہو تو ذلت اور نامرادی کی موت کے سوا کچھ نہ ملے گا۔"

—— اب مغیرہ (یا بروایتِ دیگر قیس) بن زرارہ آگے بڑھے اور یوں گویا ہوئے:

"اے بادشاہ! ہم سب شرفائے عرب ہیں تمہاری اہانت آمیز باتیں اس قابل نہیں کہ ان کا جواب دیا جائے تاہم سُن لو کہ واقعی ہم خدا کی بدترین مخلوق تھے۔ اپنی لڑکیوں کو زندہ زمین میں گاڑ دیا کرتے تھے اور آپس میں لڑتے رہتے تھے مگر اللہ نے ہم پر فضل کیا اور ہمارے درمیان ایک پیغمبر بھیجا اس نے ہمیں ہدایت کا راستہ دکھایا۔ ہم تم کو بھی ہدایت کے اس راستے پر لانا چاہتے ہیں اگر اسلام قبول کر لو تو بہتر ورنہ جزیہ یا تلوار ایک چیز تمہیں قبول کرنی ہو گی۔"

یزدگرد کا پیمانۂ صبر لبریز ہو گیا اور اس نے گرج کر کہا:

"اگر ایلچیوں کا قتل جائز ہوتا تو آج تم میں سے کوئی بھی زندہ بچ کر نہ جا سکتا —— اے دوسروں کا ملک لوٹنے والو، تمہیں یہ خاک ملے گی خاک۔" یہ کہہ کر اس نے مٹی کا ایک ٹوکرا منگوایا اور مسلمانوں سے کہا کہ "اسے اٹھا کر لے جاؤ!"

حضرت عمروؓ بن معدی کرب (یا بروایتِ دیگر عاصمؓ بن عمرو) نے مٹی اپنی چادر میں ڈال لی۔ پھر سب شاداں و فرحاں وہاں سے گھوڑے اڑاتے اپنی لشکر گاہ

میں واپس آئے اور حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کے پاس پہنچ کر انہیں مبارکباد دی کہ اے امیر! دشمن نے خود اپنی زمین کو ہمارے حوالے کر دیا ہے۔ اب ہم انشاء اللہ اس سرزمین ایران پر ضرور قابض ہوں گے۔

اس کے بعد حضرت سعدؓ نے دو سفارتیں رستم کے پاس بھیجیں مگر ان کا بھی کوئی نتیجہ نہ نکلا اور فریقین لڑائی کے لیے تیار ہو گئے۔

ایک روایت میں ہے کہ لڑائی سے پہلے حضرت سعدؓ نے چند مجاہدوں کو دشمن کی نقل و حرکت کا پتہ لگانے کے لیے بھیجا۔ ان مجاہدوں میں حضرت عمروؓ بن معدی کرب بھی شامل تھے، وہ دشمن کے ہراول دستے کی لوٹ لے کر واپس آئے۔

(۶)

آخری اسلامی سفارت کے دوسرے دن دونوں فوجیں ایک دوسرے کے سامنے صف آرا ہوئیں۔ ایک طرف رستم اور دوسرے ایرانی امراء اپنے لشکر کا جذبۂ قومی ابھار رہے تھے تو دوسری طرف عرب کے مشہور شعراء اور خطیب تمام لشکرِ اسلام میں پھیل گئے تھے اور اپنی رجز خوانی اور پُرجوش خطبوں سے مجاہدین میں ہیجان برپا کر دیا تھا۔ ان میں حضرت عمروؓ بن معدی کرب، حطیئہ، عاصمؓ بن عمرو، شماخ، طلیحہ بن خویلد اسدی، قیس بن ہبیرہ وغیرہ پیش پیش تھے۔ اس کے ساتھ ہی قاریوں نے نہایت خوش الحانی سے سورۂ انفال کی تلاوت شروع کر دی۔ اس طرح ہر مسلمان شوقِ شہادت سے بے تاب ہو گیا۔ لڑائی کا آغاز اس طرح ہو کہ ایک ایرانی قدر انداز دیبا کی قبا پہنے، سنہری کمربند لگائے ہاتھوں میں سونے کے کڑے پہنے میدان میں نکلا اور مسلمانوں کو دعوتِ مبارزت دی۔ اس کے مقابلے کے لیے حضرت عمروؓ بن معدی کرب نکلے۔ اس نے تیر کمان میں جوڑا اور تاک کر ان کو مارا مگر وہ بال بال بچ گئے۔ اب وہ اپنا گھوڑا اڑاتے ہوئے ایرانی قدر انداز کے قریب پہنچ گئے اور پلک جھپکنے میں کمربند میں ہاتھ ڈال کر اس کو اٹھا کر زمین پر دے مارا۔ پھر تلوار سے اس کا سر کاٹ کر ایرانی لشکر کی طرف پھینک دیا اور اپنی فوج کی طرف منہ کر کے کہا کہ یوں لڑا کرتے ہیں۔

لشکرِ اسلام سے نعرہ ہائے تحسین بلند ہوئے اور لوگوں نے کہا، ہر شخص عمرو بن معدی کرب کیونکر ہو سکتا ہے۔

(الفاروق)

قیس بن ابی حازمؒ کا بیان ہے کہ میں جنگ قادسیہ میں موجود تھا میں نے دیکھا کہ عمرو بن معدی کرب مسلمانوں کی صفوں میں چکر لگا رہے ہیں اور ان سے کہہ رہے ہیں، اے مجاہدو! تم لوگ تند شیر بن جاؤ اس لیے کہ سوار جب اپنا نیزہ ڈال دیتا ہے ناامید ہو جاتا ہے، اتنے میں ایک عجمی سردار نے ان کو تیر مارا جو ان کی کمان کے کونے میں لگا۔ اس پر حضرت عمرو بن معدی کرب (برق رفتاری سے) اس کی طرف بڑھے اور اسے ایسا نیزہ مارا کہ اس کی پیٹھ سے پار نکل گیا پھر وہ گھوڑے سے اترے اور اس کا سامان لے لیا۔

(ابن ابی شیبہ، طبرانی وغیرہ)

ابن عساکرؒ نے لکھا ہے کہ حضرت عمروؓ بن معدی کرب کی طرف اچانک ایک تیر آیا جو ان کے گھوڑے کی زین کے بالائی حصے پر لگا۔ انہوں نے آگے لپک کر تیر مارنے والے کو اپنی گرفت میں لے لیا، پھر اس کو دونوں صفوں کے درمیان لاکر اس کی گردن اڑادی اور ساتھیوں سے کہا، یوں لڑا کرو۔

جانبین کے بہادروں کے درمیان تین چار مقابلوں کے بعد عام لڑائی شروع ہوئی جو رات کا اندھیرا پھیلنے تک جاری رہی۔ دوسرے دن بھی صبح سے شام تک گھمسان کی جنگ ہوتی رہی۔ حضرت عمروؓ بن معدی کرب نے ان دو دنوں میں بے شمار ایرانیوں کو قتل کیا۔ تیسرے دن لڑائی کا آغاز یوں ہوا کہ ایرانیوں کی فوج سے ایک دیو ہیکل جنگجو شیر کی طرح ڈکارتا ہوا میدان میں نکلا اور مسلمانوں کو للکارا۔ خدا کی قدرت وہ ایک کمزور مسلمان سپاہی کے ہاتھ سے مارا گیا (قوّتِ ایمانی نے اس بظاہر کمزور مسلمان کو انتہائی طاقت ور بنا دیا تھا)۔ اس کے ساتھ ہی ایرانیوں نے غضب ناک ہو کر اپنے جنگی ہاتھیوں کو مسلمانوں کی طرف بڑھایا۔ ہاتھیوں کے دائیں بائیں ایرانی فوج کی پیدل صفیں تھیں۔ حضرت عمروؓ بن معدی کرب نے مسلمانوں کو خطرے میں دیکھا تو اپنے ساتھیوں سے کہا کہ میں مقابل کے ہاتھی پر

حملہ کرتا ہوں تم ساتھ رہنا ورنہ عمرو بن معدی کرب مارا گیا تو پھر عمرو بن معدی کرب پیدا نہ ہوگا۔ یہ کہہ کر وہ تلوار سونت کر سامنے کے ہاتھی پر حملہ آور ہوئے مگر ایرانیوں کی پیدل صفیں ان پر لوٹ پڑیں اور اس قدر گرد اڑی کہ وہ نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ یہ دیکھ کر ان کے ساتھی مجاہدین نے پوری قوت سے ایرانیوں پر حملہ کیا اور سخت معرکے کے بعد ان کو پیچھے دھکیل دیا۔ اس وقت حضرت عمروؓ بن معدی کرب کا یہ حال تھا کہ سارا جسم خاک سے اٹا ہوا تھا اور بدن پر برچھیوں کے بے شمار زخم تھے مگر برابر تلوار چلائے جا رہے تھے اتنے میں ایک ایرانی سوار برابر سے نکلا۔ انہوں نے اس کے گھوڑے کی دُم پکڑ لی۔ اس نے گھوڑے کو بار بار مہمیز کیا مگر اللہ رے حضرت عمروؓ کی شہزوری کہ گھوڑا اپنی جگہ سے ہل نہ سکا۔ آخر ایرانی گھوڑے کو چھوڑ کر بھاگ نکلا۔ اسی اثناء میں مشہور بہادر حضرت قعقاعؓ بن عمرو تمیمی کچھ دوسرے مجاہدوں کے ساتھ آ پہنچے۔ انہوں نے ہاتھیوں پر اس انداز سے حملہ کیا کہ وہ زخمی ہو کر پیچھے کی طرف بھاگ گئے۔

واقدیؒ نے عیسیٰ خیاط کی یہ روایت نقل کی ہے کہ عمرو بن معدی کرب نے جنگِ قادسیہ میں (ایک موقع پر) تن تنہا ایرانیوں پر حملہ کر دیا، اور ان کے بہت سے آدمی مار ڈالے پھر ایرانیوں کے ایک بڑے ہجوم نے ان کو گھیر لیا مگر وہ ان سب کے مقابلے پر تلوار چلاتے رہے یہاں تک کہ دوسرے مسلمان ان سے آ ملے اور انہوں نے کفّار کا گھیرا توڑ کر عمروؓ بن معدی کرب کو اس سے نکال لیا۔

تیسرے دن فریقین نے تہیّہ کر لیا تھا کہ آج لڑائی کا کوئی نہ کوئی فیصلہ ہو کر رہے گا۔ چنانچہ لڑائی رات کو بھی جاری رہی۔ آخر مسلمانوں نے محسوس کیا کہ جب تک رستم میدان میں موجود ہے ایرانی لڑتے رہیں گے، اس لیے لڑائی ختم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ رستم کو ختم کیا جائے۔ چنانچہ حضرت قعقاعؓ بن عمرو تمیمی چند نامور بہادروں کو ساتھ لے کر رستم کی طرف بڑھے جو ایک سنہری سائبان

کے نیچے سونے کے جواہر نگار تخت پر بیٹھا اپنی فوج کو لڑا رہا تھا۔ ساتھ ہی حضرت عمرؓو بن معدی کرب، حضرت اشعثؓ بن قیس اور ابنِ ذی البردین نے جو اپنے اپنے قبیلے کے سردار تھے، ساتھیوں کو للکارا کہ دیکھو یہ لوگ اللہ کی راہ میں تم سے آگے نہ بڑھنے پائیں۔ ان کو دیکھ کر دوسرے قبیلوں کو بھی جوش آگیا اور سب نے مل کر ایرانیوں پر اس زور کا حملہ کیا کہ ان کے قدم لڑکھڑا گئے۔ مسلمانوں کے جوش کا یہ عالم تھا کہ سوار گھوڑوں سے کود پڑے اور تیر و کمان پھینک کر تلواریں گھسیٹ لیں۔ ایرانیوں نے پُرزور مزاحمت کی مگر مسلمان ان کو دباتے دباتے رستم کے قریب پہنچ گئے۔ اس نے مسلمانوں کو اپنے سر پر دیکھا تو تخت سے کود پڑا اور مسلمانوں سے لڑنے لگا۔

علامہ بلاذریؒ کا بیان ہے کہ اس پر حضرت عمرؓو بن معدی کرب، طلیحہ اور قرطین مجاہدوں نے اس پر حملہ کیا اور ان میں سے کسی ایک کی تلوار نے اس کا کام تمام کر دیا۔

ابو حنیفہ دینوری کا بیان قدرے مختلف ہے۔ انہوں نے "الاخبار الطوال" میں لکھا ہے کہ رستم لڑتے لڑتے زخمی ہو گیا اور بھاگ کر قریب کی نہر میں چھلانگ لگا دی۔ ہلال بن علقمہ نامی ایک مجاہد بھی اس کے پیچھے نہر میں کود پڑے اور اس کی ٹانگیں پکڑ کر باہر گھسیٹ لیا، پھر تلوار سے اس کا سر اڑا دیا اور اس کے تخت پر چڑھ کر پکارے کہ میں نے رستم کو قتل کر ڈالا۔

ایرانیوں نے اپنے سپہ سالار کا یہ حشر دیکھا تو ان میں بھگدڑ مچ گئی۔ مسلمانوں نے دُور تک ان کا تعاقب کیا اور بے شمار لاشیں میدان میں بچھا دیں۔

قادِسیہ کی عظیم فتح نے تخت کسریٰ کی بنیادیں ہلا کر رکھ دیں مگر ابھی دارالحکومت مدائن کو فتح کرنا باقی تھا۔ حضرت سعدؓ کچھ عرصہ قادِسیہ میں آرام کرنے کے بعد مدائن کی طرف روانہ ہوئے اور بُرس، بابل، کوثی اور بہرشیر کو فتح کرتے ہوئے دریائے دجلہ کو عبور کر کے مدائن میں جا داخل ہوئے۔ ان کی پیشقدمی کی اطلاع سُن کر یزدگرد بہت سا خزانہ سمیٹ کر پہلے ہی مدائن سے حلوان کی طرف

بھاگ گیا۔ ان فتوحات میں حضرت عمرؓ بن معدی کرب بھی شریک تھے۔ مدائن میں مسلمانوں کو بیش بہا مالِ غنیمت ہاتھ آیا، اس میں ایسی نادر و نایاب چیزیں تھیں کہ عقلِ انسانی انہیں دیکھ کر دنگ رہ جاتی تھی۔ بے انداز زر و جواہر، ایوانِ شاہی کے خزائن اور سونے چاندی کے لاتعداد برتنوں اور موتیوں کے علاوہ جو نادر و نایاب چیزیں مسلمانوں کے ہاتھ آئیں ان میں سے کچھ کی تفصیل یہ ہے:

نوشیرواں کا زرنگار تاج اور درباری پوشاک، ہرقل (شاہِ روم) خاقانِ چین، بہرام چوبیں، سیاوش، نعمان بن منذر شاہِ حیرہ اور متعدد دوسرے ایرانی بادشاہوں کے جڑاؤ خنجر، زرہیں، خود اور تلواریں خالص سونے کا ایک بلند و بالا گھوڑا جس پر چاندی کی زین کسی ہوئی تھی اور سینے پر گراں بہا یاقوت جڑے ہوئے تھے، اس پر سونے کا بنا ہوا ایک سوار تھا جس کے سر پر ہیروں کا تاج تھا۔

چاندی کی ایک اونٹنی جس پر سونے کا پالان تھا اور اس کی طلائی مہار میں بیش قیمت ہیرے جڑے ہوئے تھے۔ اس اونٹنی کا سوار سونے کا تھا اور سر سے پاؤں تک نہایت قیمتی موتیوں سے آراستہ تھا۔ ایوانِ کسریٰ کا فرش جسے "بہار" کہا جاتا تھا اس کا رقبہ ساٹھ مربع گز (بروایت دیگر نو سو مربع گز) تھا۔ اس کی زمین سونے کی تھی اور حاشیے پکھراج کے تھے بیچ میں زمرد کا بنا ہوا سبزے کا چمن تھا۔ اس میں سونے چاندی کے پودے تھے اور پھول پھل اور غنچے جواہرات کے تھے، درمیان میں سونے چاندی اور جواہرات کی بنی ہوئی نہریں تھیں۔ وغیرہ۔

مؤرخین کا بیان ہے کہ مسلمانوں نے اس قیمتی مالِ غنیمت کے جمع کرنے میں ایسی دیانت داری کا ثبوت دیا کہ تاریخ عالم اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ اگر کسی کو ایک سوئی ملی یا بیش قیمت جواہر اس نے ایک لمحہ بھی اسے

اپنے پاس رکھنا گوارا نہ کیا اور فوراً بجنسہٖ مالِ غنیمت کے نگران افسر (صاحبِ انقباض) کے حوالے کر دیا۔ جب تمام مالِ غنیمت ایک میدان میں جمع کیا گیا اور حضرت سعدؓ نے اس کا معائنہ کیا تو بے اختیار ان کی زبان سے نکلا:

"خدا کی قسم یہ فوج بے حد امین ہے اگر اہلِ بدر کو ایک خاص فضیلت حاصل نہ ہوتی تو میں کہتا کہ یہ لوگ بھی ان کے برابر ہیں۔"

جلیل القدر صحابی حضرت جابرؓ بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ:

"قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہم نے قادسیہ کے مجاہدین میں سے کسی ایک کو بھی ایسا نہ پایا جس نے آخرت کے ساتھ دنیا کی خواہش بھی کی ہو۔ ہم کو تین شخصوں پر دنیا طلبی کا گمان تھا مگر (تحقیق کے بعد) ان کی امانت اور زہد کی مثال بھی ہم نے نہیں دیکھی، وہ تین شخص ہیں عمرو بن معدی کرب، طلیحہ اور قیس بن کمشوح[1]۔"

(عمرؓ فاروقِ اعظمؓ — ہیکل)

(۷)

حضرت عمروؓ بن معدی کرب کو زندگی کا جو آخری شرف حاصل ہوا وہ ان کا جنگِ نہاوند (۲۱ھ ہجری) میں شریک ہونا — اور اسی جنگ میں رتبۂ شہادت پر فائز ہونا ہے۔ جس طرح جنگِ قادسیہ "عراقِ عرب" کی سب سے بڑی لڑائی تھی اسی طرح جنگِ نہاوند عراقِ عجم کی سب سے بڑی لڑائی تھی۔

---

[1] ان تین اصحاب پر مسلمانوں کو اس لیے دنیا طلبی کا گمان تھا کہ فتنۂ ارتداد میں ان سے لغزش ہو گئی تھی۔ بعد میں یہ تینوں تائب ہو کر دوبارہ حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے اور پھر تادمِ مرگ راہِ حق میں جہاد کرتے رہے اور اپنی لغزش کی تلافی کر دی۔ مدائن میں مالِ غنیمت جمع کرنے کے دوران میں بھی وہ دیانت و امانت میں کسی دوسرے مسلمان سے پیچھے نہ رہے اور یوں اپنے دامن سے دنیا طلبی کا دھبہ ہمیشہ کے لیے دھو دیا۔

اس کا سبب یہ تھا کہ یزدگرد اور دوسرے ایرانیوں کا خیال تھا کہ عربوں کا سیلاب عراقِ عرب کے حدود پر آکر رک جائے گا مگر جب انہوں نے اس سیلاب کو تھمتے نہ دیکھا تو یزدگرد نے ایک مرتبہ پھر زبردست فوجی تیاریاں شروع کر دیں اور مسلمانوں کو عراقِ عرب سے نکال دینے کے لیے تمام ایرانیوں کو ایک جھنڈے تلے جمع کر دیا۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ مختلف اطراف و جوانب سے ڈیڑھ لاکھ ایرانی جنگجوؤں کا ٹڈی دَل قم میں اس عزم کے ساتھ جمع ہوا کہ مسلمانوں کو تہس نہس کر دے گا۔ یزدگرد نے ایک نامور ایرانی سردار فیروزان (بروایتِ دیگر مردان شاہ) کو اس لشکر کا سپہ سالار مقرر کیا اور مسلمانوں سے نبرد آزما ہونے کے لیے نہاوند کی طرف روانہ کیا۔ یہ لشکر قم سے روانہ ہوا تو ہر طرف تہلکہ مچ گیا۔ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ کو ان حالات کی اطلاع ملی تو انہوں نے تمام فوجی مراکز کے امیروں کو فرمان بھیجا کہ اپنی ایک ایک ثلث فوج ایرانیوں کے مقابلے کے لیے بلا تاخیر نہاوند روانہ کرو۔ امیر المؤمنینؓ نے اس مہم کا قائد حضرت نعمان بن مقرّن کو مقرر کیا اور ساتھ ہی ہدایت کی کہ اگر انہیں کوئی حادثہ پیش آ جائے تو حذیفہؓ بن الیمانؓ ان کی جگہ سپہ سالار ہوں گے۔ امیر المؤمنین کے فرمان کے مطابق کوفہ سے جو فوج روانہ ہوئی اس کی تعداد تیس ہزار تھی اور اس میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت قعقاعؓ بن عمرو، حضرت مغیرہؓ بن شعبہ، حضرت جریرؓ بن عبداللہ البجلی، حضرت عمرؓ بن معدی کرب اور طلیحہ بن خویلد جیسے آزمودہ کار اور صاحبِ تدبیر شجاعانِ عرب شامل تھے۔

علامہ شبلیؒ نے "الفاروق" میں لکھا ہے کہ جس وقت حضرت نعمانؓ بن مقرّن کو مہم نہاوند کا قائد مقرر کیا گیا وہ کوفہ میں مقیم تھے اور وہیں سے وہ تیس ہزار کی جمعیت لے کر روانہ ہوئے مگر طبریؒ کا بیان ہے کہ اس وقت حضرت نعمانؓ اہواز (خوزستان) میں مقیم تھے اور حضرت عمرؓ کے فرمان کے مطابق انہوں نے وہیں سے نہاوند کی طرف پیش قدمی کی تھی۔ سیف بن عمر نے لکھا ہے کہ کوفہ کی

فوج طرز کے مقام پر آکر حضرت نعمانؓ سے ملی تھی۔ طرز حلوان سے تقریباً چالیس بیالیس میل مشرق میں خراسان جانے والی سڑک سے کوئی بیس میل ہٹ کر ایک وسیع میدان میں واقع تھا۔ طرز سے نہاوند اندازاً سو میل دور تھا۔ حضرت نعمانؓ نے اسی جگہ سے حضرت عمروؓ بن معدی کرب، طلیحہ بن خویلد اور عمرو بن سلمی کی سرکردگی میں گشتی دستے ایرانی لشکر کے حالات اور گردوپیش کا جغرافیہ معلوم کرنے کے لیے بھیجے ــــ اسی مقام پر حضرت نعمانؓ کو امیر المؤمنینؓ کی طرف سے ذیل کا مراسلہ موصول ہوا:

"تمہارے لشکر میں ایسے لوگ ہیں جو عہد جاہلیت میں بڑے دلاور اور مقتدر تھے انہیں ایسے لوگوں پر ترجیح دو جو ان جیسی عسکری سوجھ بوجھ نہیں رکھتے، ان سے مشورہ کرو اور ان کے مشورے پر عمل کرو۔ عمرو بن معدی کرب، طلیحہ بن خویلد اور عمرو بن سلمی سے جنگی امور میں صلاح لو لیکن انہیں کوئی عہدہ نہ دو۔" (طبری-۴/۲۴۰)

"ازالۃ الخفاء" میں اس خط کو اس طرح نقل کیا گیا ہے:

"تمہارے لشکر میں دو نامور عرب بہادر ہیں، عمرو بن معدی کرب اور طلیحہ بن خویلد۔ انہیں فوج میں حاضر رکھو، ان کی تادیب کرو اور جنگی امور میں ان سے مشورہ لو۔ انہیں گشتی دستوں میں بھیجو لیکن انہیں کوئی عہدہ نہ دو اور جب جنگ ختم ہو جائے تو ان کا مرتبہ گھٹا کر دہی کر دو جس پر وہ تھے۔" (جلد دوم / ص ۲۰۲)

حضرت نعمانؓ چند دن کے بعد طرز سے روانہ ہوئے اور منزل بہ منزل چلتے ہوئے کسی مزاحمت کے بغیر نہاوند کے قریب پہنچ گئے۔ ایرانیوں نے کھلے میدان میں مقابلہ کرنے کی بجائے قلعہ بند ہو کر لڑنا مناسب سمجھا۔ وہ جب بھی موقع پاتے، شہر سے نکل کر مسلمانوں پر حملہ آور ہوتے۔ مسلمانوں نے ایک دن ایسی تدبیر کی کہ سارا ایرانی لشکر شہر سے باہر آگیا اور فریقین میں گھمسان کی لڑائی شروع ہو گئی۔ حضرت نعمانؓ زخم پر زخم کھاتے دشمن کے قلب لشکر کی طرف بڑھ رہے تھے کہ ان کا

گھوڑا پھسل کر گرا اور وہ بھی زمین پر آ رہے۔ ایسی حالت میں انہوں نے مجاہدین کو ہدایت کی کہ مجھے سنبھالنے کی ضرورت نہیں آگے دشمنوں پر بڑھو۔ ان کے بجائے حضرت حذیفہ بن الیمان رضؓ نے علَم سنبھالا اور دشمن پر ٹوٹ پڑے مگر ایرانی مسلمانوں پر سخت دباؤ ڈال رہے تھے اس نازک گھڑی میں حضرت عمروؓ بن معدی کرب اور طلیحہؓ بن خویلد اس شان سے لڑے کہ دشمن کا منہ پھر گیا۔ طلیحہؓ تو مردانہ وار لڑتے ہوئے شہید ہو گئے اور عمروؓ بن معدی کرب زخموں سے چُور چُور ہو گئے تاہم مجاہدین کے تابڑ توڑ حملوں نے ایرانیوں کی کمر توڑ دی اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس وقت ایک مجاہد حضرت نعمانؓ کے سرہانے گیا، اس وقت وہ نزع کے عالم میں تھے۔ نحیف آواز میں پوچھا، لڑائی کا کیا انجام ہوا؟ اس نے کہا، اللہ نے مسلمانوں کو فتح دی۔ فرمایا، اللہ کا شکر ہے امیر المومنین رضؓ کو فوراً اپنی فتح کی اطلاع دو۔ یہ کہہ کر انہوں نے آخری ہچکی لی اور خُلدِ بریں کو سدھار گئے۔ ادھر حضرت عمروؓ بن معدی کرب کو زخموں نے حرکت کے قابل نہ رکھا تھا۔ انہیں میدان جنگ سے اٹھا کر لایا گیا اور علاج شروع کیا گیا مگر رُوذہ نامی ایک قریہ میں ان کا وقتِ آخر آ پہنچا اور وہ تاجِ شہادت پہن کر اللہ کے حضور چلے گئے۔ (الاِصابہ)

(۸)

علامہ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ حضرت عمروؓ بن معدی کرب ایک اعلیٰ درجے کے شاعر تھے۔ اُن کے عمدہ اشعار میں سے کچھ یہ ہیں۔

وانا القوم لا نفیض دموعنا
علی هالك منا وان قصم الظهر

(یعنی ہم ایسے لوگ ہیں کہ اپنے مُردوں پر نہیں روتے اگرچہ صدمہ سے کمر ٹوٹ جاتی ہے)

امن ریحانة الداعی السمیع　　　　یورقنی واصحابی ہجوع

یعنی پکارتے والے باخبر کی آواز مجھے سُلا رہی ہے اور میرے ساتھی بیدار ہیں

اذا لم تستطع شیئاً فدعه وجاوزه الی ما تستطیع

یعنی اے مخاطب جب تو کسی کام کو نہ کر سکے تو اس کو چھوڑ دے اور جو کام کر سکتا ہے اس کو کر

اعاذل عدتی بدنی ورمحی | وکل مقلص سلس القیاد
اعاذل انما افنی شبابی | اجابتی الصریخ الی المنادی
مع ابطال حتی سل جسمی | واقرع عاتقی حمل النجاد
ویبقی بعد حلم القوم حلمی | ویفنی قبل زاد القوم زادی

(ترجمہ)

اے عاذل میرا سامان میرا (قوی) جسم اور نیزہ ہے،
اور وہ اونچا گھوڑا جو اپنے سوار کا مطیع ہو۔
اے عاذل میں اپنی جوانی اس بات میں صرف کرتا ہوں،
کہ جو فریاد کرتا ہو — اس کی فریاد سنوں۔
بہادروں کے ساتھ رہتا ہوں یہاں تک کہ میں دبلا ہو گیا ہوں،
اور میرے شانے تلوار اٹھائے رکھتے ہیں۔
جب کسی میں برداشت کی قوت نہیں رہتی تو میں برداشت کرتا ہوں،
اور کھانا سب سے پہلے میرا ختم ہو جاتا ہے۔

حضرت عمرؓ بن معدی کرب سے یہ حدیث مروی ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں تلبیہ کی یہ عبارت تعلیم فرمائی:
لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ لَبَّیْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ اِنَّ الْحَمْدَ
وَالنِّعْمَةَ لَکَ وَالْمُلْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ
(حاضر ہوں تیری خدمت میں اے اللہ حاضر ہوں تیری خدمت میں۔ تیرا کوئی شریک
نہیں حاضر ہوں تیری خدمت میں۔ ساری تعریفیں اور نعمت تیرے ہی لیے ہے
اور بادشاہت بھی تیرا کوئی شریک نہیں۔)

ہم زمانۂ جاہلیت میں تلبیہ اس عبارت میں ادا کرتے تھے۔

اِلَیکَ تَعظِیمًا اِلَیکَ عذرا | ہذی زبید قد اتتک قسرا
تغدو بہا مضمرات شذرا | یقطعن خبتا وجبالا وعسرا

قد ترکوا الاوثان خلفوا اصفرا

(یعنی ہم حاضر ہوتے ہیں تیرے پاس تیری تعظیم کے لیے عذر کرتے ہوئے، یہ قبیلہ زبید کے لوگ ہیں جو بہت دور سے تیرے پاس آئے ہیں۔ ہم بڑے بڑے جنگلوں اور پہاڑوں کو صبح و شام طے کرتے ہوئے آئے ہیں اور اپنے گناہوں کو پیچھے چھوڑ آئے ہیں۔

(اُسُدُ الغابہ فی معرفۃ الصحابہ)

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ظالم کو ظلم سے روکنا اس کی بڑی خیر خواہی ہے

حضرت انس رضؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم نے فرمایا:—

"تو ہر حال میں اپنے بھائی کی مدد کر، خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم"

کسی نے سوال کیا کہ مظلوم کی مدد تو سمجھ میں آتی ہے لیکن ظالم کی مدد کا کیا مطلب؟

فرمایا، ظالم کو ظلم سے روکنا اس کی مدد کرنا ہے!

(متفق علیہ بمشکوٰۃ باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق ص۴۲۲)

حضرت عمیرؓ بن رِئاب سہمی

(۱)

اربابِ سِیَر نے ان کا شجرۂ نسب تین طریقوں سے بیان کیا ہے۔

۱. عمیرؓ بن رِئاب بن حذیفہ بن مہشم بن سعید بن سہم قرشی۔ (ابنِ اسحاقؒ)
۲. عُمیرؓ بن رِئاب بن حذافہ بن سعید بن سہم۔ (واقدیؒ)
۳. عُمیرؓ بن رِئاب بن مہشم بن سعید بن سہم۔ (زبیرؒ بن بکار)

جمہور نے ابنِ اسحاقؒ کے قول کو ترجیح دی ہے۔

والدہ کا نام اُمِّ وائل تھا اور وہ قریش کے خاندان بنو جمحؔ سے تھیں۔ نسب نامہ یہ ہے:

اُمِّ وائل بنتِ معمر بن حبیب بن وہب بن حذافہ بن جمح۔

(۲)

حضرت عُمیرؓ بن رِئاب کو اللہ تعالیٰ نے فطرتِ سعید سے نوازا تھا۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ حق کا آغاز فرمایا تو انہوں نے بلا تامل اس پر لبیک کہا اور "السابقون الاوّلون" کی مقدس جماعت کے رکن بن گئے۔ اہلِ سیر کا اس بات پر اتفاق ہے کہ وہ دعوتِ حق کے ابتدائی تین سالوں کے دوران میں سعادت اندوزِ اسلام ہوئے۔ اس زمانے میں حضورؐ رازداری سے تبلیغِ حق فرما رہے تھے۔ ۴؁ بعد بعثت (نبوت) کے آغاز میں جب یہ حکمِ خداوندی نازل ہوا: فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ

(احکامِ الٰہی برملا سنا دیجئے اور مشرکوں کی مخالفت کو خاطر میں نہ لائیے)

تو آپؐ لوگوں کو علانیہ دعوتِ توحید دینے لگے۔ اس پر مشرکین کے قہر و غضب کا آتش فشاں پوری قوت سے پھٹ پڑا اور قبولِ حق کی سعادت حاصل کرنے والے اصحاب اشقیائے قریش کے جور و تعدّی کا نشانہ بن گئے۔ جب ان کے مظالم حد سے بڑھ گئے تو حضورؐ نے مظلوم مسلمانوں کو حبش کی طرف ہجرت کرنے کی ہدایت فرمائی۔ چنانچہ ۵؁ بعد بعثت میں مسلمانوں کا ایک مختصر سا قافلہ مکّہ سے ہجرت کر کے حبش چلا گیا۔ اس سے اگلے سال (۶؁ بعد بعثت میں)

ایک بڑا قافلہ عازم حبشہ ہوا۔ مشرکین نے اس کو روکنے کی بہت کوشش کی لیکن یہ کسی نہ کسی طرح حبش پہنچ گیا۔ حضرت عُمیرؓ بن رِئاب بھی اس قافلے میں شامل تھے۔ وہ کئی سال تک حبش میں غریب الوطنی کی مصیبتیں جھیلتے رہے۔ ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ چند سال بعد انہوں نے ہجرت مدینہ کی سعادت حاصل کی۔ وہ مدینہ کب پہنچے اور عہدِ رسالت کے کن کن غزوات میں شریک ہوئے، کُتبِ سِیَر سے ان سوالوں کا کوئی جواب نہیں ملتا۔ قیاس یہی ہے کہ مدینہ پہنچنے کے بعد وہ تمام غزوات میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب رہے ہوں گے۔

(۳)

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد سیدنا ابوبکر صدیقؓ مسندنشین خلافت ہوئے اور فتنۂ ارتداد کے استیصال کے بعد سلطنت ایران سے معرکہ آرائیوں کا آغاز ہوا تو حضرت عُمیرؓ بن رِئاب حضرت خالدؓ بن ولید کے لشکر میں شامل ہو کر عراق عرب چلے گئے اور وہاں کئی معرکوں میں مجوسیوں کے خلاف دادِ شجاعت دی۔ ۱۲ھ ہجری میں عین التمر کا معرکہ پیش آیا[1]۔ حضرت عُمیرؓ نے اس میں مردانہ وار لڑتے ہوئے شہادت پائی۔ علامہ ابن اثیرؒ نے ابن اسحاقؒ اور بعض دوسرے اہلِ سِیَر کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت عُمیرؓ بن رِئاب کی کوئی اولاد نہ تھی۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

---

[1] فتنۂ ارتداد کا قلع قمع کرنے کے بعد خلیفۃ الرسول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت خالدؓ بن ولید کو عراق عرب جانے کا حکم دیا جہاں حضرت مثنیٰؓ بن حارثہ شیبانی ایرانی حکومت سے برسرپیکار تھے۔ حضرت خالدؓ بن ولید نے عراق عرب پہنچ کر ایرانیوں کو پے در پے زبردست شکستیں دیں اور امغیشیا، حیرہ اور انبار وغیرہ کو مسخر کرتے ہوئے عین التمر پہنچ گئے جہاں ایک نامور ایرانی جرنیل مہران پسر بہرام چوبیں ایک بڑے لشکر کے ساتھ خیمہ زن تھا۔ اس کی مدد کے لیے تغلب، ایاد اور نمر وغیرہ کئی عربی النسل عیسائی قبائل بھی پہنچ گئے تھے۔ ان قبائل کی قیادت عقہ نامی ایک عیسائی سردار کر رہا تھا۔ مہران نے پہلے اسی کو مسلمانوں کے مقابلہ پر بھیجا۔ حضرت خالدؓ نے اس کو شکست دے کر گرفتار کر لیا۔ پھر انہوں نے آگے بڑھ کر عین التمر کا محاصرہ کر لیا۔ مہران قلعہ چھوڑ کر بھاگ گیا اور محصورین نے جلد ہی ہتھیار ڈال کر اسے مسلمانوں کے حوالے کر دیا۔

حضرت غیلانؓ بن سلمہ ثقفی

(۱)

طائف کے نامور قبیلے بنو ثقیف کے چشم و چراغ تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:

غیلانؓ بن سلمہ بن معتب بن مالک بن کعب بن عمرو بن سعد بن عوف بن ثقیف بن منبہ بن بکر بن ہوازن۔

حضرت غیلان کی والدہ کا نام سُبیعہ تھا جو رئیسِ قریش امیہ بن عبدالشمس کی بہن تھیں۔ (طائف کے بنو ثقیف اور قریش مکہ کے درمیان رشتے ناتے عام تھے)

زمانہ جاہلیت میں غیلان نہ صرف طائف کے سربرآوردہ رؤسا و شرفاء میں شمار ہوتے تھے بلکہ عرب بھر میں اپنی شہسواری، دانائی، شاعری اور تموّل کی بناء پر بڑی شہرت رکھتے تھے۔ بدوی قبائل میں بھی ان کا زبردست اثر و رسوخ تھا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ سوق عکاظ میں ایک دن لوگوں سے ملاقاتیں کرنے میں صرف کرتے، ایک دن بزم شعر و سخن آراستہ کرتے جس میں عرب کے نامی شعراء شریک ہوتے اور ایک دن لوگوں کے باہمی جھگڑے چکاتے اور ایسا کرتے ہوئے عدل گستری کی مثال قائم کر دیتے۔

(۲)

بعثتِ نبویؐ سے چند سال پہلے کا ذکر ہے کہ ایک دفعہ غیلان بن سلمہ اور مکہ کے دو نامور تاجر ابو سفیانؓ اور عدی اپنے اپنے تجارتی قافلے لے کر مختلف راستوں سے عراق کی طرف روانہ ہوئے جو اس زمانے میں سلطنتِ فارس (ایران) میں شامل تھا۔ اتفاق سے تینوں قافلے عراق کی سرحد کے قریب ایک مقام پر جمع ہو گئے۔ ان کے سرداروں کی آپس میں ملاقات ہوئی تو اثنائے گفتگو میں

ابو سفیانؓ نے کہا :

"ہم ایک قاہر بادشاہ کے حدودِ سلطنت میں بغیر اجازت داخل ہو کر بہت بڑا خطرہ مول لے رہے ہیں۔ اس سے پہلے ہم تجارت کی غرض سے اس ملک میں کبھی نہیں گئے۔ کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ ہم میں سے ایک ان تینوں قافلوں کو لے کر عراق میں داخل ہو اگر وہ سارا مال فروخت کر کے بخیریت واپس آجائے تو سارے نفع کا نصف اس کا ہوگا اور باقی نصف دوسرے دو سردار آپس میں برابر تقسیم کر لیں گے۔ اور اگر قافلے لے جانے والا عراق میں مارا جائے تو اس کے خون بہا کی ذمہ داری پیچھے رہنے والوں پر نہیں ہوگی۔"

تینوں نے اس تجویز پر صاد کیا مگر اب سوال پیدا ہوا کہ کون یہ قافلے لے کر عراق میں داخل ہوگا۔ جب ابو سفیانؓ اور عدی اس میں متذبذب ہوئے تو غیلان نے کہا، یہ کام مجھ پر چھوڑ دو، مجھے جان پر بھی کھیلنا پڑا تو میں اس کو انجام دینے سے پیچھے نہیں ہٹوں گا۔ چنانچہ انہوں نے شاندار امیرانہ لباس پہنا اور تینوں قافلے لے کر عراق میں داخل ہو گئے۔ راستے میں جو سرکاری اہلکار ملے انہیں اپنی داد و دہش سے خوش کر دیا۔۔۔ اس طرح چلتے چلتے وہ کسریٰ کے دارالسلطنت مدائن جا پہنچے۔ قافلے کو اپنے غلاموں کی نگرانی میں ایک جگہ ٹھہرایا اور خود قصرِ شاہی کے سامنے دربار میں باریابی کے امیدواروں میں جا کر بیٹھ گئے۔ چند دن کے انتظار کے بعد انہیں داخلہ کی اجازت ملی اور دربار کے ملازموں نے انہیں اپنے ساتھ لے جا کر ایک خاص مقام پر کھڑا کر دیا جس کے سامنے سونے کی چلمن پڑی ہوئی تھی۔ کسریٰ نے چلمن کے پیچھے سے اپنے ایک ترجمان کے ذریعے ان سے پوچھا :۔

"اے عرب کے رہنے والے شخص! تجھے ہماری قلمرو میں بغیر اجازت داخل ہونے کی جرأت کیسے ہوئی ؟"

غیلان نے بڑے ادب سے جواب دیا :۔ "جہاں پناہ ! آپ کے سایۂ کرم میں تجارت کے لیے آیا ہوں حضور کو پسند آئے تو یہ مالِ تجارت خود قبول فرمائیں یا ازراہِ لطف وعنایت اجازت مرحمت فرمائیں کہ اسے حضور کی رعایا میں فروخت کر ڈالوں۔"

غیلان اتنا ہی کہنے پائے تھے کہ چلمن کے پیچھے سے ایک بلند آواز آئی۔ اسے سنتے ہی غیلان سجدے میں گر پڑے۔

ترجمان نے کہا۔ "شہنشاہِ معظّم پوچھتے ہیں، تم سجدے میں کیوں گرے ؟

غیلان نے جواب دیا ۔ "میں نے ایک بلند آواز سُنی جس میں بڑا رعب اور دبدبہ تھا۔ میرے دل نے گواہی دی کہ یہ خسروِ عالی مقام کی آواز ہے اور مجھ پر اس کی تعظیم لازم ہے چنانچہ میں سجدہ ریز ہو گیا۔"

کسریٰ کو غیلان کا جواب پسند آیا اور اس نے ملازموں کو حکم دیا کہ ایک قالین لاکر اس شخص کے نیچے بچھا دیں۔

وہ فوراً ایک شاندار قالین لے آئے اور غیلان کے بیٹھنے کے لیے بچھا دیا۔ غیلان نے دیکھا کہ اس پر فرمانروائے ایران کی تصویر بنی ہوئی ہے۔ انہوں نے فوراً قالین کو لپیٹ کر اپنے سر پر رکھ لیا۔ کسریٰ نے یہ دیکھ کر ترجمان سے کہا کہ یہ شخص تہذیب سے نا آشنا معلوم ہوتا ہے اور اسے معلوم نہیں کہ قالین بیٹھنے کے لیے ہوتا ہے اسے کہو کہ قالین بچھا کر اس پر بیٹھ جائے۔

ترجمان نے یہ بات کہی تو غیلان نے ادب سے گردن جھکا کر کہا : "عالم پناہ ! جب یہ قالین بچھایا گیا تو مجھے اس پر شہنشاہ ذی جاہ کی تصویرِ مبارک نظر آئی۔ مجھ بادیہ نشین کی کیا مجال تھی کہ اس پر بیٹھتا اس لیے ازراہِ تعظیم قالین کو اپنے سر پر رکھ لیا۔

کسریٰ ان کا جواب سن کر بہت خوش ہوا۔ اب اس نے ان سے پوچھا، "کیا تمہارے اولاد ہے ؟"

انہوں نے عرض کیا: "جی ہاں! میرے کئی بیٹے ہیں۔"

کسریٰ نے پوچھا: "تمہیں اپنے بیٹوں میں سب سے زیادہ محبت کس سے ہے؟"

غیلان نے جواب دیا:۔ "سب سے چھوٹے سے جب تک کہ وہ بڑا نہ ہو جائے اور بیمار سے جب تک کہ وہ اچھا (صحت یاب) نہ ہو جائے اور غائب سے (یعنی جو گھر سے باہر سفر وغیرہ پر گیا ہو) جب تک کہ وہ بخیریت واپس نہ آ جائے۔"

کسریٰ نے حیران ہو کر کہا، "یہ تو تم نے بڑی حکیمانہ باتیں کہی ہیں حالانکہ تم ایک صحرائی آدمی ہو اور اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ صحرا نشینوں میں حکمت نام کو نہیں ہوتی۔"

پھر اس نے پوچھا۔ "تمہاری غذا کیا ہے؟"

غیلان نے جواب دیا: "گیہوں کی روٹی۔"

کسریٰ بولا: "یہ عقل (حکمت) گیہوں کی روٹی ہی سے پیدا ہوتی ہے اونٹنی کے دودھ اور چھوہاروں سے نہیں۔"

اس کے بعد کسریٰ نے غیلان کا سارا سامان تجارت پانچ گنا قیمت پر خرید لیا اور انہیں نہایت قیمتی خلعت دے کر رخصت کیا۔ ایک روایت میں ہے کہ غیلان کی درخواست پر کسریٰ نے ان کے ساتھ چند ایرانی معمار بھیجے جنہوں نے طائف آکر ایک مضبوط قلعہ تعمیر کیا۔ یہی وہ قلعہ تھا جس کا ۸ھ میں غزوۂ حنین کے بعد مسلمانوں نے محاصرہ کیا تھا اور جس کو سر کرنے میں بڑی دشواری پیش آئی۔

(۳)

ایک دانا اور مدبّر انسان ہونے کے علاوہ غیلان ایک نغز گو شاعر بھی تھے اور سخن فہمی کے اعتبار سے بھی اپنا جواب نہیں رکھتے تھے مگر باہمہ عقل و حکمت وہ ۸ھ ہجری کے کوئی ایک سال بعد تک کفر و شرک کی بھول بھلیوں میں بھٹکتے

رہے۔ خدا کی قدرت ان کی اولاد میں سے دو بیٹے عامرؓ اور عمارؓ والد سے کئی سال پہلے مُشرّف بہ اسلام ہو گئے اور طائف سے ہجرت کر کے مدینہ مُنوّرہ چلے گئے۔ ان سعادت مند نوجوانوں نے محض حق کی خاطر اپنی عیش و تنعّم کی زندگی ترک کر دی۔ ان کے جانے کے بعد ایک عجیب واقعہ پیش آیا، وہ یہ کہ غیلانؓ کے ایک غلام نے (جو ان کا تحویلدار تھا) ان کا سارا اندوختہ چُرا لیا اور حضرت غیلانؓ سے آ کر کہہ دیا کہ آپ کا مال عمارؓ چُرا کر لے گئے ہیں۔ یہ حضرت عمارؓ پر بہتانِ عظیم تھا کیونکہ گھر سے چلتے وقت انہوں نے والد کی کسی چیز کو ہاتھ بھی نہ لگایا تھا۔ حضرت غیلانؓ کو غلام پر بہت اعتماد تھا انہوں نے اس کی بات کا یقین کر لیا اور لوگوں کو یہی بتایا کہ عمارؓ میرا مال چرا کر لے گیا ہے۔ حضرت عمارؓ کے کانوں تک بھی یہ خبر پہنچ گئی۔ اس تہمت طرازی پر ان کو دکھ تو بہت ہوا مگر سوائے اللہ تعالیٰ سے یہ دُعا کرنے کے کہ وہ ان کی بے گناہی ثابت کر دے، اور کچھ نہ کر سکے۔

اُدھر چند روز کے بعد بنو ثقیف کے کسی خاندان کی ایک لونڈی غیلان کے پاس آئی اور ان سے کہا کہ اگر میں آپ کا گم شدہ مال تلاش کر دوں تو آپ مجھے کیا دیں گے؟

غیلانؓ نے کہا، جو تم مانگو۔

لونڈی نے کہا۔۔۔ تو وعدہ کیجئے کہ اگر آپ کی دولت مل گئی تو آپ مجھے میرے مالک سے خرید کر آزاد کر دیں گے۔

غیلانؓ نے اس سے پختہ وعدہ کر لیا کہ مال ملنے پر میں تمہیں خرید کر آزاد کر دوں گا۔ اب لونڈی انہیں کشاں کشاں ایک جگہ لے گئی اور کہا کہ میں نے ایک رات کو اتفاق سے آپ کے تحویلدار غلام کو دیکھا کہ اس جگہ گڑھا کھود کر کوئی چیز دبا رہا ہے۔ پھر اس کے بعد بھی میں اب تک دیکھ رہی ہوں کہ وہ ہر روز اس جگہ کے کئی چکر لگاتا ہے اس سے مجھے یقین ہو گیا کہ آپ کا مال اسی نے چرایا ہے

اور یہاں لاکر دفن کیا ہے۔ غیلان نے اس جگہ کو کھودا تو وہاں سے انہیں اپنا سارا مسروقہ مال مل گیا جسے وہ اٹھا کر گھر لے آئے اور اس لونڈی کو اس کے مالک سے خرید کر آزاد کر دیا۔ یہ خبر لوگوں میں مشہور ہوئی تو شدہ شدہ مدینہ منورہ میں حضرت عمارؓ تک بھی پہنچ گئی۔ اپنی بے گناہی ثابت ہونے پر وہ سجدۂ شکر بجا لائے۔ ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے طیش میں آکر قسم کھائی کہ اب کبھی اپنے باپ کی صورت نہ دیکھیں گے۔

(۴)

۸ھ ہجری میں فتح مکہ اور غزوۂ حُنین کے بعد رسولِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے طائف کا محاصرہ کیا تو بنو ثقیف نے قلعہ کے اندر سے مسلمانوں کا سخت مقابلہ کیا۔ مقابلہ کرنے والوں میں غیلان بھی شامل تھے۔ اس مہم میں اُمّ المومنین حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضورؐ کے ساتھ تھیں۔ صحیح بخاری میں ان سے روایت ہے کہ اثنائے محاصرہ میں ایک دن ایک مخنّث میرے پاس بیٹھا تھا کہ نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم تشریف لائے۔ میں نے اس مخنّث کو عبداللہؓ بن ابی امیّہ (حضرت اُمِّ سلمہؓ کے بھائی جو وہیں موجود تھے) سے یہ کہتے سُنا، عبداللہ! اگر طائف میں کل تم کو فتح نصیب ہو تو بنتِ غیلان کو تم لے لینا۔ وہ ایسی (حسین اور گداز بدن والی) ہے کہ چار کے ساتھ آتی ہے اور آٹھ کے ساتھ جاتی ہے (یعنی سامنے آتی ہے تو اس کے پیٹ پر چار بل پڑتے ہیں اور پیٹھ پھیرتی ہے تو آٹھ بل پڑتے ہیں۔) رسولِ اکرم صَلَّی اللہ علیہ وسلّم نے اس کی بات سن کر فرمایا، ان لوگوں (ہیجڑوں) کو اپنے گھروں کے اندر نہ آنے دیا کرو۔

کہا جاتا ہے کہ جس ہیجڑے نے یہ بات کہی تھی اس کا نام ہیت تھا۔ اور بنتِ غیلان سے اس کی مراد غیلانؓ بن سلمہ کی بیٹی بادیہ تھیں۔ بادیہ کے حسن وجمال اور صحت مندی کی بڑی شہرت تھی۔ ہیت نے اسی کی طرف اشارہ کیا تھا۔ حضرت عبداللہؓ بن ابی امیّہ نے تو محاصرۂ طائف کے دوران میں شہادت پائی۔ بادیہ اور

غیلان کو اللہ تعالیٰ نے کچھ مدت کے بعد قبولِ اسلام کی سعادت بخشی۔

(۵)

رسولِ اکرم صَلّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم نے کوئی تین ہفتے کے بعد بوجوہ طائف کا محاصرہ اٹھالیا اور چند دن کے بعد مدینہ مُنوّرہ کو مراجعت فرمائی۔ بعض روایات میں ہے کہ حضور صَلّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم طائف سے روانہ ہونے لگے تو آپؐ نے دعا مانگی:

"الٰہی ثقیف کو ہدایت دے اور انہیں میرے پاس بھیج۔"

محبوب کبریا صَلّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم کی دعا کو درِ اجابت تک پہنچنے میں کچھ زیادہ دیر نہ لگی۔ اگلے ہی سال (شعبان یا رمضان المبارک ۹ ہجری میں) بنو ثقیف آستانۂ اسلام کے سامنے جھکنے پر مجبور ہو گئے۔ اس سلسلے میں علّامہ شبلی نعمانیؒ "سیرۃ النبیؐ" میں یوں رقمطراز ہیں:

"حضور صَلّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم کے طائف سے تشریف لے جانے کے بعد صخر بن عیلہ رئیس احمس نے طائف کا محاصرہ کرلیا اور اس میں اتنی سختی برتی کہ اہلِ طائف نے رسولِ اکرم صَلّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم کی اطاعت قبول کرنے کا وعدہ کرلیا۔ اس کے بعد اہلِ طائف نے باہم مشورہ کیا کہ تمام عرب اسلام لاچکا۔ اب ہم اکیلے کیا کرسکتے ہیں۔ غرض یہ رائے قرار پائی کہ چند سفیر مقرر کرکے آنحضرت صَلّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم کی خدمت میں بھیجے جائیں۔"

علّامہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اپنی کتاب "رسولِ اکرمؐ کی سیاسی زندگی" میں لکھا ہے کہ:

"غالباً مسلمانانِ مکّہ نے طائف سے معاشی و اخلاقی قطع تعلّق کرلیا۔ اس معاشی دباؤ کو طائف کتنے دنوں سہار سکتا تھا جبکہ چاروں طرف اسلام تیزی سے پھیلتا جارہا تھا۔ چند ماہ بعد آخر انہوں نے بھی دوستی کے حصول کے لیے ایک وفد مدینہ بھیجا۔"

بنو ثقیف کا یہ وفد مستند روایات کے مطابق بنو ثقیف کے ایک بااثر رئیس عبدِ یالیل کی سرکردگی میں بھیجا گیا۔ اس میں کل چھ آدمی شامل تھے جن کو بہت زیرک سمجھا جاتا تھا۔ ان میں ایک غیلان بن سلمہ کے صاحبزادے شرحبیل تھے[1] اس وفد نے چند دن مدینہ مُنوّرہ میں قیام کیا۔ اس دوران میں اس کو (یا اس کے قائد کو) رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم نے متعدد بار شرفِ ملاقات بخشا۔ بالآخر وفد کے سارے اراکین مُشرَّف بہ اسلام ہو گئے۔

(اس وفد کی آنحضور صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم سے گفتگو اور اس کے ارکان کے قبولِ اسلام کی تفصیل اسی کتاب میں حضرت عبدِ یالیل ثقفیؓ کے ترجمہ میں ملاحظہ فرمائیے)

جب یہ وفد واپس طائف پہنچا تو بیشتر بنو ثقیف اور ان کے احلاف حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے۔ ان میں حضرت غیلانؓ بن سلمہ بھی شامل تھے قبولِ اسلام سے پہلے دس عورتیں ان کے نکاح میں تھیں۔ یہ سب عرب کے شریف گھرانوں سے تعلق رکھتی تھیں۔ (زمانۂ جاہلیت میں کثرتِ ازدواج کا عام رواج تھا۔ اسلام نے ایک وقت میں بیویوں کی تعداد کو چار تک محدود کر دیا اور وہ بھی بڑی کڑی شرط کے ساتھ) حضرت غیلانؓ نے اسلام قبول کیا تو ان کی تمام بیویاں بھی ان کے ساتھ مُشرَّف بہ اسلام ہو گئیں جب وہ رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے انہیں حُکم دیا کہ ان عورتوں میں سے صرف چار منتخب کر لو اور باقی چھ ۶ کو طلاق دے دو۔ انہوں نے تعمیل ارشاد کی۔

ایک روایت میں ہے کہ آنحضور صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم نے حضرت غیلان رضی اللہ عنہ

---

[1] حضرت شُرحبیلؓ بن غیلانؓ اور ان کے تین چار بھائیوں کو اپنے والد سے پہلے ہی قبولِ اسلام کی سعادت حاصل ہو گئی۔ علامہ ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ حضرت شُرحبیلؓ بن غیلانؓ ثقفی نے ۶۰ھ ہجری میں وفات پائی۔ (اُسدُ الغابہ)

کو مختلف آلاتِ حرب (منجنیق، دبابہ، ضبور وغیرہ) بنانے اور استعمال کرنے کا فن سیکھنے کے لیے جرش بھیجا تھا جو اس زمانے میں اس قسم کا سامانِ حرب بنانے کا عرب میں سب سے بڑا مرکز تھا۔ بعض نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ انہوں نے قبولِ اسلام سے پہلے ہی اس فن یا صنعت کی تعلیم حاصل کر لی تھی (واللہ تعالیٰ اعلم)

خلیفۃ الرسول سیّدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی خلافت کے پہلے سال فتنۂ ارتداد (الردّہ) نے زور باندھا تو حضرت غیلانؓ بن سلمہ دوسرے اہلِ طائف کی طرح پوری ثابت قدمی سے اسلام پر قائم رہے اور اس خوفناک فتنے کا مطلق کوئی اثر قبول نہ کیا۔

حضرت غیلانؓ بن سلمہ نے امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے عہدِ خلافت کے آخر (۲۲ سنہ ہجری یا ۲۳ سنہ ہجری) میں وفات پائی۔ ایک روایت میں ہے کہ وفات سے پہلے انہوں نے اپنے بیٹوں کو بلایا اور ان کو وصیت کی کہ بیٹو! میں نے تمہاری دولت سے اچھا کام لیا اور تمہاری ماؤں کو بہت عزت اور آرام سے رکھا لہٰذا تم بھی اب شریف بیبیوں کے ساتھ اچھا اور نیک سلوک کرنا۔

(۶)

حضرت غیلانؓ بن سلمہ کی اولاد کی تعداد کے بارے میں وثوق کے ساتھ کچھ کہنا مشکل ہے البتہ اربابِ سیر نے ان کی ایک بیٹی اور پانچ بیٹوں کا ذکر خصوصیت کے ساتھ کیا ہے۔ ان سب کو قبولِ اسلام کا شرف حاصل ہوا۔ بیٹی کا نام بادیہ تھا ان کا ذکر پیچھے آچکا ہے۔ بیٹوں کے نام عامرؓ، عمارؓ، شرحبیلؓ، نافعؓ اور عمروؓ تھے۔

عامرؓ، عمارؓ اور شرحبیلؓ کا ذکر پیچھے آچکا ہے۔ ان تینوں کو شرفِ صحابیت حاصل تھا۔ تینوں اپنے والد سے پہلے اسلام لائے۔ عامرؓ اور عمارؓ کو ہجرت کی سعادت بھی حاصل ہوئی۔ دونوں نے عہدِ فاروقی میں شام میں

رومیوں کے خلاف کئی معرکوں میں حصہ لیا۔ حضرت عامرؓ نے طاعونِ عمواس میں وفات پائی، اس وقت حضرت غیلانؓ حیات تھے۔ حضرت عامرؓ کے سالِ وفات کے بارے میں کُتُبِ سِیَر خاموش ہیں۔ حضرت شرحبیلؓ نے سنہ ۶۰ھ میں وفات پائی۔

حضرت نافعؓ کو بھی شرفِ صحابیت حاصل ہوا۔ وہ کفّار کے خلاف ایک معرکے میں حضرت خالدؓ بن ولید کے ساتھ شریک ہوئے اور مردانہ وار لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ وہ دومۃ الجندل کے معرکے میں شہید ہوئے۔ حضرت غیلانؓ کو ان کی شہادت سے سخت صدمہ پہنچا اور انھوں نے ایک دلدوز مرثیہ کہا جس کے تین شعر یہ ہیں :-

(۱) مَا بَالُ عَيْنِيَ لَا تُغْمِضُ سَاعَةً
اِلَّا اعْتَبَرَتْنِي عَبْرَةٌ تَغْشَانِي

(۲) يَا نَافِعُ مَنْ لِلْفَوَارِسِ اَحْجَمَتْ
عَنْ شِدَّةٍ مَذْكُوْرَةٍ وَطِعَانٍ

(۳) لَوِ اسْتَطِيْعُ جَعَلْتُ مِنِّيْ نَافِعًا
بَيْنَ اللَّهَاةِ وَبَيْنَ عَقْدِ لِسَانِيْ

(ترجمہ)

(۱) میری آنکھوں کو کیا ہو گیا ہے کہ ایک دم بھی بند نہیں ہوتیں مگر یہ کہ آنسوؤں کی جھڑی بندھ جاتی ہے (۲) اے نافع! شہسواروں میں کون ایسا تھا جس نے اس شدت سے دشمن پر نیزے سے حملہ کیا ہو (۳) (اے نافع) اگر ممکن ہوتا تو میں تجھے اپنے حلق اور زبان کے درمیان چھپا لیتا۔

حضرت غیلانؓ کے پانچویں بیٹے حضرت عمروؓ کے بارے میں اختلاف ہے کہ وہ صحابی تھے یا تابعی۔ ان کی کنیت ابو عبداللہ تھی۔ ان کے بیٹے عبداللہ امیر معاویہؓ کے مشہور حامیوں میں سے تھے۔ حضرت عمروؓ کا سالِ وفات کسی نے بیان نہیں کیا۔

حضرت فِراسؓ بن النَّضر عبدری

(۱)

قریش کے خاندان "بنو عبدالدّار" سے تھے۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:—

فِراسؓ بن نضر بن حارث بن علقمہ بن کلدہ بن عبدِمناف بن عبدالدار بن قصیّ

والدہ کا نام زینب تھا اور ان کا تعلق بنو تمیم سے تھا۔ نباش بن زرارہ بن اسد بن عمرو بن تمیم کی بیٹی تھیں۔ حضرت فِراسؓ کا باپ نضر بن حارث اشرارِ قریش میں سے تھا اور اس نے دعوتِ توحید کو ناکام بنانے کے لیے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔ سیرۃ ابن ہشام میں ہے کہ یہی وہ شخص تھا جس نے مشرکین قریش کے سامنے یہ تجویز پیش کی تھی کہ دعوتِ توحید اور قرآن کے مقابلے میں عجم سے رُستم و اسفندیار کے قصے لاکر پھیلائے جائیں تاکہ لوگ ان کی طرف راغب ہوں اور قرآن سے اعراض کریں چنانچہ کچھ عرصہ تک اس تجویز پر بڑے اہتمام سے عمل کیا گیا اور خود نضر نے داستان گوئی شروع کردی۔

ایک اور روایت میں ہے کہ نضر نے اس مقصد کے لیے گانے والی لونڈیاں بھی خریدی تھیں جس کسی کے بارے میں وہ سنتا کہ وہ رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی دعوت سے متاثر ہو رہا ہے اس پر اپنی کوئی لونڈی مسلّط کر دیتا اور اس سے کہتا کہ اسے خوب کھلا پلا اور گانا سُنا تاکہ تیرے ساتھ مشغول ہو کر اس کا دل ادھر سے ہٹ جائے۔

(تفہیم القرآن بحوالہ اسباب النّزول)

نضر بن حارث غزوۂ بدر میں مشرکین کے لشکر میں شریک ہو کر مسلمانوں سے لڑنے گیا۔ وہاں مسلمانوں کے ہاتھ گرفتار ہو گیا اور آنحضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے حکم سے قتل کیا گیا۔ خدا کی قدرت اسی نضر کے گھر میں فِراسؓ جیسے سلیم الفطرت نوجوان پیدا ہوئے۔ انھوں نے باپ کی اسلام دشمنی کے علی الرّغم دعوتِ توحید کے بالکل

ابتدائی زمانے میں اس پر لبیک کہا۔ ایک روایت کے مطابق وہ دعوتِ حق کے ابتدائی اڑھائی سالوں کے اندر کسی وقت شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہوئے۔

(۲)

۴؁ھ ہجری کے اوائل میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ (احکامِ الٰہی سنایئے اور مشرکین کی مخالفت کی پروا نہ کیجئے) کے حکمِ الٰہی کے مطابق دعوتِ عام کی ابتداء فرمائی تو مشرکینِ مکّہ آتش زیر پا ہو گئے اور انہوں نے اہلِ حق پر بے پناہ مظالم ڈھانے شروع کر دیئے۔ ۵؁ھ بعدِ بعثت میں حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے مظلوم مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے کا حکم دیا۔ چنانچہ اسی سال مسلمانوں کا ایک مختصر قافلہ مکّہ سے ہجرت کر کے حبش چلا گیا۔ اس سے اگلے سال (۶؁ھ بعدِ بعثت میں) اہلِ حق کے ایک بڑے قافلے نے حبش کی طرف ہجرت کی۔ اس قافلے میں حضرت فراسؓ بن النضر بھی شامل تھے۔ حضرت فراسؓ کب تک حبش میں مقیم رہے اور کب وہاں سے واپس آئے۔ اس کے بارے میں کُتُبِ سیر خاموش ہیں۔ ان کی مدنی زندگی کے حالات بھی پردۂ خفا میں ہیں۔ ان کا نام دوبارہ اس وقت منظرِ عام پر آتا ہے جب وہ حضرت عمرؓ فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں شام کے میدانِ جہاد میں پہنچے اور رومیوں کے خلاف کئی معرکوں میں دادِ شجاعت دی۔ اسی سلسلے میں یرموک کی مشہور لڑائی میں بھی بڑے جوش اور جذبے کے ساتھ شریک ہوئے اور مردانہ وار لڑتے ہوئے رتبۂ شہادت پر فائز ہوئے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت فروہ رضؓ بن عمرو انصاری

(۱)

خزرج کے خاندان بیاضہ سے تھے اس لیے ان کو بیاضی بھی کہا جاتا ہے۔

نسب نامہ یہ ہے:

فروہؓ بن عمرو بن ودفہ بن عبید بن عامر بن بیاضہ بن عامر بن زریق بن عبد حارثہ بن مالک بن غضب بن جشم بن خزرج الاکبر۔

ہجرت نبوی سے پہلے قبولِ اسلام کی سعادت حاصل کی۔ پھر ۱۳ سنہ نبوت میں مدینہ کے دوسرے اہلِ ایمان کے ساتھ مکہ جاکر عقبہ کی گھاٹی میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کا شرف حاصل کیا۔ یہی وہ مردانِ حق تھے جنہوں نے حضورؐ کو اس عہد کے ساتھ مدینہ تشریف لانے کی دعوت دی کہ ہم اپنی جانیں مال اور اولاد قربان کر دیں گے مگر یہ گوارا نہ کریں گے کہ آپؐ پر کوئی آنچ آئے۔ اس مقصد کے لیے اگر ہمیں سارے عرب سے بھی لڑنا پڑے تو ہم اس سے منہ نہیں موڑیں گے۔ ان اصحاب کو اہلِ عقبہ کہا جاتا ہے جو فضائل و مناقب کے اعتبار سے جمہور علماء اہلِ سنتہ وجماعتہ کے نزدیک بالاتفاق خلفائے راشدینؓ، ازواجِ مطہراتؓ اور مہاجرین اوّلین کے بعد تمام صحابہ سے افضل ہیں۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے ہجرت فرمائی تو پہلے آپؐ کا نزولِ اجلال قبا میں ہوا۔ صحیح بخاری کے مطابق وہاں آپؐ کا قیام چودہ دن رہا۔ اس کے بعد آپؐ خاص شہر مدینہ میں داخل ہوئے تو شہر کے اہلِ ایمان نے آپؐ کا انتہائی پُرجوش استقبال کیا۔ آپ جس محلے سے گزرتے وہاں کے عمائد اہلاً وسہلاً کہتے اور سب قیام کے لیے اپنا اپنا مکان پیش کرتے۔ بنو بیاضہ کے محلے سے

گزرے تو حضرت فروہؓ بن عمرو اور حضرت زیادؓ بن لبید بیاضی نے آپؐ کی راہ میں آنکھیں بچھا دیں اور آپؐ کو اپنے گھر میں قیام فرمانے کی دعوت دی مگر حضورؐ ان کا شکریہ ادا کر کے آگے بڑھ گئے کیونکہ آپؐ کی میزبانی کا شرف اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوایوب انصاریؓ کے مقدر میں لکھ رکھا تھا۔

(۲)

ہجرت کے پانچ ماہ بعد سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے حضرت انسؓ بن مالک (خادمِ رسول اللہؐ) کے مکان میں مہاجرین اور انصار کو جمع کیا اور ان میں برادری (مواخاۃ) قائم فرمائی۔ ان بزرگوں کی تعداد بہ اختلاف روایت ۹۰ یا ۱۰۰ تھی۔ ان میں نصف مہاجرین اور نصف انصار تھے۔ آپؐ نے حضرت فروہؓ بن عمرو کو جلیل القدر مہاجر صحابی حضرت عبداللہؓ بن مخرمہ عامری کا (مواخاتی) بھائی بنایا۔ ؎

غزوات کا آغاز ہوا تو سب سے پہلے بدر الکبریٰ کے میدان میں حضرت فروہؓ بن عمرو

؎ سیّدنا حضرت عبداللہؓ بن مخرمہ کا تعلق قریش کے خاندان عامر بن لُوَیّ سے تھا۔ نسب نامہ یہ ہے:- عبداللہؓ بن مخرمہ بن ابی قیس بن عبدِ ودّ بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر لُوَیّ۔ دعوتِ حق کی ابتدا میں سعادت اندوزِ اسلام ہوئے۔ ۶ سنہ بعدِ بعثت میں ہجرتِ حبشہ کا شرف حاصل کیا وہاں سے حضورؐ کی ہجرت الی المدینہ سے کچھ عرصہ پہلے مکّہ واپس آ گئے اور پھر مکّہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ بدر، اُحد اور خندق وغیرہ تمام غزوات میں حضورؐ کے ہم رکاب رہے۔ حضرت عبداللہؓ کا دل ہر وقت شوقِ شہادت سے بے تاب رہتا تھا اور ان کی زبان پر ہمیشہ یہ دعا جاری رہتی تھی: "الٰہی مجھ پر اس وقت تک موت وارد نہ فرما جب تک میرا ایک ایک بند تیری راہ میں زخموں سے چور چور نہ ہو جائے۔" سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی رحلت کے بعد سیّدنا صدیقِ اکبرؓ کے عہدِ خلافت میں فتنۂ ارتداد کی آگ بھڑکی تو حضرت عبداللہؓ اس کے استیصال کے لیے جانے والے ایک جیش میں شامل ہو گئے اور مرتدوں کے خلاف مردانہ وار لڑتے ہوئے شہادت پائی۔ شہادت سے پہلے ان کا ایک ایک بند زخموں سے چور ہو چکا تھا۔ یوں ان کی دلی آرزو پوری ہو گئی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

کی تلوار بے نیام ہوئی اور خرمنِ باطل پر برقِ خاطف بن کر گری۔ اس طرح اُن کو اصحابِ بدر میں شامل ہونے کا مہتم بالشان شرف بھی حاصل ہو گیا۔ بدر کے بعد وہ دوسرے تمام مشاہد میں بھی سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ہمراہ شریک رہے۔

حضرت فروہؓ کو رحمتِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے بڑی عقیدت اور محبت تھی اور وہ وقتاً فوقتاً بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر فیضانِ نبوی سے بہرہ یاب ہُوا کرتے تھے۔ حضورؐ بھی ان پر بہت شفقت فرماتے تھے۔ علّامہ ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ حضرت فروہؓ درختوں پر لگے ہوئے پھلوں کی مقدار کا اندازہ کرنے میں غیر معمولی مہارت رکھتے تھے۔ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم ان کو اہلِ مدینہ کے باغوں میں پھلوں کا تخمینہ لگانے کے لیے بھیجا کرتے تھے چنانچہ وہ کسی باغ میں جاتے تو خوشوں کا شمار کر لیتے تھے پھر ان میں باہم کچھ ضرب وغیرہ کے قواعد جاری کر کے جو حساب لگاتے تھے اس میں غلطی نہ ہوتی تھی۔

حضرت فروہؓ کے سالِ وفات کے بارے میں کُتُبِ سیر خاموش ہیں۔ البتہ بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ امیر المؤمنین حضرت عثمان ذوالنّورینؓ کے زمانہ خلافت میں حیات تھے اور بعض امور میں ان کو امیر المؤمنینؓ سے اختلاف تھا۔ قیاس یہ ہے کہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ یا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں وفات پائی۔

حضرت فروہؓ بن عمرو سے یہ حدیث مروی ہے کہ:

"رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا ہے کہ تم میں سے کوئی قرآن پڑھنے میں ایک دوسرے پر آواز بلند نہ کرے۔"

(اُسدُ الغابہ)

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت فروہ رضؓ بن مسیک مرادی

(۱)

فروہ نام اور ابو سبرہ کنیت۔ یمن کے مشہور قبیلہ بنی مراد کے چشم و چراغ تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:

فروہؓ بن مسیک (بروایتِ دیگر مسیکہ) بن حارث بن سلمہ بن حارث بن زوید بن مالک بن منبہ بن عطیف بن عبداللہ بن ناجیہ بن مراد

ان کو مرادی کے علاوہ عطیفی بھی کہا جاتا ہے۔ عطیف اور مراد دونوں ان کے اجداد میں سے تھے۔ (جیسا کہ ان کے شجرۂ نسب سے ظاہر ہے) فروہؓ اپنے قبیلے کے معزز اور صاحب حیثیت لوگوں میں سے تھے اور یمن میں وہ ایک اونچے درجے کے شاعر کی حیثیت سے بھی مشہور تھے۔ زمانۂ جاہلیت میں ان کے قبیلے بنی مراد اور بنی ہمدان میں ایک خونریز جنگ ہوئی تھی اس میں بنو ہمدان کو کامیابی ہوئی تھی اور انھوں نے قبیلہ مراد کے بہت سے لوگوں کو قتل کیا تھا۔ عرب میں یہ واقعہ "یوم الردم" کے نام سے مشہور تھا۔ حضرت فروہؓ نے اس واقعہ سے متعلق ایک نظم کہی جس کے کچھ اشعار یہ ہیں:

فَاِنْ نَغْلِبْ فَغَلَّابُوْنَ قِدْمًا وَاِنْ نُهْزَمْ فَغَيْرُ مُهْزَمِيْنَا وَمَا اِنْ طِبُّنَا جُبْنٌ وَ لٰكِنْ مَنَايَانَا وَ دَوْلَةُ آخَرِيْنَ كَذَاكَ الدَّهْرُ دَوْلَتُهُ سِجَالٌ تَكُرُّ صُرُوْفُهُ حِيْنًا فَحِيْنًا	اگر ہم غالب آئیں تو کوئی بات نہیں ہم ہمیشہ سے غالب آتے رہتے ہیں اور اگر مغلوب ہوں تب بھی ہم بھاگنے والے نہیں ہیں ہم نامرد نہیں ہیں مگر ہماری موت اور دوسرے کا اقبال ہو تو اس میں کیا اجارہ۔ دنیا کا یہی حال ہے کہ اقبال آج اس کے پاس ہے تو کل دوسرے کے پاس

فَلَوْ خَلَّدَ الْمُلُوْكُ اِذاً خَلَدْنَا | اگر بادشاہ ہمیشہ رہنے والے ہوتے تو ہم بھی ہمیشہ
وَلَوْ بَقِیَ الْکِرَامُ اِذاً بَقِیْنَا | رہتے اور اگر اچھے لوگ باقی رہنے والے ہوتے
تو ہم بھی باقی رہتے۔

(۲)

امام ابن اسحاقؒ کا بیان ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں حضرت فروہؓ کندہ کے مرادی بادشاہوں کے دربار سے وابستہ تھے۔ "یوم الردم" کے کچھ عرصہ بعد جب رسولِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے مبلّغین کے ذریعے ان تک اسلام کی دعوت پہنچی تو وہ ۱۰ھ ہجری میں شاہانِ کندہ کا دربار چھوڑ کر مدینہ منورہ پہنچے اور بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر یہ شعر کہے:-

لَمَّا رَاَیْتُ مُلُوْکَ کِنْدَۃَ اَعْرَضُوْا
کَالرَّجُلِ خَانَ الرِّجْلَ عِرْقَ نِسَائِھَا
یَمَّمْتُ رَاحِلَتِیْ اَؤُمُّ مُحَمَّدًا
اَرْجُوْ فَوَاضِلَھَا وَحُسْنَ ثَرَائِھَا

(جب میں نے بادشاہانِ کندہ کو دیکھا کہ وہ اعراض کرتے ہیں جس طرح عرق النّساء میں ایک پاؤں دوسرے پاؤں سے اعراض کرتا ہے تو میں محمد (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) کے پاس قصد کر کے آیا تاکہ ان کے اخلاقِ حسنہ سے بہرہ مند ہوں۔)

جب وہ نعمتِ اسلام سے بہرہ یاب ہو چکے تو رسولِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ان سے پوچھا، اے فروہ! کیا تم کو اس سانحہ سے رنج ہوا جو تمہاری قوم کو "یوم الردم" میں پیش آیا؟

انہوں نے عرض کیا، یا رسول اللہؐ! کون ایسا شخص ہو گا جس کی قوم پر ایسا سانحہ گزر جائے جیسا میری قوم پر گزرا اور اس کو صدمہ نہ ہو۔

حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا، سُنو اس واقعہ سے تمہاری قوم کے لیے

اسلام میں اور خوبی پیدا ہو گئی۔ (بروایتِ دیگر۔ اس شکست نے اسلام میں تمہاری قوم کو فائدہ ہی پہنچایا۔)

ایک اور روایت میں ہے کہ رسولِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اس موقع پر حضرت فروہؓ سے پوچھا، اے فروہ! کیا تم کو وہ دن یاد ہے جب تمہارے قبیلے اور بنو ہمدان کے درمیان جنگ ہوئی تھی؟

انہوں نے عرض کیا، جی ہاں یاد ہے میرے تمام قریبی رشتہ دار اس میں ہلاک ہو گئے تھے۔

حضورؐ نے فرمایا، سنو! جو لوگ زندہ بچ گئے ان کے لیے وہ واقعہ اچھا رہا۔

(اُسُدُ الغابہ)

مولوی شاہ معین الدین احمد ندوی مرحوم نے "سیر الصحابہ" حصہ ہفتم میں "طبقات ابن سعد" کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت فروہؓ کے قبولِ اسلام کے بعد رسولِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ان کو قبائل مراد، زبید اور مذحج کا عامل بنایا اور حضرت سعیدؓ بن العاص کو ان کا شریک کار بنایا لیکن ہمارے نزدیک حضرت سعیدؓ بن العاص کو ان کا شریکِ کار بنانے کی روایت صحیح نہیں کیونکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت حضرت سعیدؓ بن عاص نابالغ تھے (ان کا شمار کم سن صحابہ میں ہوتا ہے) اس لیے حضورؐ کی طرف سے ان کو ایک اہم منصب پر فائز کیے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

حضرت سعیدؓ بن العاص کے کارناموں کا آغاز حضرت عثمان ذُوالنّورینؓ کے عہدِ خلافت میں ہوا۔ ہمارا قیاس ہے کہ ابن سعد حضرت خالدؓ بن سعید (سعیدؓ بن عاص کے چچا) کی جگہ سعید بن عاص کا نام لکھ گئے۔ فی الحقیقت یہ حضرت خالدؓ بن سعید تھے جن کو حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے صنعاء (یمن) کا والی بنا کر بھیجا تھا۔

(۳)

جامع ترمذی میں خود حضرت فروہؓ بن مسیک سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ! اگر اجازت ہو تو میں اپنی قوم کے مسلمانوں کو ساتھ لے کر اپنی قوم کے کافروں سے قتال کر دوں ـــــ آپؐ نے فرمایا، ضرور کرو ـــ اس کے بعد میں آپؐ کے پاس سے چلا آیا۔ میرے آنے کے بعد آپؐ نے لوگوں سے پوچھا کہ وہ عطیفی کہاں ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ وہ تو چلے گئے۔ اس پر آپؐ نے ایک آدمی میرے پیچھے دوڑایا وہ مجھے واپس حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں لے گیا، اس وقت آپ کے اردگرد بہت سے اصحاب کا مجمع تھا۔ آپؐ نے مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"پہلے اپنی قوم کو (نرمی سے) اسلام کی دعوت دینا۔ جو شخص اسلام لے آئے اس کا اسلام قبول کر لینا اور جو انکار کرے اس پر جلدی نہ کرنا (یعنی اس سے لڑائی نہ چھیڑ دینا) یہاں تک کہ میں تم کو کوئی حکم بھیجوں (یعنی اسلام سے انکار کرنے والوں کے بارے میں میری دوسری ہدایت کا انتظار کرنا)

اسی اثنا میں ایک شخص نے پوچھا، یا رسول اللہؐ! سبا کسی مقام کا نام ہے یا کسی عورت کا۔ آپؐ نے فرمایا، یہ نہ کسی مقام کا نام ہے اور نہ کسی عورت کا بلکہ وہ ایک مرد کا نام ہے جس کے دس بیٹے تھے۔ چھ ان میں سے بھلے اور چار بدنصیب تھے۔ چھ جو بھلے تھے یمن چلے گئے ان کے نام یہ ہیں، ازد، اشعر، حِمیَر، کندہ، مذحج اور انمار۔ چار جو بدنصیب تھے شام چلے گئے ان کے نام یہ ہیں، لخم، جُذام، غسّان اور عاملہ ـــــ ایک شخص نے پوچھا کہ انمار کون تھا۔ آپؐ نے فرمایا جس کی اولاد میں قبیلہ خثعم اور بجیلہ ہیں۔"

اس کے بعد میں نے اپنے وطن کو مراجعت کی۔

حضرت فروہؓ وطن جا کر بڑی تندہی سے تبلیغ اسلام میں مشغول ہو گئے اور اپنے قبیلے کے بہت سے لوگوں کو حلقہ بگوشِ اسلام کیا۔ حضور صلّی اللہ علیہٖ وسلّم کی رحلت کے بعد سیّدنا صدیق اکبرؓ سریر آرائے خلافت ہوئے تو عرب کے طول و عرض میں فتنۂ ارتداد کے شعلے بھڑک اٹھے۔ قریش، بنو ثقیف اور انصارِ مدینہ کے سوا شاید ہی کوئی قبیلہ بچا ہو جو اس فتنے سے محفوظ رہا۔ حضرت فروہؓ اس دورِ فتنہ میں پوری استقامت سے اسلام پر قائم رہے اور دوسرے لوگوں کو فتنے میں ملوّث ہونے سے بچانے کی کوشش کی پھر بھی کچھ نہ کچھ لوگ اس سے متاثر ہو گئے ان میں بنی زبید کے نامور شہسوار عمرو بن معدی کرب بھی تھے۔ حضرت فروہؓ نے ان کی ہجو میں سخت طنزیہ اشعار کہے۔ جلد ہی عمرو بن معدی کرب اسلامی لشکر کے ہاتھ گرفتار ہو گئے۔ جب انہیں بارگاہِ صدیقی میں پیش کیا گیا تو انہوں نے اپنے کیے پر سخت ندامت کا اظہار کیا اور معافی کے خواستگار ہوئے۔ سیّدنا صدیق اکبرؓ نے انہیں معاف کر دیا۔ اس کے بعد حضرت عمروؓ بن معدی کرب نے ساری زندگی اسلام کی خدمت کرتے ہوئے گزاری۔

حضرت فروہؓ بن مسیک کے سالِ وفات کے بارے میں اربابِ سیر خاموش ہیں۔ حضرت فروہؓ اگرچہ اواخرِ عہدِ رسالت میں ایمان لائے پھر بھی ان سے مروی کچھ احادیث جامع ترمذی اور سُننِ ابی داؤد میں موجود ہیں۔ ان میں انہوں نے اپنے قبولِ اسلام کا واقعہ (مختلف پیرایوں میں) بیان کیا ہے ان سے ابو سبرہ نخعیؒ اور شعبیؒ نے روایت کی ہے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

حضرت فضالہ لیثیؓ

(۱)

قبیلہ بنی لیث بن بکر بن عبد مناۃ سے تھے۔ ان کے والد کے نام اور نسب کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض ارباب سِیَر نے والد کا نام وہب لکھا ہے، بعض نے عمیر اور بعض نے عبداللہ۔ عام طور پر ان کا نسب نامہ اس طرح بیان کیا جاتا ہے:

فضالہؓ بن وہب بن بجرہ بن بجیرہ بن مالک بن عامر لیثی۔

بقول ابنِ اثیرؒ بعض نے ان کو فضالہؓ بن عمیر بن ملوح لیثی لکھا ہے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

(۲)

ایک مشہور روایت کے مطابق حضرت فضالہؓ نے فتح مکّہ کے بعد اسلام قبول کیا۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم انہیں پہلے سے جانتے تھے اور ان کی سکونت مکّہ ہی میں تھی۔ (غالباً قریش کے کسی خاندان کے حلیف تھے) دوسرے کفّار کی طرح وہ بھی رسول اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے سخت بُغض رکھتے تھے۔ فتح مکّہ کے بعد بظاہر انہوں نے اسلام قبول کر لیا مگر حضورؐ کے خلاف معاندانہ جذبات ان کے سینے میں بدستور موجزن رہے چنانچہ جس وقت حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم خانۂ کعبہ کا طواف کر رہے تھے، فضالہؓ آپؐ کو شہید کرنے کے ارادہ سے آپ کی طرف بڑھے۔ حضورؐ کے قریب پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو ان کے ارادہ سے مُطلع کر دیا۔ آپؐ نے معاً فرمایا ـــــ فضالہ ہے؟

انہوں نے کہا۔ "ہاں یا رسول اللہ"

آپؐ نے پوچھا۔ "ابھی تم دل میں کیا ارادہ کر رہے تھے؟"
انہوں نے کہا۔ "کچھ نہیں، اللہ بزرگ و برتر کو یاد کر رہا تھا۔"
ان کا یہ بناوٹی جواب سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہنس دیئے اور استغفر اللہ کہہ کر ان کے سینے پر اپنا دستِ مبارک رکھا۔

اس سے فضالہ کو یوں محسوس ہوا کہ ان کے سینے میں بغض و عناد کا الاؤ بجھ گیا ہے، اور اس کی جگہ سکون و اطمینان نے لے لی ہے۔ ان کا بیان ہے کہ ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دستِ مبارک نہ ہٹایا تھا کہ میرے دل میں آپؐ سے بے پناہ محبت پیدا ہو گئی اور تمام خلقِ خدا میں آپؐ سے بڑھ کر کوئی ہستی میری محبوب نہ رہی۔

سعادت اندوزِ اسلام ہونے سے پہلے حضرت فضالہؓ کی ایک عورت سے آشنائی تھی۔ جب سچے دل سے اسلام قبول کر لیا تو ایک روز گھر کی طرف جا رہے تھے کہ راستے میں اس عورت نے انہیں بلایا، انہوں نے اس سے ملنے سے صاف انکار کر دیا اور یہ اشعار پڑھتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔

(۱) قَالَتْ هَلُمَّ إِلَى الْحَدِيثِ فَقُلْتُ لَا
يَأْبَى عَلَيْكِ اللّٰهُ وَالْإِسْلَامُ

(۲) لَوْ مَا رَأَيْتِ مُحَمَّدًا وَجُنُودَهُ
بِالْفَتْحِ يَوْمَ تُكَسَّرُ الْأَصْنَامُ

(۳) لَرَأَيْتِ دِينَ اللّٰهِ أَضْحَى بَيِّنًا
وَالشِّرْكُ يَغْشَى وَجْهَهُ الْإِظْلَامُ

ترجمہ

(۱) اس نے کہا، آؤ بات چیت کریں۔ میں نے کہا نہیں اللہ اور اسلام نے مجھے اس سے منع کر دیا ہے۔

(۲) اگر تم محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے لشکر کو فتح کے دن دیکھتی جب

بتوں کو پاش پاش کیا جا رہا تھا۔

(۳) تو تم کو نظر آتا کہ اللہ کا دین ہمارے سامنے بالکل واضح ہو گیا اور شرک کے چہرے کو تاریکیوں نے چھپا لیا۔ (سیرۃ ابن ہشام)

(۳)

حضرت فضالہؓ کے شرف اسلام سے بہرہ ور ہونے کے بعد ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں احکام دین کی تعلیم دی۔ حضرت فضالہؓ کا اپنا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن باتوں کی مجھے تعلیم دی ان میں ایک بات یہ تھی کہ پانچوں وقت کی نماز پابندی سے پڑھو۔ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ مجھے ان اوقات میں بہت کام رہتے ہیں لہٰذا مجھے کوئی ایسی بات بتا دیجئے کہ جس کو میں کر لیا کروں اور وہ میرے لیے کافی ہو۔ آپؐ نے فرمایا، عصرین کی پابندی کرو۔ میں نے پوچھا، عصرین کا کیا مطلب ہے؟ آپؐ نے فرمایا، "نمازِ فجر اور نمازِ عصر" [۱]

حضرت فضالہؓ کے سالِ وفات کے بارے میں اربابِ سیر خاموش ہیں مگر انہوں نے انہیں بصری صحابہ میں شمار کیا ہے اس کا مطلب ہے کہ وہ سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں بصرہ آباد ہونے تک حیات تھے اور انہوں نے وہیں کی سکونت اختیار کر لی تھی۔ ان سے ان کے بیٹے عبداللہؓ نے روایت کی ہے۔ حضرت عبداللہؓ بن فضالہؓ کو بعض نے صحابہ میں شمار کیا ہے اور بعض کے نزدیک وہ تابعی ہیں عالم فاضل آدمی تھے اور بصرہ میں عہدۂ قضا پر بھی فائز رہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

---

[۱] شارحینِ حدیث نے لکھا ہے کہ اس حدیث کا یہ مطلب نہیں سمجھنا چاہیئے کہ باقی تین وقت کی نمازیں حضرت فضالہؓ کے لیے معاف کر دی گئی تھیں۔ کیونکہ نماز معاف نہیں ہوتی بلکہ مطلب یہ ہے کہ باقی تین نمازوں میں مستحب وقت کی رعایت نہ ہو سکے تو خیر مگر فجر اور عصر کی نمازوں میں مستحب وقت کی رعایت ضرور ہونی چاہیئے۔ دوسری بات یہ ہے کہ حضرت فضالہؓ نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے تھے اور حضورؐ نومسلموں کو بعض امور میں رعایت دے دیا کرتے تھے مقصد یہ تھا کہ جب اسلام ان کے دلوں میں راسخ ہو گا تو خود بخود تمام احکام پر پابندی سے عمل کرنے لگیں گے۔

حضرت فیروز دیلمیؓ

(۱)

فیروز نام اور ابو عبداللہ یا ابو عبدالرحمٰن کنیت تھی۔ ارباب سیر نے ان کا نسب نامہ بیان نہیں کیا اور ان کے خاندان کے بارے میں مختلف قیاس آرائیاں کی ہیں۔ بعض نے لکھا ہے کہ وہ نجاشی (شاہ حبشہ) کے بھانجے تھے۔ حبشہ سے ہجرت کر کے مدینہ منوّرہ آئے اور بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا پھر یمن جا کر آباد ہو گئے۔ بعض نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ وہ حمیری تھے کیونکہ حمیری قبائل کے ساتھ رہتے تھے۔ بعض کا بیان ہے کہ وہ نسلاً عجمی (ایرانی یا فارسی) تھے اور یمن کے "ابناء" میں سے تھے۔ "ابناء" ان لوگوں کو کہتے تھے جو ایران کے شاہی اور بعض دوسرے معزز خاندانوں سے تعلق رکھتے تھے اور نقلِ وطن کر کے یمن میں آباد ہو گئے تھے۔ ان کو اہلِ یمن بڑی عزت و احترام کی نظر سے دیکھتے تھے۔ جمہور مؤرخین نے مؤخر الذکر روایت کو ترجیح دی ہے۔

(۲)

اہلِ سیر نے حضرت فیروزؓ کے قبولِ اسلام کا زمانہ متعین نہیں کیا۔ البتہ ان کے شرفِ صحابیت پر سب کا اتفاق ہے۔ وہ مدنی دورِ رسالت میں کسی وقت ایک وفد میں صنعاء (یمن) سے مدینہ منوّرہ آئے اور دربارِ رسالت میں حاضر ہو کر سعادت اندوزِ ایمان ہو گئے۔ ان کے قبولِ اسلام کے وقت دو حقیقی بہنیں ان کے نکاح میں تھیں۔ انہوں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ! میں اب مسلمان ہو گیا ہوں اور میری دو بیویاں آپس میں حقیقی بہنیں ہیں ان کے بارے میں کیا ارشاد ہے۔ آپؐ نے

فرمایا، ان دونوں میں سے ایک کو رکھ لو اور دوسری کو الگ کردو۔ (اُسدُالغابہ)

اس کے بعد حضرت فیروزؓ نے عرض کیا:

"یارسول اللہؐ! ہمارے ملک (صنعاء) میں انگور بہت پیدا ہوتا ہے (اور اس کی شراب بنائی جاتی ہے) لیکن (مسلمانوں کے لیے) شراب حرام ہو چکی ہے اب ہم انگور کی پیداوار کو کس کام میں لائیں۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، انہیں خشک کر لیا کرو۔

انہوں نے عرض کیا، خشک کرنے کے بعد ان کو کیا کریں۔

آپؐ نے فرمایا، صبح کو (پانی میں) بھگو دیا کرو اور شام کو پی لیا کرو۔ اور شام کو بھگو کر صبح کو پی لیا کرو۔

یہ سوال وجواب ہو چکے تو حضرت فیروزؓ نے عرض کیا:

"یارسول اللہؐ! آپؐ مجھے بھی جانتے ہیں اور میرے قبیلے کو بھی۔ یہ فرمائیے کہ ہمارا والی (رفیق) کون ہے؟

آپؐ نے فرمایا۔ "اللہ اور اس کا رسول"

حضرت فیروزؓ نے عرض کیا، تو بس ہمارے لیے یہ کافی ہے۔

(مُسند احمد جلد ۴)

قبولِ اسلام کے بعد حضرت فیروزؓ نے چند دن مدینہ منورہ میں قیام کیا اور پھر وطن کو مراجعت کی۔ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ۹ھ ہجری یا ۱۰ھ ہجری کا ہے۔

(۳)

عہدِ رسالت (۱۰ھ ہجری) کے اواخر میں یمن کے ایک شخص اَلاَسْوَدُ العنسی نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کر دیا۔ اس کا اصل نام عبیلہ (یا عبہلہ) تھا اور وہ یمن کے قبیلہ مذحج کی شاخ عنس سے تعلق رکھتا تھا۔ اس شخص نے اسلام قبول کر لیا تھا مگر بعد میں اس کے دماغ میں نہ جانے کیا خناس سمایا کہ وہ مرتد ہو کر نبوت

کا دعویدار بن بیٹھا اور قبیلہ مذحج کو ساتھ ملا کر (یمن پر) اسلامی اقتدار کے خلاف عَلَمِ بغاوت بلند کر دیا۔ اسود عنسی بڑا کاہن، شعبدہ باز اور لسّان تھا اور لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنے کا خاص ملکہ رکھتا تھا۔ اس زمانے میں آنحضورصَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے یمن کے مختلف حصوں پر جو عُمّال مقرر کر رکھے تھے ان کے نام یہ ہیں :۔

صنعاء ——— شہرؒ بن باذان

نجران ——— حضرت عمروؓ بن حزم انصاری

مارب ——— حضرت ابو موسٰی اشعریؓ

جند ——— حضرت یعلیٰؓ بن امیّہ

نجران و زبید کا درمیانی علاقہ ——— حضرت خالدؓ بن سعید بن العاص

علاقہ عک و اشعریین ——— حضرت طاہرؓ بن ابی ہالہ

سکون و سکاسک ——— حضرت عکاشہؓ بن ثور

علاقہ مراد ——— حضرت فروہؓ بن مسیک

حضر موت ——— حضرت زیادؓ بن لبید

اسود عنسی نے سب سے پہلے نجران پر حملہ کر کے اس پر قبضہ کر لیا اور حضرت عمروؓ بن حزم اور حضرت خالدؓ بن سعید بن عاص کو نجران اور اس کے نواحی علاقوں سے نکال دیا۔ اس کے بعد اس نے سات سو سواروں کے ساتھ صنعاء پر دھاوا بول دیا۔ شہرؒ بن باذان اس کا مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہو گئے اور اسود عنسی نے صنعاء پر قبضہ کر کے شہر بن باذان کی بیوہ آزاد کو اپنے گھر میں ڈال لیا۔ پھر اس نے حضرت فروہؓ بن مسیک کو علاقہ مراد سے نکلنے پر مجبور کر دیا۔ مختصر یہ کہ اسود عنسی نے یمن کے ایک وسیع حصے پر قبضہ کر لیا اور وہاں کی فضا مسلمانوں کے لیے سخت ناساز گار ہو گئی۔ حضرت خالدؓ بن سعید اور حضرت عمروؓ بن حزم نے مدینہ مُنَوَّرہ پہنچ کر رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو یمن کے حالات کی اطلاع دی تو آپؐ نے وبرؓ بن یحنس کے ذریعے حضرت ابو موسٰی اشعریؓ، حضرت

طاہرؓ بن ابی ہالہ اور حضرت معاذؓ بن جبل کو جو یمن کے بعض پہاڑوں میں پناہ گزین تھے، حکم بھیجا کہ جو لوگ اسلام پر ثابت قدم ہیں ان کو ساتھ لے کر اسود عنسی کے خلاف جہاد کرو ــــــ اس سلسلے میں ایک مہم حضرت قیسؓ بن ہبیرہ کی سرکردگی میں بھی صنعاء کی طرف بھیجی گئی۔ ایک روایت کے مطابق قیس کی فوج میں حضرت فیروزؓ بھی شامل تھے۔ دوسری روایت میں ہے کہ حضرت قیسؓ صنعاء کے قریب پہنچے تو انہیں معلوم ہوا کہ وہاں کے ابناء اسود عنسی کی بدسلوکی کی وجہ سے اس سے سخت ناراض ہیں۔ چنانچہ انہوں نے حضرت فیروزؓ سے مل کر اسود کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا۔ حضرت فیروزؓ، شہر بن باذانؒ کی بیوہ آزاد کے چچازاد بھائی تھے۔ (آزاد کو اس زمانے میں اسود نے زبردستی اپنے گھر میں ڈال رکھا تھا) حضرت فیروزؓ خفیہ طور پر آزاد سے ملے اور اس سے کہا کہ اسود نے تیرے شوہر اور قوم کے لوگوں کو قتل کیا ہے تجھ پر ان کا انتقام لینا فرض ہے۔ آزاد نے قسم کھا کر کہا کہ میں اسود سے ضرور بدلہ لوں گی۔ اس طرح آزاد کو ساتھ ملا کر فیروزؓ، قیسؓ بن ہبیرہ اور دازدید نامی ایک اور ایرانی امیر رات کو ایک خفیہ راستے سے اسود عنسی کے گھر میں گھس گئے۔ اسود عنسی شراب کے نشے میں مدہوش پڑا تھا۔ حضرت فیروزؓ نے اس کو محافظوں کی نظر بچا کر قتل کر ڈالا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت فیروزؓ نے تلوار کے وار سے اس کو شدید زخمی کر دیا اور قیسؓ نے ان کا سر تن سے جدا کر دیا۔

علامہ بلاذریؒ نے "فتوح البلدان" میں لکھا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ اسود کے قتل کا سہرا حضرت فیروزؓ کے سر باندھتے تھے اور فرماتے تھے کہ اس شیر (فیروزؓ) نے اسود کو قتل کیا ہے۔

(۴)

اسود عنسی کے قتل کے بعد قیسؓ بن ہبیرہ شہر کی فصیل پر چڑھ گئے اور بآوازِ بلند اعلان کیا کہ محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اللہ کے سچے رسول ہیں اور اسود العنسی کذاب تھا اللہ نے اسے ہلاک کر ڈالا ہے۔ یہ سن کر اسود کے اکثر پیروؤں کے

حوصلے پست ہو گئے اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے البتہ کچھ شریروں نے مقابلہ کیا، مسلمانوں نے ان سب کو ختم کر ڈالا۔ اس طرح صنعاء اور نجران کا علاقہ مرتدین سے صاف ہو گیا اور اس پر اسلامی اقتدار بحال ہو گیا۔

یہ واقعہ رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی وفات سے پانچ دن پہلے پیش آیا، اور حضورؐ کو اس کی خبر وحی کے ذریعے ہو گئی۔ علامہ ابن عبد البرؒ نے "الاستیعاب" میں لکھا ہے کہ اسود کے قتل کے دوسرے دن فجر کے وقت حضورؐ نے اپنی زبانِ وحی ترجمان سے ارشاد فرمایا:

"کل ایک مبارک گھرانے کے ایک مبارک (نیک) آدمی نے اسود کو قتل کر ڈالا۔"

اسود کے قتل کی باقاعدہ اطلاع قاصد کے ذریعے مدینہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے دس دن بعد پہنچی۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت فیروزؓ اسود عنسی کا سر لے کر حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے لیکن ابن اثیرؒ نے اس روایت کو غلط بتایا ہے۔

حضرت فیروزؓ نے امیر المؤمنین حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے عہدِ خلافت میں وفات پائی۔ ایک روایت میں ہے کہ وہ اس وقت فلسطین میں تھے اور بیت المقدس میں دفن ہوئے (الاصابہ) ان سے ان کے لڑکے عبداللہ اور ضحاک نے روایت کی ہے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت قبیصہؓ بن مُخارِق ہلالی

(۱)

ان کی کنیت ابوبشر تھی ۔ نسب نامہ یہ ہے :

قبیصہؓ بن مُخارِق بن عبداللہ بن شداد بن نہیک بن ہلال بن عامر بن صعصعہ ہلال بن عامر کی نسبت سے انہیں ہلالی اور عامر بن صعصعہ کی نسبت سے عامری کہا جاتا ہے ۔ بعض لوگوں نے ان کا تعلق قبیلہ بجیلہ سے بیان کیا ہے لیکن علامہ ابن اثیرؒ نے "اُسُدُ الغابہ" میں اسے غلط بتایا ہے ۔ ان کا شمار اہل بصرہ میں ہے ۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ قبیصہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔ انہوں نے آپؐ کو سلام کیا آپؐ نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا ، مرحبا ! اے قبیصہ تم اب آئے جب تمہارا سن زیادہ ہو گیا ، تمہاری ہڈیاں پتلی ہو گئیں اور موت تمہارے قریب آ گئی ۔ انہوں نے عرض کیا : ــــ " یارسول اللہؐ ! اب میں آپؐ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا ہوں مگر حاضر ہونے کی طاقت مجھ میں نہ تھی ۔ میری عمر بہت زیادہ ہو گئی ہے اور میری ہڈیاں پتلی ہو گئی ہیں ، موت کا وقت قریب ہے اور میں محتاج ہوں اور لوگوں کی نظر میں ذلیل ہوں ۔ آپ کے پاس آیا ہوں کہ آپ مجھے کچھ تعلیم فرمائیں جس سے اللہ دنیا و آخرت میں مجھے نفع دے اور زیادہ باتیں نہ بتایئے گا کیونکہ میں بوڑھا ہوں اور مجھ پر نسیان کا بہت غلبہ ہے ۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : ــــ " اے قبیصہ کیا کہا ذرا پھر کہو "

انہوں نے وہی باتیں دہرائیں جو پہلے کہہ چکے تھے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : ــــ

"قسم اس ذات کی جس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا ہے کہ یہاں تمہارے گرد جس قدر درخت اور پتھر ہیں سب تمہاری گفتگو سے رونے لگے۔"

اس کے بعد آپؐ نے فرمایا: صبح کو فجر کی نماز کے بعد تم یہ دعا چار مرتبہ پڑھ لیا کرو سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيْمِ وَبِحَمْدِهٖ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ اس دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ تمہیں چار چیزیں دنیا میں دے گا اور چار آخرت میں۔ دنیا کی چار چیزیں یہ ہیں کہ تم جنون، جذام، برص اور فالج سے محفوظ رہو گے۔[۱] اور آخرت کے لیے یہ دعا پڑھ لیا کرو اَللّٰهُمَّ اِنِّيْٓ اَسْئَلُكَ مِمَّا عِنْدَكَ وَافِضْ عَلَيَّ مِنْ فَضْلِكَ وَانْشُرْ عَلَيَّ مِنْ رَّحْمَتِكَ وَاَنْزِلْ عَلَيَّ مِنْ بَرَكَاتِكَ[۲] (اے میرے اللہ! بے شک میں تجھ سے اس چیز کا سوال کرتا ہوں جو تیرے پاس ہے اور تو مجھ پر اپنے فضل سے فیضان فرما اور مجھ پر اپنی رحمت کو پھیلا دے اور مجھ پر اپنی برکتیں نازل فرما۔)

---

[۱] ایک اور حدیث میں جو خود حضرت قبیصہؓ بن مخارق سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؐ نے فرمایا، تجھے کونسی ضرورت میرے پاس لائی ہے۔ میں نے عرض کیا کہ میرا سن زیادہ ہو گیا ہے اور میری ہڈیاں پتلی پڑ گئی ہیں۔ میں آپ کی خدمت میں اس غرض سے حاضر ہوا ہوں کہ آپؐ مجھ کو وہ بات سکھا دیں جس کے ذریعے اللہ مجھے نفع دے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تیرا گزر جس پتھر اور درخت اور جس مٹی پر ہوا ان سب نے اے قبیصہ! تیرے لیے مغفرت طلب کی ہے۔ جب تو صبح کی نماز پڑھے تو تین مرتبہ کہہ لے سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيْمِ وَبِحَمْدِهٖ۔ اس کی برکت سے تو اندھے پن، کوڑھ اور فالج سے محفوظ رکھا جائے گا۔" (مسند احمد بن حنبلؒ)

[۲] بعض جگہ اس دعا کے شروع کے الفاظ اس طرح منقول ہوئے ہیں:

اَللّٰهُمَّ اهْدِنِيْ مِنْ عِنْدِكَ

حضرت قبیصہؓ بن مخارق کے سالِ وفات کے بارے میں کُتبِ سِیَر خاموش ہیں البتہ بعض روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ حضرت عمرِ فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں بصرہ آباد ہونے تک حیات تھے۔

(۲)

حضرت قَبیصہؓ بن مخارق سے چھ احادیث مروی ہیں اور ان کا شمار راویانِ حدیث صحابہ کے طبقۂ پنجم میں ہوتا ہے۔ ان سے مروی احادیث میں سے دو یہاں درج کی جاتی ہیں:

(۱) میں نے ایک قرضہ کی ضمانت قبول کی (یعنی کسی کا ضامن ہونے کی وجہ سے مجھ پر چٹی پڑ گئی) پھر میں نے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں حاضر ہو کر قرضہ کی ادائیگی کے لیے (مدد کا) سوال کیا۔ آپؐ نے فرمایا، تھوڑے دن ٹھہرو، ہمارے پاس زکوٰۃ کا مال آنے والا ہے اس میں سے دلوا دیں گے۔ پھر آپؐ نے فرمایا، اے قبیصہ! سوال کرنا صرف تین آدمیوں کے لیے جائز ہے۔ ایک تو اس کے لیے جو کسی قرضہ کا ضامن ہو اس کو صرف اس قدر مانگنا جائز ہے کہ وہ اس سے قرضہ اتار سکے (یعنی چٹی پوری کر سکے) اس کے بعد پھر نہ مانگے۔ دوسرے اس شخص کو جو کسی آفت یا مصیبت میں مبتلا ہو جائے (حادثاتی طور پر کاروبار یا مال کی بربادی) اس کو صرف اس قدر مانگنا جائز ہے جس سے اس کی ضرورت پوری ہو جائے یا اس کی زندگی قائم رہ سکے۔ تیسرے اس شخص کو جس کو کوئی مصیبت پیش آئے مثلاً فاقہ اور اس کی قوم کے تین آدمی اس بات کی شہادت دیں کہ وہ فاقہ سے ہے تو ایسے شخص کے لیے بھی مانگنا جائز ہے صرف اس قدر جس سے وہ زندگی کو قائم رکھ سکے (یعنی گزر اوقات کر سکے) ان لوگوں کے سوا، اے قبیصہ کسی کو سوال کرنا جائز نہیں ہے اگر کوئی شخص ان صورتوں کے سوا سوال کرے گا تو یہ سوال حرام ہوگا اور وہ مالِ حرام کھائے گا۔

(مشکوٰۃ شریف بحوالہ مسلم)

(۲) رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے زمانہ میں سورج کو گہن لگا تو رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم گھبرائے ہوئے باہر تشریف لائے (اور اس گھبراہٹ کی وجہ سے آپ اپنی چادر مبارک بھی اچھی طرح اوڑھ نہیں سکے تھے بلکہ) آپؐ کی چادر مبارک زمین پر گھسٹ رہی تھی۔ میں (قَبِیْصَہ بِن مُخَارِق) اس دن مدینہ میں آپ کے ساتھ تھا۔ آپؐ نے دو رکعت نماز پڑھی اور اس میں بہت طویل قیام کیا۔ پھر آپؐ نماز سے فارغ ہوئے اور آفتاب اس اثناء میں معمول کے مطابق روشن ہو گیا تھا (یعنی سورج گہن سے نکل چکا تھا) تو آپؐ نے (لوگوں کو مخاطب کر کے) فرمایا، ان نشانیوں کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کے دلوں میں اللہ کا خوف پیدا ہو (اور وہ گناہوں سے بچیں) لہٰذا جب تم ایسی نشانیاں دیکھو تو اس طرح نماز پڑھو جیسی فرض نماز تم نے ابھی تھوڑی دیر پہلے پڑھی تھی (یعنی فجر کی نماز کی طرح دو رکعت نماز کسوف کے وقت بھی پڑھو) [۱]

(سُنَنِ ابی داؤد، سُنَنِ نسائی)

---

[۱] نمازِ کسوف کا ذکر کم و بیش بیس[۲] احادیث میں آتا ہے۔ یہ نماز رسول اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے غیر معمولی کیفیات کے ساتھ پڑھی۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ "میرا اندازہ ہے کہ آپؐ نے اس نماز کی ایک رکعت میں سورۂ بقرہ پڑھی اور دوسری میں آل عمران۔" یہ قرآن کی طویل ترین سورتیں ہیں۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بعض لوگ اس نماز میں تھک کر گر پڑے۔ بعض روایات میں ہے کہ بہت سے لوگ بے ہوش ہو گئے اور ان کے سروں پر پانی ڈالا گیا۔ کچھ اور غیر معمولی باتیں اس نماز میں یہ تھیں کہ آپ قیام کے دوران میں اللہ تعالیٰ کے حضور جھک گئے اور دیر تک رکوع میں رہنے کے بعد پھر کھڑے ہوئے اور قرأت کی اور اس کے بعد رکوع اور سجدہ کیا۔ بعض روایات میں ہے کہ

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

آپؐ اس طرح کئی دفعہ رکوع میں گئے۔ آپؐ نے قیام کے دوران ہاتھ اٹھا کر اللہ کی تسبیح وتہلیل اور تحمید وتکبیر کے ساتھ دیر تک دعا بھی کی۔ بعض روایات میں ہے کہ آپؐ نماز کے دوران میں ایک دفعہ پیچھے ہٹے اور پھر آگے بڑھے اور آپؐ نے ایک دفعہ دستِ مبارک آگے بڑھایا جس طرح کسی چیز کو لینے اور پکڑنے کے لیے ہاتھ بڑھایا جاتا ہے۔ پھر خطبہ میں آپؐ نے بتایا کہ اس وقت آپؐ کے سامنے عالمِ غیب کے بہت سے حقائق منکشف کیے گئے۔ آپؐ نے جنّت اور دوزخ کو اپنے سامنے دیکھا اور دوزخ کے نہایت ہیبت ناک اور لرزہ خیز مناظر دیکھے اور وہ کچھ دیکھا جو اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

اتفاق سے اسی دن حضورؐ کے صاحبزادے حضرت ابراہیمؓ فوت ہوئے تھے۔ آپؐ نے اپنے خطبہ میں اعلان فرمایا کہ اس سورج گہن کا تعلق میرے فرزند کی وفات سے ہرگز نہیں ہے۔ ایسا سمجھنا غلط فہمی اور توہم پرستی ہے اور اس سے بچنا چاہیے۔

یہ واقعہ ۱۰ھ ہجری کا ہے۔ (معارف الحدیث)

رضی اللہ تعالیٰ عنہ



حضرت قَرَظہؓ بن کعب انصاری

(۱)

قَرَظَہؓ نام اور ابو عمرو کنیت۔ قبیلہ خزرج کے خاندان حارث بن خزرج سے تھے۔

حافظ ابن عبدالبرؒ نے ان کا نسب نامہ اس طرح بیان کیا ہے:

قرظہؓ بن کعب بن ثعلبہ بن عمرو بن کعب بن الطنانہ خزرجی انصاری

مگر حافظ ابو نُعَیمؒ نے ان کا شجرۂ نسب اس طرح لکھا ہے:

قرظہؓ بن کعب بن عمر بن عامر بن زید مناۃ بن مالک بن ثعلبہ بن کعب بن خزرج بن حارث بن خزرج۔

والدہ کا نام خلیدہ (بروایتِ دیگر جندبہ) بنتِ ثابت بن سنان تھا۔

ہجرتِ نبوی کے بعد شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہوئے اور سب سے پہلے غزوۂ اُحُد میں شریک ہوئے۔ اس کے بعد غزوۂ خندق اور عہدِ رسالت کے دوسرے تمام غزوات میں بھی سرورِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا۔ غزوات میں شرکت کے علاوہ حضرت قَرَظہؓ مجالسِ نبوی میں بھی شریک ہوا کرتے تھے ــــ اور فیضانِ نبوی سے خوب بہرہ یاب ہوتے تھے۔

(۲)

سرورِ عالم صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وسلم کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ مسندِ نشین خلافت ہوئے تو حضرت قَرَظہؓ نے اپنے قبیلے کے دوسرے افراد کی طرح خوشدلی سے ان کی بیعت کرلی۔ خلافتِ صدیقی کا سارا زمانہ انھوں نے مدینہ منورہ ہی میں گزارا۔ عہدِ فاروقی میں بعض اربابِ سِیَر کے بیان کے مطابق وہ عراق کی فتوحات میں شریک رہے۔

امیر المؤمنین حضرت عُمَر فاروق ان کی بہت قدر کرتے تھے اور ان کو فُضَلاءِ صحابہ میں شمار کرتے تھے۔ سنہ ۲۰ ہجری (بروایتِ دیگر سنہ ۲۱ ہجری) میں امیر المؤمنین رض نے حضرت عمار بن یاسر رض کو کوفہ کا امیر اور حضرت عبداللہ رض بن مسعود کو وہاں کا قاضی، مُعلّم اور افسر خزانہ بنا کر بھیجا تو ان کے ساتھ انصار کے دس اصحاب بھی اہل کوفہ کی تعلیم کے لیے بھیجے۔ ان میں حضرت قَرظہ رض بن کعب بھی شامل تھے۔ حضرت قَرظہ رض کا بیان ہے کہ: ——

"ہم عراق کو چلے تو امیر المُؤمنین عُمَر فاروق رض ہمارے ساتھ مقام صرار تک تشریف لائے۔ یہاں وضو کیا اور فرمایا، جانتے بھی ہو میں کیوں یہاں تمہارے ساتھ آیا ہوں؟ ہم نے کہا، جی ہاں، اس لیے کہ ہم اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلّم ہیں اور آپ نے ہماری مشایعت اور عزّت افزائی کے لیے یہ زحمت گوارا فرمائی ہے۔ انھوں نے فرمایا، اس کے علاوہ بھی ایک سبب ہے۔ میں تم سے کہنا چاہتا ہوں کہ تم ایسے لوگوں میں جا رہے ہو جن کی مجلسوں میں تلاوتِ قرآن سے ویسی ہی گونج پیدا ہوتی ہے جیسے شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ، دیکھو ایسا نہ ہو کہ تم حدیثیں سُنا سُنا کر انھیں قرآن سے روک دو، تلاوت زیادہ کرنا اور حدیثِ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی روایت کم کرنا —— اچھا خدا حافظ —— سدھارو، میں تمہارا شریک حال ہوں۔"

چنانچہ حضرت قرظہ رض بن کعب عراق (کوفہ) پہنچے تو وہ روایت حدیث میں بہت احتیاط کرتے تھے اور بیشتر وقت قرآن پڑھنے پڑھانے پر صرف کرتے تھے۔

حضرت قَرظہ رض کو اگرچہ ایک خاص مقصد کے لیے کوفہ بھیجا گیا تھا مگر وہاں کی فضا ان کو کچھ ایسی پسند آئی کہ وہیں مستقل سکونت اختیار کر لی۔

(۳)

ایک دفعہ قاضی کوفہ حضرت عبداللہ رض بن مسعود کو اطلاع ملی کہ مُسَیلمہ کذّاب

(مقتولِ یمامہ) کی نبوّت کاذبہ کو ماننے والے کچھ لوگ ابھی تک کوفہ میں موجود ہیں۔ حضرت عبداللہؓ نے چند سپاہی بھیج کر ان لوگوں کو گرفتار کر لیا۔ جب وہ ان کے سامنے پیش ہوئے تو سب نے ندامت اور توبہ کا اظہار کیا۔ انہوں نے ان کے سرگروہ ابن النواحہ کے سوا سب کو چھوڑ دیا۔ چونکہ یہ شخص مسیلمہ کذّاب کو اللہ کا رسول کہا کرتا تھا اور دوسروں کو بھی اس نے گمراہ کیا تھا اس لیے حضرت عبداللہؓ بن مسعود نے اس کے لیے سزائے موت تجویز کی اور حضرت قرظہؓ بن کعب سے فرمایا کہ وہ اس کو قتل کر دیں۔ انہوں نے فوراً عدالت کے حکم کی تعمیل کر دی۔ بعض لوگوں نے اس کے قتل پر اعتراض کیا تو حضرت عبداللہؓ بن مسعود نے جواب دیا:-

"ابن النواحہ اور ابن اثال دو شخص مسیلمہ کذّاب کی طرف سے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں سفیر بن کر گئے تھے۔ حضورؐ نے ان سے پوچھا، کیا تم مسیلمہ کو اللہ کا رسول مانتے ہو، انہوں نے کہا، ہاں۔ (اس پر) رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا، اگر تم سفیر نہ ہوتے تو میں تمہیں قتل کرا دیتا۔ چونکہ ابن النواحہ اب تک اپنے باطل عقیدے پر قائم رہا اس لیے اس کو قتل کر کے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خواہش کا پورا کرنا ضروری تھا۔"

ان کا جواب سن کر سب لوگ خاموش ہو گئے۔

علامہ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ ۲۳ھ ہجری میں حضرت قرظہؓ بن کعب "رے" کی مہم پر مامور کیے گئے۔ اس مہم کو انہوں نے کامیابی سے سرانجام دیا۔ رے ایران کا بڑا اہم شہر تھا اور اس کی فتح کو حضرت قرظہؓ کا کارنامۂ عظیم سمجھا جاتا ہے۔

(۴)

سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسندنشین خلافت ہوئے تو حضرت قرظہؓ بن کعب نے بلاتامل ان کی بیعت کر لی اور ہمیشہ ان کے سرگرم حامیوں میں شامل رہے۔ حضرت علیؓ

کو ان پر اس قدر اعتماد تھا کہ جب وہ جنگِ جمل کے لیے کوفہ سے روانہ ہوئے تو ان کو کوفہ میں اپنا جانشین بنایا۔ ابو حنیفۃ الدینوری نے "الاخبار الطوال" میں لکھا ہے کہ جنگِ صفین سے کچھ عرصہ پہلے حضرت علیؓ نے حضرت قرظہؓ بن کعب کو بہقباذات (ایران) کا عامل مقرر کیا۔

اس زمانے کے دو واقعات تاریخ میں مذکور ہیں۔ ایک یہ کہ حضرت علیؓ کے مخالفین کی ایک جماعت نے حضرت قرظہؓ کے زیر تصرف علاقے میں ایک مسلمان کو ناحق قتل کر دیا۔ حضرت قرظہؓ نے ایک خط لکھ کر امیر المؤمنین حضرت علیؓ کو اس واقعہ کی اطلاع دی تو انہوں نے جواب میں لکھا:

"تم نے جس گروہ کا ذکر کیا ہے کہ وہ تمہارے پاس سے ہو کر گزرا اور ایک شریف مسلمان کو قتل کر دیا اور ہمارے مخالف و منکر نے ان لوگوں کے پاس پناہ لی، میں اسے سمجھ گیا۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں شیطان نے بہکا دیا، پس گمراہ ہو گئے یہ ان لوگوں کی طرح جو گمان کرتے تھے کہ (دنیا میں) آزمائش نہیں ہوتی لہٰذا اندھے اور بہرے ہو گئے (یعنی نہ صراطِ مستقیم دیکھنے کے قابل رہے اور نہ حق بات سننے کے) وہ اُس دن خوب سنیں اور دیکھیں گے جب ان کے اعمال کی جانچ پڑتال ہو گی۔ تم اپنے کام پر جمے رہو اور اپنا خراج لیتے رہو، کیونکہ جیسا کہ تم نے خود کہا ہے تم ایک اطاعت شعار اور خیر اندیش آدمی ہو۔"

(طبری)

دوسرا واقعہ یہ تھا کہ ذمیوں کی ایک نہر کسی وجہ سے خشک ہو گئی تھی اور آہستہ آہستہ معدوم ہو رہی تھی۔ ذمی پانی نہ ملنے کی وجہ سے سخت پریشان تھے اور اپنے مسکن سے کسی اور جگہ نقل مکانی کرنا چاہتے تھے۔ تاہم ایسا کرنے سے پہلے انہوں نے اپنا ایک وفد امیر المؤمنین حضرت علیؓ کی خدمت میں بھیجا جس نے تمام حالات سے ان کو آگاہ کیا۔ امیر المؤمنینؓ نے ان کو تسلی دی اور فرمایا کہ تمہارا مسئلہ حل کرنے کی کوشش

کی جائے گی تم بھی اپنے حاکم سے تعاون کرو، اور اپنے وطن ہی میں مقیم رہو۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے حضرت قرظہؓ بن کعب کو ایک خط بھیجا جس میں لکھا کہ:

"تم اور وہ (ذمّی) دونوں مل کر اس معاملہ پر غور کرو، ان کے آباد رہنے کی فکر کرو اور نہر درست کرا دو۔ خدا کی قسم میں ان کا آباد رہنا زیادہ پسند کرتا ہوں۔ ان کا عاجز آکر نقل مکانی کر جانا یا زمین اور آبادی کی سعیِ فلاح میں ناکام رہنا مجھے منظور نہیں۔"

(سیر انصار بحوالہ تاریخ یعقوبی)

ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ حضرت علیؓ جنگ صفّین کے لیے کوفہ سے روانہ ہوئے تو حضرت ابو مسعود بدریؓ کو کوفہ میں اپنا جانشین بنایا اور حضرت قرظہؓ بن کعب کو اپنے ساتھ لے لیا۔ وہ جنگِ صفّین میں شروع سے اخیر تک حضرت علیؓ کے ساتھ رہے۔

حضرت قَرَظہؓ بن کعب کی وفات کے بارے میں دو روایتیں ہیں۔ ایک یہ ہے کہ انہوں نے حضرت امیر معاویہؓ کے عہد خلافت میں ۵۰ سنہ ہجری میں وفات پائی۔ اس وقت حضرت مغیرہؓ بن شعبہ ثقفی کوفہ کے امیر تھے۔ حضرت قرظہؓ ایک بزرگ صحابی ہونے کی بناء پر اہلِ کوفہ میں بڑی عزت و احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ چنانچہ بعض اہلِ کوفہ نے ان کی وفات پر نوحہ کیا۔ حضرت مغیرہؓ بن شعبہ نے ان لوگوں کو منع کیا اور فرمایا کہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس پر نوحہ کیا جائے اس کو قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا۔ (صحیح مسلم)

دوسری روایت یہ ہے کہ حضرت قرظہؓ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں (۴۰ سنہ ہجری سے کچھ پہلے) انتقال کیا اور امیر المومنینؓ نے خود ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی اہلِ کوفہ کو ان کی وفات کا سخت صدمہ ہوا اور ہر طرف کہرام مچ گیا۔ اس موقع پر ایک ماتمی اجتماع ہوا جو کوفہ میں بالکل نئی بات تھی۔

(ابن سعدؒ، ابن حبانؒ)

ابن اثیرؒ علی بن ربیعہ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ قرظہؓ پہلے شخص ہیں جن پہ اہلِ کوفہ روئے۔ ان کے نزدیک دوسری روایت صحیح ہے۔

(اُسُدُ الغابہ)

حضرت قَرظہؓ بن کعب نے رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اور حضرت عُمرؓ سے چند احادیث روایت کی ہیں ان کے رواۃِ حدیث میں عامر بن سعد بجلیؒ اور امام شعبیؒ شامل ہیں۔

حضرت عامر بن سعدؒ کہتے ہیں کہ میں ابو مسعود بدریؓ قرظہؓ بن کعب اور ثابتؓ بن زید کی خدمت میں گیا۔ یہ سب حضرات کسی کے نکاح میں تشریف لائے تھے اور وہاں کچھ لڑکیاں گا رہی تھیں۔ میں نے کہا آپ حضرات اصحابِ نبیؐ ہو کر گانا سنتے ہیں۔ انہوں نے کہا، نکاح میں گانے کی اور میّت پر بغیر بیان (نوحہ) کے رونے کی اجازت دی گئی ہے۔ (اُسُدُ الغابہ)

حرام کمائی کی خیرات نامقبول ہے

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا، کسی شخص کی حرام کی کمائی میں سے نہ صدقہ قبول کیا جاتا ہے اور نہ اس کے خرچ میں برکت دی جاتی ہے اور جو شخص حرام مال چھوڑ مرتا ہے وہ مال اس کے لیے جہنّم کا زادِ راہ ہے۔

اللہ تعالیٰ برائی کو برائی کے ذریعہ نہیں مٹاتا بلکہ بُرائی کو بھلائی کے ذریعہ مٹاتا ہے کیونکہ خبیث خبیث کو نہیں مٹا سکتا۔

(رواہ احمد مشکوٰۃ باب الکسب طلب الحلال صـ۲۴۲)

حضرت قیسؓ بن خرشہ قیسی

(۱)

ہجرتِ نبویؐ کے بعد کا ذکر ہے کہ ایک دن ایک اعرابی مدینہ منورہ میں وارد ہوئے ان کا لباس گرد آلود تھا اور چہرے پر تکان کے ساتھ سعادت کے آثار بھی نمایاں تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ طویل سفر کر کے آرہے ہیں۔ انہوں نے کاشانۂ رسالتؐ کا پتہ پوچھا اور پھر رحمتِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا:

"یا رسول اللہؐ! جو کچھ آپ پر اللہ کی طرف سے نازل ہوا ہے میں اس پر ایمان لاتا ہوں۔ میں ہمیشہ سچ بولوں گا۔ اسی اسلام اور حق گوئی پر میں آپؐ کے دستِ مبارک پر بیعت کرتا ہوں۔"

حضورؐ نے فرمایا:

"عنقریب تمہیں ایسے حاکموں سے سابقہ پڑے گا جن کے سامنے (شاید) تم حق گوئی سے کام نہ لے سکو۔"

انہوں نے عرض کیا:

"نہیں یا رسول اللہؐ! خدا کی قسم میں جس چیز پر آپ سے بیعت کرتا ہوں اس کو ضرور پورا کروں گا۔"

حضورؐ نے فرمایا:

"اگر ایسا ہے تو ان شاءاللہ تم کو کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔"

یہ اعرابی جن کو قبولِ اسلام کے موقع پر سید الانبیاء والمرسلین صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے بشارت دی کہ حق گوئی کی وجہ سے ان کو کوئی نقصان نہ پہنچے گا حضرت قیسؓ بن خرشہ تھے۔

(۲)

ارباب سیر نے حضرت قیس رضی اللہ عنہ بن خرشہ کا شجرۂ نسب بیان نہیں کیا لیکن اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ ان کا تعلق بنی قیس بن ثعلبہ سے تھا اسی لیے قیسی کہلاتے ہیں۔ وہ ایک سلیم الفطرت آدمی تھے اور مدت سے حق کی تلاش میں تھے۔ سرورِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی بعثت کا چرچا سنا تو دل ہی دل میں آپ پر ایمان لے آئے اور ہجرتِ نبوی کے بعد کسی خارجی تحریک کے بغیر مدینہ منورہ گئے اور بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی بیعت کا شرف حاصل کیا۔ انہوں نے سرورِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے سامنے جو عہد کیا اس پر ہمیشہ سختی سے کاربند رہے۔ حق گوئی ان کی فطرتِ ثانیہ بن گئی تھی اور وہ کسی سخت سے سخت حاکم کے سامنے بھی کلمۂ حق کہنے سے باز نہیں رہتے تھے۔ حافظ ابن عبدالبر نے "الاستیعاب" میں لکھا ہے کہ وہ حاکموں کے معاملے میں بہت سخت اور بڑے حق گو تھے۔ بنو امیہ کے زمانے میں زیاد اور اس کے بیٹے عبید اللہ کی سخت گیریوں سے وہ سخت نالاں تھے اور ان پر کھلے بندوں اعتراض کیا کرتے تھے۔ عبید اللہ ابنِ زیاد پر ان کی نکتہ چینی بہت گراں گزرتی تھی۔ ایک مرتبہ اس نے ان کو بلا کر کہا : ——

"تم رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر افتراء کرتے ہو۔"

حضرت قیس رضی اللہ عنہ نے فرمایا : "خدا کی قسم ہرگز نہیں۔ میں ایسا کبھی نہیں کر سکتا ہاں اگر تم چاہو تو میں اس شخص کا نام بتا دوں جو ایسا کرتا ہے۔"

عبید اللہ نے کہا۔ "بتاؤ"

انہوں نے کہا : "وہی شخص جس نے کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کرنا چھوڑ دیا۔"

عبید اللہ نے پوچھا : "وہ کون ہے؟"

حضرت قیس رضی اللہ عنہ نے فرمایا : "تم اور تمہارا باپ"

اسی موقع پر یا کسی اور موقع پر عبید اللہ نے ان سے کہا، "تم کہتے ہو کہ

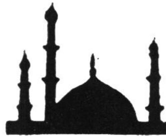
تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا؟" انہوں نے کہا، بے شک میرا یہی خیال ہے۔
عبیداللہ نے کہا، آج معلوم ہو جائے گا کہ تم اپنے قول میں جھوٹے ہو۔ پھر اس نے جلاّد کو بلانے کا حکم دیا۔ ارباب سیر کا بیان ہے کہ ابھی جلاّد پہنچا نہیں تھا کہ حضرت قیسؓ جھکے اور ان کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ یوں انہیں زندگی میں کوئی نقصان پہنچانے پر قادر نہ ہو سکا۔

(۳)

حضرت قیسؓ بن خرشہ بڑے راسخ العقیدہ مسلمان تھے اور صرف اللہ تعالیٰ کو عالم الغیب مانتے تھے۔ ایک دفعہ وہ مشہور تابعی حضرت ابواسحاق کعبؒ احبار کے ساتھ سفر کر رہے تھے۔ جب صفین کے میدان میں پہنچے تو حضرت کعبؒ نے کہا، لاَ اِلٰہَ اِلاَّ اللہُ، اس مقام پر مسلمانوں کا خون اس قدر بہایا جائے گا کہ کسی مقام پر اس قدر نہ بہایا گیا ہو گا۔

یہ سن کر حضرت قیسؓ کو غصہ آ گیا، فرمایا، "ابواسحاق! تم کو کیونکر معلوم ہوا یہ تو غیب کی باتیں ہیں؟"

حضرت کعبؒ نے کہا، یہ علمِ غیب نہیں بلکہ تورات میں قیامت سے پہلے پیش آنے والے بہت سے واقعات بیان کیے گئے ہیں اور یہ کتاب اللہ نے اپنے نبی موسیٰ علیہ السلام پر نازل کی تھی۔ اسی میں یہ اشارہ ہے کہ یہاں مسلمانوں کی خونریزی ہو گی۔
حضرت قیسؓ نے فرمایا: "غیب کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔"



حضرت قیسؓ بن زید جُذامی

(۱)

ان کو قیسؓ بن زید جُذامی بھی کہا جاتا ہے اور قیسؓ بن زید شامی بھی۔ جُذامی اس لیے کہ ان کا تعلق بنو جُذام سے تھا ـــــ اور شامی اس لیے کہ انہوں نے شام میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔

سلسلۂ نسب یہ ہے:

قیسؓ بن زید بن حبا بن امرؤالقیس بن ثعلبہ بن حبیب بن ذبیان بن عوف بن انمار بن زنباع بن مازن بن سعد بن مالک بن زید بن افصٰی بن سعد بن ایاس بن حرام بن جُذام۔

وہ اپنے قبیلے کے سردار تھے۔ ہجرتِ نبوی کے بعد بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے تو حضورؐ نے انہیں بنی سعد بن مالک کا سردار مقرر فرمایا۔ انہوں نے اپنے علاقے سے تین مرتبہ زکوٰۃ و صدقات جمع کر کے بارگاہِ رسالت میں بھیجے پھر خود مدینہ منورہ پہنچے اور آنحضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے۔ آپؐ نے ان کے حسنِ خدمات کی تحسین فرمائی اور اپنے قریب بٹھا کر ان کے لیے دُعائے خیر فرمائی پھر اپنا دستِ مبارک ان کے سر پر پھیر کر فرمایا:

بَارَكَ اللّٰهُ فِيكَ

(اللہ تعالیٰ ہمیشہ تجھ کو برکت سے نوازے)

(۲)

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے "الاصابہ" میں لکھا ہے کہ حضرت قیس سَو۱۰۰ برس کی عمر پا کر فوت ہوئے۔ ان کی ڈاڑھی اور سر کے بال سفید ہو گئے تھے لیکن ان کے

سر پر جہاں رحمتِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اپنا دستِ مبارک پھیرا تھا، اس جگہ کے بال بالکل سیاہ رہے یہاں تک کہ ان کی وفات ہو گئی۔

علامہ ابنِ اثیرؒ نے "اُسدُ الغابہ" میں حضرت قیسؓ بن زید سے مروی یہ حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم فرماتے تھے کہ شہید کو اللہ کے ہاں سے چھ فضیلتیں ملتی ہیں:

(۱) جیسے ہی اس کا خون گرتا ہے اس کے تمام گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔

(۲) ـــــ اس کو جنّت کا مقام دکھا دیا جاتا ہے۔

(۳) حورِ عین سے اس کا نکاح کر دیا جاتا ہے۔

(۴) قیامت کی دہشت اور

(۵) عذابِ قبر سے اسے بے خوف کر دیا جاتا ہے۔

اور

(۶) زیورِ ایمان سے اسے سج دیا جاتا ہے۔



حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (لوگو) جب تم میں سے کسی کا خادم اس کے لیے کھانا تیار کر کے لائے جب کہ اس نے آگ کے سامنے بیٹھ کر آگ کی گرمی اور دھوئیں کی تکلیف اٹھائی ہے تو اُسے اپنے ساتھ بٹھا کر اس کے ساتھ کھانا کھلائے اور اگر کھانا کھانے والے بہت سے ہوں اور کھانا تھوڑا ہو تو اس میں سے خدمت گار کے ہاتھ پر ایک لقمہ یا دو لقمے رکھ دے۔

(صحیح مسلم)

حضرت کہمسؓ بن معاویہ ہلالی

(۱)

بنی ہلال کے چشم و چراغ تھے۔ نسب نامہ صرف اتنا ہی معلوم ہے:
کہمسؓ بن معاویہ بن ابی ربیعہ ہلالی۔

ارباب سیر میں سے کسی نے ان کے قبول اسلام کا زمانہ نہیں بتایا مگر دو باتیں ثابت ہیں ایک تو یہ کہ انہوں نے اپنے وطن ہی میں اسلام قبول کیا۔ دوسری یہ کہ ان کے قبول اسلام کے وقت رمضان المبارک کے روزے فرض ہو چکے تھے۔

قبول اسلام کے بعد حضرت کہمسؓ اپنے وطن سے مدینہ منورہ پہنچے اور بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اسلام کی اطلاع دی۔ کچھ عرصہ فیضانِ نبوی سے بہرہ یاب ہوئے اور پھر وطن لوٹ گئے۔ وطن پہنچ کر انہوں نے اپنے آپ کو یکسر عبادت الٰہی کے لیے وقف کر دیا۔ مسلسل روزے رکھتے اور رات رات بھر جاگ کر عبادت کرتے رہتے۔ دائم الصوم اور قائم اللیل ہونے کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک سال میں ان کا پیٹ پچک گیا اور جسم سوکھ کر کانٹا بن گیا۔

(۲)

اگلے سال حضرت کہمسؓ پھر مدینہ منورہ پہنچے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو آپؐ کو انہیں پہچاننے میں دشواری ہوئی کیونکہ ان کا رنگ روپ بالکل بدل چکا تھا۔ حضرت کہمسؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! کیا آپؐ نے مجھے نہیں پہچانا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم کون ہو؟ انہوں نے کہا، میں کہمس ہلالی ہوں جو پچھلے سال آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تمہاری یہ کیا حالت ہو گئی ہے؟

انہوں نے عرض کیا، یا رسول اللہؐ! آپؐ سے ملنے کے بعد وطن پہنچا تو نہ کبھی رات کو سویا اور نہ دن کو اور نہ کبھی روزہ ترک کیا۔

آپؐ نے فرمایا، یہ تمہیں کس نے حکم دیا تھا کہ اپنی جان کو اس قدر اذیت میں ڈالو۔ صرف رمضان کے روزے رکھا کرو اور ان کے علاوہ ہر ماہ دو روزے رکھ لیا کرو۔

انہوں نے عرض کیا، یا رسول اللہؐ! کچھ اور زیادہ اجازت دیجئے کیونکہ مجھے اس سے زیادہ طاقت ہے۔

آپؐ نے فرمایا، اچھا رمضان کے علاوہ ہر مہینے تین روزے رکھ لیا کرو۔

اس کے بعد حضرت کہمسؓ پھر وطن لوٹ گئے۔ حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں بصرہ آباد ہوا تو انہوں نے بصرہ کی سکونت اختیار کر لی۔

ان کی زندگی کے مزید حالات اور سالِ وفات کے بارے میں کُتُبِ سِیَر خاموش ہیں۔

(۳)

حضرت کہمس ہلالیؓ سے مروی ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عہدِ فاروقی میں کبھی کبھی امیر المؤمنین حضرت عُمر فاروقؓ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے! اس حدیث میں وہ بیان کرتے ہیں کہ میں کچھ دوسرے لوگوں کے ساتھ حضرت عمرؓ کے پاس بیٹھا تھا اتنے میں ایک عورت آئی اور اس نے کہا، اے امیر المؤمنین! میرے شوہر میں شر بہت ہے اور خیر نہایت کم ہے۔

حضرت عمرؓ نے اس سے پوچھا، تیرا شوہر کون ہے؟

اس نے کہا — ابوسلمہ

حضرت عمرؓ نے فرمایا، وہ تو رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے صحابی اور نیک آدمی ہیں —— اس کے بعد انہوں نے حاضرین میں سے ایک صاحب سے فرمایا، کیا جیسے میں کہہ رہا ہوں ابوسلمہ ایسے نہیں ہیں؟

انہوں نے کہا، امیر المؤمنین! ابوسلمہ واقعی نیک آدمی ہیں۔

اب حضرت عمرؓ نے ایک شخص سے کہا، جا اور ابوسلمہؓ کو میرے پاس بلا لا۔ جب وہ ان کو بُلانے گئے تو وہ عورت اپنی جگہ سے اٹھی اور حضرت عمرؓ کے پیچھے بیٹھ گئی۔

تھوڑی ہی دیر کے بعد حضرت ابوسلمہؓ آ گئے اور حضرت عمرؓ کے سامنے بیٹھ گئے۔ حضرت عمرؓ نے ان سے فرمایا، جانتے ہو یہ میرے پیچھے بیٹھنے والی کیا کہہ رہی ہے؟ حضرت ابوسلمہؓ نے دریافت کیا ——— "اے امیرالمؤمنین! یہ کون ہے؟"

حضرت عمرؓ نے فرمایا، یہ تمہاری بیوی ہے۔

حضرت ابوسلمہؓ نے دریافت کیا، یہ کیا کہہ رہی ہے؟

حضرت عمرؓ نے فرمایا، یہ شکایت کرتی ہے کہ تمہاری بھلائی کم ہو گئی ہے اور تمہارا شر بڑھ گیا ہے۔

حضرت ابوسلمہؓ نے کہا، اے امیرالمؤمنین! اگر اس نے یہ بات کہی ہے تو بڑی نازیبا حرکت کی ہے۔ یہ اپنے خاندان کی عورتوں میں سب سے بھلی ہے۔ خوش لباسی میں بھی سب عورتوں سے بڑھ کر ہے اور وہ اپنے گھر میں سب سے زیادہ خوشحال ہے البتہ اس کا شریکِ زندگی بوڑھا (ضعیف اور ناکارہ) ہو چکا ہے۔

حضرت عمرؓ نے ان کی بیوی سے پوچھا، تو کیا کہتی ہے؟

اس نے کہا، ابوسلمہ نے سچ کہا۔

حضرت عمرؓ نے اپنا دُرّہ پکڑ کر اس کو ٹھوکا دیا اور فرمایا، اے اپنے نفس کی دشمن تو اس کا مال کھا گئی اور اس کی جوانی تو نے فنا کر دی، پھر تو نے اس چیز کی خبر دینی شروع کر دی جو اس میں نہیں رہی۔

اس عورت نے کہا، اے امیرالمؤمنین! جلدی نہ کیجئے خدا کی قسم اب میں کبھی آپ کے پاس اس کی شکایت نہیں کروں گی۔

اس کے بعد حضرت عمرؓ نے اس عورت کو تین کپڑے دینے کا حکم دیا اور فرمایا، یہ کپڑے اس اذیّت کے عوض ہیں جو تجھے میرے دُرّے کے ٹھوکا دینے کی وجہ سے

ہوئی ہے اور خبردار آئندہ اس بوڑھے آدمی کی شکایت نہ کرنا۔

راوی کہتے ہیں کہ گویا میں اس کی طرف دیکھ رہا ہوں کہ وہ ہاتھ میں کپڑے لیے کھڑی ہے۔

اس کے بعد حضرت عمرؓ اس کے شوہر کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا، تم نے دیکھا کہ میں نے اس کے ساتھ کیسا سلوک کیا (یعنی دُرّے سے اس کو ٹھوکا دیا اور سخت الفاظ میں تنبیہ کی) میرا یہ سلوک تجھے اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تو اُسے کوئی اور تکلیف پہنچائے۔

حضرت ابوسلمہؓ نے کہا، اے امیرالمؤمنین! میں ایسا کرنے والا نہیں ہوں۔ اس کے بعد دونوں چلے گئے۔

ان کے جانے کے بعد حضرت عمرؓ نے فرمایا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے آپؐ فرماتے تھے، ایک میری اُمّت کا وہ زمانہ ہے جس میں مَیں ہوں۔ پھر دوسرا قرن پھر تیسرا قرن، پھر تو ایسی قوم پیدا ہوگی کہ ان کے ایمان پر اور ان کی گواہی پر قسمیں سبقت لے جائیں گی اور بغیر گواہ طلب کیے ہوئے گواہی دیں گے اور وہ بازار میں شور مچاتے پھریں گے۔[۱]

(بخاری فی التاریخ۔ الاصابہ۔ طیالسی۔ کنزالعمال)
رضی اللہ تعالیٰ عنہ

---

[۱] اس حدیث میں جن ابوسلمہؓ کا ذکر کیا گیا ہے۔ وہ مشہور صحابی حضرت ابوسلمہؓ بن عبدالاسد (یکے از سابقین الاوّلین) سے علاوہ ہیں۔ حضرت ابوسلمہؓ بن عبدالاسد جمادی الاخریٰ ۴ھ ہجری میں وفات پا گئے تھے۔

حضرت لجلاج رضؓ بن عامر

(۱)

اہلِ سِیَر نے ان کا پورا نسب بیان نہیں کیا صرف اتنا لکھا ہے کہ وہ عامر بن صعصاع کے بیٹے تھے اور ان کی کنیت ابوالعلاء تھی۔ بعض نے ان کو عامری بیان کیا ہے، بعض نے غطفانی اور بعض نے اسلمی لیکن زیادہ مشہور یہی ہے کہ ان کا تعلق بنی عامر سے تھا اس لیے ان کو عامری کہا جاتا ہے اُن کے شرفِ صحابیت پر سب کا اتفاق ہے۔ حضرت لجلاجؓ کے قبولِ اسلام کا زمانہ تو کسی نے متعیّن نہیں کیا البتّہ امام بیہقیؒ نے کہا ہے کہ حضرت لجلاج ایک سو بیس (۱۲۰) برس زندہ رہے ہیں۔ پچاس (۵۰) سال زمانہ جاہلیّت میں اور ستر (۷۰) سال زمانہ اسلام میں۔ (حیاۃ الصحابہ) اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ پچاس سال کی عمر میں مُشرّف بہ اسلام ہوئے[۱] حدیث اور تاریخ کی کئی کتابوں میں ان کا یہ بیان نقل کیا گیا ہے۔ کہ جب سے میں نے اسلام قبول کیا، کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا۔ بقدرِ زیست کھانا کھاتا ہوں اور بقدرِ زیست پانی پیتا ہوں۔ (الاصابہ، کنز العمال، اُسُدُ الغابہ وغیرہ)

---

[۱] ابن الاثیرؒ نے "اُسُدُ الغابہ" میں حضرت لجلاجؓ سے یہ روایت منسوب کی ہے کہ میں سات برس کی عمر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا لیکن درایت کی رو سے یہ روایت صحیح معلوم نہیں ہوتی کیونکہ ان سے جو احادیث مروی ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ قبول اسلام کے وقت وہ نابالغ بچے نہیں تھے بلکہ خاصی بڑی عمر کے آدمی تھے بالخصوص ان کے زُہد کے بارے میں جو مشہور روایت ہے اس کی توقع ایک نابالغ بچے سے ہرگز نہیں کی جا سکتی۔ (مؤلف)

(۲)

حضرت لجلاجؓ کی کسی غزوہ میں شرکت کے بارے میں کُتُبِ سیر خاموش ہیں۔ ابن اثیرؒ نے لکھا ہے کہ وہ دمشق میں رہتے تھے۔ اس سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ وہ فتوحاتِ شام میں شریک رہے ہوں گے اور دمشق فتح ہونے کے بعد وہاں مستقل سکونت اختیار کر لی ہوگی (بعہدِ خلافت سیّدنا حضرت عمرؓ فاروقؓ) سالِ وفات بھی معلوم نہیں ہے البتہ اولاد میں ان کے دو بیٹوں کا نام معلوم ہے علاءؒ اور خالدؒ۔ ان دونوں نے ان سے روایت کی ہے۔ اوپر کی حدیث کے علاوہ حضرت لجلاجؓ سے یہ حدیث بھی مروی ہے: ——————

"ایک روز میں (مدینہ منوّرہ) کے بازار میں بیٹھا مزدوری کر رہا تھا کہ ایک عورت اس طرف آنکلی۔ ایک بچّہ اس کی گود میں تھا۔ سب لوگ اس عورت کے پیچھے ہو لیے میں بھی ان لوگوں کے ساتھ چلا یہاں تک کہ ہم لوگ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے پاس پہنچے۔ آپؐ نے اس عورت سے پوچھا کہ اس بچّے کا باپ کون ہے؟ اس نے کچھ جواب نہ دیا۔ ایک نوجوان نے (آگے بڑھ کر) عرض کیا، یا رسول اللہ! میں اس بچّے کا باپ ہوں۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے پاس والوں کی طرف دیکھا اور اس جوان کے چال چلن کے بارے میں ان سے پوچھا، سب لوگوں نے عرض کیا، یا رسول اللہؐ! ہم اس جوان کو اچھا جانتے ہیں۔ پھر رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اس جوان سے دریافت کیا، کیا تیرا نکاح ہو چکا ہے؟ اس نے کہا، جی ہاں۔ پس آپؐ نے اس کو سنگسار کرنے کا حکم دیا۔ (لجلاجؓ کہتے ہیں کہ) ہم سب نے مل کر اس کو سنگسار کیا یہاں تک کہ وہ مر گیا۔ اس کے بعد ایک شخص اس سنگسار ہونے والے جوان کی بات ہم سے پوچھنے لگا کہ ہم اس کی تجہیز و تکفین کریں یا نہیں۔ ہم لوگ اس کو لے کر نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کے پاس گئے (اور عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ!) یہ شخص اس خبیث کی نسبت یہ بات پوچھنے آیا ہے (کہ ہم اس کی تجہیز و تکفین کریں یا نہیں) رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا، (ایسا نہ کہو) وہ اللہ کے نزدیک مشک سے بھی زیادہ پاکیزہ ہے معلوم ہوا کہ یہ پوچھنے والا اس کا لڑکا ہے۔ پھر ہم سب نے تجہیز و تکفین میں اس لڑکے کی مدد کی۔ لجلاجؓ کہتے ہیں کہ مجھ کو یہ یاد نہیں کہ اس کی نمازِ جنازہ پڑھی گئی یا نہیں"۔ (ابوداود)

حضرت لقیط رضؓ بن صبرہ عقیلی

(۱)

ان کے نسب کے بارے میں اختلاف ہے۔ علامہ ابنِ اثیرؒ نے ان کا نسب نامہ اس طرح بیان کیا ہے:

لقیطؓ بن عامر بن صبرہ بن عبداللہ بن المنتفق۔

ابنِ اثیرؒ نے یہ وضاحت بھی کی ہے کہ لوگ ان کو ان کے دادا صبرہ کی طرف منسوب کرکے لقیط بن صبرہ کہا کرتے تھے۔

ابنِ مندہؒ کے قول کے مطابق ان کا نسب نامہ یہ تھا:

لقیطؓ بن عامر بن منتفق بن عامر بن عامر بن عقیل بن کعب بن عامر بن صعصاع۔

بعض روایتوں میں ان کو لقیط بن المنتفق بھی کہا گیا ہے۔

ان کی کنیت ابورزین تھی اور انہوں نے عام طور پر اپنی کنیت ہی سے شہرت پائی۔ چنانچہ ان کو ابورزین بن عامر عقیلی بھی کہا جاتا ہے۔

علامہ ابنِ اثیرؒ نے "اُسدُ الغابہ فی معرفۃ الصحابہ" میں ایک اور صحابی "لقیطؓ بن صبرہ" کا ذکر کیا ہے جو بنی منتفق کی طرف سے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے تھے مگر ان کا نسب نامہ بیان نہیں کیا صرف اتنا کہا ہے کہ ان کی کنیت ابوعاصم تھی اور وہ اہلِ حجاز میں شمار ہوتے ہیں۔ دوسری طرف اوّل الذکر حضرت لقیطؓ کے بیٹے کا نام بھی عاصم بیان کیا گیا ہے۔ ہمارا قیاس یہ ہے کہ لقیط بن صبرہ دو الگ الگ شخصیتیں نہیں بلکہ ایک ہی شخصیت ہے۔ ان کی کنیت ابورزین بھی تھی اور ابوعاصم بھی اور وہی بنی منتفق یا بنی عقیل سے تھے۔

(۲)

ارباب سیر نے حضرت لقیط بن صبرہؓ کے قبول اسلام کے زمانے کی تصریح نہیں کی مگر قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ۹ھ میں بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور نعمت ایمان حاصل کی۔ حضرت ابو رزین عقیلیؓ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا:

"یا رسول اللہ! ایمان کی حقیقت کیا ہے؟"

آپؐ نے فرمایا: "اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ لاشریک ہے۔ محمدؐ بلاشبہ اس کے بندہ اور رسول ہیں۔ اللہ اور اس کا رسول تجھ کو تمام ماسویٰ سے محبوب ہو جائیں اور آگ میں جل کر خاک ہو جانا اللہ کے شریک ٹھہرانے سے زیادہ پسند ہو جائے اور جن لوگوں سے رشتہ اور نسب کا کوئی تعلق بھی نہ ہو ان سے اللہ کے نام پر محبت ہو جائے جب یہ علامات پیدا ہو جائیں تو سمجھ لینا کہ اب تمہارے دل میں ایمان کی محبت ایسی سما گئی ہے جیسے سخت گرمی میں پیاسے کے دل میں پانی کی محبت۔"

میں نے عرض کیا، "یا رسول اللہ میں یہ بات کیسے سمجھوں کہ اب میں مومن کامل ہو گیا ہوں۔"

آپؐ نے ارشاد فرمایا: "میری امت میں ہر ایسا شخص کہ جب نیکی کرے تو اس کو محسوس ہو کہ یہ نیکی ہے اور اس پر یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ اس کو ضرور بدلہ دے گا اور جب کوئی برائی کرے تو اسے محسوس ہو کہ یہ برائی ہے اور اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے اور یہ یقین رکھے کہ بخشنے والا بجز اس کے کوئی نہیں تو یقیناً وہ شخص مؤمن کامل ہے۔" (مسند احمد)

ایک اور روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ! زمانۂ جاہلیت میں رجب کے مہینے میں ہم کچھ قربانیاں کیا کرتے تھے اور قربانیوں کا گوشت خود بھی کھاتے تھے اور جو ہمارے پاس آتا تھا اس کو بھی کھلاتے تھے۔"

آپؐ نے ارشاد فرمایا، کچھ حرج نہیں ہے۔ (سنن نسائی)

(مطلب یہ کہ قربانی کا گوشت خود کھانے اور دوسروں کو کھلانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ البتہ یہ بنیادی شرط کسی حالت میں ساقط نہیں ہوتی کہ قربانی صرف اللہ کے نام پر کی جائے۔)

"اُسدُ الغابہ" میں حضرت ابو عاصم لَقیطؓ بن صَبرہ کی زبانی بارگاہِ رسالت میں ان کی حاضری کا واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے:

"میں بنی منتفق کی طرف سے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے (کچھ دوسرے لوگوں کے ہمراہ) مدینہ منوّرہ آیا۔ ہم لوگ جب (آستانہ نبویؐ پر) پہنچے تو رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم اس وقت موجود نہ تھے۔ حضرت عائشہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) نے ہم کو چھوہارے کھلائے اور ہمارے لیے عصیدہ (ایک قسم) کا کھانا تیار کرایا۔ اتنے میں رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم بھی تشریف لے آئے۔ آپؐ نے ہم سے پوچھا: تم لوگوں نے کچھ کھایا؟

ہم لوگوں نے عرض کیا۔ "جی ہاں"۔

اسی اثناء میں ایک چرواہا ایک بکری لے کر آیا۔ اس نے بکری کا بچہ گود میں اٹھا رکھا تھا۔ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم نے پوچھا، کیا اس بکری کے یہ بچہ ہوا ہے؟ چرواہے نے عرض کیا۔ "جی ہاں"۔

آپؐ نے فرمایا: "تو ایک بکری ذبح کر دے۔"

اس کے بعد آپ ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

"تم یہ نہ سمجھنا کہ میں نے یہ بکری (خاص طور پر تمہارے لیے) ذبح کی ہے۔ نہیں، میرے پاس سَو بکریاں ہیں اس سے زیادہ نہیں رکھنا چاہتا۔ جب کسی بکری کے بچہ پیدا ہوتا ہے تو ایک بکری ذبح کر دی جاتی ہے۔"

اس کے بعد وفدِ منتفق نے اسلام قبول کر لیا اور احکامِ دین کی تعلیم حاصل کر کے رخصت ہوا۔

(۳)

اربابِ سِیَر حضرت لَقیطؓ بن صبرہ کے حالاتِ زندگی کے بارے میں خاموش ہیں البتہ کُتُبِ حدیث و سِیَر میں ان سے مروی کچھ احادیث موجود ہیں۔ ان میں سے چار یہ ہیں :۔

حضرت لَقیط بن صَبِرہ سے روایت ہے کہ :

① میں نے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے عرض کیا، یا رسول اللہؐ! مجھے وضو کی بابت بتایئے (یعنی بتایئے کہ کن باتوں کا مجھے وضو میں خاص اہتمام کرنا چاہیے۔)

آپؐ نے فرمایا (ایک تو یہ کہ) پورا وضو خوب اچھی طرح اور کامل طریقہ سے کرو (جس میں کوئی کسر نہ رہے) اور دوسرے یہ کہ ہاتھ پاؤں دھوتے وقت ان کی انگلیوں میں خلال کرو اور (تیسرے یہ کہ) ناک کے نتھنوں میں پانی چڑھا کر اچھی طرح ان کی صفائی کیا کرو اِلّا یہ کہ تم روزہ سے ہو (یعنی روزہ کی حالت میں ناک میں پانی زیادہ نہ چڑھاؤ۔)

(سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی وغیرہ)

② رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا ہے کہ نبوّت کے چھیالیس اجزا میں سے ایک جزو سچا خواب بھی ہے۔ (اُسُدُ الغابہ فی معرفۃ الصحابہ)

③ میں (لَقیط بن صبرہ) نے نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میری بیوی بدگو ہے۔

آپؐ نے فرمایا، تو اسے طلاق دے دو۔

میں نے کہا، اس سے میرے بچے ہیں اور مدت سے ہم دونوں ساتھ رہتے ہیں۔

آپؐ نے فرمایا، اُسے نصیحت کرو، اگر اس کے اندر خیر کو قبول کرنے کی صلاحیت

ہوگی تو وہ تمہاری بات مان لے گی اور خبردار اپنی بیوی کو اس طرح نہ مارنا جیسے تو اپنی لونڈی کو مارتا ہے۔ (سُنَن ابی داؤد)

شارحین حدیث کہتے ہیں کہ اس حدیث کے آخری ٹکڑے کا یہ مطلب نہیں کہ لونڈیوں کو خوب پیٹو اور بیویوں کو نہ پیٹو بلکہ مطلب یہ ہے کہ جس طرح لوگ اپنی باندیوں کے ساتھ پیش آتے ہیں اس طرح کا معاملہ بیوی کے ساتھ نہ ہونا چاہئے۔

(۴) رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے مجھ (ابو رزین) سے فرمایا، کیا میں تم کو ایسی بات نہ بتلاؤں جس پر اس امر (دین) کا (بڑا) مدار ہے۔ اس سے تم دنیا اور آخرت کی بھلائی حاصل کر سکتے ہو۔

(۱) تم اہلِ ذکر کی مجلسوں میں بیٹھا کرو (یعنی ان لوگوں کے پاس جو اللہ کا ذکر کرتے ہیں)

(۲) اور جب تنہا ہوا کرو تو جہاں تک ممکن ہو ذکرِ الٰہی کے ساتھ اپنی زبان کو متحرک رکھو۔

(۳) صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے محبت رکھو اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے بغض رکھو۔

اے ابو رزین کیا تو جانتا ہے کہ جب کوئی مسلمان اپنے مسلمان بھائی کی زیارت و ملاقات کے لیے گھر سے نکلتا ہے تو اس کے پیچھے ستر ہزار فرشتے ہوتے ہیں جو اس کے لیے دعا و استغفار کرتے ہیں اور کہتے ہیں، اے پروردگار اس شخص نے محض تیری رضا کے لیے (اپنے مسلمان بھائی سے) ملاقات کی تو اس کو اپنی رحمت و شفقت سے ملا دے۔ پس اگر تم سے یہ ممکن ہو (یعنی اپنے مسلمان بھائی سے اللہ کی خوشنودی کی خاطر ملاقات کے لیے جانا) تو (ضرور) ایسا کرو۔

(بیہقی فی شعب الایمان۔ مشکوٰۃ شریف)

حضرت مالکؓ بن الحُوَیرِث لیثی

(۱)

ان کے نام "مالک" پر تو سب کا اتفاق ہے مگر والد کے نام کے بارے میں اختلاف ہے بعض نے ان کا نام حُوَیرِث لکھا ہے اور بعض نے حارث یا حویرثہ۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے مطابق حُوَیرِث تھا اس لیے ہم اسی کو ترجیح دیتے ہیں۔ ان کا تعلق بنو لیث سے تھا۔ نسب نامہ یہ ہے:۔

مالکؓ بن الحویرث بن اشیم بن زبالہ بن حسیس بن عبد یالیل بن ناشب بن غیرہ بن سعد بن لیث بن بکر بن عبد مناۃ بن کنانہ۔

کنیت ابو سلیمان تھی۔

(۲)

حضرت مالکؓ بن الحویرث سنہ ۹ ہجری میں غزوۂ تبوک کی تیاری سے پہلے اپنے قبیلے کے کچھ اور آدمیوں کے ساتھ ایک وفد کی صورت میں مدینہ منورہ آئے اور بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا۔ ایک روایت کے مطابق یہ وفد بیس آدمیوں پر مشتمل تھا۔ حضرت مالکؓ نے اپنے قبولِ اسلام کا واقعہ اس طرح بیان کیا ہے:۔

"ہم چند ہم عمر نوجوان دین کا علم حاصل کرنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہاں (مدینہ منورہ میں) ہم نے بیس دن قیام کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہایت رحیم اور نرم معاملہ کرنے والے تھے۔

(بیس دن کے بعد) آپؐ نے محسوس کیا کہ ہم لوگ اپنے گھر جانا چاہتے

ہیں تو آپؐ نے ہم سے پوچھا کہ تمہارے پیچھے کون کون سے تمہارے رشتہ دار ہیں۔ ہم نے بتایا تو آپؐ نے فرمایا، اپنے اہل وعیال میں واپس جاؤ اور جو کچھ تم نے سیکھا ہے، انہیں سکھاؤ اور بھلی باتیں بتاؤ اور فلاں نماز فلاں وقت پڑھو اور فلاں نماز فلاں وقت پڑھو۔ اور ایک روایت میں ہے کہ تم اس طرح نماز پڑھو جیسی مجھے پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو اور جب نماز کا وقت آجائے تو ایک تم میں سے اذان کہے اور جو تم میں سب سے بڑا ہو وہ امامت کرے اور نماز پڑھائے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

حضرت مالکؓ وطن واپس جاکر حضورؐ کے ارشادات پر عمل پیرا رہے۔ سیدنا حضرت عمر فاروقؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں بصرہ آباد ہوا تو حضرت مالکؓ نے بصرہ میں مستقل سکونت اختیار کر لی اور وہیں ۷۴ھ ہجری میں وفات پائی۔

(۳)

حضرت مالکؓ بن الحویرث سے اوپر کی حدیث کے علاوہ کچھ اور احادیث بھی مروی ہیں۔ ان سے ابو قلابہؒ، نصر بن عاصمؒ اور سوار الجرمیؒ نے روایت کی ہے۔ ان کی مرویات میں سے تین یہ ہیں:۔

(۱) میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میرے ایک چچا زاد بھائی بھی ساتھ تھے تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم سفر کرو تو نماز کے لیے اذان اور اقامت کہو اور جو تم میں بڑا ہو وہ امامت کرے۔ (صحیح بخاری)

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تکبیر کہتے تو دونوں ہاتھوں کو کانوں تک اٹھاتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو کہتے سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ اور اسی طرح ہاتھ اٹھاتے (اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ہاتھوں کو کانوں کے اوپر تک بلند کرتے) (مشکوٰۃ شریف بحوالہ بخاری و مسلم)

(۳) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھا ہے۔ آپؐ جس وقت طاق رکعت (پہلی یا تیسری) کے بعد سجدہ سے سر اٹھاتے تو کھڑے ہونے سے پہلے بیٹھتے تھے اور پھر اٹھتے تھے۔ (مشکوٰۃ شریف بحوالہ بخاری و مسلم)

حضرت مالکؓ بن الدُخشُم انصاری

(۱)

قبیلہ خزرج کے چشم و چراغ تھے مگر ان کے سلسلۂ نسب پر اربابِ سیر کا اتفاق نہیں ہے۔ ایک روایت کے مطابق ان کا سلسلۂ نسب اس طرح تھا:

مالکؓ بن دُخشُم بن مالک بن غنم بن عوف بن عمرو بن عوف

دوسری روایت میں ان کا نسب نامہ اس طرح بیان کیا گیا ہے:

مالکؓ بن دُخشُم بن مِرضخہ (یا مرضحہ) بن غنم بن عوف۔

ان کا شمار انصار کے قدیم الاسلام صحابہ میں ہوتا ہے۔ امام محمدؒ بن اسحاقؒ موسیٰ بن عقبہؒ اور علامہ واقدیؒ کا بیان ہے کہ وہ بیعت لیلۃ العقبہ (۱۳ بعدِ بعثت) میں موجود تھے۔ مگر ابو معشر اور بعض دوسرے اربابِ سیر نے شرکائے عقبہ میں ان کا نام شامل نہیں کیا۔ بہر صورت وہ ہجرتِ نبوی سے کچھ پہلے یا کچھ بعد شرفِ ایمان سے بہرہ ور ہو گئے۔

(۲)

قبولِ اسلام کے بعد حضرت مالک بن دُخشُم نے اپنی زندگی کلمۃ الحق کی سربلندی کے لیے وقف کر دی۔ سب سے پہلے غزوۂ بدر میں شریک ہو کر اس بشارت کے حقدار ٹھہرے جس کی رو سے اہلِ بدر کے اگلے پچھلے سب گناہ بخش دیئے گئے۔ بدر کے بعد عہدِ رسالت کے دوسرے تمام غزوات میں بھی دادِ شجاعت دی۔

تبوک (۹ھ) کے پُر صعوبت سفر میں بھی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

کے ہمرکاب تھے۔ آپؓ واپس تشریف لائے تو بقول ابن اثیرؒ مدینہ منوّرہ میں داخل ہونے سے پہلے آپؐ نے حضرت مالکؓ بن دُخشُم اور حضرت معنؓ بن عدی بلوی الانصاری کو یہ حکم دے کر آگے بھیجا کہ منافقین کی بنائی ہوئی مسجد ضرار کو آگ لگا دیں۔ انہوں نے تعمیل ارشاد کی۔

ایک دفعہ مجلسِ نبویؐ میں حضرت مالکؓ بن دُخشُم کا ذکر آگیا۔ ایک صاحب نے جو غلط فہمی کی بناء پر حضرت مالکؓ کو منافق سمجھ بیٹھے تھے، ان کو گالی دی اس پر حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ان کو ٹوکا اور فرمایا لَا تَسُبُّوْا اَصْحَابِیْ (میرے صحابی کو گالی نہ دو)۔

حضرت مالکؓ کے سالِ وفات کے بارے میں کُتُبِ سِیَر خاموش ہیں۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی مسلمان یا مومن بندہ وضو کرتا ہے اور وہ اپنا چہرہ دھوتا ہے تو وہ تمام گناہ جن کی طرف اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا پانی کے ساتھ اس کے چہرے سے نکل جاتے ہیں۔ یا پانی کے آخری قطرے کے ساتھ (زائل ہوجاتے ہیں)۔

پھر جب وہ اپنے ہاتھ دھوتا ہے تو وہ تمام گناہ جن کو اس نے اپنے ہاتھوں سے پکڑا تھا پانی کے ساتھ اس کے ہاتھوں سے نکل جاتے ہیں یا پانی کے آخری قطرے کے ساتھ (زائل ہوجاتے ہیں) یہاں تک کہ وہ گناہوں سے پاک ہوجاتا ہے۔

پھر جب وہ اپنے پاؤں دھوتا ہے تو وہ تمام گناہ جن تک اس کے پاؤں پہنچے تھے۔ پانی کے ساتھ نکل جاتے ہیں یا پانی کے آخری قطرے کے ساتھ (زائل ہوجاتے ہیں) یہاں تک کہ وہ گناہوں سے پاک صاف ہوجاتا ہے۔

(صحیح مسلم)

حضرت مالک رضؓ بن قیس انصاری

(۱)

قبیلہ خزرج سے تھے۔ اس قبیلے کی جس شاخ سے ان کا تعلق تھا اس کو عوف بن خزرج بھی کہا جاتا ہے اور بنی عجلان یا بنی سالم بھی۔

نسب نامہ یہ ہے:

مالک بن قیس بن ثعلبہ (یا خیثمہ) بن عجلان بن زید بن غنم بن سالم بن عوف بن عمرو بن عوف بن خزرج۔

اپنی کنیت ابو خیثمہ کے ساتھ مشہور ہوئے۔

ارباب سیر نے یہ نہیں بتایا کہ انہوں نے کب اسلام قبول کیا مگر یہ بات یقینی ہے کہ غزوۂ اُحُد (۳ھ) سے پہلے شرفِ ایمان سے بہرہ ور ہو چکے تھے چنانچہ سب سے پہلے غزوۂ اُحُد میں شریک ہوئے۔ اس کے بعد عہدِ رسالت کے دوسرے تمام غزوات میں بھی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا۔

(۲)

غزوۂ تبوک (جیشِ عُسرۃ ۹ھ ہجری) کے موقع پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب دی تو اس وقت حضرت ابو خیثمہؓ کا ہاتھ تنگ تھا تاہم انہوں نے چندے میں ایک صاع (۲ کلو ۱۷۶ گرام گیہوں کے وزن کے برابر پیمانہ) کھجوریں پیش کر دیں۔ اسی طرح کچھ اور غریب مسلمانوں نے بھی اپنی محنت مزدوری کی کمائی سے برضا و رغبت کھجوروں کی معمولی مقدار کی صورت میں چندہ دیا۔ بلاشبہ یہ مقدار بظاہر حقیر تھی مگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس

بڑی قدر تھی۔ اس پر منافقین نے ان کا مذاق اڑایا، چنانچہ (بعض مفسرین کے قول کے مطابق) اس موقع پر قرآنِ حکیم کی یہ آیت نازل ہوئی۔

اَلَّذِیْنَ یَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِیْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ فِی الصَّدَقٰتِ وَالَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَیَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ؕ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ ۫ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ○ (التوبہ آیۃ ۷۹)

(جو (ذی استطاعت) مسلمان دل کھول کر خیرات کرتے ہیں اور جو (بیچارے غریب) اتنا ہی کما سکتے ہیں جتنی مزدوری کرتے ہیں (اور تھوڑی سی کمائی میں سے بھی خرچ کرتے ہیں) ان پر جو (منافق) طعن کرتے اور ہنستے ہیں اللہ ان پر ہنستا ہے اور ان کے لیے تکلیف دینے والا عذاب تیار ہے)

چندے کے معاملے میں تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوخیثمہ کو سرخرو کر دیا مگر ابھی انہیں ایک اور آزمائش سے گزرنا تھا۔ ہوا یوں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیس ہزار سرفروشوں کے ساتھ مدینہ منورہ سے تبوک کی جانب کوچ کر دیا مگر حضرت ابوخیثمہؓ ان سرفروشوں میں شامل نہ ہو سکے اور مدینہ منورہ میں پیچھے رہ گئے۔ یہ سخت گرمی اور خشک سالی کے دن تھے لشکرِ اسلام کی روانگی کے بعد ایک دن جب آسمان آگ برسا رہا تھا اور جھلسا دینے والی لُو چل رہی تھی حضرت ابوخیثمہؓ گھر آئے۔ ان کی دو بیویاں تھیں۔ دونوں نے ان کی پذیرائی کے لیے اپنے اپنے کمروں کو خوب سجا رکھا تھا ان میں پانی کا اتنا چھڑکاؤ کیا تھا کہ وہ ٹھنڈے ہو گئے تھے۔ ساتھ ہی ٹھنڈے پانی اور عمدہ عمدہ کھانوں کا بندوبست کر رکھا تھا۔ حضرت ابوخیثمہؓ نے گھر کے دروازے پر کھڑے ہو کر ٹھنڈے کمروں اور کھانے پینے کی چیزوں کو دیکھا تو ان کے دل سے ہوک اٹھی کہ یہ کہاں کا انصاف اور کہاں کا دین ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو اس قیامت کی گرمی اور آگ برساتی لُو کے جھکڑوں میں تانبے کی طرح تپتے ہوئے بے آب و گیاہ صحراؤں میں پُرصعوبت سفر کر رہے ہوں اور میں یہاں ٹھنڈے کمروں میں سرد میٹھے پانی، لذیذ کھانوں اور اپنی بیویوں

کی صحبت سے لطف اندوز ہوں۔ خدا کی قسم میں ان کمروں میں داخل ہونے کا اسی وقت حقدار ہوں گا جب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ اس مہم میں شریک ہو کر فریضۂ جہاد ادا کر لوں اور پھر بعافیت واپس آجاؤں۔ یہ خیالات ان کے دل و دماغ پر اس طرح چھائے کہ اسی وقت زادِ سفر لیا اور اونٹ پر سوار ہو کر تن تنہا تبوک کی طرف چل پڑے۔ دس دن کے پُر صعوبت سفر کے بعد وہ تبوک کے قریب جا پہنچے جہاں لشکرِ اسلام نے پڑاؤ ڈال رکھا تھا۔ صحابہؓ نے ایک شتر سوار کو دور سے دیکھا تو رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو اطلاع دی۔ آپؐ نے فرمایا، ہو سکتا ہے کہ یہ شتر سوار ابو خثیمہ ہو۔ جلد ہی ابو خثیمہؓ پڑاؤ میں پہنچ گئے اسی وقت اونٹ سے اتر کر حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر سلام عرض کیا اور پھر سارا واقعہ سُنایا۔ آپؐ نے ان کے جذبۂ ایمان کی تحسین فرمائی اور ان کے لیے دعائے خیر و برکت کی۔

غزوۂ تبوک سے واپسی کے بعد حضرت ابو خثیمہؓ کے حالاتِ زندگی کے بارے میں اربابِ سِیَر خاموش ہیں۔ ان کے سالِ وفات کا بھی کسی کتاب سے پتہ نہیں تاہم انہوں نے اپنے جوشِ ایمان کا جو نمونہ پیش کیا وہ ان کا نام ابدالآباد تک زندہ رکھے گا۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

حضرت مُجَمِّعؓ بن جاریہ انصاری

(۱)

ان کا تعلّق قبیلہ اَوس کے خاندان عمرو بن عوف سے تھا سلسلۂ نسب یہ ہے:
مُجَمِّعؓ بن جاریہ بن عامر بن مجمع بن عطاف بن ضبیعہ بن زید بن مالک بن عوف بن عمرو بن عوف بن مالک بن اوس۔

سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم مکّہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو حضرت مُجَمِّعؓ کم سن تھے مگر اللہ تعالیٰ نے انہیں فطرت سعید سے نوازا تھا۔ اسی زمانے میں شرفِ ایمان سے بہرہ ور ہو گئے اور رحمتِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے فیضِ صحبت سے نہ صرف انہیں قرآن حکیم سے گہرا شغف پیدا ہو گیا بلکہ ان کے شوقِ عبادت اور پاکیزہ اخلاق نے بھی اہلِ حق کے نزدیک انہیں ایک قابلِ عزت نوجوان بنا دیا۔

(۲)

ذیقعدہ سنہ ۶ ہجری میں رحمتِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم چودہ سو جاں نثاروں کے ہمراہ عمرہ کی غرض سے عازمِ مکّہ ہوئے۔ ان جاں نثاروں میں حضرت مُجَمِّعؓ بن جاریہ بھی شامل تھے۔ یہ اطلاع ملنے پر کہ قریش نے مسلمانوں کو مکّہ میں داخل ہونے سے روکنے کا تہیّہ کر لیا ہے، آنحضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے مکّہ سے چند میل کے فاصلے پر حدیبیہ میں پڑاؤ ڈال دیا۔ یہیں بیعتِ رضوان کا عظیم الشّان واقعہ پیش آیا جس میں حضورؐ نے ایک درخت کے نیچے اپنے تمام ساتھیوں سے مرنے مارنے کی بیعت لی۔ اس بیعت کے شُرکا کو اللہ تعالیٰ نے کھُلے لفظوں میں اپنی خوشنودی کی بشارت دی۔ حضرت مُجَمِّعؓ بن جاریہ نے بھی بیعتِ رضوان کا

شرف حاصل کیا اور اس بشارت کے مستحق ٹھہرے۔

صلح حدیبیہ کے بعد عہدِ رسالت میں کئی غزوات پیش آئے مگر تعجب ہے کہ ان میں حضرت مجمعؓ کی شرکت کے بارے میں کُتبِ سیر خاموش ہیں حالانکہ ان کے عدم شرکت کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی بالخصوص غزوۂ خیبر میں۔ جس کا ذکر کرتے ہوئے اکثر اربابِ سیر نے لکھا ہے کہ اس میں وہ تمام اصحاب شریک تھے جنہوں نے بیعتِ رضوان کی سعادت حاصل کی تھی۔ قیاس یہ ہے کہ حضرت مُجمعؓ نے غزوۂ خیبر اور فتح مکہ وغیرہ میں ضرور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا ہوگا یہ الگ بات ہے کہ کسی نے اس کی صراحت نہیں کی۔

(۳)

غزوۂ تبوک (رجب ۹ھ ہجری) سے کچھ پہلے منافقین نے مدینہ منوّرہ میں ایک تیسری مسجد تعمیر کی جسے قرآن حکیم میں مسجد ضرار کا نام دیا گیا ہے۔ اس کی تعمیر سے پہلے مدینہ میں دو مسجدیں تھیں۔ ایک مسجدِ نبوی جو شہر کے اندر تھی اور دوسری مسجدِ قباء جو شہر کے مضافات میں تھی۔ یہ دو مسجدیں اہلِ مدینہ کی ضرورت کے لیے کافی تھیں۔ تیسری مسجد کی تعمیر سے منافقین کا مقصد صرف یہ تھا کہ اس میں جمع ہوکر مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرسکیں اور ان میں تفرّق و انتشار پیدا کریں[1]۔ بدقسمتی سے حضرت مُجمّعؓ کا باپ جاریہ بن عامر بھی منافقین میں شامل تھا۔ مگر حضرت مُجمّعؓ کو اپنے باپ کے منافق ہونے کا مطلق علم نہ تھا اور نہ ان کو یہ

---

[1] منافقین وہ لوگ تھے جو بظاہر تو اسلام کا دم بھرتے تھے اور اپنے آپ کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جان نثار ظاہر کرتے تھے مگر بباطن وہ اسلام کے دشمن تھے اور ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وسلم سے خار کھاتے تھے۔ جب کبھی موقع ملتا وہ اہلِ حق کو نقصان پہنچانے یا اُن کے خلاف اپنے دل کی بھڑاس نکالنے سے دریغ نہیں کرتے تھے۔ مدینہ منوّرہ میں ان لوگوں کی اچھی خاصی تعداد موجود تھی اور ان کا سرغنہ عبداللہ بن اُبی تھا۔ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

معلوم تھا کہ یہ مسجد کس غرض سے تعمیر کی گئی ہے۔ جب یہ مسجد بن کر تیار ہوئی تو منافقین رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

رسولِ کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے مدینے تشریف لانے سے پہلے اوس و خزرج نے متفق ہو کر اس شخص کو اپنا بادشاہ بنانے کا فیصلہ کر لیا تھا اور اس کے لیے تاج بھی بنوا لیا تھا مگر حضورؐ کی تشریف آوری کے بعد یہ سارا معاملہ ختم ہو گیا تھا۔ عبداللہ بن اُبَی بظاہر تو مسلمان ہو گیا لیکن بباطن وہ ہمیشہ اسلام کا دشمن رہا۔ یہی وہ شخص تھا جو غزوۂ اُحُد کے موقع پر اپنے تین سو ساتھیوں کو لشکرِ اسلام سے نکال لے گیا تھا۔ اسی نے غزوۂ بنی مصطلق کے موقع پر سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اور مہاجرین کے بارے میں گستاخانہ الفاظ استعمال کیے اور ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ پر تہمت لگائی۔ منافقین کا ایک اور لیڈر ابو عامر راہب تھا۔ اُحُد سے لے کر حُنَین تک مسلمانوں کے خلاف جتنی لڑائیاں پیش آئیں ان میں اس کی سرگرمیوں کا بڑا دخل تھا۔ غزوۂ تبوک سے پہلے وہ عرب سے بھاگ کر روم چلا گیا تھا اور قیصرِ روم کو عرب پر حملہ کے لیے اکسایا تھا۔

ابو عامر کی ان تمام سرگرمیوں میں مدینہ کے منافقین اس کے ساتھ شریکِ سازش تھے جس زمانے میں سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم غزوۂ تبوک کی تیاری کر رہے تھے منافقین نے مسلمانوں کو بددل کرنے کے لیے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی وہ اپنی مجلسوں میں بیٹھ کر ان کا مذاق اڑاتے، کبھی کہتے ذرا دیکھیے یہ روم و شام کے قلعے فتح کرنے چلے ہیں کبھی یوں گوہر افشانی کرتے اجی دیکھ لینا یہ سورما چند دنوں تک رسیوں میں بندھے ہوئے ہوں گے۔

قرآنِ حکیم میں جگہ جگہ منافقین کی سخت مذمت کی گئی ہے۔ یہاں تک کہ ایک سورۃ کا نام ہی "المنافقون" ہے۔ سورۂ توبہ میں بھی مسجدِ ضرار کے سلسلے میں منافقین کی سرگرمیوں کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

درخواست کی کہ آپ ایک مرتبہ خود نماز پڑھا کر ہماری مسجد کا افتتاح فرما دیں مگر حضورؐ نے ان کی درخواست منظور نہ کی اور فرمایا میں اس وقت جنگ (تبوک) کی تیاری میں مشغول ہوں اس مہم سے واپس آکر دیکھوں گا۔

منافقین نے اب نوجوان مُجمّعؓ کو اپنا امام بنالیا اور وہ بھولپن میں ان کو نمازیں پڑھاتے رہے۔ اُدھر سرورِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم منافقین کو جواب دینے کے بعد تیس ہزار مجاہدین کے ساتھ تبوک کی طرف روانہ ہو گئے۔ منافقین طرح طرح کے جھوٹے عذر تراش کر مدینہ مُنَوَّرہ ہی میں رہے، اور حضورؐ کا ساتھ نہ دیا۔ اربابِ سیَر نے صراحت نہیں کی کہ حضرت مُجمّعؓ چند دن مسجدِ ضرار میں امامت کرنے کے بعد حضورؐ کی ہمرکابی میں تبوک گئے یا نہیں۔ مگر قرآن حکیم اور کُتُبِ سیَر میں صرف تین سچّے اور مخلص مسلمانوں کا ذکر کیا گیا ہے جو محض سستی کی بناء پر تبوک نہ جا سکے اور بعد میں ان کو معاشرتی مقاطعہ کی صورت میں سزا دی گئی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کرلی۔ یہ تین مسلمان تھے حضرت کعبؓ بن مالک انصاری حضرت مُرارہؓ بن ربیع انصاری اور حضرت ہلالؓ بن امیّہ انصاری۔ اور کسی سچّے مسلمان کے پیچھے رہ جانے کا ذکر کسی جگہ نہیں آیا۔ چونکہ حضرت مُجمّعؓ ایک سچّے اور مخلص مسلمان تھے اس لیے وہ ضرور حضورؐ کی ہمرکابی میں تبوک گئے ہوں گے۔

(۳)

حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے تبوک تشریف لے جانے کے بعد منافقین مسجدِ ضرار میں جتھہ بندی اور مسلمانوں کے خلاف ریشہ دوانیوں میں مصروف رہے۔ ان کو پورا یقین تھا کہ اسلامی لشکر روم کی ہولناک عسکری طاقت سے ٹکرا کر تباہ ہو جائے گا مگر جب اُن کو خبر ملی کہ حضورؐ سارے لشکر سمیت بخیر و عافیت واپس تشریف لا رہے ہیں تو ان کی امیدوں پر پانی پھر گیا حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم جب مدینہ کے قریب "ذی اوان" کے مقام پر پہنچے تو یہ آیات نازل ہوئیں:

وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّکُفْرًا وَّتَفْرِیْقًا بَیْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ

اِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ
اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۞ لَا تَقُمْ
فِيْهِ اَبَدًا ؕ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ
اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ
الْمُطَّهِّرِيْنَ ۞ (سورۂ توبہ آیۃ ۱۰۷-۱۰۸)

(کچھ اور لوگ ہیں جنہوں نے ایک مسجد بنائی اس غرض کے لیے کہ (دعوت حق کو) نقصان پہنچائیں اور کفر کریں اور اہل ایمان میں تفرقہ ڈالیں اور اس شخص کے لیے کمین گاہ بنائیں جو اس سے پہلے اللہ اور اس کے رسولؐ کے خلاف برسر پیکار ہو چکا ہے۔ وہ ضرور قسمیں کھا کھا کر کہیں گے کہ ہمارا ارادہ تو بھلائی کے سوا کسی دوسری چیز کا نہ تھا مگر اللہ گواہ ہے کہ وہ قطعی جھوٹے ہیں۔ تم ہرگز اس عمارت میں کھڑے نہ ہونا۔ جو مسجد اول روز سے تقویٰ پر قائم کی گئی تھی وہی اس کے لیے زیادہ موزوں ہے کہ تم اس میں (عبادت کے لیے) کھڑے ہو اس میں ایسے لوگ ہیں جو پاک رہنا پسند کرتے ہیں اور اللہ پاکیزگی اختیار کرنے والوں ہی کو پسند کرتا ہے۔)

ان آیات کے نزول کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چند صحابہ کو مدینہ روانہ کر دیا تاکہ آپؐ کے شہر میں داخل ہونے سے وہ مسجد ضرار کو منہدم کر دیں چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور جب آپؐ شہر میں داخل ہوئے تو مسجد ضرار کا نام و نشان تک مٹ چکا تھا۔

(۴)

حضرت مُجَمِّعؓ بن جاریہ کو قرآن حکیم سے بڑا شغف تھا اور انہوں نے بعض دوسرے مدنی صحابہ کی طرح عہد رسالت ہی میں قرآن جمع کرنا شروع کر دیا تھا مگر ابھی ایک دو سورتیں باقی تھیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا۔ امام احمدؒ بن حنبل نے اپنی مُسند میں لکھا ہے کہ حضرت مُجَمِّعؓ بن جاریہ ان

قاریوں میں سے تھے جنہوں نے قرآن پڑھا تھا۔

علامہ ابن اثیرؒ نے "اُسدُ الغابہ" میں ابوعلی حسن بن احمدؒ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت مُجمّعؓ قرآن کی قرأت کرتے اور میں بیٹھا سُنا کرتا۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ فاروقؓ کے عہد خلافت میں کوفہ آباد ہوا تو امیرالمؤمنینؓ نے حضرت مُجمّعؓ کو کوفہ بھیجا تاکہ اہلِ کوفہ کو قرآن کی تعلیم دیں۔ (مُسند احمدؒ)

مولانا سعید انصاری مرحوم نے "سیر انصار (جلد دوم)" میں لکھا ہے کہ اُس زمانے میں فقیہ الاُمّت حضرت عبداللہؓ بن مسعود بھی کوفہ میں تھے۔ انہوں نے بھی حضرت مُجمّعؓ سے قرآن پڑھا تھا۔

ایک مرتبہ امیرالمؤمنینؓ حضرت عمرؓ فاروقؓ سے لوگوں نے درخواست کی کہ حضرت مُجمّعؓ کو مسجد میں امامت کی اجازت دی جائے۔ حضرت عمرؓ فاروقؓ نے یہ فرما کر انکار کر دیا کہ مُجمّعؓ مسجد ضرار میں منافقین کی امامت کیا کرتا تھا۔ حضرت مُجمّعؓ کو خبر ہوئی تو انہوں نے قسم کھا کر کہا کہ مجھے نہ منافقین سے کوئی سروکار تھا اور نہ ان کی ریشہ دوانیوں کا علم تھا۔ اس پر امیرالمؤمنینؓ نے ان کو امامت کرنے کی اجازت دے دی۔ (اُسدُ الغابہ)

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مُجمّعؓ کا شمار ان صحابہ کرامؓ میں تھا جن کو لوگ امامتِ نماز کا اہل سمجھتے تھے اور امامتِ نماز کا اہل اس زمانے میں اُسی کو سمجھا جاتا تھا جو قرآن و سُنّت کا عالم ہو۔ ؎

؎ خلفائے راشدینؓ کے دور میں دارالخلافہ میں نماز کی امامت بالعموم خلیفۃ المسلمین خود کیا کرتے تھے۔ حضرت مُجمّعؓ کو اجازت دینے کا مطلب یہ ہے کہ امیرالمؤمنین کی عدم موجودگی میں یا کسی اور سبب کی بنا پر کسی دوسرے کو امام بنانے کی ضرورت پیش آجائے تو حضرت مُجمّعؓ کو بھی امام بنایا جا سکتا تھا اور کسی اور صاحب کو بھی جو اس کے اہل ہوں۔

حضرت مُجَمّعؓ بن جاریہ نے حضرت امیر معاویہؓ کی خلافت کے آخری زمانے میں وفات پائی ۔ انہوں نے اپنے پیچھے تین بیٹے چھوڑے ، یعقوبؒ ، یحییٰ اور عبداللہ —— اہلیہ کا نام سلمہ بنت ثابت تھا جو قضاعہ کے خاندان بلی سے تھیں ۔ علامہ ابن سعدؒ کا بیان ہے کہ ان کی نسل باقی نہیں رہی ۔ (طبقات الکبیر)

کُتُب حدیث میں حضرت مُجَمّعؓ بن جاریہ سے مروی کچھ حدیثیں موجود ہیں ! ان کے رواۃ میں یعقوبؒ (فرزند) عبدالرحمٰن بن یزید بن جاریہ (بھتیجے) —— اور عکرمہ بن سلمہؒ شامل ہیں ۔

ان سے مروی ایک مشہور حدیث یہ ہے :

"میں نے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے سُنا ہے کہ ابن مریمؑ دجال کو لُد کے دروازے پر قتل کریں گے ۔"

(مُسند احمد، ترمذی، ابواب الفتن)

اس حدیث میں مستقبل کے اس زمانے کا ذکر ہے جب (قیامت سے پہلے) حضرت عیسٰی علیہ السّلام نازل ہوں گے ۔ لُد یہودی ریاست "اسرائیل" میں ایک اہم مقام ہے ۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت محمدؓ بن حاطبؓ جمحی

(۱)

قریش کے خاندان بنو جمح کے گل سرسبد تھے۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:۔

محمدؓ بن حاطبؓ بن حارث بن معمر بن حبیب بن وہب بن حذافہ بن جمح

ان کے والد اور والدہ دونوں سابقین اسلام میں سے ہیں۔ والدہ کا نام فاطمہؓ بنت مجلل تھا۔ بعض نے جویریہ اور اسماء بھی لکھا ہے مگر جمہور اہل سیر نے فاطمہؓ ہی کو ترجیح دی ہے۔ ان کا نسب نامہ یہ ہے:

فاطمہؓ بنت مجلل بن عبداللہ بن ابی قیس بن عبد ود بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر بن لوی قرشیہ عامریہ۔

حضرت حاطبؓ ۶ھ بعد بعثت میں اپنی اہلیہ کے ساتھ مکہ سے ہجرت کر کے حبش چلے گئے۔ ایک روایت کے مطابق ان کے دو بیٹے حضرت محمدؓ اور حضرت حارثؓ بھی ان کے ساتھ تھے[1] لیکن بعض روایات میں ہے کہ حضرت محمدؓ اور حضرت حارثؓ دونوں حبش میں پیدا ہوئے۔ حضرت محمدؓ کی کنیت ابوالقاسم یا ابوابراہیم تھی۔ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ وہ پہلے آدمی ہیں جن کا نام بعد از بعثت محمدؐ رکھا گیا۔

(۲)

حضرت حاطبؓ بن حارث قیام حبشہ کے دوران ہی میں قضائے الٰہی سے وفات پا گئے۔ ان کی اہلیہ حضرت فاطمہؓ بنت مجلل ۷ھ ہجری میں دونوں بچوں محمدؓ اور حارثؓ

---

[1] مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم نے اپنی کتاب "سیرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم" میں اسی روایت کو ترجیح دی ہے۔ اس کے مطابق حضرت محمدؓ بن حاطبؓ بھی سابقین اسلام میں سے ہیں یا یہ کہ انہوں نے کم سنی میں ہجرت حبشہ سے پہلے اسلام قبول کیا۔

کو ساتھ لے کر حبش سے مدینہ منورہ پہنچیں۔ بارگاہِ رسالت میں حاضری کا واقعہ حضرت محمدؓ نے اپنی والدہ کی زبانی اس طرح بیان کیا ہے کہ:

"میں تجھے لے کر حبشہ سے چلی اور مدینہ منورہ سے ایک آدھ دن کی مسافت کے فاصلے پر پڑاؤ کیا۔ میں نے تیرے کھانے کو کچھ پکانا چاہا مگر لکڑیاں موجود نہ تھیں۔ میں لکڑیوں کی تلاش میں نکلی اور لکڑیاں لا کر ہانڈی چولھے پر رکھی۔ جب ہانڈی پک چکی اور میں نے اٹھائی تو تمہارے بازو پر گر پڑی (اور یہ بری طرح جل گیا)۔ مدینے پہنچی تو تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئی۔ میں نے آپؐ کی خدمت میں عرض کیا، یا رسول اللہؐ یہ محمدؓ بن حاطب ہے اور یہ پہلا بچہ ہے جو آپ کا ہم نام ہے (پھر میں نے تیرے بازو جلنے کا واقعہ بیان کیا (حضورؐ نے تیرے منہ میں اپنا آبِ دہن ڈالا، تیرے سر پر ہاتھ پھیرا اور تیرے لیے دعا فرمائی۔ پھر حضورؐ نے اپنا لعابِ دہن تیرے بازو اور ہاتھ پر لگایا اور یہ دعا کی:—

أَذْهِبِ الْبَأْسَ رَبَّ النَّاسِ وَاشْفِ أَنْتَ الشَّافِي، لَا شِفَاءَ إِلَّا شِفَاؤُكَ شِفَاءً لَا يُغَادِرُ سَقَمًا

(اے انسانوں کے رب بیماری دُور فرما، تو شفا بخش کہ تو ہی شفا بخشنے والا ہے۔ تیری شفا کے بغیر کوئی شفا نہیں۔ ایسی شفا جو بیماری کو نہیں چھوڑتی)۔

میں ابھی حضورؐ کے پاس ہی بیٹھی ہوئی تھی کہ تیرا ہاتھ (بازو) بالکل تندرست ہو گیا۔"

ابن اثیرؒ نے "اُسد الغابہ" میں مصعب زبیریؒ کے حوالے سے لکھا ہے کہ جلیل القدر صحابیہ حضرت اسماءؓ بنت عمیس نے حضرت محمدؓ بن حاطبؓ کو اپنے بیٹے عبداللہؓ (بن جعفرؓ بن ابی طالب) کے ساتھ دودھ پلایا تھا۔ یہ دونوں اسی

تعلّق کی وجہ سے عمر بھر ساتھ رہے۔

(۳)

عہدِ رسالت اور پہلے تین خلفائے راشدینؓ کے دَور میں حضرت محمدؓ بن حاطبؓ کے حالاتِ زندگی کے بارے میں کُتُبِ سِیَر خاموش ہیں البتہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں وہ نمایاں طور پر منظرِ عام پر آتے ہیں۔

ابنِ کلبی کا بیان ہے کہ وہ جمل اور صِفّین کی لڑائیوں میں حضرت علیؓ کے ساتھ رہے اور نہروان کی لڑائی میں خوارج کے خلاف بھی دادِ شجاعت دی۔

حضرت محمدؓ بن حاطبؓ کی وفات کے بارے میں دو روایتیں ہیں۔ایک یہ کہ انھوں نے مکّے میں سنہ ۷۴ھ میں انتقال کیا اور دوسری یہ کہ وہ سنہ ۸۶ھ میں کوفہ میں فوت ہوئے۔ واللہ اعلم

حضرت محمدؓ بن حاطبؓ سے یہ حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"دف کی آواز، حلال اور حرام میں ما بہ الامتیاز ہے۔"

(اُسدُ الغابہ)



حضرت محمودؓ بن لبید انصاری

انصار کے قبیلہ اوس کی شاخ بنو عبدالاشہل کے چشم و چراغ تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:—

محمودؓ بن لبید بن رافع بن امرؤ القیس بن زید بن عبدالاشہل۔

بنو عبدالاشہل کو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کے دو بہترین خاندانوں میں ایک خاندان قرار دیا ہے۔ دوسرا خاندان بنو نجار کا تھا۔

امام بخاریؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور ابن ابی حاتمؒ کے نزدیک ان کو شرفِ صحابیت حاصل ہوا البتہ امام مسلمؒ نے ان کو تابعین کے طبقۂ دوم میں شمار کیا ہے۔

علامہ ابن اثیرؒ نے "اُسدُ الغابہ" میں ابو عمرؒ کے حوالے سے لکھا ہے — کہ "امام بخاریؒ کی رائے بہتر ہے کیونکہ جو احادیث ان سے مروی ہیں وہ ان کے صحابی ہونے کی واضح شہادت ہیں۔" صحیح یہ ہے کہ حضرت محمودؓ بن لبید صغائرِ صحابہ میں سے تھے کیونکہ وہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں پیدا ہوئے۔ حضورؐ کے وصال کے وقت وہ کافی ہوشیار ہو چکے تھے انہوں نے حضورؐ کے جو ارشادات سُنے یا عہدِ رسالت کے جو واقعات دیکھے انہیں اپنے حافظے میں محفوظ رکھا۔ ابنِ اثیرؒ کے قول کے مطابق وہ فضلاءِ صحابہؓ میں سے تھے۔ انہوں نے ۹۶ھ میں وفات پائی۔ ان سے مروی چند احادیث یہاں درج کی جاتی ہیں:—

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:— مجھے تمہارے بارے میں سب سے زیادہ خطرہ "شرکِ اصغر" کا ہے۔ بعض صحابہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ "شرکِ اصغر" کا کیا مطلب ہے؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا، ریا (یعنی کوئی کام لوگوں کے دکھاوے کے لیے کرنا) (مُسندِ احمد)

(۲) رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا :- دو چیزیں ایسی ہیں جن کو آدمی ناپسند ہی کرتا ہے ۔ ایک تو وہ موت کو پسند نہیں کرتا حالانکہ موت اس کے لیے فتنہ سے بہتر ہے اور دوسرے وہ مال کی کمی اور ناداری کو پسند نہیں کرتا حالانکہ مال کی کمی آخرت کے حساب کو بہت مختصر اور ہلکا کرنے والی ہے ۔ (مُسندِ احمد)

(۳) رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا :- جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کی دنیا میں حفاظت کرنا چاہتا ہے تو اس کی اس طرح حفاظت کرتا ہے جس طرح تم اپنے مریض کی حفاظت کرتے ہو ۔ (اُسدُ الغابہ فی معرفۃ الصحابہ)

(۴) رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو اطلاع ملی کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک ساتھ تین طلاقیں دے دی ہیں تو آپؐ سخت غصہ کی حالت میں کھڑے ہو گئے اور ارشاد فرمایا کہ ابھی جبکہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں کیا کتاب اللہ سے کھیلا جائے گا اور اس کی تعلیم سے مذاق کیا جائے گا ___ ؟ حضورؐ نے سخت غصہ کی حالت میں یہ بات ارشاد فرمائی تو ایک صحابی کھڑے ہو گئے اور عرض کیا ، یا رسول اللہ کیا میں اس آدمی کو قتل ہی نہ کر دوں جس نے یہ حرکت کی ہے ؟ (سنن نسائی)

نوٹ : حدیث میں یہ نہیں بتایا گیا کہ جن صحابی نے غلط کار آدمی کو قتل کر دینے کا ارادہ ظاہر کیا تھا ، حضورؐ نے اس کو کیا جواب دیا ۔ قیاس یہ ہے کہ آپؐ نے اس کی اجازت نہیں دی ۔ گو آپؐ نے اس فعل سے سخت بیزاری کا اظہار فرمایا لیکن ایسا گناہ قرار نہیں دیا جس کی سزا قتل ہو ۔ واللہ اعلم (مؤلف)

(۵) حضرت حنظلہؓ بن ابی عامر جو بنی عمرو بن عوف کے بھائی تھے وہ اور ابوسفیانؓ بن حرب یومِ اُحُد میں مقابل ہوئے ۔ جب ابوسفیان پر حضرت حنظلہؓ غالب آ گئے تو ان کو شداد بن اسود نے جس کو ابن شعوب بھی کہا جاتا ہے ، دیکھا اور تلوار کا وار کر کے ان کو شہید کر دیا ۔ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ تمہارے ساتھی یعنی حنظلہؓ کو ملائکہ غسل دے رہے ہیں ۔ ان کی گھر والی سے پوچھو کیا

بات ہے؟ میں نے ان کی اہلیہ سے پوچھا، انہوں نے بیان کیا کہ جب حنظلہؓ نے غزوہ کی ندا سُنی تھی تو حالتِ جنابت ہی میں (جہاد کے لیے) گھر سے نکل پڑے تھے۔ حضورؐ نے فرمایا اسی وجہ سے ملائکہ نے ان کو غسل دیا ہے۔

(الاصابہ۔ مستدرکِ حاکم)

(—— یہ غزوۂ اُحدؐ کا مشہور واقعہ ہے اسی لیے حضرت حنظلہؓ کو "غسیل الملائکہ" کہا جاتا ہے۔)

(۶) جب غزوۂ خندق میں حضرت سعدؓ بن معاذ کی رگِ اکحل پر زخم لگا اور وہ سخت بیمار ہو گئے تو صحابہؓ نے ان کو وہاں سے ایک خاتون کے پاس منتقل کر دیا جن کو رفیدہ کہا جاتا ہے۔ (حضورؐ کو جب خبر ملی کہ سعدؓ کی جانبری کی امید نہیں ہے تو) حضورؐ نکلے اور ہم سب آپ کے ساتھ چلے آپؐ اتنے تیز چلے کہ ہمارے جوتوں کے تسمے ٹوٹ گئے اور ہماری گردنوں سے ہماری چادریں گر گر جاتی تھیں۔ اس بات کی آپؐ سے اصحابؓ نے شکایت کی کہ یا رسول اللہؐ! آپؐ نے تو چلنے میں ہم کو تھکا دیا تو آپؐ نے فرمایا، میں خوف کرتا ہوں کہ ہم سے پہلے کہیں ان کو غسل دینے کے لیے ملائکہ نہ پہنچ جائیں جیسا کہ انہوں نے حنظلہ کو غسل دیا تھا۔ (طبقات ابنِ سعد)



حضرت مُحَیِّصَہؓ بن مسعود انصاری

(۱)

مُحَیِّصَہ نام۔ ابو سعد کنیت۔ خاندانی تعلق اوس کی شاخ بنی حارثہ سے تھا۔ نسب نامہ یہ ہے:

مُحَیِّصَہؓ بن مسعود بن زید بن کعب بن عامر بن عدی بن مجدع بن حارثہ بن حارث بن خزرج بن عمرو بن مالک بن اوس۔

علامہ ابن اثیرؒ نے "اُسدُ الغابہ" میں حضرت مُحَیِّصَہ کو کعب بن عامر کا پوتا بتایا ہے اور مسعود کے بعد زید کا نام حذف کر دیا ہے۔ مولانا سعید انصاری مرحوم نے بھی "سیر انصار" میں حضرت مُحَیِّصَہؓ کے ترجمہ میں ابن اثیرؒ کا تتبّع کیا ہے لیکن ان کا صحیح شجرۂ نسب وہی ہے جو ہم نے اوپر لکھا ہے کیونکہ صحیح بخاری میں حضرت مُحَیِّصَہؓ کو مسعود بن زید کا بیٹا بتایا گیا ہے۔ مختلف دوسری روایتوں سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے جن میں مشہور صحابی حضرت عبدالرحمٰنؓ بن سہل (بن زید بن کعب) اور ان کے بھائی حضرت عبداللہؓ بن سہل کو حضرت مُحَیِّصَہؓ کے بھتیجے بتایا گیا ہے۔

حضرت مُحَیِّصَہؓ بن مسعود کے ایک حقیقی بھائی حضرت حُوَیِّصَہؓ بن مسعود تھے۔ حضرت مُحَیِّصَہؓ عمر میں حضرت حُوَیِّصَہؓ سے چھوٹے تھے مگر قبول اسلام میں وہ بڑے بھائی پر سبقت لے گئے۔ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ حضرت مُحَیِّصَہؓ ہجرتِ نبویؐ سے قبل شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہو گئے جبکہ حضرت حُوَیِّصَہؓ ہجرتِ نبویؐ کے بعد سعادت اندوزِ ایمان ہوئے۔

(۲)

حضرت مُحَیِّصَہؓ بڑے راسخ الایمان اور مخلص مسلمان تھے اور سرورِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی ذاتِ گرامی ان کو ماں باپ بہن بھائی اولاد غرضیکہ کائنات کی ہر شے سے بڑھ کر محبوب تھی۔ وہ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ہر ارشاد کی تعمیل کو اپنا جزوِ ایمان سمجھتے تھے۔ غزوۂ بدر (رمضان ۲ھ ہجری) کے بعد اور غزوۂ اُحد (شوال ۳ھ ہجری) سے کچھ پہلے سرورِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اُن مارِ آستین یہودیوں کے استیصال کا ارادہ کر لیا جو یہودِ مدینہ سے صلح کا معاہدہ (میثاقِ مدینہ) طے پانے کے باوجود مسلمانوں کی بیخ کنی میں مصروف تھے اور نہ صرف حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اور آپؐ کے جاں نثاروں کی بدگوئی اور ان کے خلاف لوگوں کو اکسانے پر کمر باندھ رکھی تھی بلکہ مشرکینِ مکّہ سے ساز باز کرنے سے بھی گریز نہیں کیا تھا۔ ان کی اس قسم کی سرگرمیاں اہلِ حق اور مدینہ کی نوزائیدہ اسلامی ریاست سے کھلی دشمنی کے مترادف تھیں۔ ان مفسدہ پرداز یہودیوں کا سرغنہ ایک یہودی رئیس کعب بن اشرف تھا۔ حضورؐ کے ایک جاں نثار حضرت محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ نے آپؐ کے حکم سے اس کو کیفرِ کردار تک پہنچا دیا۔ اس کے بعد آپؐ نے حضرت مُحَیِّصَہ کو ایک اور شریر اور بدگو یہودی تاجر کے قتل پر مامور فرمایا۔ بعض روایتوں میں اس کا نام ابن سبینہ آیا ہے اور بعض میں ابن شیبہ۔ یہ شخص حقیقی معنوں میں آستین کا سانپ تھا کیونکہ وہ مسلمانوں میں گھلا ملا رہتا تھا اور ان کے ہاتھ خرید و فروخت کیا کرتا تھا۔ حضرت مُحَیِّصَہؓ نے ایک دن موقع پا کر اس کو جہنّم واصل کر دیا۔ مقتول یہودی کے حضرت مُحَیِّصَہؓ کے بڑے بھائی حُوَیِّصَہ سے خاص تعلقات تھے چونکہ وہ ابھی تک شرفِ اسلام سے بہرہ ور نہیں ہوئے، اپنے دوست کے قتل پر سخت برافروختہ ہوئے اور حضرت مُحَیِّصَہؓ کو زد و کوب کرنا شروع کر دیا۔ مارتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے:

"او دشمنِ خدا تو نے اس کو قتل کر دیا حالانکہ تیرے پیٹ میں زیادہ تر چربی

اسی کے مال سے پیدا ہوئی ہے۔"

اس تمام مار پیٹ کا حضرت محیصہؓ نے صرف ایک جواب دیا:

"خدا کی قسم! جس مقدس ہستی نے مجھے اس (بدبخت یہودی) کے قتل کا حکم دیا تھا، اگر تمہیں قتل کرنے کا حکم دیتی تو میں تمہاری گردن بھی اڑا دیتا۔"

ایک روایت میں حضرت محیصہؓ کے یہ الفاظ نقل ہوئے ہیں:۔

"خدا کی قسم مجھے جس ذاتِ گرامی نے اس کے قتل کا حکم دیا اگر وہ مجھے تمہارے قتل کا حکم دے تو میں تمہاری گردن بھی مار دوں۔"

حُوَیِّصہ چھوٹے بھائی سے ٹوٹ کر پیار کرتے تھے۔ حضرت مُحَیِّصہؓ بھی بڑے بھائی کا بہت احترام کرتے تھے اور حُوَیِّصہ کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ آ سکتی تھی کہ انہیں کبھی مُحَیِّصہؓ سے اس قسم کے الفاظ سننے پڑیں گے۔ اب جو انہوں نے یہ الفاظ سُنے تو ان پر سکتہ طاری ہو گیا اور انہوں نے سخت استعجاب کے عالم میں کہا:

"اگر محمد (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) تمہیں میرے قتل کا حکم دیں تو کیا واقعی تم مجھے قتل کر دو گے؟"

حضرت مُحَیِّصہؓ نے کہا: "ہاں، خدا کی قسم (ذرا بھی دیر نہ لگاؤں گا)"

اس جواب نے حُوَیِّصہ کی آنکھیں کھول دیں اور بولے:

"خدا کی قسم جس دین نے تجھ پر یہاں تک اثر کیا ہے وہ عجیب دین ہے۔"

امام ابنِ اسحاقؒ کا بیان ہے کہ یہ سوال و جواب ہونے کے فوراً بعد حُوَیِّصہ اسلام لے آئے۔ (سننِ ابی داؤد، کنز العمال)

ابنِ اثیرؒ نے لکھا ہے کہ حُوَیِّصہ کے اظہارِ تعجب کے جواب میں حضرت مُحَیِّصہؓ نے یہ اشعار پڑھے:

(۱)

يَلُوْمُ ابْنُ اُمِّیْ لَوْ اُمِرْتُ بِقَتْلِهٖ   لَطَبَقْتُ ذِفْرَاهُ بِاَبْيَضَ قَاضِبٖ

(۲)

حَسَامٌ کَلَوْنِ الْمِلْحِ اُخْلِصَ صِقْلُهٗ مَتٰی مَا اُمْضِیْهِ فَلَیْسَ بِبَاذِبٍ

(۳)

وَمَا سَرَّنِیْ اِنِّیْ قَتَلْتُكَ طَائِعًا وَاِنَّ لَنَا مَا بَیْنَ بُصْرٰی فَمَارِبٍ

(ترجمہ)

(۱) میری ماں کا بیٹا مجھے ملامت کرتا ہے کہ اگر مجھے اس کے قتل کا حکم دیا جائے تو میں سفید تلوار اس کی گردن میں لگاؤں۔

(۲) ایسی تلوار جو نمک کی طرح صاف رنگ کی ہے کہ جب میں اس کو چلاتا ہوں تو خالی نہیں جاتی۔

(۳) اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی تعمیل میں اگر میں تجھے قتل کردوں اور اس کے بدلے میں بُصریٰ اور مارب کے درمیانی مقامات بھی مجھے ملیں تو میں خوش نہ ہوں گا (یعنی اگر مجھ سے یہ کہا جائے کہ بُصریٰ اور مارب کے درمیانی مقامات لے لو اور نبی صَلَّی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے حکم کی تعمیل نہ کرو تو یہ بات مجھے منظور نہ ہوگی)

(۳)

حضرت مُحَیّصہؓ غزوۂ بدر میں کسی وجہ سے شریک نہ ہو سکے مگر اس کے بعد غزوۂ اُحُد، غزوۂ احزاب اور عہدِ رسالت کے دوسرے تمام غزوات میں سرورِ عالم صَلَّی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا۔ حضرت حُوَیّصہؓ بھی اُحُد اور مابعد کے تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ سرورِ عالم صَلَّی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے حضرت مُحَیِّصہؓ کو اشاعتِ اسلام کے لیے مُبَلِّغ بنا کر فدک بھیجا تھا۔

غزوۂ خیبر کے کچھ عرصہ بعد ایک المناک واقعہ پیش آیا جس میں حضرت مُحَیّصہؓ کے بھتیجے حضرت عبداللہؓ بن سہل مظلومانہ شہید ہو گئے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت مُحَیِّصہ اور حضرت عبداللہؓ بن سہل یہودِ خیبر کے ساتھ صلح کے

زمانے میں خیبر گئے (ابن اثیرؒ کے بیان کے مطابق وہ کھجوروں کی بٹائی کے لیے گئے تھے) وہاں حضرت عبداللہؓ حضرت مُحَیِّصَہؓ سے جدا ہو گئے۔ حضرت عبداللہؓ کو کسی نے شہید کر ڈالا اور ان کی لاش ایک چشمے میں پھینک دی۔ حضرت مُحَیِّصَہؓ کو بھتیجے کی لاش ملی تو ان کو سخت صدمہ پہنچا۔ لاش تو وہیں دفن کر دی اور خود مدینہ واپس آ گئے۔ پھر بڑے بھائی حضرت حُوَیِّصَہؓ اور دوسرے بھتیجے حضرت عبدالرحمٰنؓ بن سہل (حضرت عبداللہؓ شہید کے بھائی) کو ساتھ لے کر بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے سارا واقعہ حضورؐ کی خدمت میں عرض کیا اور اس شک کا اظہار کیا کہ عبداللہؓ کو یہودیوں نے قتل کیا ہے۔ حضورؐ نے ان سے فرمایا، کیا تم قسم اٹھا سکتے ہو کہ عبداللہ یہودیوں کے ہاتھ سے قتل ہوئے ہیں۔ انہوں نے عرض کیا، یا رسول اللہؐ! ہم نہ جائے قتل پر موجود تھے اور نہ ان کو قتل ہوتے ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ چونکہ عینی شہادت کوئی نہ تھی اس لیے حضورؐ نے محض قرائن Circumstantial Evidence کی بنا پر یہودِ خیبر کے خلاف کوئی کارروائی کرنا مناسب نہ سمجھا اور حضرت عبداللہؓ کا خون بہا اپنے پاس سے ادا کر دیا۔

(۴)

حضرت مُحَیِّصَہؓ کے سالِ وفات کے بارے میں کُتُبِ سِیَر خاموش ہیں البتہ مولانا سعید انصاری مرحوم نے "سیر انصارؓ" میں لکھا ہے:

"قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ امیر معاویہؓ کے عہدِ خلافت میں وفات پائی کیونکہ ان کے پوتے نے ان کو اچھی طرح دیکھا تھا اور حدیث سنی تھی اور یہ ثابت ہے کہ ان کے پوتے ۴۳ھ میں پیدا ہوئے تھے۔"

اُن کے بڑے بھائی حضرت حُوَیِّصَہ کا سالِ وفات بھی کسی کتاب میں درج نہیں ہے ۔۔۔ مختلف روایتوں سے حضرت مُحَیِّصَہؓ کے ایک بیٹے اور ایک بیٹی کا پتہ چلتا ہے۔ طبقات ابنِ سعدؒ میں بیٹے کا نام سعد بتایا گیا ہے۔ انہی

کے نام پر حضرت مُحَیِّصَہ کی کنیت ابو سعد تھی۔ سعدؓ کے بیٹے حرامؓ تھے۔ وہ حضرات مُحَیِّصَہؓ کے رواۃ حدیث میں شامل ہیں۔

حضرت مُحَیِّصَہؓ کے علم وفضل کے بارے میں اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے انہیں مبلّغ بناکر فدک بھیجا تھا۔ اوپر ان کے جو اشعار نقل ہوئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ شعروشاعری میں بھی درک رکھتے تھے۔

کُتُبِ حدیث میں حضرت مُحَیِّصَہؓ سے مروی چند احادیث موجود ہیں۔ یہ احادیث حرام بن سعد بن مُحَیِّصَہؓ اور محمد بن سہل بن ابی خثیمہ کے سلسلہ سے مروی ہیں۔

مُسندِ احمد کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مُحَیِّصَہؓ بارگاہِ نبوی میں خاص تقرّب رکھتے تھے۔ ایک دفعہ انہوں نے حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے ایک مسئلہ پوچھا، آپؐ نے جو جواب دیا وہ حضرت مُحَیِّصَہؓ کی توقع کے خلاف تھا چنانچہ جب تک ان کو اطمینان نہ ہو گیا بار بار یہ مسئلہ حضورؐ سے پوچھتے رہے۔

سُننِ ابی داؤد میں ہے کہ حضرت مُحَیِّصَہؓ نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے حجام کی اجرت کے بارے میں دریافت کیا۔ آپؐ نے انہیں منع کر دیا لیکن وہ بار بار پوچھتے رہے اور اجازت مانگتے رہے۔ آخر آپؐ نے ان کو اس شرط پر اجازت دے دی کہ تمہیں اس کو ہر اچھی اور ہر معمولی چیز سے حصہ دینا ہوگا۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ



حضرت مخرمہؓ بن نوفل زُہری

(۱)

قریش کے خاندان بنو زُہرہ کے چشم و چراغ تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:

مخرمہ بن نوفل بن اہیب بن عبد مناف بن زُہرہ بن کلاب بن مرّہ

علامہ ابن الاثیرؒ کے بیان کے مطابق والدہ نام رقیقہ بنت ابی صیفی بن ہاشم بن عبد مناف بن قصّیٰ تھا۔

حضرت مخرمہؓ والد اور والدہ دونوں کی طرف سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی رشتہ دار تھے۔ ان کے والد نوفل بن اہیب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ بی بی آمنہ بنت وہب بن عبد مناف کے چچا زاد بھائی تھے۔ ان کا سلسلۂ نسب کلاب بن مُرّہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلۂ نسب سے مل جاتا ہے۔

والدہ رقیقہ بنت ابی صیفی حضورؐ کے والد حضرت عبداللہ بن عبد المطلب کی چچا زاد بہن تھیں۔ (ابی صیفی۔ حضرت عبد المطّلب کے علّاتی بھائی تھے)۔ ان نسبتوں کی بناء پر حضرت مخرمہؓ حضورؐ کے ماموں زاد بھائی بھی ہوتے تھے اور پھوپھی زاد بھائی بھی۔

ان کی کنیت ابو صفوان بھی تھی اور ابو المِسوَر یا ابو الاسود بھی۔ اوّل الذکر کنیت کو زیادہ شہرت حاصل ہوئی۔

حضرت مخرمہؓ کی شادی عاتکہؓ بنت عوف سے ہوئی تھی وہ بھی بنو زُہرہ سے تھیں اور حضرت عبد الرحمٰنؓ بن عوف (یکے از اصحابِ عشرہ مبشّرہ) کی بہن تھیں۔ ان کا سلسلۂ نسب یہ ہے:

عاتکہؓ بنت عوف بن عبد عوف (عبید) بن حارث بن زہرہ بن کلاب بن مُرّہ

سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم نے دعوتِ حق کا آغاز فرمایا تو حضرت عاتکہؓ نے اپنے بھائی حضرت عبدالرّحمٰن بن عوف کی طرح اس پر لبّیک کہا ــــ اور "السّابقون الاوّلون" کی صف میں شامل ہوگئیں مگر مخرمہؓ اپنے آبائی مذہب پر قائم رہے یہاں تک کہ سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم مکّہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے گئے۔ ۲ھ ہجری میں حضرت مخرمہؓ کے فرزند حضرت مِسوَرؓ پیدا ہوئے۔ ان کی ولادت کے کچھ عرصہ بعد حضرت عاتکہؓ نے ننھے مِسوَرؓ کو ساتھ لے کر مدینہ جانا چاہا۔ حضرت مخرمہؓ نے حضرت عاتکہؓ کو تو جانے دیا مگر مِسوَرؓ کو ان کے حوالے نہ کیا اور اپنے پاس ہی رکھ لیا۔

(۲)

رمضان المبارک ۸ھ ہجری میں سرورِ عالم صَلَّی اللہُ علیہ وَسَلَّم نے مکّہ پر پرچمِ اسلام بلند فرمایا تو دوسرے صنادید قریش کی طرح مخرمہؓ بھی آستانۂ اسلام پر جھک گئے اور سچّے دل سے اللہ اور اللہ کے رسولؐ پر ایمان لے آئے۔ اُس وقت ان کی عمر ستّر برس کے لگ بھگ تھی۔

فتح مکّہ کے بعد سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم غزوہ حُنَین کے لیے تشریف لے گئے تو حضرت مخرمہؓ بھی آپؐ کے ہمرکاب تھے ــــ فتح کے بعد حضورؐ نے حنین کا مالِ غنیمت تقسیم فرمایا تو حضرت مخرمہؓ کو مؤلفۃ القلوب کے زمرے میں رکھا اور ان کو پچاس اونٹ مرحمت فرمائے۔

آنحضور صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم حنین اوطاس اور طائف کے غزوات سے فارغ ہوکر مدینہ منورہ واپس تشریف لے گئے تو حضرت مخرمہؓ بھی اپنے فرزند مِسوَرؓ کو ساتھ لے کر مدینہ آگئے اور باقی زندگی یہیں گزاری۔

(۳)

حضرت مخرمہؓ کا شمار ان لوگوں میں ہوتا تھا جو علم الانساب میں غایت درجے کی مہارت رکھتے تھے بالخصوص قریش کی تاریخ کے تمام اہم واقعات اُن کو بہت

اچھی طرح یاد تھے۔ ان میں ایک بشری کمزوری جو عمر کی زیادتی یا کسی اور وجہ سے پیدا ہو گئی تھی یہ تھی کہ مزاج میں بڑی درشتی تھی اور لوگوں میں ایک درشت مزاج آدمی کی حیثیت سے مشہور تھے۔

ایک دفعہ وہ سرورِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے ملنے گئے اور آپؐ کے درِ اقدس پر کھڑے ہو کر اندر آنے کی اجازت چاہی۔ آپؐ نے فرمایا، اسے اندر آنے دو مگر یہ کوئی اچھا قرابت دار نہیں ہے۔ جب وہ اندر آئے تو آپؐ ان سے بہت اچھی طرح پیش آئے اور بڑی شفقت اور ملائمت سے گفتگو فرمائی۔ جب وہ چلے گئے تو اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے پوچھا:——

"یا رسول اللہؐ آپؐ کے نزدیک تو مخرمہ کوئی اچھا قرابت دار نہیں تھا مگر آپؐ نے اس کے ساتھ نہایت محبت اور نرمی سے گفتگو فرمائی۔"

حضورؐ نے فرمایا: "اللہ کے نزدیک سب سے بُرا آدمی وہ ہے جس کی بدزبانی کی وجہ سے لوگ اس سے ملنا جُلنا چھوڑ دیں۔"[1]

مدینہ منوّرہ آنے کے بعد حضرت مخرمہؓ وقتاً فوقتاً بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوتے رہتے تھے اور اپنے کمسن بیٹے مِسوَرؓ کو بھی حضورؐ کی خدمتِ اقدس میں بھیجتے رہتے تھے تاکہ وہ فیضانِ نبویؐ سے بہرہ یاب ہوں۔

صحیح بخاری میں حضرت مِسوَر بن مخرمہؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے (مالِ غنیمت میں سے) کچھ قبائیں تقسیم فرمائیں مگر

---

[1] حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا یہ ارشاد بڑا پُر حکمت ہے۔ ایک طرف تو آپؐ نے یہ بات پسند نہ فرمائی کہ حضرت مخرمہؓ سے سخت گفتگو فرمائیں اور دوسری طرف یہ اشارہ فرمایا کہ مخرمہ (گو درشت مزاج سہی مگر) ایسے نہیں ہیں کہ ان سے ملنا جُلنا ہی ترک کر دیا جائے۔ (اور ان کو اذنِ باریابی ہی نہ دیا جائے) یوں وہ اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ آدمی قرار پائیں گے۔

ان کے والد مخرمہؓ کو کوئی قبا نہ ملی۔ جس پر مخرمہؓ نے کہا، اے میرے بیٹے مجھے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں لے چل ممکن ہے آپؐ مجھے مالِ غنیمت سے کچھ مرحمت فرمائیں۔ چنانچہ میں انہیں ساتھ لے کر رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے کاشانۂ اقدس پر پہنچا۔ انہوں نے کہا، اندر جاکر حضورؐ کو بُلا لاؤ، پس میں آپؐ کو بُلا لایا۔ آپؐ باہر تشریف لائے تو آپؐ کے ہاتھ میں ایک قبا تھی۔ آپؐ نے وہ میرے والد کو دکھائی اور اس کی خوبیاں بیان فرمائیں پھر فرمایا، یہ میں نے تمہارے لیے بچا رکھی تھی۔ اس کو دیکھ کر (حضرت) مخرمہؓ خوش ہو گئے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت مخرمہؓ نے حضورؐ کے کاشانۂ اقدس کے باہر پہنچ کر حضرت مسوَرؓ سے کہا:

"بیٹا! رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو آواز دو۔"

حضرت مسوَرؓ نے کہا: "اباجان میری کیا حیثیت ہے کہ میں رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو آواز دوں" (یعنی میں چھوٹا سا ہوں آپؐ میرے آواز دینے سے ناراض نہ ہوں)

حضرت مخرمہؓ نے کہا: "بیٹے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم جبّار نہیں ہیں۔"

اس پر حضرت مسوَرؓ نے جرأت کر کے آواز دی۔ حضورؐ فوراً باہر تشریف لائے اور حضرت مخرمہؓ کو ایک قبا عطا فرمائی۔

(۴)

علامہ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ حضرت مخرمہؓ بن نوفل ان خوش قسمت لوگوں میں شامل تھے جنہوں نے امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کے دورِ خلافت میں حدودِ حرم کو علیحدہ کرنے کے نشانات لگائے تھے امیر المومنینؓ نے ان کے ساتھ حضرت ازہرؓ بن عوف، حضرت سعید بن یربوع اور حضرت حویطبؓ بن عبد العزیٰ کو بھیجا تھا۔

حضرت مخرمہؓ بن نوفل نے طویل زندگی پائی۔ عمر کے آخری دور میں بینائی جاتی رہی تھی۔ انہوں نے ۵۴ھ ہجری میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ اس وقت ان کی عمر ایک سو پندرہ ۱۱۵ برس کی تھی اور یہ حضرت امیر معاویہؓ کا دورِ خلافت تھا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ،

حضرت مِسطَح رضؓ بن اُثاثہ مُطَّلبی

(۱)

اصل نام عوف تھا مگر انہوں نے مِسطَح کے نام سے شہرت پائی۔ بقولِ بعض مِسطَح ان کا لقب تھا اس نے اتنی شہرت پائی کہ لوگوں کو اصل نام بھول گیا۔

قریش کی شاخ بنو مُطَّلِب سے تھے۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:

مِسطَحؓ بن اُثاثہ بن عباد بن مُطَّلِب بن عبد مناف بن قُصیّ۔

حضرت مِسطَحؓ کے پردادا مُطَّلِب، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پردادا ہاشم کے بھائی تھے۔ اس طرح ان کا نسب نامہ عبد مناف پر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب نامہ سے مل جاتا ہے۔ ان کی کنیت ابو عباد یا ابو عبادہ تھی۔ ایک اور روایت میں ابو عبداللہ بھی آئی ہے۔

حضرت مِسطَحؓ کی والدہ کا نام سلمیٰؓ بنت ابورہم (بن مُطَّلِب بن عبد مناف) تھا۔ وہ اُن کے والد اُثاثہ کی بنتِ عم تھیں۔ سلمیٰ نے اپنی کنیت اُمِّ مِسطَح سے شہرت پائی۔ ان کو شرفِ صحابیت حاصل ہے۔

حضرت اُمِّ مِسطَح سلمیٰؓ کی والدہ (حضرت اُمِّ مِسطَح کی نانی) کا نام ریطہ بنتِ صخر بن عامر بن کعب تھا۔ وہ بنو تیم سے تھیں اور سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خالہ تھیں (سیدنا صدیقِ اکبرؓ کی والدہ حضرت سلمیٰؓ بنت صخر، ریطہ بنت صخر کی بہن تھیں) اس نسبت سے حضرت سلمیٰؓ بنت ابورہم سیدنا صدیقِ اکبرؓ کی خالہ زاد بہن تھیں اور حضرت مِسطَحؓ ان کے بھانجے ہوتے تھے[1]

---

[1] سیر الصحابہ جلد سوم (مہاجرین حصہ دوم) میں مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی مرحوم نے حضرت مسطحؓ کو
(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حضرت مسطح دعوتِ توحید کے ابتدائی زمانے میں کسی وقت شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہوئے۔ اس اعتبار سے وہ "السّابقون الاوّلون" کی مقدس جماعت کے ایک رُکن ہیں۔ انصار کی بیعتِ عقبہ کبیرہ (سنہ ۱۳ نبوت) کے بعد سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرامؓ کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کا اذن دیا تو حضرت مسطحؓ بھی مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے۔

(۲)

رمضان المبارک سنہ ۲ ہجری میں غزوۂ بدر الکبریٰ پیش آیا تو حضرت مسطحؓ اس میں بڑے جوش اور جذبے کے ساتھ شریک ہوئے اور یوں ان کو بدری صحابی ہونے کا مہتم بالشان شرف حاصل ہو گیا۔ اصحابِ بدر وہ نفوسِ قدسی ہیں جن کو اگلے پچھلے تمام گناہوں کی مغفرت کی بشارت دی گئی اور صحابۂ کرام میں جن کو خاص درجۂ فضیلت حاصل ہے۔ حضرت مسطحؓ غزوۂ بدر کے بعد عہدِ رسالت کے بعض اور غزوات میں بھی شریک ہوئے۔ اربابِ سیر نے ان میں سے غزوۂ بنی المصطلق کا خصوصیت سے ذکر کیا ہے کیونکہ اس موقع پر حضرت مسطحؓ سے ایک افسوسناک لغزش سرزد ہو گئی۔ ہوا یوں کہ شعبان سنہ ۶ ہجری میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ قبیلہ خزاعہ کی ایک شاخ بنی المصطلق کے لوگ مسلمانوں کے خلاف جنگ کی تیاریاں کر رہے ہیں اور دوسرے قبائل کو بھی ساتھ ملانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہ اطلاع پاتے ہی آپ ایک لشکر لے کر ان کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوئے۔

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ) "اُسد الغابہ" کے حوالے سے سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خالہ زاد بھائی بتایا ہے۔ لیکن یہ صحیح نہیں۔ فی الحقیقت حضرت مسطحؓ کی والدہ حضرت اُمِ مسطح سلمیٰ بنت ابو رہم سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خالہ زاد بہن تھیں اور اس نسبت سے حضرت مسطحؓ ان کے بھانجے ہوتے تھے۔ اُسد الغابہ میں یہی بیان کیا گیا ہے۔ شاہ معین الدین احمدؒ کو تسامح ہوا کہ انہوں نے حضرت مسطحؓ کو سیدنا صدیقِ اکبرؓ کا خالہ زاد بھائی لکھ دیا۔

(طالب ہاشمی)

بنو مصطلق جُحفہ اور رابغ کے درمیان قدید کے علاقے میں آباد تھے (ان کے چشمے کا نام مُریسیع تھا اس لیے اس مہم کو غزوۂ مُریسیع بھی کہا جاتا ہے) حضور صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے مُریسیع کے قریب اچانک دشمن کو جالیا۔ اس نے معمولی مزاحمت کے بعد ہتھیار ڈال دیئے اور مسلمانوں نے سارے قبیلے کو مال اسباب سمیت گرفتار کرلیا۔ اس مہم میں ازواجِ مطہرات میں سے اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہا حضورؐ کے ساتھ آئی تھیں۔ مجاہدین میں حضرت مسطح بن اُثاثہ بھی شامل تھے۔ ابنِ سعدؒ کا بیان ہے کہ اس مہم میں رئیس المنافقین عبداللّٰہ بن اُبَی بھی منافقوں کی ایک بڑی تعداد لے کر آپؐ کے ساتھ شامل ہو گیا تھا۔ واپسی کے سفر میں ایک جگہ رات کو قافلے نے پڑاؤ کیا۔ ابھی رات کا کچھ حصہ باقی تھا کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ رفع حاجت کے لیے پڑاؤ سے دور نکل گئیں۔ وہاں ان کے گلے کا ہار بے خبری کے عالم میں گر گیا۔ جب وہاں سے پلٹیں تو قیامگاہ کے قریب پہنچ کر محسوس ہوا کہ ہار کہیں گر گیا ہے۔ مضطرب ہو کر اسی سمت واپس گئیں۔ جب ہار ڈھونڈ کر قیام گاہ کی طرف آئیں تو قافلہ روانہ ہو چکا تھا۔ بہت گھبرائیں۔ ناتجربہ کاری کی عمر تھی چادر اوڑھ کر وہیں لیٹ گئیں۔ حضرت صفوانؓ بن معطل ایک صحابی بھی کسی انتظامی ضرورت کے سلسلے میں (یا بروایتِ دیگر صبح دیر تک سونے کے عادی ہونے کی وجہ سے) قافلے سے پیچھے رہ گئے تھے۔ انہوں نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کو پہچان لیا کیونکہ حکمِ حجاب سے پہلے انہیں دیکھا ہوا تھا۔ ان سے پیچھے رہ جانے کا سبب پوچھا، جب واقعہ معلوم ہوا تو ہمدردی کا اظہار کیا۔ پھر اُمّ المومنینؓ کو اونٹ پر بٹھا کر اس کی نکیل پکڑ کر عجلت سے قافلے کی طرف روانہ ہوئے اور دوپہر کے وقت قافلے میں جا ملے۔ عبداللّٰہ بن اُبَی کو جب اس واقعہ کا پتہ چلا تو اس نے حضرت صدیقہ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہا پر تہمت لگا دی کہ انہوں نے رات ایک اور شخص کے ساتھ گزاری (نعوذ باللّٰہ)۔ چند سادہ لوح مسلمان بھی غلط فہمی

ہیں مبتلا ہو گئے جن میں حضرت حسان رضؓ بن ثابت اور حضرت حمنہ رضؓ بنت جحش کے علاوہ حضرت مسطح رضؓ بھی شامل تھے۔

مدینے پہنچ کر حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ بیمار ہو گئیں اور ایک مہینے کے قریب چارپائی پر پڑی رہیں۔ اس دوران میں منافقین نے اس بہتان کو خوب پھیلایا۔ کچھ فریب خوردہ مسلمان بھی اس فتنے کی لپیٹ میں آ گئے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سمع اقدس تک یہ باتیں پہنچیں تو آپؐ کو قدرتاً تشویش پیدا ہوئی۔ ادھر حضرت عائشہ رضؓ کو اس بہتان طرازی کے بارے میں کچھ علم نہ تھا البتہ وہ یہ بات شدّت سے محسوس کر رہی تھیں کہ حضورؐ کا ان کی طرف وہ التفات نہ تھا جو بیماری کے زمانے میں ہوا کرتا تھا۔ آخر آپؐ سے اجازت لے کر اپنی والدہ کے گھر چلی گئیں تاکہ وہ ان کی تیمارداری اچھی طرح کر سکیں۔

اُدھر حضرت مسطح رضؓ نے گھر آ کر یہ واقعہ اپنی والدہ کے سامنے بیان کیا تو وہ سخت غضبناک ہوئیں اور بیٹے کو بہت بُرا بھلا کہا ـــــ ایک دن حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ رات کو حضرت اُمّ مسطح رضؓ کے ہمراہ (والدہ کے گھر سے) قضائے حاجت کے لیے آبادی سے باہر جا رہی تھیں کہ راستے میں اُمّ مسطح رضؓ کو ٹھوکر لگی اور بے ساختہ ان کی زبان سے نکلا۔ "غارت ہو مسطح!"

اُمّ المؤمنین رضؓ نے فرمایا ـــــ "وہ اچھی ماں ہو جو بیٹے کو بد دعا دیتی ہو اور بیٹا بھی وہ جو بدری صحابی ہے۔"

حضرت اُمّ مسطح رضؓ نے کہا۔ "بیٹی! کیا تمہیں اس بہتان کی خبر نہیں جو تمہارے بارے میں پھیلایا جا رہا ہے؟" پھر انہوں نے تمام واقعہ حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کے گوش گزار کیا۔ وہ سکتے میں آ گئیں اور گھر واپس آ کر رات بھر روتی رہیں۔ اُدھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے طور پر تحقیق کی مگر کسی نے اُمّ المؤمنین رضؓ کے بارے میں کلمۂ خیر کے سوا کچھ نہ کہا۔ تاہم حضورؐ کو اس بہتان کی وجہ سے سخت اذیّت ہوئی اور اُمّ المؤمنین رضؓ کے والدین بھی سخت

پریشانی اور رنج و غم میں مبتلا رہے۔ آخر کار ایک دن حضورؐ تشریف لائے اور اُمّ المؤمنینؓ کے پاس بیٹھ گئے۔ پھر اس بہتان کے بارے میں کچھ دیر گفتگو ہوئی کہ یکایک آپؐ پر وحی کی کیفیت طاری ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے آیاتِ برأت نازل فرما کر اُمّ المؤمنین کی پاک دامنی کی تصدیق کر دی۔ سورۂ نور کی آیات ۸ تا ۱۲ کا نزول اسی سلسلے میں ہوا۔ ان کا ترجمہ یہ ہے:

"جو لوگ یہ بہتان گھڑ لائے ہیں وہ تمہارے ہی اندر کا ایک ٹولہ ہیں اس واقعے کو اپنے حق میں شر نہ سمجھو بلکہ یہ بھی تمہارے لیے خیر ہی ہے جس نے اس میں جتنا حصہ لیا اس نے اتنا ہی گناہ سمیٹا۔
اور جس شخص نے اس کی ذمہ داری کا بڑا حصہ اپنے سر لیا اس کے لیے تو عذابِ عظیم ہے جس وقت تم لوگوں نے اسے سنا تھا اُسی وقت کیوں نہ مومن مردوں اور مومن عورتوں نے اپنے دلوں میں نیک گمان کیا اور کیوں نہ کہہ دیا کہ یہ صریح بہتان ہے۔"

آیات ۱۳ تا ۲۱ بھی اسی واقعہ سے متعلق ہیں۔ چونکہ قرآنِ حکیم میں اُمّ المؤمنینؓ پر تہمت طرازی کو "اِفْکٌ مُّبِیْن" (صریح بہتان) کہا گیا ہے اس لیے اس واقعہ کو "واقعۂ اِفک" کہا جاتا ہے۔

آیۃ برأۃ کے نزول کے بعد جن مسلمانوں سے اس معاملے میں لغزش ہو گئی تھی ان پر رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے قرآنِ کریم کے اس حکم کے مطابق حد جاری کی۔

وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ یَاْتُوْا بِاَرْبَعَۃِ شُھَدَآءَ فَاجْلِدُوْھُمْ ثَمٰنِیْنَ جَلْدَۃً۔ (سورۂ نور۔ ع ۱:)

(اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگائیں پھر چار گواہ لے کر نہ آئیں ان کو اسّی کوڑے مارو)

حضرت مسطحؓ بھی سزا پانے والوں میں شامل تھے۔

(۳)

اہلِ سِیَر کا بیان ہے کہ حضرت مِسطحؓ اور ان کے اہلِ خاندان بہت غریب تھے اس لیے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس پورے خاندان کی کفالت اپنے ذِمّے لے رکھی تھی۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے (سورۂ نور) میں میری برأت نازل فرمائی تو (میرے والد) حضرت ابوبکرؓ نے قسم کھالی کہ وہ آئندہ مِسطح کی کوئی امداد نہ کریں گے کیوں کہ انہوں نے نہ رشتہ داری کا کوئی لحاظ کیا اور نہ ان احسانات کا کوئی خیال کیا جو وہ ساری عمر ان پر اور ان کے خاندان پر کرتے آئے تھے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

وَلَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْٓا اُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ۭ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

(سورۂ نور آیۃ ۲۲)

(تم میں سے جو لوگ صاحبِ فضل اور صاحبِ مقدرت ہیں وہ اس بات کی قسم نہ کھا بیٹھیں کہ اپنے رشتہ دار، مسکین اور مہاجر فی سبیل اللہ لوگوں کی مدد نہ کریں گے۔ انہیں معاف کر دینا چاہیئے اور درگزر کرنا چاہیئے۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہیں معاف کرے اور اللہ کی صفت یہ ہے کہ وہ غفور اور رحیم ہے)

اس کو سُنتے ہی حضرت ابوبکرؓ نے فوراً کہا:

بلیٰ واللہ انا نحب ان تغفرلنا یا ربّنا

(واللہ ضرور ہم چاہتے ہیں کہ اے ہمارے رب تو ہماری خطائیں معاف فرمائے)

سُنَن بیہقی اور تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ یہ آیت سُن کر حضرت ابوبکرؓ نے فوراً اپنی قسم توڑ دی اور کفارہ ادا کیا اور پھر سے حضرت مِسطحؓ کی مالی امداد کرنے لگے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ پہلے سے زیادہ حضرت مِسطحؓ پر احسان کرنے لگے۔

اس آیۃ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسطحؓ کی لغزش معاف فرمادی اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کو بھی حکم دیا کہ وہ ان کی خطا معاف کردیں اور درگزر سے کام لیں۔ حق تعالیٰ کو یہ بات بھی پسند نہ تھی کہ صاحب مقدرت لوگ اس لغزش کی بناء پر (جس کو اس نے معاف فرمادیا) اپنے رشتہ دار مسکین اور مہاجر فی سبیل اللہ لوگوں کی مدد کرنا بند کردیں۔ حضرت مسطحؓ سیدنا صدیق اکبرؓ کے رشتہ دار بھی تھے، مسکین بھی تھے اور مہاجر فی سبیل اللہ بھی تھے۔ گویا یہ آیۃ خاص حضرت مسطحؓ کی خاطر نازل ہوئی۔ البتہ ایک روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ بعض دوسرے صحابہ نے بھی قسم کھاکر اپنے ایسے رشتہ داروں کی امداد سے ہاتھ روک لیا تھا جنہوں نے اس بہتان کے پھیلانے میں حصہ لیا تھا۔ اس آیۃ کے نزول کے بعد ان سب نے بھی اپنے عہد سے رجوع کرلیا اس طرح وہ تلخی بالکل ختم ہوگئی جو اس فتنے نے پھیلادی تھی۔

حضرت مسطحؓ کے سالِ وفات کے بارے میں دو روایتیں ہیں ——— ایک روایت یہ ہے کہ انہوں نے حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے عہدِ خلافت میں ۳۴ سنہ ہجری میں وفات پائی۔

دوسری روایت یہ ہے کہ سیدنا حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے درمیان اختلافات کا آغاز ہوا تو حضرت مسطحؓ نے حضرت علیؓ کا ساتھ دیا، جنگِ صفین میں ان کی طرف سے لڑے اور اسی سال ۳۷ سنہ ہجری میں وفات پائی۔

وفات کے وقت ان کی عمر باختلافِ روایت ٦۵ یا ٦۸ برس کی تھی۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت مسعودؓ بن اوس انصاری

(۱)

خزرج کے خاندانِ مالک بن نجّار سے تھے۔ سلسلۂ نسب ابن اسحاقؒ، ابن مندہؒ، اور ابو معشرؒ نے اس طرح بیان کیا ہے :— مسعودؓ بن اوس بن اصرم بن زید بن ثعلبہ بن غنم بن مالک بن نجّار — حافظ ابن عبدالبرؒ ابن کلبی اور واقدی نے اس طرح لکھا ہے :

مسعودؓ بن اوس بن زید بن اصرم بن ثعلبہ بن غنم بن مالک بن نجّار

ان کی کنیت ابو محمدؒ تھی۔

غزوۂ بدر سے پہلے شرفِ ایمان سے بہرہ ور ہوئے۔

(۲)

ہجرتِ نبوی کے بعد غزوات کا آغاز ہوا تو حضرت مسعودؓ بن اوس نے بدر سے لے کر تبوک تک تمام غزوات میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا۔

سیدنا حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں حضرت عمروؓ بن العاص نے مصر پر فوج کشی کی تو حضرت مسعودؓ بھی اسلامی لشکر میں شامل ہو گئے اور مختلف معرکوں میں دادِ شجاعت دی۔ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ انہوں نے خلافتِ فاروقی ہی میں وفات پائی مگر ابن کلبی کی رائے ہے کہ وہ خلافتِ مرتضوی تک حیات رہے اور انہوں نے جنگِ صفین میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے حصہ لیا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حضرت مسعودؓ بن اوس نمازِ وتر کے وجوب کے قائل تھے اس کے برعکس حضرت عبادہؓ بن صامت وتروں کو واجب نہیں سمجھتے تھے چنانچہ ایک دفعہ جب کسی نے ان کو بتایا کہ مسعودؓ بن اوس وتروں کو واجب کہتے ہیں تو انہوں نے کہا کہ ابو محمدؒ نے غلط کہا ہے۔ اس اختلافی مسئلے میں حضرت مسعودؓ بن اوس کے مذہب (مسلک) کو قبولِ عام کا درجہ حاصل ہوا چنانچہ احناف کے نزدیک وتر کی نماز واجب ہے۔

حضرت مسعودؓ بن سعد انصاری

(۱)

خزرج کی شاخ بنی زُرَیق کے چشم و چراغ تھے۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:

مسعودؓ بن سعد بن قیس بن خَلدَہ بن عامر بن زُرَیق

غزوۂ بَدر سے پہلے مُشرَّف بہ اسلام ہوئے اور پھر بدر الکبریٰ کے میدان میں راہِ حق میں سرفروشی کا حق ادا کیا۔ اس طرح وہ اہلِ بدر کی مغفور جماعت میں شامل ہو گئے۔ بَدر کے بعد غزوۂ اُحُد میں شریک ہوئے۔ جمہور اربابِ سِیَر کے بیان کے مطابق انہوں نے غزوۂ خیبر (محرم ۷ھ) میں شہادت پائی۔

قیاس یہ ہے کہ اس سے پہلے بیعت (ذیقعدہ ۶ھ) کا شرف بھی حاصل کیا ہوگا۔

ان کے ہم نام ایک اور صحابی نے بھی غزوۂ خیبر میں شہادت پائی مگر ان کا تعلّق قبیلہ اوس کی شاخ بنی حارثہ سے تھا ان کا نسب نامہ یہ ہے:

مسعودؓ بن سعد بن عامر بن عدی بن جشم بن مجدعہ بن حارثہ بن حارث بن خزرج بن عمرو بن مالک بن اوس۔

بعض نے ان کے والد کا نام سعد کے بجائے عبدِ سعد اور بعض نے عبدِ مسعود بھی لکھا ہے، مگر جمہور سعد ہی بتاتے ہیں۔ یہ بھی غزوۂ بدر میں شریک تھے اور غزوۂ خیبر میں شہید ہوئے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہما



حضرت مُسَیّبؓ بن حُزنؓ مخزومی

(۱)

قریش کے خاندان "بنو مخزوم" سے تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:

مسیبؓ بن حُزنؓ بن ابی وہب بن عمرو بن عائذ بن عمران بن مخزوم بن یقظہ بن مرہ بن کعب بن لوئیؓ بن غالب قرشی مخزومی۔

ان کے والد حُزنؓ بن ابی وہب کو بھی شرفِ صحابیت حاصل تھا وہ قریش کے اشراف میں شمار ہوتے تھے۔ ایک روایت کے مطابق قریش نے کعبہ کی ازسرِ نو تعمیر کی تو حضرت حُزنؓ ہی نے حجرِ اسود کو کعبہ سے اٹھایا تھا، مگر ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ یہ کام حضرت حُزنؓ کے والد ابو وہب نے کیا تھا — ایک روایت میں ہے کہ حضرت حزنؓ نے ہجرتِ نبویؐ سے پہلے اسلام قبول کیا اور پھر اذنِ ہجرت ہونے پر مکّہ سے مدینہ چلے گئے مگر جمہور اہلِ سیر کی رائے یہ ہے کہ حضرت حزنؓ فتح مکّہ کے موقع پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ایسے ناموں کو جن سے برائی کا کوئی پہلو نکلتا ہو ناپسند فرماتے تھے۔ چونکہ حُزن کے معنی غم کے ہیں اس لیے آپؐ نے حضرت حُزن کو مشورہ دیا کہ تم اپنا نام حُزن کے بجائے سہل رکھ لو لیکن انھوں نے یہ کہہ کر اس میں عُذر کیا کہ یہ نام میرے والدین کا رکھا ہوا ہے اور اس نام سے مشہور بھی ہو چکا ہوں۔ حضورؐ نے ان کا یہ عُذر قبول فرما لیا اور ان کا نام حُزن ہی رہنے دیا لیکن اس نام کی نحوست کا یہ اثر تھا کہ حضرت حُزن کے پوتے حضرت سعیدؒ بن مسیبؓ کا بیان ہے کہ ہمارے گھر میں ہمیشہ غمگینی چھائی رہی۔ (طبقاتِ ابنِ سعد)

بعض اربابِ سیر نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ حُزن کے معنی سخت زمین کے ہیں جس سے درشتی اور ناہمواری ٹپکتی ہے جبکہ سہل نرم زمین کو کہتے ہیں جس میں

رفق اور نرمی کی طرف اشارہ ہے۔ قبولِ اسلام کے وقت حضرت حُزنؓ نے جہاں یہ کہا کہ میں اپنے والدین کے رکھے ہوئے نام کو نہیں بدلنا چاہتا وہاں اس کی وجہ یہ بھی بیان کی کہ نرم کو ہر ایک دبا لیتا ہے اور بے آبرو کر ڈالتا ہے۔ چنانچہ "سُنَنِ ابی داؤد" میں حضرت سعیدؒ بن مسیبؓ کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ شاید اسی وجہ سے ہمارے خاندان میں خشونت اور سختی پائی جاتی ہے۔

حضرت حُزنؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہدِ خلافت میں جنگِ یمامہ میں مردانہ وار لڑتے ہوئے شہادت پائی۔ ایک اور روایت کے مطابق وہ جنگِ بُزاخہ میں شہید ہوئے۔

(۲)

حضرت مسیبؓ بن حُزنؓ کے زمانۂ قبولِ اسلام کے بارے میں بھی اربابِ سیر میں اختلاف ہے۔ بعض نے لکھا ہے کہ انہوں نے اپنے والد کے ساتھ ہجرتِ نبوی سے پہلے اسلام قبول کیا اور پھر مکّے سے مدینے کو ہجرت کی۔

ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ وہ ان لوگوں سے ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعتِ رضوان کی تھی۔ اس روایت کے مطابق حضرت مسیبؓ مہاجرین میں بھی شامل ہیں اور اصحاب الشجرہ میں بھی جن کو اللہ تعالیٰ نے کھلے لفظوں میں اپنے راضی ہونے کی بشارت دی۔ بعض کے نزدیک وہ فتح مکّہ کے بعد اپنے والد حضرت حُزنؓ اور اپنے بھائی حضرت حکیم بن حزنؓ کے ساتھ مشرف بہ اسلام ہوئے۔

(طبقات ابنِ سعد۔ بذل القوة، تابعین)

(۳)

حضرت مُسَیَّبؓ نے رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم کی صحبت کے علاوہ حضرت اُبَیّؓ بن کعب انصاری اور حضرت ابوسفیانؓ سے بھی استفادہ کیا۔ ان سے سات احادیث مروی ہیں۔ جن میں سے دو متفق علیہ اور ایک میں امام بخاری منفرد ہیں۔

حضرت مسیبؓ تجارت کے ذریعے اپنی روزی کماتے تھے۔ ان کے صاحبزادے حضرت سعیدؒ کے قول کے مطابق وہ جنگِ یرموک میں بھی شریک ہوئے۔ قیاس یہ ہے کہ

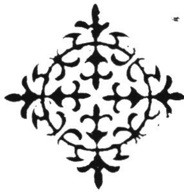
انہوں نے صدیقِ اکبرؓ کے عہدِ خلافت میں مرتدین کے خلاف بعض معرکوں میں بھی حصہ لیا اور اس کے بعد عہدِ صدیقی اور عہدِ فاروقی میں شام میں رومیوں کے خلاف بھی جہاد کیا۔ ان کے سالِ وفات کے بارے میں کُتُبِ سیر خاموش ہیں۔ غالباً انہوں نے حضرت عُمرِ فاروقؓ یا حضرت عثمانِ غنیؓ کے عہدِ خلافت میں وفات پائی۔ ان کے فرزند حضرت سعیدؒ کا شمار ائمہ تابعین میں ہوتا ہے۔

(۴)

حضرت مسیبؓ بن حُزنؓ سے روایت ہے کہ جب (جناب) ابوطالب کی وفات کا وقت قریب آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس گئے۔ ابوجہل اور عبداللہ بن ابی اُمیّہ بھی ان کے پاس بیٹھے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (جناب) ابوطالب سے فرمایا، چچا جان آپ کلمۂ توحید پڑھ لیں تو مجھے آپ کے بارے میں خدا سے طلبِ مغفرت کے لیے دلیل ہاتھ آجائے گی۔ ابوجہل کہنے لگا، ابوطالب! کیا تم اپنے والد کے دین سے پھرنا چاہتے ہو؟ وہ (اور عبداللہ) اس وقت تک بولتے رہے جب تک کہ ابوطالب نے آخر کار کہہ نہ دیا کہ میں عبدالمطّلب کے دین پر ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں اس وقت تک آپ کے لیے دعائے مغفرت کرتا رہوں گا جب تک کہ مجھے منع نہ کر دیا جائے۔

(اُسدُ الغابہ فی معرفۃ الصحابہ)



حضرت مُطیعؓ بن اَسوَدعَدَوی

(۱)

فتح مکہ (رمضان المبارک ۸ھ ہجری) کے چند دن بعد کا ذکر ہے کہ ایک دن رحمتِ عالم صَلَّی اللّٰہ عَلَیہِ وَسَلَّم مسجد میں منبر پر تشریف فرما تھے اور لوگوں کو حکم دے رہے تھے کہ بیٹھ جاؤ۔ اسی اثنا میں عاص نام کے ایک صاحب مسجد میں داخل ہوئے۔ انہوں نے حضورؐ صَلَّی اللّٰہ عَلَیہِ وَسَلَّم کا ارشاد سُنا تو اسی وقت سب سے آخر میں بیٹھ گئے۔ حضورؐ منبر سے اترے تو عاص آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؐ نے فرمایا، میں نے تم کو نماز میں نہیں دیکھا۔

انہوں نے عرض کیا، یا رسولؐ اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، میں جس وقت مسجد میں داخل ہو رہا تھا تو میں نے سُنا کہ آپ لوگوں کو بیٹھنے کا حکم دے رہے ہیں۔ چنانچہ میں سب سے پیچھے بیٹھ گیا جہاں آپ کی آواز پہنچ جاتی تھی ——— یہ سُن کر سرورِ عالم صَلَّی اللّٰہ عَلَیہِ وَسَلَّم نے فرمایا، تم عاص نہیں بلکہ مطیع ہو۔ چنانچہ اسی دن سے وہ لوگوں میں مطیع کے نام سے مشہور ہو گئے اور لوگ ان کا اصل نام بھول گئے۔

یہ صاحبؓ رسولؐ جن کا نام رحمتِ عالم صَلَّی اللّٰہ عَلَیہِ وَسَلَّم نے عاص (نافرمان) سے بدل کر مطیع (فرمانبردار) رکھا، اسود بن حارثہ کے فرزند تھے اور قریش کی شاخ بنو عدی سے تعلق رکھتے تھے۔

نسب نامہ یہ ہے: ———

مطیع بن اسود بن حارثہ بن نضلہ بن عوف بن عبید (یا عبیدہ) بن عویج بن عدی بن کعب قرشی۔

والدہ کا نام عجماء بنت عامر (بن فضل بن کلیب بن حبشیہ بن سلول) خزاعیہ تھا۔ ایک روایت میں حضرت مطیعؓ کا اصل نام عاصی بھی بیان کیا گیا ہے۔
مُسندِ احمد بن حنبل میں ہے کہ حضرت مطیعؓ بن اسود فتح مکّہ کے موقع پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اس وقت ان کا نام عاص تھا۔ رسولِ اکرم صَلّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلّم نے نے اسے بدل کر مطیع کر دیا۔

(۲)

علّامہ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ حضرت مطیعؓ بن اسود ابتداء میں مؤلفۃ القلوب میں سے تھے بعد میں انہوں نے اسلام کی اچھی خدمت کی۔
حضرت مطیعؓ کو سرورِ عالم صَلّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلّم سے بڑی عقیدت اور محبت تھی۔ ایک دفعہ انہوں نے خواب میں دیکھا کہ کسی شخص نے سوکھی ہوئی کھجور کی ایک گٹھلی ان کے سامنے پیش کی ہے۔ بیدار ہونے کے بعد وہ حضور صَلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور اپنا خواب بیان کیا۔ آپؐ نے ان سے پوچھا، کیا تیری بیویوں میں سے کوئی امید سے ہے؟ انہوں نے عرض کیا، جی ہاں میری ایک بیوی امید سے ہے۔ آپؐ نے فرمایا، اللہ تجھے فرزند عطا کرے گا۔ چنانچہ مقررہ وقت پر ان کے ہاں بیٹا پیدا ہوا، وہ اسے اٹھا کر حضورؐ کی خدمت میں لے گئے۔ آپؐ نے ایک کھجور چبا کر اپنے لعابِ دہن کے ساتھ نومولود کے منہ میں ڈالی اور اس کے لیے برکت کی دُعا فرمائی۔ پھر آپؐ نے بچّے کا نام عبداللہ رکھا۔ یہ عبداللہؓ تاریخ میں بڑی شہرت کے مالک ہوئے۔ اہلِ سِیَر نے یہ تصریح نہیں کی کہ حضرت مطیعؓ کو کن غزوات میں آنحضور صَلّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلّم کی ہمرکابی کا شرف حاصل ہوا۔
امیر المؤمنین سیّدنا حضرت عُمر فاروقؓ حضرت مطیعؓ بن اسود کو بہت مانتے تھے اور ان سے مجرموں پر حد جاری کرنے کا کام لیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ ایک شرابی ان کے پاس لایا گیا۔ انہوں نے فرمایا، میں تجھے ایک ایسے شخص کے پاس

بھیجتا ہوں جو تیرے بارے میں کوئی نرمی نہ برتے گا۔ چنانچہ انہوں نے اسے حضرت مطیعؓ بن اسود کے پاس بھیج دیا اور ساتھ ہی ان کو کہلا بھیجا کہ اگلی صبح اس پر شرب خمر کی حد نافذ کردینا۔ چنانچہ اگلی صبح جب حضرت مطیعؓ اس کو کوڑے مار رہے تھے، خود حضرت عمرؓ وہاں تشریف لائے اور دیکھا کہ مطیعؓ سخت کوڑے مار رہے ہیں اس پر انہوں نے حضرت مطیعؓ سے فرمایا، تم نے تو اس شخص کو مار ہی ڈالا، پھر پوچھا، کتنے کوڑے مار چکے ہو۔ انہوں نے کہا، ساٹھ۔ اس پر امیر المؤمنین نے فرمایا، باقی بیس اس شدتِ ضرب کے بدلے میں چھوڑ دو۔ (سنن البیہقی ۸/۳۱۷)

(۳)

حضرت مطیعؓ بن اسود نے حضرت عثمان ذو النّورینؓ کے عہدِ خلافت میں وفات پائی۔ مقامِ وفات ایک روایت میں مکّہ بیان کیا گیا ہے اور ایک میں مدینہ۔ انہوں نے اپنے پیچھے کئی اولادیں چھوڑیں۔ ان میں دو بیٹے، عبداللہ اور سلیمان بہت مشہور ہیں۔ سلیمان جنگِ جمل میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کی طرف سے شہید ہوئے۔ عبداللہؓ کا شمار صغائر صحابہ میں ہوتا ہے وہ مدینہ کے شرفاء اور صاحبِ حیثیت لوگوں میں سے تھے۔ واقعہ حرّہ میں یزیدی لشکر کے مقابلے میں انصار کی قیادت حضرت عبداللہؓ بن حنظلہؓ نے کی اور قریش کی حضرت عبداللہ بن مطیعؓ نے۔ عبداللہ بن حنظلہؓ اپنے آٹھ بیٹوں سمیت شہید ہو گئے۔ حضرت عبداللہ بن مطیعؓ کے سات بیٹے لڑائی میں کام آئے مگر وہ خود بچ کر نکل گئے اور مکّہ میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے پاس پہنچ گئے۔ کچھ عرصہ ان کی طرف سے کوفہ کے امیر بھی رہے۔ ۷۱ھ ہجری میں خلیفہ عبدالملک بن مروان کے حکم پر حجاج بن یوسف نے مکّہ پر لشکر کشی کی تو حضرت عبداللہ بن مطیعؓ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے ساتھ حملہ آور فوج سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ وہ قریش کے بڑے مضبوط اور بہادر آدمیوں میں سے تھے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہم

حضرت مُنظَہرؓ بن رافع انصاری

(۱)

اوس کے خاندان "بنی حارثہ" کے چشم و چراغ تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:
مُنظَہرؓ بن رافع بن عدی بن زید بن جشم بن حارث بن خزرج بن عمرو بن مالک بن اوس، حارثی اوسی۔

مشہور عقبی بدری صحابی حضرت ظُہیرؓ بن رافع ان کے حقیقی بھائی تھے (ان کے حالات اسی کتاب میں دوسری جگہ بیان کیے گئے ہیں)۔

ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہجرتِ نبوی سے پہلے شرفِ ایمان سے بہرہ ور ہو چکے تھے مگر کسی وجہ سے غزوۂ بدر میں شریک نہ ہو سکے۔

(۲)

ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ حضرت مُنظَہرؓ سب سے پہلے غزوۂ اُحد میں شریک ہوئے اس کے بعد عہدِ رسالت کے دوسرے تمام غزوات میں بھی سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب رہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں خیبر میں کچھ زمین مرحمت فرمائی۔ ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عُمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں وہ شام گئے تھے۔ غالباً شام کا یہ سفر جہاد کے سلسلے میں تھا۔ شام سے واپس آتے وقت وہ تندرست و توانا مزدوروں کا ایک گروہ اپنے ساتھ لائے اور انہیں خیبر میں اپنی زمینوں پر کام کرنے کے لیے لگا دیا۔ یہودِ خیبر نے ان مزدوروں کو حضرت مُنظَہرؓ کے خلاف خوب بھڑکایا چنانچہ تین دن کے بعد وہ شہر سے باہر نکلے، تو ان مزدوروں نے حملہ کر کے اُن کو شہید کر دیا۔ یہودیوں نے ان قاتلوں کو زادِ راہ دیا اور انہیں واپس بھیج دیا۔

امیرالمؤمنین حضرت عُمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس واقعہ کا علم ہوا تو انہیں بہت دکھ ہوا اور انہوں نے یہودیوں کو خیبر سے جلا وطن کر دیا۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت معاذؓ بن ماعص انصاری

(۱)

خزرج کی شاخ بنی زُرَیق سے تھے۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:

معاذؓ بن ماعص بن میسرہ بن خلدہ بن عامر بن زُرَیق الانصاری الزرقی۔

بعض نے ان کے والد کا نام ماعض اور معاض لکھا ہے اور دادا کا نام قیس۔ مگر جمہور اہلِ سیَر نے وہی شجرۂ نسب بیان کیا ہے جو ہم نے یہاں درج کیا ہے۔

حضرت مُعاذؓ بن ماعص غزوۂ بدر سے پہلے شرَفِ ایمان سے بہرہ ور ہوئے اور پھر میدانِ بدر میں سرفروشی کا حق ادا کرنے کی سعادت حاصل کی۔

قاضی محمدؒ سلیمان سلمانؔ منصورپوریؒ نے اپنی کتاب "اصحابِ بدر" میں لکھا ہے کہ:

"یہ (معاذؓ) شہسوار تھے۔ نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ان کو بَدر میں ابوعیاش زرقیؓ کا گھوڑا دیا تھا جبکہ ابوعیاشؓ گھوڑے سے گر پڑے تھے۔"

غزوۂ بَدر کے بعد حضرت معاذؓ نے غزوۂ اُحُد میں دادِ شجاعت دی۔

صفر ۴ھ ہجری میں نجد کے ایک شخص ابو براء مالک بن عامر کی درخواست پر رسول اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے چالیس یا ستّر صحابہ پر مشتمل مبلّغین کی ایک جماعت بنی عامر کی طرف بھیجی۔ حضرت معاذؓ بن ماعص بھی اس جماعت میں شامل تھے۔ بنی عامر نے غدّاری کی اور قبائل رعلؔ ذکوان وغیرہ کو ساتھ لے کر بیر معونہ (ایک چشمہ) کے قریب اس جماعت پر حملہ کر دیا اور حضرت عمروؓ بن امیّہ ضمری کے سوا

تمام مسلمانوں کو شہید کر ڈالا۔ یہ واقدی کا بیان ہے اور اکثر اہل علم نے اسے قبول کر لیا ہے مگر بقول ابن اثیرؒ بعض دوسرے مؤرخین نے بیان کیا ہے کہ حضرت معاذؓ بن ماعص غزوۂ بدر میں زخمی ہوئے اور کچھ عرصہ کے بعد اسی زخم کی وجہ سے فوت ہو گئے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

(۲)

ارباب سیر نے حضرت معاذؓ کے ایک بھائی عائذؓ بن ماعص کا ذکر کیا ہے جو اپنے بھائی کے ساتھ غزوۂ بدر میں شریک تھے۔ حضورؐ نے ان کے اور حضرت سویبطؓ بن سعد بن حرملہ عبدری کے درمیان مواخاۃ قائم کرا دی تھی۔ وہ باختلاف روایت غزوۂ بئر معونہ یا غزوۂ مؤتہ میں شہید ہوئے۔

(اُسدُ الغابہ)

ایک روایت میں حضرت معاذؓ کے ایک اور بھائی عبادؓ کا ذکر آیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ وہ غزوۂ مؤتہ میں شہید ہوئے۔ (المشاہد)

رضی اللہ تعالیٰ عنہم



حضرت معاویہؓ بن حکم سُلَمی

(۱)

اربابِ سِیَر نے ان کا نسب نامہ بیان نہیں کیا مگر اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ ان کا تعلق بنو سُلیم سے تھا۔ یہ قبیلہ نجد کے مغربی جانب مکّہ کے مشرقی علاقے میں آباد تھا حضرت مُعاویہؓ وہیں بدویانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ وہ ہجرتِ نبوی کے بعد کسی وقت اپنے وطن کو خیرباد کہہ کر مدینہ منوّرہ آئے اور بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر قبولِ اسلام کا شَرَف حاصل کیا۔ پھر ہادیٔ برحق صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے دین کی ضروری تعلیم حاصل کی اور مدینہ منوّرہ ہی میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ ان کے حالاتِ زندگی کے بارے میں کُتُبِ سِیَر خاموش ہیں البتہ حدیث کی کتابوں میں ان سے مروی تیرہ[۱۳] احادیث ملتی ہیں۔ ان احادیث سے حضرت معاویہؓ بن حکم کی زندگی کے بعض گوشوں پر روشنی پڑتی ہے۔

(۲)

صحیح مسلم میں حضرت معاویہؓ بن حَکَم سے روایت ہے کہ:

"میں (ایک دن) رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا کہ اتنے میں ایک آدمی کو چھینک آئی۔ میں نے (بآوازِ بلند) کہا یَرْحَمُکَ اللہُ[۱] (یہ سن کر) لوگوں نے میری طرف گھورا (اس لیے کہ تو نماز کے اندر چھینک کا جواب دیتا ہے) میں نے اپنے دل میں کہا،

---

[۱] تعلیماتِ نبوی میں ایک حکم یہ ہے کہ جب کوئی چھینکے تو اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کہے اور جب کوئی چھینک کر اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کہے تو سننے والے اس کے جواب میں یَرْحَمُکَ اللہ کہیں۔ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

۔ تم کو تمہاری ماں گم کرے تم کیوں غضب آلود نگاہوں سے میری طرف دیکھتے ہو۔ پس لوگوں نے اپنی رانوں پر ہاتھ مارنے شروع کر دیئے (تاکہ میں خاموش رہوں) مجھے غصّہ تو آیا لیکن میں چپ ہو گیا جب رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ نماز پڑھ چکے۔ میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں میں نے آپؐ سے بڑھ کر شفیق سکھانے والا نہ تو آپؐ سے پہلے دیکھا اور نہ آپؐ کے بعد۔ خدا کی قسم آپؐ نے نہ تو مجھے ڈانٹا نہ مارا اور نہ بُرا بھلا کہا۔ صرف اتنا فرمایا، یہ نماز ہے اس میں بات چیت جائز نہیں ہے۔ نماز تو نام ہے اللہ کی پاکی بیان کرنے کا، اس کی بڑائی بیان کرنے کا اور قرآن پڑھنے کا یا مانند اس کے کچھ اور فرمایا۔
میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! میرا زمانہ جاہلیت قریب کا ہے (یعنی میں تازہ تازہ مسلمان ہوا ہوں) بے شک اللہ تعالیٰ نے ہم کو دینِ اسلام کی نعمت عطا کی ہے مگر ہم میں سے بعض لوگ ابھی تک کاہنوں کے پاس آتے جاتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا، ان کے پاس نہ جایا کرو۔
میں نے عرض کیا، بعض لوگ (بعض باتوں سے) شگون لیتے ہیں۔
آپؐ نے فرمایا۔ یہ دل کے اوہام ہیں نفع اور ضرر میں ان کا کوئی اثر نہیں ہے پس یہ وہم ان کے کسی کام میں رکاوٹ نہیں بننا چاہیئے۔
پھر میں نے عرض کیا، ہم میں سے بعض لوگ خط کھینچتے ہیں (یعنی رمل وغیرہ) آپؐ نے فرمایا، ایک نبی تھے جو خط کھینچتے تھے، پس جس شخص کا خط اس پیغمبر کے خط کے موافق ہو وہ اس (علم) سے فائدہ

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

حضور صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ کا یہ فرمان حضرت معاویہؓ بن حکم نے بھی سن رکھا تھا لیکن ان کو یہ معلوم نہیں تھا کہ نماز پڑھتے ہوئے یہ حکم ساقط ہو جاتا ہے۔

حاصل کرلیتا ہے۔ (یعنی جس کو یہ علم آتا ہو اور وہ اس سے صحیح طور پر کام لے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔)

(۳)

سُنَنِ ابی داؤد میں اس روایت میں یہ اضافہ ہے:

"پھر میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! میری ایک لونڈی ہے جو اُحد اور جوانیہ کی طرف بکریاں چرایا کرتی تھی۔ ایک دن وہ پہاڑ پر چڑھ گئی (اور بکریوں کی طرف سے غافل ہو گئی)۔ اسی اثناء میں ایک بکری بھیڑیا لے گیا۔ میں انسان ہوں مجھے غصہ آگیا میں نے لونڈی کو زدوکوب کیا۔

رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے میرے اس فعل پر ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا۔ اس پر میں نے عرض کیا، میں اپنی غلطی کے کفارہ میں اس لونڈی کو آزاد کرتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا، اس کو میرے پاس لاؤ۔ میں نے تعمیل ارشاد کی۔ آپؐ نے اس سے پوچھا، اللہ کہاں ہے؟ اس نے آسمان کی طرف اشارہ کیا (یا کہا کہ آسمان پر) پھر آپؐ نے پوچھا، میں کون ہوں؟ اس نے کہا، آپؐ اللہ کے رسول ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا، اس کو آزاد کردو، یہ مومنہ ہے۔"

(۴)

علامہ ابن اثیرؒ نے "اُسُدُ الغابہ" میں حضرت معاویہؓ بن حَکَم کے ایک بھائی کا بھی ذکر کیا ہے جن کا نام علیؓ بن حکم تھا اور وہ شرفِ صحابیت سے بہرہ ور تھے۔ حضرت معاویہؓ بن حَکَم سے روایت ہے کہ میرے بھائی علیؓ بن حَکَم کا پیر ٹوٹ گیا وہ اپنے گھوڑے پر سوار تھے پس وہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور (اپنی پاشکستگی کا ذکر کیا) آپؐ نے ان کے پیر پر ہاتھ پھیرا اور وہ اچھا ہو گیا۔

حضرت معاویہؓ بن حَکَم کے رواۃِ حدیث میں ان کے فرزند کثیرؒ اور مشہور تابعی حضرت عطاء بن یسارؒ شامل ہیں۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت معاویہؓ بن حیدہ قُشَیری

(۱)

ان کا تعلق بنو قُشَیر سے تھا۔ نسب نامہ یہ ہے :۔۔۔

معاویہؓ بن حیدہ بن معاویہ بن قشیر بن کعب بن ربیعہ بن عامر بن صعصعۃ القشیری۔

ان کے قبولِ اسلام کے زمانہ کی صحیح تعیین نہیں کی جا سکتی البتہ بعض اہلِ سیر نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ وہ مکّی دورِ دعوت میں (ہجرتِ نبوی سے پہلے) مشرف بہ اسلام ہوئے ۔۔۔ حضرت معاویہؓ بن حیدہ نے خود اپنے قبولِ اسلام کا واقعہ اس طرح بیان کیا ہے :۔۔۔

"میں رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا، یا رسول اللہؐ خدا کی قسم میں آپ کی خدمت میں حاضر ہونے سے پہلے ان انگلیوں کی گنتی سے زیادہ مرتبہ یہ قسم کھا چکا تھا کہ نہ تو میں آپ کے پاس آکر پھٹکوں گا اور نہ آپ کا دین اختیار کروں گا اور میں آپ کی خدمت میں ایک ایسا شخص آیا ہوں جو قطعاً بے علم اور یکسر ناسمجھ ہے بس وہی جانتا ہے جو اللہ اور اللہ کا رسول اس کو بتا دے۔ میں اللہ کا واسطہ دے کر آپ سے پوچھتا ہوں کہ ہمارے پروردگار نے کیا کیا احکام دے کر آپ کو ہمارے پاس بھیجا ہے۔

آپؐ نے فرمایا : ۔۔۔ اللہ نے مجھے دینِ اسلام دے کر بھیجا ہے۔

میں نے پوچھا، دینِ اسلام کیا ہے ؟

آپؐ نے فرمایا : ۔۔۔ " اسلام یہ ہے کہ تو یہ اقرار کرے کہ میں اپنے آپ

کو اللہ کے سپرد کر چکا اور کفر و شرک سب کچھ چھوڑ چکا۔ (اس کے علاوہ) تو نماز پڑھے زکوٰۃ دے۔ (اچھی طرح سمجھ لو) کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کے لیے قابلِ احترام ہے۔ مسلمان آپس میں دو بھائی بھائی ہیں ایک کو دوسرے کا مددگار رہنا چاہیے جو مشرک اسلام لانے کے بعد پھر شرک کرے اس کا کوئی عمل قبول نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اس کو چھوڑ کر پھر مسلمانوں کی جماعت میں شامل نہ ہو جائے۔ یہ کیا بات ہوئی کہ میں تمہاری کمر پکڑ پکڑ کر تمہیں دوزخ کی آگ سے بچا رہا ہوں (اور تم ایک نہیں مانتے) سن لو میرا پروردگار (قیامت کے دن) مجھے بلائے گا اور مجھ سے یقیناً یہ سوال کرے گا کہ تم نے میرے بندوں کو تبلیغ کر دی ——

میں عرض کروں گا، پروردگار کر دی۔

—— پھر تم کو بھی (قیامت کے دن) بلایا جائے گا اور تمہارے منہ پر کپڑا لگا دیا جائے گا۔ پھر سب سے پہلے تمہاری طرف سے جسم کا جو حصہ بولے گا وہ تمہاری ران اور تمہارے ہاتھ ہوں گے۔"

میں نے کہا، یا رسول اللہ بس ہمارا دین یہ ہے۔؟

آپؐ نے فرمایا، ہاں یہ تو تمہارا دین ہے پھر بھلائی جہاں بھی کرو گے کافی ہو گی۔" (مُسندِ احمد، مستدرکِ حاکم)

حضرت معاویہؓ بن حیدہ نے حضرت عمرؓ فاروق کے عہدِ خلافت میں بصرہ میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی اس لیے ان کا شمار بصری صحابہ میں ہوتا ہے۔

ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ وہ خراسان کے معرکوں میں شریک ہوئے اور وہیں (میدانِ جہاد میں) فوت ہوئے (غالباً ان کی وفات حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے عہدِ خلافت میں ہوئی۔

(۲)

حضرت معاویہؓ بن حیدہ سے چند احادیث بھی مروی ہیں ان میں سے

کچھ یہ ہیں :

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ غصہ ایمان کو ایسا خراب کر دیتا ہے جیسے کہ ایلوا شہد کو خراب کر دیتا ہے۔ (شعب الایمان للبیہقی)

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص لوگوں کو ہنسانے کے لیے اپنے بیان میں جھوٹ بولے، اس پر افسوس، اس پر افسوس۔

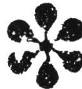
(مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، دارمی)

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :- پڑوسی کے حقوق تم پر یہ ہیں کہ اگر وہ بیمار ہو جائے تو اس کی عیادت اور خبر گیری کرو، اگر وہ فوت ہو جائے تو اس کے جنازے کے ساتھ جاؤ، اگر وہ قرض مانگے تو اس کو قرض دو۔ اگر وہ کوئی بُرا کام کر بیٹھے تو پردہ پوشی کرو، اگر اسے کوئی نعمت ملے تو اس کو مبارکباد دو۔ اور اگر اسے کوئی مصیبت پہنچے تو تعزیت کرو اور اپنی عمارت اس کی عمارت سے اس طرح بلند نہ کرو کہ اس کے گھر میں ہوا کی آمد و رفت میں رکاوٹ پیدا ہو، تمہاری ہانڈی کی مہک اس کے لیے اذیت کا باعث نہ ہو اِلّا یہ کہ (گھر میں کوئی اچھا کھانا پکا ہے تو) اس میں سے تھوڑا سا کچھ اس کے گھر بھی بھیج دو۔

(معجم کبیر طبرانی)

(۴) ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ بیوی کا شوہر پر کیا حق ہے ؟ آپ نے فرمایا : جب خود کھائے تو اسے بھی کھلائے۔ جب خود کپڑے پہنے تو اسے بھی پہنائے۔ اس کے منہ پر تھپڑ نہ مارے۔ بُرا بھلا نہ کہے اور نہ گھر میں اس سے مقاطعہ کرے۔

(اُسدُ الغابہ فی معرفۃ الصحابہ)



حضرت معاویہؓ بن خَدِیج سکونی

(۱)

ان کا شمار تاریخ اسلام کی مشہور شخصیات میں ہوتا ہے مگر حالاتِ زندگی کے بارے میں کچھ زیادہ معلومات نہیں ملتیں خاندانی تعلق بنو کِندہ کی ایک شاخ بنی سکون سے تھا۔ نسب نامہ یہ تھا:

معاویہؓ بن خدیج بن جفنہ بن قتیرہ بن حارثہ بن عبدالشمس بن معاویہ بن جعفر بن اسامہ بن سعد بن اشرس بن شبیب بن سکون بن اشرس بن ثور (کندۃ السکونی)۔

کنیت ابوعبدالرحمٰن یا ابونعیم تھی۔ ان کے قبولِ اسلام کا زمانہ متعین طور پر نہیں بتایا جاسکتا البتہ ان کے شرفِ صحابیت پر سب کا اتفاق ہے۔ وہ اُن صحابہ میں سے ہیں جو مصر جاکر آباد ہو گئے تھے۔

(۲)

عہدِ رسالت میں حضرت معاویہؓ بن خَدِیج کی کسی سرگرمی کا پتہ نہیں چلتا۔ ان کا نام نمایاں طور پر حضرت عُمرؓ فاروق کے عہدِ خلافت میں اس وقت سامنے آتا ہے جب حضرت عمروؓ بن العاص نے مصر پر لشکر کشی کی۔ وہ مصر کی فتوحات میں حضرت عمروؓ بن العاص کے ساتھ برابر شریک رہے قیاس یہ ہے کہ اس سے پہلے ایران یا شام کے بعض معرکوں میں بھی شریک رہے ہوں گے۔

۲۰ھ ہجری میں اسکندریہ طویل محاصرے کے بعد فتح ہوا تو حضرت عمروؓ بن العاص نے حضرت معاویہؓ بن خدیج کو بُلا کر کہا کہ جس قدر تیز جا سکتے ہو، جاؤ اور امیرالمؤمنین کو مژدۂ فتح سناؤ۔ اب آگے کا حال شبلی نعمانیؒ کی زبانی سُنیئے:

"معاویہؓ اونٹنی پر سوار ہوئے اور دو منزلہ سہ منزلہ کرتے ہوئے مدینہ پہنچے۔ چونکہ ٹھیک دوپہر کا وقت تھا، اس خیال سے کہ یہ آرام کا وقت ہے، بارگاہ خلافت میں تو نہ گئے سیدھے مسجد نبویؐ کا رُخ کیا، اتفاق سے حضرت عمرؓ کی لونڈی اُدھر آنکلی اور ان کو مسافر کی حیثیت میں دیکھ کر پوچھا، کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟

انہوں نے کہا کہ اسکندریہ سے۔ اس نے اسی وقت جاکر خبر کی اور ساتھ ہی واپس آئی کہ چلو تم کو امیر المؤمنین بُلاتے ہیں۔ حضرت عمرؓ اتنا بھی انتظار نہیں کر سکتے تھے، خود چلنے کو تیار ہوئے اور چادر سنبھال رہے تھے کہ معاویہؓ پہنچ گئے۔ فتح کا حال سُن کر (حضرت عمرؓ) زمین پر گرے اور سجدۂ شکر ادا کیا، اٹھ کر مسجد میں آئے ـــ اور منادی کرادی الصّلوٰۃ جامعۃ سنتے ہی تمام مدینہ امڈ آیا۔ معاویہؓ نے سب کے سامنے فتح کے حالات بیان کیے۔ وہاں سے اٹھ کر حضرت عمرؓ کے ساتھ گھر گئے۔ حضرت عمرؓ نے لونڈی سے پوچھا، کچھ کھانے کو ہے، وہ روغنِ زیتون اور روٹی لائی۔ مہمان کے آگے (کھانا) رکھا اور کہا کہ آنے کے ساتھ میرے پاس کیوں نہیں چلے آئے؟ انہوں نے کہا میں نے خیال کیا کہ یہ آرام کا وقت ہے شاید آپ سوئے ہوں۔ انہوں نے کہا کہ افسوس! تمہارا میری نسبت یہ خیال ہے۔ میں دن کو سوؤں گا تو خلافت کا بار کون اٹھائے گا۔؟"

(الفاروق بحوالہ مقریزی)

(۳)

مصر کی فتح کے بعد حضرت معاویہؓ بن خدیج نے وہاں کے ایک قصبے تبارہ میں مستقل سکونت اختیار کرلی وہ نہ صرف اس قصبے بلکہ سارے مصر کے سربر آوردہ اصحاب میں شمار ہوتے تھے۔ امیر المؤمنین حضرت عثمان ذوالنّورینؓ کے عہدِ خلافت

میں حضرت عبداللہؓ بن ابی سرح نے افریقیہ پر لشکر کشی کی تو حضرت معاویہؓ بھی ان کے لشکر میں شامل ہو گئے اور کئی معرکوں میں دادِ شجاعت دی۔ ایک معرکے میں سخت زخمی ہو گئے مگر زندگی بچ گئی۔

حضرت عثمانؓ شہید ہوئے تو حضرت معاویہؓ بن خدیج ان کی مظلومانہ شہادت سے بہت متاثر ہوئے اور حضرت علیؓ کے مقابلے میں حضرت امیر معاویہؓ کے حامی بن گئے کیونکہ وہ قصاصِ عثمانؓ کا مطالبہ کر رہے تھے۔ جنگ صفین اور واقعہ تحکیم کے بعد حضرت امیر معاویہؓ نے تسخیرِ مصر کی مہم پر حضرت عمروؓ بن العاص کو مامور کیا۔ حضرت عمروؓ بن العاص نے حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں مصر فتح کیا تھا اور عرصہ تک اس کے گورنر رہ چکے تھے۔ امیر المومنین حضرت عثمان غنیؓ نے ۲۵ھ ہجری میں انہیں اس عہدے سے معزول کر دیا تھا۔ جس زمانے کا ہم ذکر کر رہے ہیں اس وقت حضرت علیؓ کی طرف سے مصر کے گورنر محمد بن ابی بکرؓ تھے۔

حضرت عمروؓ بن العاص نے اپنا راستہ ہموار کرنے کے لیے پہلے حضرت معاویہؓ بن خدیج اور حضرت مسلمہؓ بن مخلد انصاری سے خط و کتابت شروع کی۔ (حضرت مسلمہؓ بھی مصر میں مقیم تھے) جب ان دونوں نے حمایت کا یقین دلایا تو حضرت عمروؓ چھ ہزار فوج لے کر مصر کی طرف بڑھے۔ محمدؓ بن ابی بکرؓ نے دو ہزار کی جمعیت کے ساتھ ان کا مقابلہ کیا مگر شکست کھائی اور انہوں نے بھاگ کر ایک غار (یا کھنڈر) میں پناہ لی مگر حضرت عمروؓ بن العاص کے آدمیوں نے انہیں ڈھونڈ نکالا اور پکڑ کر حضرت معاویہؓ بن خدیج کے حوالے کر دیا۔ انہوں نے ان کو قتل کر دیا۔ اس وقت حضرت معاویہؓ بن خدیج کی حیثیت ایک فوجی افسر کی تھی۔[1]

---

[1] ایک روایت میں ہے کہ محمد بن ابی بکرؓ کی لاش کو ایک مردہ گدھے کے پیٹ میں رکھ کر جلا دیا گیا۔ معلوم نہیں ایسا حضرت معاویہؓ بن خدیج کے ایما پر کیا گیا یا ان کے علم کے بغیر کیا گیا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ محمد بن ابی بکرؓ کو حضرت عمروؓ بن العاص نے

محمدؓ بن ابی بکرؓ، اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے اخیافی بھائی تھے (اُمّ المؤمنینؓ کی والدہ حضرت اُمّ رومانؓ تھیں اور محمد بن ابی بکرؓ کی حضرت اسماءؓ بنت عمیس) انہوں نے محمدؓ بن ابی بکرؓ کے قتل کی خبر سنی تو ان کو سخت صدمہ پہنچا اور وہ حضرت معاویہؓ بن خدیج سے ناراض رہنے لگیں۔ ایک دفعہ حضرت معاویہؓ بن خدیج کی فوج کے ایک آدمی ابوعبدالرحمٰن بن شماستہ المہری اُمّ المؤمنینؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے ان سے پوچھا، تمہارا امیر کیسا رہا؟

ابوعبدالرحمٰن نے حضرت معاویہؓ بن خدیج کی بہت تعریف کی اور کہا کہ معاویہؓ کا سلوک اپنے ماتحتوں سے بہت اچھا ہوتا ہے کسی کا اونٹ مر جائے تو اسے اونٹ دے دیتے ہیں۔ کسی کا گھوڑا مر جائے تو اس کو گھوڑا دے دیتے ہیں کسی کا غلام مارا جائے یا بھاگ جائے تو اس کو اپنا غلام دے دیتے ہیں اور سب لوگ ان سے راضی ہیں۔ یہ سن کر اُمّ المؤمنینؓ نے فرمایا، استغفر اللہ! جس شخص میں یہ اوصاف ہوں میں اُس سے اس بناء پر ناراض نہیں رہ سکتی کہ اس نے میرے بھائی کو قتل کیا ہے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دعا مانگتے سنا ہے کہ اے اللہ! جو شخص میری اُمّت کے ساتھ ملاطفت کرے تو بھی اس کے ساتھ ملاطفت کر اور جو اس کے ساتھ سختی کرے تو بھی اس پر سختی کر۔

(اُسد الغابہ)

علامہ ابن سعدؒ کا بیان ہے کہ مصر اور شام پر امیر معاویہؓ کے مستقل تسلط

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

بھوکا رکھ کر مارا کیونکہ انہوں نے حضرت عثمانؓ کے خلاف شورش میں سرگرم حصہ لیا تھا۔ اگرچہ ان کی شہادت کے وقت وہ کاشانۂ خلافت سے باہر نکل گئے تھے مگر حضرت عثمانؓ یا امیر معاویہؓ کے حامیوں میں ان کے خلاف بہت نفرت پائی جاتی تھی۔ اہلِ مصر کی ایک بڑی تعداد بھی ان کے خلاف تھی۔

کے بعد ان کے اور حضرت عمرؓو بن العاص کے درمیان مصر کے معاملہ میں شکر رنجی ہو گئی مگر حضرت معاویہؓ بن خدیج نے درمیان میں پڑ کر صلح کرا دی اور امیر معاویہؓ نے چند شرائط کے ساتھ حضرت عمرؓو بن العاص کو مصر کا گورنر بنا دیا۔

(۴)

حضرت امیر معاویہؓ مسندِ حکومت پر بیٹھے تو سب سے پہلے انہوں نے شمالی افریقہ (افریقیہ) کی طرف توجہ کی اور ۴۱ھ ہجری میں حضرت معاویہؓ بن خدیج کو ایک لشکر دے کر شمالی افریقہ روانہ کیا۔ انہوں نے وہاں کے ایک بڑے اور خوبصورت ساحلی شہر بنزرت کو فتح کیا اور مظفر و منصور واپس آئے۔

۴۵ھ ہجری میں حضرت معاویہؓ بن خدیج نے امیر معاویہؓ کے حکم پر دوبارہ شمالی افریقہ پر بڑے اہتمام سے فوجکشی کی۔ ان کے لشکر میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ جیسے جلیل القدر صحابہ بھی شامل تھے۔ حضرت معاویہؓ بن خدیج نے رومیوں اور بربریوں کو شکستوں پر شکستیں دے کر شمالی افریقہ کے کئی وسیع علاقے اور ساحلی مقامات فتح کر لیے۔ اس مہم کے بعد حضرت معاویہؓ بن خدیج کافی عرصہ حیات رہے مگر کسی جنگ یا سیاسی جھگڑوں میں ان کا نام نہیں آتا۔

علامہ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ حضرت معاویہؓ بن خدیج، فقیہ الاُمت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی وفات سے کچھ عرصہ پہلے فوت ہوئے اور مصر میں ان کی بہت تکریم کی جاتی تھی۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا سالِ وفات ۷۴ھ ہجری ہے گویا حضرت معاویہؓ بن خدیج ۷۳ھ یا ۷۴ھ میں (حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی وفات سے کچھ مدت پہلے) فوت ہوئے۔

حضرت معاویہؓ بن خدیج سے یہ حدیث مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپؐ نے فرمایا کہ اللہ کی راہ میں ایک صبح یا شام دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ (اُسدُ الغابہ)

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت مُعتّبؓ بن عوف الخُزاعی

(۱)

بنو خزاعہ کی شاخ بنی سلول کے فرزندِ سعید تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:

مُعتّبؓ بن عوف بن عامر بن فضل بن عفیف بن کلیب بن حبشیہ بن سلول بن کعب بن عمرو الخزاعی السلولی۔

ان کا عرف ابن الحمرا تھا۔ مکّہ میں قریش کی معزّز شاخ بنی مخزوم کے حلیف تھے۔

حضرت مُعتّبؓ اُن نفوسِ قُدسی میں سے ہیں جو دعوتِ توحید کے ابتدائی سالوں میں شرفِ ایمان سے بہرہ ور ہوئے، اور قبولِ حق کے "جرم" میں مشرکینِ قریش کے ظلم و ستم کے ہدف بنے۔

۶ سنہ بعد بعثت میں حبشہ کی ہجرتِ ثانیہ ہوئی تو وہ بھی مظلوم مسلمانوں کے ایک بڑے قافلے میں شامل ہو کر مکّہ سے حبش چلے گئے۔ وہاں کئی سال غریب الوطنی کی زندگی گزارنے کے بعد حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی ہجرت الی المدینہ سے پہلے مکّہ واپس آ گئے اور پھر ۱۳ سنہ بعد بعثت میں اِذنِ ہجرت ہونے پر مکّہ سے ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے۔

(۲)

ہجرتِ نبویؐ کے کچھ عرصہ بعد حضور صَلَّی اللّٰہ علیہ وسلّم نے مہاجرین اور انصار کے درمیان عقدِ مواخاۃ قائم کرایا تو حضرت مُعتّبؓ کو حضرت ثعلبہؓ بن حاطب انصاری کا دینی بھائی بنایا۔

رمضان ۲ سنہ ہجری میں حضرت مُعتّبؓ بن عوف کو بدرِ عظمیٰ میں شریک

ہونے کا عظیم شرف حاصل ہوا۔

غزوۂ بدر کے بعد حضرت مُعَتّبؓ کا کسی دوسرے غزوے میں ذکر نہیں آتا لیکن وہ ایک نہایت مخلص مسلمان تھے اس لیے قیاسِ غالب ہے کہ وہ عہدِ رسالت کے دوسرے غزوات میں بھی شریک ہوئے ہوں گے۔

عہدِ رسالت کے بعد وہ تقریبًا ۴۶ برس حیات رہے۔ اس طویل عرصے میں بھی ان کے حالاتِ زندگی کے بارے میں کُتُبِ سِیَر خاموش ہیں۔

ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ حضرت مُعَتّبؓ بن عوف نے ۵۷ھ ہجری میں (بعہدِ خلافت امیر معاویہؓ) وفات پائی۔

اپنے پیچھے کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

استبداد کے مقابلہ میں مومن کا فریضہ

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: —— "آخری زمانے میں میری اُمّت کے لوگوں کو ان کی حکومتوں کی طرف سے سخت تکلیفیں پہنچیں گی۔ ان حالات میں نجات صرف وہی شخص پا سکے گا جو اللہ کے دین کو سمجھے اور پھر (دین کی روشنی میں) زبان، ہاتھ اور دل، تمام قوتوں کے ساتھ اس ظالم کے خلاف جدوجہد کرے۔ ہر قسم کی کامیابی اسی شخص کے لیے ہے یا پھر وہ آدمی نجات پا سکتا ہے جو اللہ کے دین کو سمجھے اور استقامت کے ساتھ حق کو حق کہے اور یا پھر وہ شخص نجات پا سکتا ہے جو اللہ کے دین کو پہچانے اور اس پر اسی طرح قائم رہے کہ جب کہیں بھلائی ہوتی دیکھے تو اس پر پسندیدگی کا اظہار کرے اور اگر کہیں بُرائی ہوتے دیکھے تو اس پر غصّے کا اظہار کرے۔ پس پہلی قسم کا شخص آخری دونوں قسم کے لوگوں کی نسبت نجات کا زیادہ مستحق ہے۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان مشکوٰۃ باب الامر بالمعروف ۴۳۶)

حضرت معقلؓ بن سِنان الاشجعی

(۱)

بنو اشجع کے جوانانِ سعادت مند میں سے تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:
معقلؓ بن سنان بن منظہر بن عرکی بن فتیان بن سبیع بن بکر بن اشجع بن ریث بن عطفان۔

ان کی کنیت کے بارے میں چار مختلف روایتیں ہیں۔ کسی میں ابو عبدالرحمٰن بتائی گئی ہے کسی میں ابو سمنان، کسی میں ابو محمد اور کسی میں ابو زید۔

نہایت حسین و جمیل اور بہادر نوجوان تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حسنِ صورت کے ساتھ حسنِ سیرت سے بھی نوازا تھا۔ ۸ھ ہجری سے پہلے نعمت اسلام سے بہرہ ور ہوئے، اور فتح مکّہ کے موقع پر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا۔ حافظ ابن حجرؒ نے "الاصابہ" میں لکھا ہے کہ فتح مکّہ کے وقت حضرت معقلؓ بن سنان اپنے قبیلہ کے علمبردار تھے۔ اہلِ سیَر نے صراحت تو نہیں کی مگر قیاس یہ ہے کہ فتح مکّہ کے بعد جو غزوات پیش آئے حضرت معقلؓ ان میں بھی شریک ہوئے۔

علامہ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ فتح مکّہ کے بعد حضرت معقلؓ مدینہ منوّرہ آگئے اور پھر یہیں مستقل سکونت اختیار کرلی۔ (اُسدُ الغابہ)

(۲)

حافظ ابن حجرؒ نے "الاصابہ" میں بیان کیا ہے کہ امیر المومنین حضرت عُمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں کوفہ آباد ہوا تو حضرت معقلؓ مدینہ منوّرہ سے کوفہ چلے گئے اور وہیں اپنا گھر بنا لیا۔ عہدِ فاروقی ہی میں ایک مرتبہ کوفہ سے مدینہ منوّرہ

آئے تو کسی (عورت یا کسی شاعر) نے ان کے حسن و جمال کی تعریف ان الفاظ میں کی:

اعوذ برب الناس من شر معقل

اذا معقل راح البقیع رجلا

(یعنی میں انسانوں کے رب سے معقل کے شر سے پناہ مانگتی ہوں۔ جب وہ گیسو سنوار کر بقیع کی طرف نکلتے ہیں۔)

امیر المؤمنین حضرت عمرؓ فاروقؓ نے یہ شعر سنا تو حضرت معقلؓ کو مدینہ منورہ سے بصرہ بھیج دیا۔

ابن سعدؒ اور بعض دوسرے ارباب سیر کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کی شہادت کے بعد حضرت معقلؓ پھر مدینہ آ گئے تھے اور اشراف مدینہ ہی میں شمار ہوتے تھے۔ چنانچہ ۶۲ھ ہجری میں بیعت یزید کے سلسلے میں اکابر مدینہ کا ایک وفد دمشق گیا تو حضرت معقلؓ بن سنان بھی اس میں شامل تھے[1] اگرچہ یزید نے اس وفد کی بہت خاطر مدارات کی لیکن اس کے ارکان نے یزید کے طور طریقوں سے کوئی اچھا اثر قبول نہ کیا۔ دمشق کے اثنائے قیام میں ایک دن حضرت معقلؓ بن سنان نے یزید کے ندیم خاص مسلم بن عقبہ مری[2] کے سامنے تخلیہ میں یزید سے بیزاری کا اظہار

---

[1] مولوی شاہ معین الدین احمد ندوی مرحوم نے "سیر الصحابہ" جلد ہفتم میں لکھا ہے کہ یہ وفد حضرت امیر معاویہؓ کی طلبی پر دمشق گیا تھا لیکن ابن اثیر اور بعض دوسرے ارباب سیر کا بیان ہے کہ یہ وفد سانحۂ کربلا کے بعد ۶۲ھ میں دمشق گیا۔ اس وقت یزید بن معاویہؓ کا عہد حکومت تھا اور مدینہ کا امیر عثمان بن محمد تھا۔

[2] مسلم بن عقبہ اُس دور کا ایک جہاندیدہ جنگجو تھا اور ان لوگوں میں شمار ہوتا تھا جو بنو امیہ کے دل و جان سے ہوا خواہ تھے۔ بعض لوگوں نے اسے صحابی قرار دیا ہے لیکن یہ صحیح نہیں۔ مسلم بن عقبہ کی ولادت عہد رسالت میں ہوئی مگر اس کو شرف صحابیت حاصل نہیں ہوا۔ اصطلاحی طور پر اس کو مخضرم کہا جا سکتا ہے۔ اپنی سخت گیری اور مظالم کی وجہ سے وہ لوگوں میں مسرف بن عقبہ کے نام سے مشہور ہو گیا تھا۔

کیا، ساتھ ہی اس سے کہا کہ میں نے یہ باتیں تم سے رازداری میں کی ہیں اس لیے ان کو اپنے تک ہی محدود رکھنا۔

مسلم بن عقبہ نے کہا، امیرالمؤمنین سے تو نہ کہوں گا لیکن جس وقت بھی موقع ملا تمہیں زندہ نہ چھوڑوں گا۔

یہ وفد دمشق سے مدینہ منوّرہ واپس آیا اور وہاں کے حالات بیان کیے تو اہلِ مدینہ نے یزید کی بیعت توڑ دی اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی حمایت کا اعلان کر دیا جنہوں نے مکّہ معظمہ میں خلافت کا دعویٰ کر دیا تھا۔ یزید تک یہ خبریں پہنچیں تو اس نے مسلم بن عقبہ کو ایک گراں لشکر دے کر مدینہ روانہ کر دیا۔ اہلِ مدینہ نے حضرت عبداللہ بن حنظلہؓ (غسیل الملائکہ) اور حضرت عبداللہؓ بن مطیعؓ کی سرکردگی میں شامی لشکر کا پُرزور مقابلہ کیا مگر وہ مسلم بن عقبہ کی عسکری مہارت کے سامنے مات کھا گئے۔ شامی فوج نے مدینہ منوّرہ پر قبضہ کرنے کے بعد تین دن تک لوٹ مار اور پکڑ دھکڑ کا سلسلہ جاری رکھا۔ جو لوگ گرفتار ہوئے ان میں حضرت معقلؓ بن سنان بھی شامل تھے۔ جب ان کو مسلم بن عقبہ کے سامنے پیش کیا گیا تو اس نے ان سے کہا:

"معقل! معلوم ہوتا ہے کہ تم پیاسے ہو۔"

انہوں نے جواب دیا: "ہاں"

مسلم نے حکم دیا کہ بادام کا شربت تیار کیا جائے۔ جب شربت تیار ہو گیا تو مسلم نے حضرت معقلؓ کو پلایا اور پھر کہا:

"اب تمہیں کبھی کسی مفرّح چیز کی خواہش کرنے کا موقع نہیں ملے گا۔"

یہ کہہ کر جلّاد کو حکم دیا کہ اس کی گردن اڑا دو۔ جلّاد نے فوراً اس کے حکم کی تعمیل کی۔ یہ بیان امام حاکمؒ کا ہے۔ (مستدرک)

ابوحنیفہ دینوری نے "الاخبار الطوال" میں لکھا ہے کہ مسلم بن عقبہ نے حضرت معقلؓ سے مخاطب ہو کر کہا:۔

"یاد ہے کہ تم نے مجھ سے کہا تھا کہ ہم مدینے جا کر اس فاسق یزید بن معاویہؓ

کی بیعت توڑ دیں گے اور اولادِ مہاجرین میں سے کسی کی بیعت کر لیں گے
——— تو یہ جان لو کہ میں نے اسی روز قسم کھالی تھی کہ اگر کہیں مجھے
تم پر قدرت حاصل ہوئی تو میں تمہیں موت کے گھاٹ اتار کر دم لوں گا۔
اے احمق! اب مجھے خدا نے تم پر قابو دے دیا ہے۔ اے اشجعی کجا
تو اور کجا خلافت کہ تو جسے چاہے معزول کرے اور جسے چاہے مامور
کرے۔ مار دو گردن اس کی۔"

یوں حضرت معقلؓ بن سنان ۶۳ھ میں یزید کی مخالفت کے جرم میں اپنی جان ہار بیٹھے۔ مدینہ منوّرہ پر مسلم بن عقبہ کا استیلا واقعۂ حرّہ کہلاتا ہے۔

(۳)

بقول حافظ ابن عبدالبرؒ حضرت معقلؓ بن سنان فاضل اور پاکباز جوان تھے۔ علامہ ابن اثیرؒ کہتے ہیں کہ معقلؓ بن سنان فاضل اور متقی آدمی تھے۔ ان سے چند احادیث بھی مروی ہیں۔ اہلِ کوفہ میں سے علقمہؒ، مسروقؒ اور شعبیؒ نے ان سے روایت کی ہے۔ ان کے علاوہ حسن بصریؒ اور اہلِ مدینہ کے ایک گروہ نے بھی ان سے روایت کی ہے۔ حضرت علقمہؒ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک شخص نے حضرت عبداللہؓ بن مسعود سے دریافت کیا کہ ایک ایسے آدمی سے کتنا مہر وصول کیا جائے گا جس نے ایک عورت سے نکاح کیا اور اس کا مہر بھی مقرر نہ کیا اور اس سے تعلقِ زن و شو بھی قائم نہ کیا اور وہ مر گیا۔

حضرت عبداللہؓ نے فتویٰ دیا کہ اس پر مہرِ مثل کی ادائیگی فرض ہوگی جس میں کوئی کمی بیشی نہ ہوگی اور اسے میراث میں بھی حصہ ملے گا۔

اس موقع پر حضرت معقلؓ بن سنان اشجعی بھی موجود تھے وہ حضرت عبداللہؓ بن مسعود کا فتویٰ سن کر اٹھے اور کہنے لگے کہ ہمارے قبیلے کی ایک عورت بروع بنتِ واشق کا معاملہ بالکل ایسا ہی تھا جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی فیصلہ فرمایا تھا جیسا کہ آپ نے کیا ہے۔

حضرت معقلؓ بن سنان کی زبان سے اپنے فتوے کی تصدیق سن کر حضرت عبداللہؓ بن مسعود بہت خوش ہوئے۔

بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معقلؓ بڑے جی دار اور بہادر آدمی تھے اور لوگ ان کی شجاعت کا برملا اعتراف کرتے تھے۔ واقعۂ حرّہ میں انصار اور مہاجرین کے بہت سے اکابر شہید ہو گئے تھے۔ بعض شعرا نے انصار کے اکابر کی شہادت پر غم کا اظہار کیا تو مہاجرین کی طرف سے ایک شاعر نے کہا:

أَلَا تِلْكُمُ الْأَنْصَارُ تَبْكِي سَرَاتَهَا
وَأَشْجَعُ تَبْكِي مَعْقِلَ بْنَ سِنَانٍ

(یعنی اے انصار! کیا تم اپنے سرداروں کو رو رہے ہو حالانکہ ان میں سب سے بہادر آدمی جس پر ہم کو رونا چاہیے معقلؓ بن سنان ہے۔)

رضی اللہ تعالیٰ عنہ



حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے:

(۱) اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔

(۲) اور نماز قائم کرنا (۳) اور زکوٰۃ ادا کرنا۔ (۴) اور خانہ کعبہ کا حج کرنا

(۵) اور رمضان کے روزے رکھنا۔ (صحیح بخاری و مسلم)

حضرت معمرؓ بن حارث جمحی

(۱)

حضرت معمرؓ بن حارث کا شمار نہایت عظیم المرتبت صحابہ میں ہوتا ہے۔ ان کا تعلق قریش کے خاندان بنو جمح سے تھا۔ نسب نامہ یہ ہے :۔

معمرؓ بن حارث بن معمر بن حبیب بن وہب بن حذافہ بن جمح

والدہ کا نام قتیلہ بنت مظعون تھا وہ بھی بنو جمح سے تھیں اور ان کے والد کی بنت عم تھیں۔ سلسلۂ نسب یہ ہے :۔

قتیلہ بنت مظعون بن حبیب بن وہب بن حذافہ بن جمح

جلیل القدر صحابی حضرت عثمانؓ بن مظعون، حضرت معمرؓ کے ماموں تھے۔

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت حق کا آغاز فرمایا تو حضرت معمرؓ اور ان کے گھرانے کے بہت سے افراد نے اس پر لبیک کہا اور یوں یہ گھرانا ——— " ایں خانہ ہمہ آفتاب است " کا مصداق بن گیا۔ حضرت معمرؓ کے علاوہ ان کے خاندان کے جن افراد نے السابقون الاولون کی مقدس جماعت میں شامل ہونے کا شرف حاصل کیا ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں :۔

حضرت حاطبؓ بن حارث (حضرت معمرؓ کے حقیقی بھائی)

حضرت فاطمہ بنت مجلل العامریہ (حضرت حاطبؓ کی بیوی)

حضرت حطابؓ بن حارث (حضرت معمرؓ کے حقیقی بھائی)

حضرت فکیہہؓ بنت یسار (حضرت حطابؓ کی بیوی)

حضرت سفیانؓ بن معمر بن حبیب (حضرت معمرؓ بن حارث کے چچا)

حضرت جابرؓ بن سفیانؓ (حضرت معمرؓ کے چچازاد بھائی)

حضرت جنادہؓ بن سفیانؓ (حضرت معمرؓ کے چچا زاد بھائی)
حضرت حسنہؓ اہلیہ حضرت سفیانؓ (حضرت معمرؓ کی چچی)

حضرت معمرؓ کے تین ماموؤں حضرت عثمانؓ بن مظعون، حضرت قدامہؓ بن مظعون اور حضرت عبداللہؓ بن مظعون اور ایک ماموں زاد بھائی حضرت سائبؓ بن عثمانؓ بن مظعون کو السابقون الاوّلون میں شامل ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ ان سب کا تعلق بھی بنو جمح سے تھا۔

حضرت معمرؓ کی خالہ حضرت زینبؓ بنت مظعون، حضرت عمرؓ فاروقؓ کی اہلیہ تھیں۔ اُمّ المؤمنین حضرت حفصہؓ بنت عمرؓ اور فقیہ الامت حضرت عبداللہ بن عمرؓ انہی کے بطن سے تھے۔ حضرت معمرؓ ان دونوں کے خالہ زاد بھائی تھے۔

(۲)

بنو جمح کی مذکورہ سعید الفطرت ہستیوں کے قبولِ اسلام پر مشرکین قریش سخت برافروختہ ہوئے اور ان کو اپنی مشقِ ستم کا ہدف بنا لیا۔ ۵ ؁ نبوت میں سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے مظلوم مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے کا مشورہ دیا، تو حضرت عثمانؓ بن مظعون نے ۱۰ مردوں اور چار خواتین کے ساتھ حبش کی راہ لی۔ وہ جلد ہی (قریشِ مکہ کے مسلمان ہو جانے کی افواہ سن کر) واپس مکہ آ گئے مگر یہاں حالات کو بدستور ناسازگار پایا۔ چنانچہ ۶ ؁ بعدِ بعثت میں حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ایماء پر مسلمانوں کا ایک بڑا قافلہ حبش کی طرف ہجرت کر گیا۔ اس قافلے میں حضرت معمرؓ بن حارث کے دونوں بھائی حضرت حاطبؓ بن حارث اور ان کی اہلیہ فاطمہؓ بنتِ مجلّل عامریہ، حضرت حطابؓ بن حارث اور ان کی اہلیہ فکیہہؓ بنت یسار، چچا حضرت سفیانؓ بن معمر، چچا زاد بھائی حضرت جابر بن سفیانؓ اور جنادہؓ بن سفیانؓ، چچی حضرت حسنہؓ، تینوں ماموں حضرت عثمانؓ بن مظعون، حضرت قدامہؓ بن مظعون اور حضرت عبداللہؓ بن مظعون اور ماموں زاد بھائی حضرت سائبؓ بن عثمانؓ سب لوگ شامل تھے البتہ حضرت معمرؓ مکہ ہی میں رہے اور قبولِ حق کی پاداش

میں مشرکینِ قریش کے مظالم سہتے رہے۔

(۳)

سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم نے اپنے صحابہؓ کو ہجرتِ مدینہ کا اذن دیا تو حضرت معمرؓ ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے۔ ابنِ سعد کا بیان ہے کہ ہجرتِ نبوی کے کچھ عرصہ بعد جب سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم نے مہاجرین اور انصار میں مواخاۃ قائم کرائی تو حضرت مُعمرؓ بن حارث کو حضرت معاذؓ بن عفراءؓ کا دینی بھائی بنایا۔

حضرت مُعمرؓ کو اللہ اور اللہ کے رسولؐ سے بے پناہ محبت تھی اور وہ ہر وقت اپنی جان راہِ حق میں قربان کرنے کے لیے تیار رہتے تھے۔ غزوات کا آغاز ہوا تو سب سے پہلے معبودانِ باطل کے خلاف ان کی تلوار بدر کے میدان میں چمکی اور یوں وہ اصحابِ بدر میں شامل ہو کر اللہ تعالیٰ کی رحمتِ خاص کے حقدار بن گئے۔ اس کے بعد انہوں نے اُحد، خندق اور عہدِ رسالت کے دوسرے تمام غزوات میں بھی سرورِ کائنات صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا۔

(۴)

سرورِ عالم صَلَّی اللہُ علیہ وَسَلَّم کی وفات کے بعد حضرت معمرؓ بن حارثؓ کی زندگی کے حالات کُتبِ سیر میں نہیں ملتے۔ ابنِ اثیرؒ اور بعض دوسرے اہلِ سِیَر کے بیان کے مطابق حضرت معمرؓ نے حضرت عُمرِ فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں وفات پائی۔

حضرت مُعمرؓ کے بھائی حضرت حاطبؓ قیامِ حبشہ کے دوران ہی میں فوت ہو گئے دوسرے بھائی حضرت حطابؓ نے بھی اپنی اہلیہ کے ہمراہ حبش کی طرف ہجرت کی تھی۔ ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ "حطابؓ کا انتقال راستے ہی میں ہو گیا۔ حبش تک پہنچنے نہیں پائے اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ حبش سے لوٹتے ہوئے راستے میں فوت ہو گئے۔" (اُسدُ الغابہ)

حافظ ابنِ حجرؒ نے "الاِصابہ" میں لکھا ہے کہ حضرت حطابؓ بن حارث نے حضرت عُمرِ فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں وفات پائی۔ واللہ اعلم بالصواب

حضرت مِقدامؓ بن معدی کرب کِندی

(۱)

ابوکریمہ یا ابویحییٰ کنیت تھی۔ خاندانی تعلق بنو کِندہ سے تھا۔ نسب نامہ یہ ہے:

مِقدامؓ بن معدی کرب بن عمرو بن یزید بن معدی کرب بن سیار بن عبداللہ بن وہب بن ربیعہ بن حارث بن معاویہ بن ثور بن عقیر الکندی۔

سنہ ۱۰ ہجری میں کِندہ (حضرموت) سے اسّی آدمیوں کا ایک وفد بارگاہِ رسالتؐ میں حاضر ہوا۔ اس وفد کے ایک رکن حضرت مِقدامؓ بن معدی کرب تھے۔ یہ لوگ پہلے ہی شرف اسلام سے بہرہ ور ہو چکے تھے اور مدینہ منوّرہ میں ان کی آمد کا مقصد حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی بیعت کا شرف حاصل کرنا تھا۔ یہ وفد اس شان سے مدینہ منوّرہ میں وارد ہوا کہ تمام اراکینِ وفد نے اپنے اپنے کندھوں پر حیرہ کی زرّیں چادریں ڈال رکھی تھیں جن کے سنجاف حریر کے تھے۔ حضورؐ نے انہیں دیکھ کر حیرت کا اظہار فرمایا اور پوچھا، "کیا تم لوگ اسلام قبول نہیں کر چکے؟" انہوں نے عرض کیا:

"یا رسول اللہؐ! ہم اللہ کے فضل سے نعمت اسلام سے بہرہ یاب ہو چکے ہیں۔"

حضورؐ نے فرمایا: "پھر یہ حریر کیسا؟"

اہلِ وفد اپنی غلطی پر متنبہ ہوئے اور سب نے فوراً چادریں پھاڑ کر زمین پر پھینک دیں۔ حضورؐ ان کا جذبۂ اخلاص دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ جب وہ رخصت ہونے لگے تو آپؐ نے رئیسِ وفد کو بارہ اوقیہ اور دوسرے اراکین کو دس دس اوقیہ چاندی بطور انعام مرحمت فرمائی۔

حضرت عُمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں شام فتح ہوا تو حضرت مِقدامؓ اپنے وطن سے شام چلے گئے اور وہیں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ اسی لیے ان کا شمار شامی

صحابہ میں ہوتا ہے۔ نہایت حق گو اور بے باک تھے اور حق بات کہنے میں کسی بڑی سے بڑی شخصیت سے بھی مرعوب نہ ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ وہ عمرو بن اسود اور بنی اسد کے ایک آدمی کے ساتھ حضرت امیر معاویہؓ کے دورِ خلافت میں ان کے پاس وفد کی صورت میں دمشق گئے۔ حضرت مِقدامؓ نے امیر معاویہؓ سے کہا، "معاویہ! میں چند باتیں کہنا چاہتا ہوں اگر سچ ہوں تو تصدیق کرنا اور جھوٹ ہوں تو رد کر دینا۔" انہوں نے کہا، فرمایئے۔" حضرت مِقدامؓ نے کہا، میں تم کو خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں، کیا رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے حریر پہننے سے منع نہیں فرمایا؟" حضرت امیر معاویہؓ نے فرمایا،" ہاں"۔ حضرت مقدامؓ نے پوچھا،"میں تم کو قسم دلا کر پوچھتا ہوں، تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سونے کے استعمال کی ممانعت نہیں سنی؟" حضرت امیر معاویہؓ نے فرمایا،" ہاں سُنی ہے۔"

اب حضرت مقدامؓ نے پوچھا: "میں تمہیں قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے درندوں کی کھال پہننے اور اس کے بچھانے سے منع نہیں فرمایا؟"

حضرت معاویہؓ نے جواب دیا، "ہاں منع فرمایا ہے۔"

حضرت مِقدامؓ نے کہا،"معاویہ! خدا کی قسم میں یہ تمام چیزیں تمہارے گھر میں دیکھتا ہوں۔"

اس پر امیر معاویہؓ نے (بڑے تحمل سے) فرمایا،"مقدام! مجھ کو یقین ہے کہ میری تمہارے سامنے پیش نہ چلے گی۔" یہ فرما کر تینوں کو معقول رقم دے کر رخصت کیا البتہ حضرت مقدامؓ کا انعام ان کے دونوں ساتھیوں سے زیادہ تھا۔ (سیر الصحابہ جلد ششم بحوالہ ابو داؤد کتاب اللباس باب فی جلود النمور)

حضرت مِقدامؓ نے ۸۷ھ ہجری میں وفات پائی۔ اس وقت ان کی عمر ۹۱ برس کی تھی۔

(۲)

حضرت مِقدامؓ بن معدی کرب نے چند احادیث بھی روایت کی ہیں۔ ان میں

سے کچھ یہ ہیں :

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب کوئی شخص کسی سے محبت کرے تو اس کو بھی بتا دے کہ میں تجھ سے محبت کرتا ہوں ۔ (ترمذی)

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ آدمی نے کوئی برتن پیٹ سے زیادہ بُرا کبھی نہیں بھرا ہے ۔ حالانکہ آدمی کو چند لقمے جو اس کی پیٹھ کو قائم رکھتے ہیں کافی ہیں لیکن اگر زیادہ ہی کھانا ہے تو یوں کرے کہ تیسرا حصہ کھانے کے لیے ، تیسرا حصہ پانی کے لیے ، اور تیسرا حصہ سانس کے لیے رکھے ۔ (ترمذی)

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کسی شخص نے کوئی کھانا اپنے ہاتھ کی کمائی سے بہتر نہیں کھایا اور حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی کمائی سے گزارہ کرتے تھے ۔ (صحیح بخاری)

(۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے درندوں پر سوار ہونے اور ان کے چمڑے سے بنا ہوا لباس پہننے سے منع فرمایا ہے ۔ (ابوداؤد ۔ نسائی)

(۵) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ، خبردار رہو ، مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ ویسی ہی ایک اور چیز بھی ۔ خبردار ایسا نہ ہو کہ کوئی پیٹ بھرا شخص اپنی مسند پر بیٹھا ہوا یہ کہے کہ بس تم قرآن کی پیروی کرو ۔ جو کچھ اس میں حلال پاؤ اُسے حلال سمجھو اور جو کچھ اس میں حرام پاؤ اسے حرام سمجھو حالانکہ جو کچھ اللہ کا رسول حرام قرار دے وہ ایسا ہی حرام ہے جیسے اللہ کا حرام کیا ہوا ۔ خبردار رہو تمہارے لیے پالتو گدھا حلال نہیں ہے اور نہ کوئی کچلیوں والا درندہ حلال ہے ۔ (ابوداؤد ، ابنِ ماجہ ، دارمی ، حاکم)

(۶) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ، آپؐ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس شہید کے لیے کچھ خصوصی انعامات ہیں ۔ پہلا انعام مغفرت ہے جو اس کے خون کے بدلے میں دیا جائے گا ۔ پھر اسے جنت میں رہنے کی جگہ عطا ہو گی اس کے بعد اسے ایمان کے زیور سے سجایا جائے گا ۔ حورِ عین سے اس کا نکاح ہو گا ۔ عذاب قبر سے چھٹکارا پائے گا اور قیامت کے خوف سے بچ جائے گا جو دنیا و مافیہا سے بہتر ہو گا ۔ حوران بہشتی سے بہتر بیویاں اسے عنایت کی جائیں گی اور اس کی شفاعت پر اس کے خاندان کے ستر آدمی بخش دیئے جائیں گے ۔ (اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ)

حضرت نُبَیشۃ الخیر ہُذَلیؓ

(۱)

ایک روایت میں ان کا نام "سلمہ" بھی آیا ہے لیکن جمہور ارباب سِیَر نے "نُبَیشہ" ہی لکھا ہے۔ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ ان کا خاندانی تعلق بنو مُضَر کی شاخ بنو ہُذیل سے تھا۔ البتہ ان کے شجرۂ نسب کے بارے میں سخت اختلاف ہے۔ ابنِ اثیرؒ نے جہاں ابنِ ماکولاؒ کے حوالے سے ان کا سلسلۂ نسب اس طرح بیان کیا ہے:

نُبَیشہؓ بن عمرو بن عوف بن سلمہ بن خنش بن طیار بن دیال بن عمیر بن عادیہ بن صعصعہ بن واثلہ بن لحیان بن لحیان،

وہاں انہوں نے "ابو عمروؒ" کے حوالے سے حضرت نبیشہؓ کا سلسلۂ نسب یوں بیان کیا ہے:

نُبَیشہ بن عمرو بن عوف بن عبد اللہ بن عتاب بن حارث بن حصین بن نالبعہ بن لحیان بن ہذیل بن مدرکہ بن الیاس بن مُضَر۔

بعد کے بیشتر اہل سیر نے ثانی الذکر شجرۂ نسب کو ترجیح دی ہے۔

حضرت نُبَیشہؓ کے قبولِ اسلام کے زمانہ کے بارے میں کُتُبِ سِیَر خاموش ہیں البتہ شاہ معین الدین احمد ندویؒ نے اپنی کتاب "سیر الصحابہ" (حصہ ہفتم) میں یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ وہ فتح مکہ (رمضان ۸ھ ہجری) کے بعد کسی وقت شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہوئے۔

(۲)

عہدِ رسالت یا اس کے بعد کے کسی غزوے میں حضرت نُبَیشہ کی شرکت کے بارے میں کسی سیرت نگار یا مؤرخ نے کچھ نہیں لکھا البتہ ان سے مروی احادیث سے یہ بات ضرور ثابت ہوتی ہے کہ ان کو فیضانِ نبویؐ سے بہرہ یاب ہونے کا خوب

موقع ملا۔ سب سے بڑی سعادت جو اُن کو نصیب ہوئی یہ تھی کہ سیدالانبیاء والمرسلین صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اپنی زبانِ مبارک سے "الخیر" کا لقب عطا فرمایا۔ اس کی تقریب یوں ہوئی کہ ایک مرتبہ حضرت نبیشہؓ بارگاہِ رسالت مآبؐ میں حاضر ہوئے تو آپؐ کے پاس کچھ قیدی دیکھے جو کسی لڑائی میں پکڑے گئے تھے۔ حضرت نبیشہؓ نے سرکارِ دوعالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں عرض کیا:

"یا رسول اللہؐ! ان قیدیوں پر احسان فرمایئے اور فدیہ لے کر ان کو آزاد فرما دیجئے۔"

ایک روایت میں ان سے یہ الفاظ منسوب ہیں:

"یا رسول اللہ! یا تو فدیہ لے کر ان قیدیوں کو رہا کر دیجئے یا ازراہِ احسان ان کو چھوڑ دیجئے۔"

بہرصورت سرورِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اُن کی درخواست کے جواب میں فرمایا:

"تم نے اچھی بات کہی اس لیے آج سے تم نبیشۃ الخیر ہو۔"

(الاستیعاب۔ اسدالغابہ)

حضرت نبیشہؓ کے سالِ وفات کا ذکر کسی کتاب میں نہیں ہے البتہ ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا حضرت عُمرؓ فاروق کے دورِ خلافت میں حیات تھے اور بصرہ آباد ہونے کے بعد وہیں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی اسی لیے ان کا شمار بصری صحابہ میں ہوتا ہے۔[1]

(۳)

حضرت نبیشۃ الخیرؓ سے گیارہ حدیثیں مروی ہیں[2]۔ ان میں سے کچھ یہ ہیں:۔

(۱) رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے (عیدالاضحیٰ کے موقع پر) فرمایا، پہلے ہم

---

[1] اُسدُالغابہ لابنِ اثیر جلد ۹

[2] تہذیب الکمال ص ۵ ۴۰ از علامہ یوسف بن زکی المزیؒ

نے قربانیوں کا گوشت تین دن سے زیادہ کھانے کی ممانعت کردی تھی اور یہ پابندی اس لیے لگائی گئی تھی کہ سب لوگوں کو گوشت اچھی طرح مل جائے۔ اب اللہ تعالیٰ کا فضل ہے (وہ تنگدستی والے حالات اب نہیں رہے۔) اس لیے اجازت ہے کہ لوگ کھائیں اور محفوظ رکھیں اور قربانی کا ثواب بھی حاصل کریں۔ یہ دن کھانے پینے کے اور اللہ کی یاد کے ہیں۔

(سُنَنِ ابی داؤد)

(۲) (ایک دفعہ) لوگوں نے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں عرض کیا، یارسول اللہ! ہم زمانۂ جاہلیت میں بتوں کے نام پر قربانی دیا کرتے تھے۔ آپؐ نے فرمایا، اللہ کے نام پر جس مہینے میں چاہو ذبح کرو، اللہ کے نام پر دو اور لوگوں کو کھلاؤ۔

(اُسُدُ الغابہ)

(۳) رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا ہے کہ جو شخص کسی برتن میں کھانا کھائے اور پھر اسے اچھی طرح صاف کردے تو وہ برتن اس آدمی کے لیے مغفرت کی دعا کرتا ہے۔

(اُسُدُ الغابہ)



حضرت نُضَیرؓ بن حارث عبدری

(۱)

قریش کی شاخ بنی عبدالدار سے تھے۔ نسب نامہ یہ ہے :
نضیرؓ بن حارث بن علقمہ بن کلدہ بن عبد مناف بن عبد الدار
بن قُصَیّ القرشی العبدری ——— کنیت ابوالحارث تھی۔

ایک روایت کے مطابق فتح مکّہ سے پہلے مشرّف بہ اسلام ہوئے اور پھر ہجرت کر کے مدینہ منوّرہ چلے گئے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ فتح مکّہ کے موقع پر ایمان لائے۔ ابن اثیرؒ نے اسی روایت کو درست قرار دیا ہے کیونکہ حضرت نُضیرؓ کو "مؤلفۃ القلوب" میں شمار کیا گیا ہے، جبکہ کسی مہاجر کو "مؤلفۃ القلوب" میں شمار نہیں کیا گیا۔

بعض روایتوں میں ان کا نام نضر بن حارث بیان کیا گیا ہے لیکن یہ غلط ہے۔ نضر بن حارث ان کا بھائی تھا اور وہ کافر مرا۔ وہ رسول اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم کا سخت دشمن تھا اور آپؐ کی اور صحابۂ کرامؓ کی ہجو کیا کرتا تھا۔ غزوۂ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھ گرفتار ہو گیا اور حضورؐ نے اسے قتل کرا دیا۔

(۲)

حضرت نُضَیرؓ کا شمار قریش کے بردبار بزرگوں میں ہوتا تھا۔ فتح مکّہ کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے انہیں نعمتِ اسلام سے نوازا تو وہ اس سعادت یابی پر بار بار اللہ کا شکر کرتے تھے۔

ایک روایت میں ہے کہ وہ کہا کرتے تھے، تمام تعریف اس اللہ پاک کے لیے ہے جس نے ہمیں اسلام سے نوازا اور محمد صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم کے ذریعے ہم پر

احسان کیا اور ہم اس مذہب پر نہیں مرے جس پر ہمارے آباؤ اجداد مرے۔

قبولِ اسلام کے بعد غزوۂ حنین میں شریک ہوئے۔ حضورؐ نے حنین کا مالِ غنیمت تقسیم فرمایا تو حضرت نضیرؓ کو (مؤلفۃ القلوب کے زُمرے میں شمار کرکے) سّو اونٹ مرحمت فرمائے۔ ابھی اونٹ ان کے حوالے نہیں ہوئے تھے کہ بنی الدِّیل کے ایک صاحب نے انہیں خوشخبری دی اور کہا کہ مجھے بھی ان اونٹوں میں سے کچھ دے دینا۔ ان صاحب کی بات سُن کر حضرت نضیرؓ نے محسوس کیا کہ شاید یہ اونٹ انہیں قبولِ اسلام کے صلے کے طور پر دیئے جا رہے ہیں۔ چنانچہ پہلے تو انہوں نے یہ کہہ کر اونٹ لینے سے انکار کر دیا کہ میں اپنے اسلام کو اونٹوں کے لالچ سے کیوں ملوّث کروں مگر پھر خیال آیا کہ جب بغیر طلب و سوال مل رہے ہیں تو پھر یہ حضورؐ کا عطیّہ ہیں ان کے لینے سے انکار ناشکری کے مترادف ہوگا چنانچہ انہوں نے اونٹ بصد شکریہ قبول کر لیے اور ان میں سے دس اونٹ خوشخبری دینے والے صاحب کو دے دیئے۔

(۳)

علّامہ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ عطیہ وصول کرنے کے بعد حضرت نُضیرؓ رسول اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپؐ سے نماز اور اوقاتِ نماز کے بارے میں سوالات کرتے رہے پھر انہوں نے پوچھا، یا رسول اللہؐ! اللہ کو سب سے زیادہ کونسا عمل پسند ہے۔ آپؐ نے فرمایا، جہاد اور انفاق فی سبیل اللہ۔

عہدِ رسالت کے بعد مسلمانوں نے شام پر لشکر کشی کی تو حضرت نضیرؓ اسلامی لشکر میں شامل ہو کر شام کے میدانِ جہاد میں پہنچ گئے اور وہیں جنگِ یرموک (رجب ۱۵ھ) میں رومیوں کے خلاف دادِ شجاعت دیتے ہوئے شہادت پائی۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

حضرت نعمانؓ بن عجلان انصاری

(۱)

قبیلہ خزرج کے خاندان زُریق سے تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:
نعمانؓ بن عجلان بن نعمان بن عامر بن زریق زرقی۔

حضرت نعمانؓ نہایت فصیح البیان شاعر تھے اور اپنے قبیلے کے رئیس تھے۔ غالباً ہجرت نبویؐ کے بعد شرف اسلام سے بہرہ ور ہوئے۔ ایک دفعہ سخت بیمار ہوئے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو آپؐ عیادت کے لیے ان کے گھر تشریف لے گئے۔ حضورؐ نے ان سے دریافت فرمایا۔ "نعمان! کہو تمہارا کیا حال ہے؟" انہوں نے عرض کیا۔ "یا رسول اللہؐ! سخت تکلیف میں ہوں۔"

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور فرمایا:

"اے اللہ! اگر یہ مرض عارضی ہے تو مریض کو جلد شفا عطا فرما اور اگر اسے لمبا کرنا ہے تو نعمان کو صبر کی توفیق عطا فرما اور اگر اس کی زندگی ختم ہو رہی ہے تو اسے دنیا سے اٹھا کر اپنی رحمت میں جگہ دے۔"

حضرت نعمانؓ کی زندگی ابھی باقی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں شفا دے دی اور وہ جلد ہی بستر علالت سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

غزوۂ اُحد (۳ ہجری) میں عمِ رسولؐ سیدنا حضرت حمزہؓ کی شہادت کے بعد حضرت نعمانؓ نے ان کی بیوہ حضرت خولہؓ بنت قیس سے نکاح کر لیا تھا[1]۔

---

[1] حضرت خولہؓ بنت قیس کا شمار جلیل القدر صحابیات میں ہوتا ہے۔ ان کا تعلق خزرج کے خاندان بنو نجار سے تھا۔ ان کو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی عقیدت اور محبت تھی

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ان سے کسی اولاد کا پتہ نہیں چلتا۔

(۲)

اہلِ سیر نے حضرت نعمانؓ بن عجلان کے حالاتِ زندگی بہت کم بیان کیے ہیں۔ اتنا پتہ ضرور چلتا ہے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حامیوں میں سے تھے۔ انہوں نے اپنے عہدِ خلافت میں حضرت نعمانؓ کو بحرین کا عامل مقرر کیا تھا۔ ان کا دستِ سخاوت بہت کشادہ تھا۔ کہا جاتا ہے کہ بنو زریق کا جو شخص بھی ان کے پاس پہنچتا تھا اس کو مالامال کر کے واپس بھیجتے تھے۔ ان کی اس دریا دلی کا ذکر بعض شاعروں نے اپنے اشعار میں بھی کیا ہے۔

حضرت نعمانؓ جنگِ صفین میں حضرت علیؓ کی طرف سے شریک تھے وثیقۂ تحکیم پر جن اصحاب نے حضرت علیؓ کی طرف سے دستخط کیے ان میں وہ بھی شامل تھے۔ بعض کتابوں میں ان کا حلیہ اس طرح بیان کیا گیا ہے:

پست قد، سرخ رنگ، معمولی شکل وصورت۔

حضرت نعمانؓ نے باختلافِ روایت حضرت علیؓ یا حضرت معاویہؓ کے عہدِ خلافت میں وفات پائی۔

(۳)

حضرت نعمانؓ ایک اونچے درجے کے شاعر تھے اور انصار نے اسلام کی جو خدمات انجام دیں، ان پر ان کو فخر تھا۔ ایک طویل قصیدے میں انہوں نے بڑے جوش اور جذبے کے ساتھ انصار کی خدمات کا ذکر کیا ہے۔ اس قصیدے کے چند اشعار یہ ہیں: ——

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

حضورؐ کو بھی ان پر بڑا ناز اور اعتماد تھا۔ اور آپؐ ان سے بلاتکلف قرض لے لیا کرتے تھے۔ ان کی پہلی شادی سیدنا حضرت حمزہؓ سے ہوئی ان سے ایک صاحبزادے عمارہ پیدا ہوئے۔ حضرت حمزہؓ کی شہادت کے بعد ان کا نکاحِ ثانی حضرت نعمانؓ بن عجلان سے ہوا۔ سالِ وفات کسی کتاب میں درج نہیں ہے۔

(۱) — فَقُلْ لِّقُرَیْشٍ نَحْنُ اَصْحَابُ مَکَّۃَ
یَوْمَ حُنَیْنٍ وَالْفَوَارِسُ فِیْ بَدْرٍ

(۲) — وَاَصْحَابُ اُحُدٍ وَالنَّضِیْرِ وَخَیْبَرَ
وَنَحْنُ رَجَعْنَا مِنْ قُرَیْظَۃَ بِالذِّکْرِ

(۳) — وَیَوْمَ بِاَرْضِ الشَّامِ اِذْ قُتِلَ جَعْفَرٌ
وَزَیْدٌ وَعَبْدُ اللّٰہِ فِیْ عَلَقٍ یَجْرِیْ

(۴) — نَصَرْنَا وَاٰوَیْنَا النَّبِیَّ وَلَمْ نَخَفْ
صُرُوْفَ اللَّیَالِیْ وَالْعَظِیْمَ مِنَ الْاَمْرِ

(۵) — وَقُلْنَا لِقَوْمٍ ہَاجَرُوْا مَرْحَبًا بِکُمْ
وَاَہْلًا وَّسَہْلًا قَدْ اَمِنْتُمْ مِنَ الْفَقْرِ

(۶) — نُقَاسِمُکُمْ اَمْوَالَنَا وَدِیَارَنَا!!
کَقِسْمَۃِ اَیْسَارِ الْجَزُوْرِ عَلَی الشَّطْرِ

ترجمہ

(۱)

قریش سے کہہ دو، ہم وہ لوگ ہیں جنہوں نے مکّے کو فتح کیا اور ہم ہی وہ شہسوار ہیں جنہوں نے بدر اور حنین میں اپنے جوہر دکھائے۔

(۲)

اور ہم ہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اُحُد میں اور بنُو نضیر کے خلاف شمشیر زنی کی اور خیبر کو مسخّر کیا اور جب ہم نے بنو قُریظہ کے خلاف کارروائی کر کے مراجعت کی تو ہماری شہرت کے ڈنکے بج رہے تھے۔

(۳)

اور ہم ارضِ شام کی اس جنگ میں بھی شریک تھے جس میں جعفرؓ، زیدؓ (بن حارثہ) اور عبداللہؓ (بن رواحہ) شہید ہوئے — یوں ہمارے

کارناموں کا سلسلہ چلتا ہے۔

(۴)

ہم نے نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو پناہ دی اور آپ کی نصرت (امداد) کی۔ نہ تو ہمیں زمانے کے مصائب خوفزدہ کر سکے اور نہ بڑی بڑی مہمات۔

(۵)

ہم نے مہاجرین کو اہلاً وسہلاً ومرحبا کہا اور نیز یہ کہا کہ تم فقر و فاقہ (ناداری) کی مصیبت سے بچ گئے ہو۔

(۶)

ہم تم میں اپنا مال ومتاع اور گھر بار اس طرح تقسیم کر دیں گے جس طرح کہ دولت مند لوگ مذبوحہ بکری یا اونٹنی کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے بانٹ دیتے ہیں۔

جب دنیوی زندگی محبوب ہو جائے اور موت ناپسند تو کثرتِ تعداد کے باوجود ہلاکت کا سامنا کرنا پڑے گا

حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا عنقریب قومیں تمہیں ختم کرنے کے لیے اس طرح امنڈ پڑیں گی جس طرح کھانے والے خوان پر امنڈ پڑتے ہیں۔ کسی نے سوال کیا کہ کیا قلتِ تعداد کی وجہ سے ہماری یہ حالت ہو جائے گی؟ فرمایا (نہیں) بلکہ اس زمانے میں تم تعداد میں تو بہت زیادہ ہو گے لیکن سیلاب کے جھاگ کی طرح تمہارا کوئی وزن نہیں ہو گا۔ اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کے دلوں سے تمہارا رعب اٹھا دے گا اور تمہارے دلوں میں کمزوری پیدا ہو جائے گی۔ کسی نے کہا کمزوری کیا ہے؟ تو حضورؐ نے فرمایا: "دنیا کی محبت اور موت سے گھبرانا۔"

رواہ ابوداؤد (مشکوٰۃ باب تغیر الناس صـ ۴۵۸)

حضرت نعمانؓ بن عصر بلوی الانصاری

(۱)

ان کا تعلق قبیلہ بلی سے تھا اور مدینہ میں انصار بنو معاویہ بن مالک کے حلیف تھے۔ اہلِ سیَر نے ان کا سلسلۂ نسب دو طریقوں سے بیان کیا ہے۔

(۱) نعمان بن عصر بن ربیع بن حارث بن ادیم بن امیہ بن حذرہ بن کاہل بن رشد بن ہرم بن ہنی بن بلی۔

(۲) نعمان بن عصر بن عبید بن وائلہ بن حارثہ بن ضبیعہ بن حرام بن جعل بن عمرو بن جشم بن ودم بن ذبیان بن ہمیم بن ذہل بن ہنی بن بلی۔

ان کے والد کا نام کسی نے عِصر لکھا ہے، کسی نے عَصَر اور کسی نے عُصَر۔

ابن ماکولاؒ کا بیان ہے کہ حضرت نعمانؓ بن عصر بیعت عقبۂ کبیرہ میں شریک تھے مگر دوسرے اربابِ سیَر نے بیعت عقبۂ کبیرہ کے شرکاء کی جو فہرست دی ہے اس میں ان کا نام نہیں ملتا البتہ یہ بات یقینی ہے کہ وہ غزوۂ بدر سے پہلے مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے۔

(۲)

ہجرتِ نبویؐ کے بعد غزوات کا آغاز ہوا تو حضرت نعمانؓ بن عصر سب سے پہلے غزوۂ بدرِ عظمیٰ میں شریک ہوئے۔ اُن کے بدری صحابی ہونے پر سب اہلِ سیَر کا اتفاق ہے۔

غزوۂ بدر کے بعد حضرت نعمانؓ نے اُحُد، خندق اور عہدِ رسالت کے دوسرے تمام غزوات میں بھی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا۔

آفتاب رسالت اللہ تعالیٰ کی شفقتِ رحمت میں غروب ہوا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ مسند آرائے خلافت ہوئے تو "الردّہ" (ارتداد) کے فتنے نے قریب قریب سارے عرب کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اللہ تعالیٰ نے سیدنا صدیق اکبرؓ کا سینہ جہاد کے لیے کشادہ کر دیا اور انہوں نے اس فتنے کا بے مثال عزم و استقامت سے مقابلہ کیا۔ اس سلسلے میں انہوں نے مجاہدین کے گیارہ لشکر مختلف اطراف و جوانب کو بھیجے۔ حضرت نعمانؓ بن عصر بھی ایک لشکر میں شامل تھے۔ ایک روایت کے مطابق ایک معرکے میں ایک جھوٹے مدعیٔ نبوّت طلیحہ بن خویلد اسدی نے انہیں شہید کر ڈالا مگر ایک اور روایت میں ہے کہ وہ حضرت خالدؓ بن ولید کی قیادت میں مسیلمہ کذّاب کے خلاف لڑتے ہوئے یمامہ کی جنگ میں شہید ہوئے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ! میرے کچھ رشتے دار ہیں میں اُن سے صلہ رحمی کرتا ہوں اور وہ مجھ سے قطع رحمی کرتے ہیں اور میں ان سے بھلائی کرتا ہوں اور وہ مجھ سے برائی کرتے ہیں اور میں ان سے درگزر کرتا ہوں اور وہ میرے ساتھ جہالت کا معاملہ کرتے ہیں۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تو ایسا ہی ہے جیسا تو نے بیان کیا تو گویا تو اُن کے منہ میں گرم راکھ جھونکتا ہے اور جب تک تو اس حالت پر قائم رہے گا اُن کے مقابلے میں تیرے ساتھ خدا کی طرف سے ایک مددگار رہے گا۔ (صحیح مسلم)

حضرت نواسؓ بن سمعانؓ عامری

(۱)

ان کا شمار شامی صحابہ میں ہوتا ہے یعنی وہ صحابہ جنہوں نے شام میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔ خاندانی تعلق بنو عامر بن صعصعہ سے تھا۔

سلسلۂ نسب یہ ہے:

نواسؓ بن سمعانؓ بن خالد بن عمرو بن عبداللہ بن ابوبکر بن کلاب بن ربیعہ بن عامر بن صعصعہ۔

ان کو عامری بھی کہا جاتا ہے اور کلابی بھی۔

ان کے والد حضرت سمعانؓ بن خالد کو بھی شرفِ صحابیت حاصل تھا۔

علامہ ابن اثیرؒ نے "اُسدُ الغابہ" میں لکھا ہے کہ سمعانؓ بن خالد رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے ان کے لیے دعا فرمائی۔ اس کے بعد حضرت سمعانؓ نے حضورِ اکرمؐ کو جوتوں کا ایک جوڑا پیش کیا جو آپؐ نے قبول فرما لیا۔ پھر انھوں نے اپنی بہن کو حضورِ اکرمؐ کی زوجیت میں دے دیا مگر اس نے آپؐ کی زوجہ بننے پر ناخوشی ظاہر کی چنانچہ حضورؐ نے اسے طلاق دے دی۔

(۲)

حضرت نواسؓ بن سمعانؓ کے قبولِ اسلام اور شرفِ صحابیت پر تمام اربابِ سیر کا اتفاق ہے مگر حیرت ہے کہ کسی نے ان کے حالاتِ زندگی بیان نہیں کیے۔ ان سے مروی چند مرفوع احادیث البتہ کتبِ حدیث میں موجود ہیں۔ رواۃِ حدیث میں جُبیرؒ بن نفیرؒ اور بشر بن عبداللہؒ وغیرہ جیسے جلیل القدر تابعین شامل ہیں۔

حضرت نواس بن سمعانؓ نے جو احادیث روایت کی ہیں ان میں سے کچھ

یہ ہیں :

(۱) رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم نے فرمایا ہے کہ نیکی اچھے اخلاق کا نام ہے اور گناہ وہ ہے جو تیرے سینے میں کھٹکے اور تو ناپسند کرے کہ لوگ اس سے آگاہ ہوں ۔ (صحیح مسلم)

(۲) میں نے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم سے سنا، آپؐ فرماتے تھے کہ قیامت کے دن قرآن کو اور اُن قرآن والوں کو لایا جائے گا جو اس پر عامل تھے۔ سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران (پورے قرآن کی نمائندگی کرتے ہوئے) پیش پیش ہوں گی (محسوس ہوگا) گویا کہ وہ بادل کے دو ٹکڑے ہیں یا سیاہ رنگ کے دو سائبان ہیں جن میں نور کی چمک ہے یا صف باندھے پرندوں کے دو پرے ہیں اور وہ بارگاہِ الٰہی میں اپنے سے تعلّق رکھنے والوں (یعنی قرآن پڑھنے والوں) کی سفارش کریں گی (کہ ان کو مغفرت سے نوازا جائے) (صحیح مسلم)

(۳) میں نے نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم سے سنا کہ جب اللہ تعالیٰ کوئی حکم یا فیصلہ اہلِ دنیا تک پہنچانا چاہتا ہے تو وحی کے مخصوص انداز میں کلام فرماتا ہے جس کی وجہ سے آسمانوں پر خوف اور دہشت سے لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔ پھر جب یہ وحی آسمان کے رہنے والے سنتے ہیں تو حواس باختہ ہو کر اللہ تعالیٰ کے حضور سجدے میں گر پڑتے ہیں۔ پھر سب سے پہلے جبریلؑ سجدے سے سر اٹھاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنا حکم وحی فرماتا ہے جیسا چاہتا ہے۔ جبریلؑ اس وحی کو لے کر مختلف آسمانوں میں فرشتوں کے پاس سے گزرتے ہیں اور ہر آسمان پر فرشتے ان سے سوال کرتے ہیں کہ اے جبریلؑ ہمارے رَبّ کا کیا حکم ہے ۔ جبریلؑ جواب دیتے ہیں کہ حق ہی فرمایا ہے اور وہ بزرگ و برتر ہے اس کے جواب میں سب فرشتے جبریلؑ کے کلمات دہراتے ہیں (قَالَ الْحَقَّ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ) اس کے بعد جبریلؑ یہ وحی وہاں

پہنچاتے ہیں جہاں پہنچانے کا حکم ہوتا ہے۔ (کتاب التوحید)

(۴) میں نے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّم کو فرماتے سُنا کہ آدمی کا دل اللہ کی دو انگلیوں کے درمیان ہے اگر اسے ٹیڑھا کرنا چاہے تو ٹیڑھا کر دیتا ہے اور اگر سیدھا کرنا چاہے تو سیدھا کر دیتا ہے۔ (اُسدُ الغابہ فی معرفۃ الصحابہ)

(۵) ایک دن صبح کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے دجّال کا ذکر کیا۔ آپؐ نے سر جھکا لیا اور پھر اوپر اٹھایا۔ اس سے ہم یہ سمجھے کہ دجال اس طائفے میں موجود ہے جو کھجوروں کے نیچے ٹھہرا ہوا ہے۔ چنانچہ ہم ادھر کو چل دیئے پھر رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّم کی طرف لوٹ آئے۔ آپؐ ہماری پریشانی کو سمجھ گئے تھے۔ فرمایا، کیا معاملہ ہے؟ ہم نے عرض کیا، یا رسول اللہؐ! آج آپؐ نے دجّال کا ذکر فرمایا تھا ہم سمجھے شاید وہ ان لوگوں میں موجود ہے جو کھجور کے نیچے ٹھہرے ہوئے تھے۔ آپؐ نے فرمایا، مجھے دجّال کے علاوہ بھی بعض اشرار کا خوف ہے اگر میرے ہوتے کسی کا ظہور ہوا تو میں خود اس کا مقابلہ کروں گا اور اگر میرے بعد اس کا ظہور ہوا تو ہر آدمی کو خود اپنا بچاؤ کرنا پڑے گا اور اللہ تعالیٰ میری طرف سے تمہاری کفالت کرے گا۔ پھر آپؐ نے دجّال کا حلیہ اس طرح بیان فرمایا:

"نوجوان، گھنگھریالے بال، آنکھیں بے نور، چہرہ عبدالعزّیٰ بن قطن کے چہرے سے مشابہ۔" (اُسدُ الغابہ)

(۶) رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّم نے فرمایا ہے کہ کسی مخلوق کا بھی یہ حق نہیں ہے کہ خالق کی نافرمانی میں اس کی اطاعت کی جائے۔

(مشکوٰۃ شریف، کتاب الامارۃ والقضاء)



حضرت نوفل رضؓ بن معاویہ الدِّیلی

(۱)

قبیلہ کنانہ کی ایک شاخ بنی الدّیل کے چشم و چراغ تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:
نوفلؓ بن معاویہ بن عروہ (یا بروایت دیگر عمرو) بن صخر بن یعمر بن نفاثہ بن عدی بن الدّیل۔ نفاثہ بن عدی کی نسبت سے ان کو نفاثی بھی کہا جاتا ہے۔ حضرت نوفلؓ کا والد معاویہ حرب فجار میں بنی الدّیل کے لشکر کا سردار تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نوفلؓ کے آباؤ اجداد اپنے قبیلے کے مقتدر اور با اثر لوگوں میں سے تھے۔

(۲)

ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ حضرت نوفلؓ بن معاویہ فتح مکہ سے پہلے شرف اسلام سے بہرہ ور ہو گئے تھے۔ انہوں نے سب سے پہلے فتح مکہ میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا۔ اس کے بعد پیش آنے والے غزووں میں ان کی شرکت یا عدم شرکت کے بارے میں کتبِ سیر خاموش ہیں۔

حضرت نوفلؓ بن معاویہ نے طویل عمر پائی۔ عہد رسالت کے بعد خلفائے راشدین اور امیر معاویہؓ کا پورا زمانہ بھی ان کی آنکھوں کے سامنے گزرا مگر کسی لڑائی یا دوسرے معاملے میں ان کا ذکر کہیں نہیں ملتا۔ ابن اثیرؒ کے بیان کے مطابق انہوں نے یزید بن معاویہؓ کے عہدِ حکومت میں وفات پائی۔

حضرت نوفلؓ بن معاویہ سے یہ حدیث مروی ہے:

"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپؐ نے فرمایا کہ جس آدمی نے نماز چھوڑ دی گویا اس نے اپنے مال اور اولاد کو ہلاکت میں ڈالا۔" (مُسندِ ابی داؤد)

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت وابصہؓ بن مَعبَد اَسَدی

(۱)

ان کا تعلق بنو اسد بن خزیمہ سے تھا۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:
وابصہؓ بن معبد بن عتبہ بن حارث بن مالک بن حارث بن بشیر بن کعب بن سعد بن حارث بن ثعلبہ بن دودان بن اسد بن خزیمہ۔

کنیت ابو سالم تھی۔ ان کے قبولِ اسلام کے زمانہ کی تعیین تو نہیں کی جا سکتی البتہ کتبِ سیر سے یہ بات ثابت ہے کہ ہجرت کے بعد سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے اور اصحابِ صُفّہ کی جماعت کا قیام عمل میں آیا تو حضرت وابصہؓ بن معبد اس مقدس جماعت کے رکن بن گئے اور براہِ راست فیضانِ نبوی سے بہرہ یاب ہوئے۔

(۲)

اربابِ سیر نے حضرت وابصہؓ کی زندگی کے بہت کم حالات بیان کیے ہیں۔ ان سے پتہ نہیں چلتا کہ انہوں نے کن کن غزوات میں شرکت کی البتہ یہ بات یقینی طور پر معلوم ہے کہ وہ حجۃ الوداع (۱۰ھ) میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب تھے۔ علامہ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ حضرت وابصہؓ بن مَعبَد نے اوّلاً کوفہ میں سکونت اختیار کی پھر رقہ (ایران) چلے گئے اور وہیں وفات پائی۔ وہ بڑے رقیق القلب تھے۔ خشیتِ الٰہی کا اس قدر غلبہ تھا کہ اکثر روتے رہتے تھے۔ انہوں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کئی احادیث روایت کی ہیں۔ ان کے رواۃ حدیث میں دو بیٹوں عمرؒ اور سالمؒ کے علاوہ شعبیؒ اور زیاد بن ابو الجعدؒ وغیرہ شامل ہیں۔ حضرت وابصہؓ سے مروی احادیث میں سے تین یہاں درج کی جاتی ہیں۔

(۱) میں (ایک دفعہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؐ

نے فرمایا کہ تو نیکی کے متعلق دریافت کرنے آیا ہے؟ میں نے عرض کیا، جی ہاں۔ آپؐ نے فرمایا، اپنے دل سے فتویٰ پوچھ لیا کر۔۔۔ اور نیک کام تو وہ ہے کہ جس سے طبیعت میں اطمینان پیدا ہوا اور اس پر دل مطمئن ہو اور گناہ وہ ہے جو طبیعت میں کھٹکے اور جس سے دل میں تردّد پیدا ہو اگرچہ لوگ اس کے جواز ہی کا فتویٰ دیں۔ (دارمی)

(۲) رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ صف کے پیچھے اکیلا کھڑا نماز پڑھ رہا ہے تو آپؐ نے اس کو دوبارہ نماز پڑھنے کا حکم دیا۔[۱]

(مسندِ احمد، جامع ترمذی، سُنَنِ ابی داؤد)

(۳) میں رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ساتھ حجۃ الوداع میں حاضر تھا اور آپؐ لوگوں کو خطبہ دے رہے تھے۔ آپؐ نے فرمایا، اے لوگو! کونسا مہینہ حرام قرار دیا گیا ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا، یہی مہینہ۔ آپؐ نے فرمایا کونسا

---

[۱] شارحینِ حدیث نے اس حدیث کی تشریح یہ کی ہے کہ صف کے پیچھے اکیلے نماز پڑھنے میں چونکہ جماعت اور اجتماعیت کی شان بالکل نہیں پائی جاتی اس لیے شریعت میں یہ اس قدر مکروہ اور ناپسندیدہ ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اس شخص کو نماز دوبارہ ادا کرنے کا حکم دیا۔

فقہی حکم یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ایسے وقت جماعت میں شریک ہو کہ آگے کی صف بالکل بھر چکی ہو اور اس کے ساتھ کھڑا ہونے والا کوئی دوسرا نمازی موجود نہ ہو تو اس کو چاہیئے کہ آگے کی صف میں سے کسی جاننے والے کو پیچھے ہٹا کے اپنے ساتھ کھڑا کر لے بشرطیکہ یہ امید ہو کہ وہ آسانی سے پیچھے ہٹ آئے گا اور اگر ایسا کوئی آدمی اگلی صف میں نہ ہو تو پھر مجبوراً اکیلا ہی کھڑا ہو جائے اور اس صورت میں عنداللہ یہ شخص معذور ہو گا۔ (معارف الحدیث جلد سوم)

شہر حرام قرار دیا گیا ہے ؟ صحابہؓ نے عرض کیا ، یہی شہر۔ آپؐ نے فرمایا ، تمہارا خون اور تمہارا مال اور تمہاری عزتیں تمہارے اوپر حرام کردی گئی ہیں جس طرح کہ تمہارے اس دن کی تمہارے اس مہینہ میں اور تمہارے اس شہر میں حرمت قائم کی گئی ہے اس دن تک کے لیے جب کہ تم اپنے رب سے ملوگے ۔۔۔ آیا میں تبلیغ کرچکا ؟

لوگوں نے کہا ، جی ہاں ۔ آپؐ نے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے اور کہا ، اے میرے اللہ تو گواہ ہوجا ۔

اس کے بعد آپؐ نے فرمایا ، اے لوگو! جو حاضر ہے تم میں سے وہ غائب کو پہنچادے ۔ (مسندِ بزار ، ہیثمیؒ)

انسانیت کے بھیڑیئے

حضرت معاذؓ بن جبل کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : شیطان بکریوں کے بھیڑیے کی طرح انسان کا بھیڑیا ہے جو کہ جماعت سے الگ رہنے والے اور ذاتی مفاد کے لیے جماعتی کاموں سے دُور رہنے والے اور سُستی کی وجہ سے جماعتی کاموں میں سرگرمی نہ دکھانے والے کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے ۔ دیکھنا اپنے آپ کو گھاٹیوں میں پراگندہ نہ کرلینا ۔ جماعت اور اہلِ ایمان کے ساتھ لگے رہو!

(مشکوٰۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ ص۳۱)

حضرت وَدقہؓ بن ایاس انصاری

(۱)

قبیلہ اوس کی شاخ بنی لوذان سے تعلق رکھتے تھے۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:
وَدقہؓ بن ایاس بن عمرو بن غنم بن امیہ بن لوذان بن غنم بن عوف بن خزرج ——
حافظ ابن عبدالبرؒ نے ان کا نام وذقہ لکھا ہے مگر جمہور ارباب سیر نے ان کا نام ودقہ ہی بتایا ہے۔
حضرت ودقہؓ غزوۂ بدر سے پہلے شرف ایمان سے بہرہ ور ہوئے اور پھر راہِ حق کے جانباز سپاہی بن گئے۔ ان کے دو بھائی حضرت ربیعؓ بن ایاس اور حضرت عمروؓ بن ایاس بھی اسی زمانے میں نعمت اسلام سے بہرہ یاب ہوئے۔

(۲)

رمضان ۲ھ ہجری میں غزوۂ بدر پیش آیا تو حضرت ودقہؓ بن ایاس اس میں بڑے جوش اور جذبے کے ساتھ شریک ہوئے۔ ابن اسحاقؒ کا بیان ہے کہ ان کے دونوں بھائی حضرت ربیعؓ اور حضرت عمروؓ کو بھی اس غزوے میں شریک ہونے کی سعادت نصیب ہوئی۔
غزوۂ بدر کے بعد حضرت ودقہؓ نے عہد رسالت کے دوسرے تمام غزوات میں بھی دادِ شجاعت دی اور راہِ حق میں سرفروشی کا حق ادا کر دیا۔
رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں فتنۂ ارتداد نے زور پکڑا تو خلیفۃ الرسولؐ نے اس کے استیصال کے لیے متعدد لشکر روانہ کیے۔ حضرت ودقہؓ بھی ایک لشکر میں شامل ہو گئے۔ مجاہدین اسلام کے مرتدوں سے کئی خونریز معرکے ہوئے ان میں سب سے بڑا معرکہ یمامہ کے میدان میں مسیلمہ کذاب کے خلاف ہوا۔ اس میں اسلامی لشکر کے سپہ سالار حضرت خالدؓ بن ولید تھے اور حضرت وَدقہؓ بھی بھی ایک مجاہد کی حیثیت سے شریک تھے۔ انہوں نے اسی خونریز جنگ میں مردانہ وار لڑتے ہوئے جام شہادت پیا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت وہبانؓ بن صیفی الغفاری

(۱)

ان کے نام میں اختلاف ہے۔ بعض نے وہبان لکھا ہے اور بعض نے اہبان۔ ان کا نسب نامہ کسی نے بیان نہیں کیا مگر تین باتوں پر سب کا اتفاق ہے۔ پہلی یہ کہ ان کو شرفِ صحابیت حاصل ہے۔ دوسری یہ کہ ان کی کنیت ابو مسلم تھی اور تیسری یہ کہ ان کا نسبی تعلق بنو غفار سے تھا اور وہ حرام بن غفار کی اولاد سے تھے۔ جلیل القدر صحابی حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اسی کی اولاد سے تھے گویا حضرت وہبانؓ حضرت ابوذر غفاریؓ کے ہم جد تھے۔

ارباب سیر نے یہ تصریح بھی نہیں کی کہ حضرت وہبانؓ کب مشرف بہ اسلام ہوئے۔ بعض نے قیاس آرائی کی ہے کہ اپنے قبیلے کے ساتھ فتح مکہ سے کچھ پہلے یا اس کے کچھ عرصہ بعد ایمان لائے اور پھر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر سماعِ حدیث کی سعادت حاصل کی۔

(۲)

اربابِ سیر نے حضرت وہبانؓ کے بہت کم حالاتِ زندگی لکھے ہیں کسی نے عہدِ رسالت یا بعد کی کسی لڑائی میں ان کی شرکت یا عدم شرکت کے بارے میں بھی کچھ نہیں لکھا۔ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ بصرہ آباد ہونے کے بعد حضرت وہبانؓ نے وہاں اپنا مکان بنا لیا تھا اور وہیں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں حیات تھے۔ ان کے اور امیر معاویہؓ کے درمیان جو لڑائیاں ہوئیں، حضرت وہبانؓ نے ان میں مطلق کوئی حصہ نہ لیا اور اپنے گھر میں گوشہ نشین رہے۔ خود ان سے روایت ہے کہ (خانہ جنگی کے زمانے میں)

علیؓ بن ابی طالب میرے پاس تشریف لائے اور دروازے پر کھڑے ہو کر پوچھا یہاں ابو مسلم ہیں؟ میں نے اثبات میں جواب دیا تو انہوں نے فرمایا کہ تم کو کیا چیز مانع ہے کہ میرا ہاتھ نہیں بٹاتے (میری حمایت میں نہیں نکلتے) میں نے کہا، مجھے میرے خلیل اور آپ کے ابنِ عم (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) نے ایک وصیت کی تھی، وہ وصیت مجھے اس بات میں مانع ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ وصیت فرمائی تھی کہ جب فتنہ کا زمانہ ہو تو تم لکڑی کی تلوار بنا لینا چنانچہ میں نے لکڑی کی تلوار بنالی ہے۔ اگر آپ چاہتے ہیں تو میں اس لکڑی کی تلوار سے آپ کا ساتھ دینے پر آمادہ ہوں میرا جواب سُن کر حضرت علیؓ واپس چلے گئے[1] (انہوں نے کچھ نہیں فرمایا)

(۳)

اربابِ سیر نے تصریح تو نہیں کی لیکن قیاس یہ ہے کہ حضرت وہبانؓ نے حضرت امیر معاویہؓ کے دورِ خلافت میں وفات پائی۔ مقامِ وفات بالاتفاق بصرہ ہے۔

حضرت وہبانؓ کی بیٹی عدیسہؒ سے روایت ہے کہ میرے والد کی وفات کا وقت آیا تو انہوں نے وصیت کی کہ مجھے صرف دو کپڑوں میں کفن دے کر دفن کرنا، مگر ہم نے دو کپڑوں کے علاوہ قمیص بھی بڑھا کر دفن کر دیا۔ دوسرے دن دیکھا تو وہ تیسرا کپڑا جو قمیص کی شکل میں ہم نے بڑھایا تھا، وہ قبر کے اوپر پڑا تھا (بروایت دیگر وہ قمیص لکڑی کے ایک کھمبے پر رکھی دیکھی گئی)۔

حافظ ابن عبدالبرؒ نے لکھا ہے کہ اس حدیث کو بصرہ کے پرہیزگار لوگوں کی ایک جماعت نے عدیسہ بنتِ وہبانؓ سے روایت کیا ہے۔

(الاستیعاب جلد۳ ص ۶۰۳)

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

---

[1] حافظ ابن عبدالبرؒ نے "الاستیعاب" میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت وہبانؓ کو نصیحت فرمائی تھی کہ اگر فتنہ کا زمانہ ہو اور مسلمان آپس میں قتل و خونریزی میں مبتلا ہو جائیں تو اس دور میں تم لکڑی کی تلوار بنا لینا۔ حضرت وہبانؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی تعمیل میں لکڑی کی تلوار بنالی۔ نہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حمایت میں لڑے اور نہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حمایت میں۔

حضرت ہبّارؓ بن سُفیان مخزومی

(۱)

قریش کی معزّز شاخ بنو مخزوم سے تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:

ہَبّارؓ بن سُفیان بن عبدالاسد بن ہلال بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم

جلیل القدر صحابی حضرت ابوسلمہؓ بن عبدالاسد (اُمّ المؤمنین حضرت اُمِّ سلمہؓ کے پہلے شوہر۔ وفات جمادی الآخر ۴ھ ہجری) ان کے چچا تھے۔

حضرت ہبّارؓ بن سفیان اور ان کے بھائی سعید اللہؓ (بعض نے ان کا نام عبداللہ لکھا ہے) بن سفیان دونوں نہایت سعید الفطرت تھے۔ بعثت کے بعد سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ مکّہ کو حق کی طرف بُلایا تو ان دونوں بھائیوں نے لبیک کہہ کر لوائے توحید کو تھام لیا اور یوں وہ "السابقون الاوّلون" کی اس مقدّس جماعت میں شامل ہو گئے جس کو اللہ تعالیٰ نے کھُلے لفظوں میں جنّت کی بشارت دی ہے۔

(۲)

بعثت کے بعد سرورِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ابتدائی تین سال تک حق کا پیغام رازداری کے ساتھ صرف ان سعید روحوں تک پہنچاتے رہے جن سے توقّع کی جا سکتی تھی کہ وہ دلیل و برہان اور تفہیم و تذکیر سے شرک چھوڑ دیں گی اور توحید قبول کر لیں گی۔ ۴ھ بعدِ بعثت کے آغاز میں آپؐ نے حکمِ الٰہی کے مطابق دعوتِ توحید کو آشکارا کر دیا اور کھلے عام اسلام کی تبلیغ شروع کر دی تو مشرکینِ قریش سخت برافروختہ ہوئے اور انہوں نے سعادت اندوزِ اسلام ہونے والے نیک فطرت لوگوں پر سخت مظالم ڈھانے شروع کر دیئے۔ اللہ کے ان پاکباز بندوں نے ہر قسم کے مصائب و آلام خندہ پیشانی سے برداشت کیے مگر حق کی راہ سے منہ موڑنا

گوارا نہ کیا۔ جب کفّار کے مظالم حد سے بڑھ گئے تو سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے رجب ۴۵ عام الفیل (۵ ھ بعد بعثت) میں اپنے اصحاب سے فرمایا:

لَوْ خَرَجْتُمْ اِلٰی اَرْضِ الْحَبْشَۃِ فَاِنَّ بِھَا مَلِکًا لَا یُظْلَمُ عِنْدَہٗ اَحَدٌ وَّھِیَ اَرْضُ صِدْقٍ حَتّٰی یَجْعَلَ اللّٰہُ لَکُمْ فَرَجًا مِمَّا اَنْتُمْ فِیْہِ۔

(یعنی اچھا ہو کہ تم لوگ (یہاں سے) نکل کر حبش چلے جاؤ۔ وہاں ایک ایسا بادشاہ ہے جس کے ہاں کسی پر ظلم نہیں ہوتا اور وہ بھلائی کی سرزمین ہے۔ جب تک اللہ تمہاری اس مصیبت کو رفع کرنے کی کوئی صورت پیدا نہ کرے تم لوگ وہاں ٹھہرے رہو۔)

اس ارشاد کے مطابق ۱۱ مومنین اور چار مومنات مکّہ سے ہجرت کر کے حبش پہنچ گئے۔ اس ہجرت کے بعد بھی مسلمانوں پر مشرکین کے ظلم و ستم میں کوئی کمی نہ آئی تو اگلے سال رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے پھر ہدایت فرمائی کہ مظلوم مسلمان حبش ہی کی طرف ہجرت کر جائیں۔ چنانچہ ۶ ھ بعد بعثت کے آغاز (۶۱۵ء) میں دوسری ہجرت حبشہ واقع ہوئی۔ مشرکین قریش نے مسلمانوں کو ہجرت سے روکنے کی بہت کوشش کی اور ان کے راستے میں طرح طرح کی مشکلات پیدا کیں مگر اس کے باوجود کم و بیش سو ۱۰۰ مسلمان (۸۰ سے زیادہ مرد اور اٹھارہ انیس خواتین) کسی نہ کسی طرح ہجرت کر کے بخیریت حبش پہنچ گئے۔ ان مہاجرین میں حضرت ہبّارؓ بن سفیان اور ان کے بھائی حضرت عبداللہؓ بن سفیان بھی شامل تھے۔

(۳)

مہاجرین حبشہ میں سے کچھ حضرات (جن کی تعداد چالیس اور پچاس کے درمیان بیان کی جاتی ہے) تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت الی المدینہ سے پہلے مکّہ واپس آ گئے اور پھر ہجرت مدینہ کا اذن ہونے پر مدینہ کی طرف ہجرت

علمِ قرأت میں درجۂ کمال پر فائز ہو گئے۔ اس کا اندازہ اس واقعہ سے کیا جا سکتا ہے کہ عہدِ رسالت میں ایک دن لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے اور سورۂ فرقان کی قرأت کر رہے تھے۔ اس کے دوران میں انہوں نے بعض آیات کی قرأت ایسے طریقے سے کی جو اس قرأت کے خلاف تھی جو حضرت عمرؓ نے رسول اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے سنی تھی۔ وہ اثنائے نماز ہی میں ان کو ٹوکنا چاہتے تھے لیکن پھر کچھ سوچ کر نماز ختم ہونے کا انتظار کیا۔ جب حضرت ہشامؓ نے سلام پھیرا تو حضرت عمرؓ نے ان کی چادر کو کھینچا اور پوچھا، تمہیں یہ آیات اس طریقے سے کس نے پڑھائیں۔ انہوں نے کہا، رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا، تم غلط کہتے ہو، میں نے بھی یہ سورۃ خود رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے پڑھی ہے۔ آپؐ نے جو قرأت مجھے سکھائی، تمہاری قرأت اس سے مختلف ہے۔ پھر وہ انہیں کشاں کشاں آنحضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے پاس لے گئے اور عرض کیا: "یا رسول اللہ! ہشام نے سورۂ فرقان کی کچھ آیات کی قرأت ایسے طریقے پر کی ہے جو اس طریقے سے مختلف ہے جس کی تعلیم آپ نے مجھے دی تھی۔"

حضورؐ نے حضرت ہشامؓ سے فرمایا، "اچھا تم وہ آیات پڑھو۔" انہوں نے وہ آیات پڑھیں۔ آپؐ نے فرمایا، تمہاری قرأت درست ہے۔ پھر آپؐ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا، "اب تم یہ آیات پڑھو۔" انہوں نے بھی وہ آیات پڑھیں تو حضورؐ نے فرمایا، تمہاری قرأت بھی درست ہے ——— اس کے بعد آپؐ نے وضاحت فرمائی کہ قرآنِ حکیم عرب کے سات لہجوں کے مطابق نازل ہوا ہے۔ تمہیں جو قرأت آسان معلوم ہو اس کو اپنا لو۔ (صحیح بخاری۔ اُسدُ الغابہ)

حضرت ہشامؓ وقتاً فوقتاً بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوتے تھے اور فیضانِ نبوی سے خوب بہرہ یاب ہوتے تھے۔ سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی رحلت کے بعد حضرت ہشامؓ نے اپنے آپ کو ہمہ تن جہاد فی سبیل اللہ اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے لیے وقف کر دیا۔ شام میں معرکہ آرائیوں کا آغاز ہوا تو وہ ایک اسلامی لشکر میں شامل

ہو کر شام چلے گئے اور شامیوں کے خلاف کئی معرکوں میں دادِ شجاعت دی۔ حمص اور فلسطین کی فتح کے بعد وہ گھوم پھر کر لوگوں کا احتساب کیا کرتے تھے اور ہر جگہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تبلیغ کرتے پھرتے تھے۔ اس فریضہ کی خاطر نہ انہوں نے اپنا گھر بسایا اور نہ کسی سے دوستانہ تعلقات پیدا کیے۔

(۳)

"صحیح مسلم" میں ہے کہ ایک دفعہ ملک شام میں حضرت ہشامؓ چند ذمّیوں کے پاس سے گزرے جن کو دھوپ میں بٹھایا گیا تھا اور ان کے سروں میں تیل ڈالا گیا تھا۔ انہوں نے پوچھا کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ انہیں بتایا گیا کہ ان لوگوں سے جزیہ وصول کرنے کے لیے یہ سزا دی جا رہی ہے۔

حضرت ہشامؓ نے فرمایا، میں نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے سنا تھا آپؐ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو عذاب دے گا جو دنیا میں لوگوں کو عذاب دیتے ہیں۔ پھر وہ اس علاقے کے حاکم کے پاس گئے اور اس سے سفارش کی جس پر اُس نے ان لوگوں کو آزاد کر دیا۔

امام احمدؒ بن حنبلؒ نے اپنی مُسند میں یہ واقعہ بیان کرتے ہوئے تصریح کی ہے کہ یہ واقعہ فلسطین میں پیش آیا۔ فلسطین اس زمانے میں شام کا ایک حصہ تھا اور اس کے حاکم حضرت عمیرؓ بن سعد تھے۔ انہوں نے حضرت ہشامؓ سے یہ حدیث سُن کر اُن ذمیوں کو فوراً رہا کرنے کا حکم دیا۔

"مُسندِ احمد" اور "مستدرکِ حاکم" میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت عیاضؓ بن غنم فہری نے جزیرہ (یا شہر دارا) کے ایک سربرآوردہ آدمی کو گرفتار کر کے کوڑے لگائے اتفاق سے حضرت ہشامؓ بن حکیمؓ کا اُدھر سے گزر ہوا۔ انہوں نے بھرے مجمع میں حضرت عیاضؓ سے مخاطب ہو کر کہا:

"مخلوقِ خدا کو اس طرح اذیت دینا جائز نہیں ایسا مت کرو ورنہ آخرت میں پکڑے جاؤ گے۔"

حضرت عیاضؓ ایک ممتاز افسر تھے اور ان کو شرفِ صحابیت بھی حاصل تھا (بلکہ قبولِ اسلام میں ان کو حضرت ہشامؓ پر سبقت حاصل تھی۔) ان کو حضرت ہشامؓ کی علانیہ تنبیہ سخت ناگوار گزری مگر انہوں نے ضبط سے کام لیا، تاہم حضرت ہشامؓ نے بھی ان کی ناگواری محسوس کرلی۔ چونکہ تنبیہ میں کوئی ذاتی غرض پنہاں نہ تھی اس لیے تین چار دن کے بعد حضرت عیاضؓ کے پاس گئے اور معذرت کی، پھر کہنے لگے کہ —— "اے عیاضؓ! میں نے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے سنا ہے کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب اس شخص کو دیا جائے گا جو دنیا میں لوگوں کو عذاب دینے (اذیت پہنچانے) میں سب سے زیادہ جری تھا۔ اسی لیے میں نے اس شخص کو کوڑے مارنے سے منع کیا تھا۔"

حضرت عیاضؓ نے فرمایا: —— "ہاں ہم نے سُن رکھا ہے جو تم نے سن رکھا ہے اور ہم نے دیکھا ہے جو تم نے دیکھا ہے اور ہم بھی اس ذاتِ گرامی کی صحبت میں رہے جس کی صحبت میں تم رہے ہو۔ کیا تم نے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا یہ ارشاد نہیں سنا کہ جو شخص کسی حاکم کو نصیحت کرنا چاہتا ہو تو یہ نصیحت علانیہ طور پر نہ کرے بلکہ اس کا ہاتھ پکڑے اور تنہائی میں لے جاکر اس کے سامنے اپنی بات رکھے سو اگر وہ حاکم اس کو قبول کرے اور مان لے تو فبہا، (یعنی مقصد حاصل ہوگیا) اور اگر وہ قبول نہ کرے تو نصیحت کرنے والے نے اپنی ذمہ داری کو اور جو کچھ اس کا حق تھا، ادا کر دیا۔"

(۴)

حضرت ہشامؓ نے حضرت عمرؓ فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں کسی وقت وفات پائی۔ اس وقت ان کے والد حضرت حکیمؓ بن حزام حیات تھے۔ حضرت ہشامؓ اگرچہ کئی سال تک امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ بڑی شدومد سے ادا کرتے رہے مگر حیرت ہے کہ ان سے مروی احادیث کی تعداد بہت کم ہے۔ تلاش بسیار کے بعد کوئی روایت حدیث کی کسی کتاب میں مل جاتی ہے۔ صحیح مسلم میں ان سے مروی ایک حدیث یہ ہے:

"رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ایک گدھے کے پاس سے گزرے کہ جس کے چہرے پر داغ دیا گیا تھا۔ آپؐ نے فرمایا، اللہ اس بات کو بہت ناپسند کرتا ہے کہ جانور کے چہرے کو داغا جائے۔"

—— رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ ——

حضرت ہلالؓ بن اُمیّہ انصاری

(۱)

قبیلہ اوس کے خاندان واقف سے تعلق رکھتے تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:
ہلالؓ بن امیّہ بن عامر بن قیس بن عبدالاعلم بن عامر بن کعب بن واقف
(مالک) بن امرؤ القیس بن مالک بن اوس (بروایت دیگر امرؤالقیس بن اوس)
والدہ کا نام انیسہ بنت ہدم تھا جو صاحب رحل رسول اللہؐ حضرت کلثومؓ بن ہدم انصاری کی بہن تھیں۔ حضرت کلثومؓ قباء کے قبیلہ عمرو بن عوف کے رئیس تھے۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے ہجرت کر کے قباء میں نزولِ اجلال فرمایا، تو حضرت کلثومؓ بن ہدم کو آپؐ کا میزبان بننے کا شرف حاصل ہوا اسی لیے — وہ صاحبِ رحلِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لقب سے مشہور ہوئے۔

حضرت ہلالؓ بن امیّہ کا شمار انصار کے قدیم الاسلام بزرگوں میں ہوتا ہے! ایک روایت کے مطابق وہ بیعت عقبۂ ثانیہ کے بعد شرف اسلام سے بہرہ ور ہوئے اور دین حق کے پُر جوش مُبلّغ بن گئے۔ علامہ ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ قبولِ اسلام کے بعد انہوں نے اپنے خاندان (بنو واقف) کے بُت توڑے اور اس معاملے میں خاندان کے بُت پرستوں کی مخالفت کو مطلق خاطر میں نہ لائے۔

(۲)

رمضان المبارک سنہ ۲ ہجری میں حضرت ہلالؓ بن امیّہ کو غزوۂ بدر میں شریک ہونے کا لازوال شرف حاصل ہوا۔ ان کے بدری صحابی ہونے پر سب اہل سیر کا اتفاق ہے! اگلے سال وہ غزوۂ اُحد میں بھی بڑے جوش اور جذبے کے ساتھ شریک ہوئے۔ غزوۂ اُحد (۳ھ) اور فتح مکہ (۸ھ) کے درمیان جو غزوات وسرایا پیش آئے۔ ان میں حضرت ہلالؓ بن امیّہ کی شرکت کے بارے

میں اربابِ سیر خاموش ہیں، البتہ فتح مکہ میں وہ سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ہمرکاب تھے اور بنی واقف کا جھنڈا انہی کے پاس تھا۔ مؤرخین نے تصریح تو نہیں کی لیکن قیاس یہ ہے کہ غزوۂ حنین میں بھی شریک ہوئے ہوں گے۔

سنہ ۹ ہجری میں رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو اطلاع ملی کہ شاہِ روم عرب پر حملہ کرنے کے لیے پر تول رہا ہے اور بہت بڑا لشکر لے کر شام کے راستہ سے عرب کی طرف بڑھ رہا ہے۔ آنحضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اعلان فرمایا کہ ہم آگے بڑھ کر عرب کی سرحد پر رومیوں کا مقابلہ کریں گے اور ان کو اپنے ملک کی سرزمین پر قدم نہیں رکھنے دیں گے۔ اس کے ساتھ ہی آپؐ نے صحابہ کرامؓ کو غزوۂ تبوک کی تیاری کا حکم دیا۔ اس سال بارش نہ ہونے کی وجہ سے ملک میں قحط پڑ رہا تھا اور شدت کی گرمی تھی۔ اہلِ مدینہ کی روزی کا انحصار کھجور کی فصل پر تھا جو پکنے کے بالکل قریب تھی۔ اس موسم میں وہ باہر نہیں جاتے تھے لیکن حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا حکم سنتے ہی منافقوں کے سوا سب مسلمان دل وجان سے جہاد کی تیاریوں میں مشغول ہو گئے اور جب حضورؐ نے ان کو انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب دی تو اس موقع پر قربانی اور ایثار کے حیرت انگیز مناظر دیکھنے میں آئے۔ سیدنا حضرت عمرِ فاروقؓ نے اپنا نصف مال و متاع پیش کیا۔ حضرت عثمان غنیؓ، حضرت طلحہؓ اور دوسرے اہلِ ایمان نے کثیر رقمیں پیش کیں اور اونٹ گھوڑے بھی دیئے۔ خواتین نے اپنے زیور تک اتار کر دے دیئے۔ سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنا سارا مال و متاع راہِ حق میں پیش کر دیا۔ جب حضورؐ نے ان سے پوچھا کہ گھر میں اپنے لیے کیا رکھا تو انہوں نے عرض کیا، میرے لیے اللہ اور اللہ کا رسول کافی ہیں۔

سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم جب مدینہ منورہ سے تبوک کے لیے روانہ ہوئے تو تیس ہزار سرفروش آپؐ کے ہم رکاب تھے لیکن معذورین اور منافقین کے علاوہ تین سچے مسلمان ایسے بھی تھے جو کسی قوی عذر کے بغیر آنحضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ساتھ نہ جا سکے۔ یہ تین مسلمان تھے، حضرت ہلالؓ بن امیہ انصاری، حضرت کعبؓ بن مالک انصاری اور حضرت مرارہؓ بن ربیع انصاری۔ اس کا سبب یہ

نہیں تھا کہ ان کے دل میں کوئی نفاق تھا بلکہ محض سستی اور کاہلی نے انہیں غزوہ میں شرکت کی سعادت سے محروم رکھا۔

(۳)

سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم غزوۂ تبوک سے واپس تشریف لائے تو آپؐ نے ان تمام لوگوں سے جواب طلبی کی جو آپؐ کے ساتھ نہیں گئے تھے۔ منافقین نے تو جھوٹے عذر گھڑ کر بیان کر دیئے اور معذورین نے حقیقی عذر بیان کیے۔ رحمتِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ان کے عذر قبول کر لیے اور سب کو معاف کر دیا مگر حضرات ہلالؓ بن امیہ، حضرت کعبؓ بن مالک اور حضرت مرارۃؓ بن ربیع نے کوئی عذر پیش نہ کیا اور صاف صاف یہ کہہ کر اپنی خطا کا اقرار کیا کہ ہمارے نفس کی سستی اور تذبذب نے ہمیں شرکتِ جہاد سے محروم رکھا۔

حضورؐ نے فرمایا۔ "تم نے سچ کہا، اب گھر جاؤ اور حکمِ خداوندی کا انتظار کرو۔" اس کے ساتھ ہی حضورؐ نے ان تینوں سے مقاطعہ کا اعلان فرما دیا اور مسلمانوں کو حکم دیا کہ کوئی شخص ان تینوں سے نہ میل جول رکھے اور نہ ان سے بات چیت کرے۔ اس طرح ان تینوں حضرات پر سخت مشکل وقت آ پڑا۔ گھر میں بیٹھ کر ہر وقت توبہ و استغفار اور گریہ و زاری کرتے رہتے تھے۔ چالیس دن گزر گئے تو رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا حکم پہنچا کہ اپنی بیویوں سے الگ ہو جاؤ۔ حضرت ہلالؓ بن امیہ کی اہلیہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا:

"یا رسول اللہؐ! ہلال بہت بوڑھے آدمی ہیں اور میرے سوا ان کی خدمت کرنے والا کوئی نہیں، کیا مجھے ان کی خدمت کرنے کی اجازت ہے؟"

آنحضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا۔ "ہاں، لیکن وہ تمہارے پاس نہ آنے پائیں۔"

انہوں نے کہا۔ "وہ تو حرکت کرنے کے بھی قابل نہیں۔"

پچاسویں دن رحمتِ خداوندی کو جوش آیا اور ان تینوں بزرگوں کی توبہ قبول

ہو گئی۔ قرآن حکیم میں اس واقعہ کی طرف اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے:

وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ۭ حَتّٰٓي اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُھُمْ وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ۭ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ ھُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝

(سورۂ توبہ آیۃ ۱۱۸)

(اور ان تینوں کو بھی اس نے معاف کیا جن کے معاملہ کو ملتوی کر دیا گیا تھا جب زمین باوجود اپنی ساری وسعت کے ان پر تنگ ہو گئی اور ان کی اپنی جانیں بھی ان پر بار ہونے لگیں اور انہوں نے جان لیا کہ اللہ سے بچنے کے لیے کوئی جائے پناہ خود اللہ ہی کے دامنِ رحمت کے سوا نہیں ہے تو اللہ اپنی مہربانی سے ان کی طرف پلٹا تاکہ وہ اس کی طرف پلٹ آئیں۔ یقیناً وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحیم ہے۔)

(۴)

قبولِ توبہ کے بعد حضرت ہلالؓ بن امیہ بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ "یا رسول اللہؐ! میں نے اپنی اہلیہ کو شریک بن سحماء کے ساتھ تنہائی میں دیکھا ہے اور اب (اسی کے نتیجے میں) وہ حاملہ ہے۔"

رسولِ اکرم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: "ثبوت لاؤ (یعنی چار گواہ پیش کرو) ورنہ تم پر حدِ قذف جاری ہو گی" (یعنی جھوٹی تہمت لگانے کی بناء پر تمہیں اسّی کوڑے مارے جائیں گے۔)

حضورؐ کا ارشاد سن کر صحابہ میں پریشانی پھیل گئی کیونکہ بظاہر حضرت ہلالؓ کے لیے چار گواہ پیش کرنا ممکن نہ تھا مگر حضرت ہلالؓ کو اپنی بات کے سچ ہونے پر اصرار تھا۔ انہوں نے عرض کیا:

"اس اللہ کی قسم جس نے آپ کو نبی بنا کر بھیجا ہے میں بالکل صحیح واقعہ بیان کر رہا ہوں جیسے میری آنکھوں نے دیکھا اور کانوں نے سنا ہے۔

مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے معاملے میں ایسا حکم نازل فرمائے گا۔
جو میری پیٹھ (کوڑوں کی مار سے) بچا دے گا۔"
چنانچہ اس سلسلے میں یہ آیات نازل ہوئیں:

وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ یَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِیْنَ ○ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَیْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِیْنَ ○ وَیَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِیْنَ ○ۙ وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَیْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ○

(سورۂ نور آیات ۶، ۷، ۸، ۹)

("اور جو لوگ اپنی بیویوں پر الزام لگائیں اور اُن کے پاس خود اُن کے اپنے سوا دوسرے کوئی گواہ نہ ہوں تو ان میں سے ایک شخص کی شہادت (یہ ہے کہ وہ) چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر گواہی دے کہ وہ (اپنے الزام میں) سچا ہے اور پانچویں بار کہے کہ اس پر اللہ کی لعنت ہو اگر وہ اپنے الزام میں جھوٹا ہو اور عورت کی سزا اس طرح ٹل سکتی ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر شہادت دے کہ یہ شخص اپنے الزام میں جھوٹا ہے اور پانچویں مرتبہ کہے کہ اس بندی پر اللہ کا غضب ٹوٹے اگر وہ (خاوند یا الزام لگانے والا اپنے الزام میں) سچا ہو۔")

صحاح ستہ، مسند احمد اور تفسیر ابن جریر میں حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ اور حضرت انسؓ بن مالک سے اس واقعہ کی جو تفصیلات منقول ہوئی ہیں ان میں بیان کیا گیا ہے کہ آیتِ لعان کے نزول کے بعد حضرت ہلالؓ بن امیہ اور ان کی اہلیہ دونوں کو بارگاہِ نبوی میں حاضر کیا گیا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے دونوں کو حکمِ خداوندی سنایا، پھر فرمایا، خوب سمجھ لو کہ آخرت کا عذاب دنیا کے عذاب سے زیادہ سخت ہے۔

حضرت ہلالؓ نے عرض کیا: "یا رسول اللہؐ! میں نے اس پر جو الزام لگایا ہے وہ بالکل صحیح ہے۔"

بیوی نے کہا۔ "یہ بالکل جھوٹ ہے۔"

حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا۔ "اچھا تو ان دونوں میں مُلاعَنت کرائی جائے۔"

چنانچہ پہلے حضرت ہلالؓ اٹھے اور انہوں نے قسمیں کھانی شروع کیں۔ اس دوران میں حضورؐ بار بار فرماتے رہے، اللہ جانتا ہے کہ تم دونوں میں سے ایک یقیناً جھوٹا ہے تو تم میں سے کوئی توبہ کرے گا؟

پانچویں قسم سے پہلے حاضرین نے حضرت ہلالؓ سے کہا، اللہ سے ڈرو، دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب سے ہلکا ہے (اگر تم غلط بیانی کر رہے ہو تو) پانچویں قسم تم پر عذاب واجب کر دے گی۔

حضرت ہلالؓ نے کہا۔ "جس اللہ نے یہاں میری پیٹھ بچائی ہے وہ آخرت میں بھی مجھے عذاب سے بچائے گا۔" یہ کہہ کر انہوں نے پانچویں قسم بھی کھالی۔

پھر ان کی بیوی اٹھی اور اس نے بھی قسمیں کھانی شروع کر دیں۔ پانچویں قسم سے پہلے اسے بھی حاضرین نے کہا، اللہ سے ڈرو آخرت کے عذاب کی نسبت دنیا کا عذاب ہلکا ہے (اگر تم نے جھوٹ بولا تو) یہ آخری قسم تم پر عذابِ الٰہی واجب کر دے گی۔

یہ سُن کر عورت کچھ ہچکچائی، لوگوں نے سمجھا کہ شاید وہ اعترافِ گناہ کرنے لگی ہے مگر وہ بولی —— "میں ہمیشہ کے لیے اپنی قوم کو رسوا نہیں کروں گی۔" یہ کہہ کر وہ پانچویں قسم بھی کھا گئی اور یوں اپنی شہادت پوری کر دی۔

اس کے بعد رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے دونوں کے درمیان تفریق کرا دی اور یہ فیصلہ صادر فرمایا کہ جب اس کا بچہ پیدا ہوگا تو اسے اپنی ماں کی طرف منسوب کیا جائے گا اور باپ کے نام کی نسبت سے اس کو نہیں پکارا جائے گا۔ کسی کو یہ حق نہ ہوگا کہ وہ اس بچے پر الزام لگائے۔ جو اس پر یا اس کے بچے پر الزام لگائے گا

اس پر حدِ قذف جاری کی جائے گی۔

اور یہ (عورت) زمانۂ عدت کے نفقے اور سکونت کے حق کا مطالبہ ہلال سے نہیں کر سکتی کیونکہ یہ طلاق یا وفات کے بغیر شوہر سے الگ کی جا رہی ہے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے فرمایا کہ اس کے ہاں جب بچہ ہو تو دیکھو کہ وہ کس پر گیا ہے اگر اس کے خد و خال اس قسم کے ہوں تو وہ ہلال کا ہے اور اگر اس شکل و صورت کا ہو تو وہ شریک بن سحماء کا ہے۔[1]

جب لڑکا پیدا ہوا تو دیکھا گیا کہ وہ شریک بن سحماء کا ہم صورت تھا۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا:

لَوْلَا الْاَیْمَانُ (یا بروایتِ دیگر لَوْلَا مَضٰی مِنْ کِتَابِ اللّٰہِ) لَکَانَ لِیْ وَلَھَا شَاْنٌ۔

یعنی اگر قسمیں نہ ہوتیں (یا کتاب اللہ پہلے ہی فیصلہ نہ کر چکی ہوتی) تو میں اس عورت سے بُری طرح پیش آتا۔

حضرت ہلال رضی اللہ عنہ بن امیہ کے سالِ وفات کے بارے میں اربابِ سِیَر خاموش ہیں البتہ بعض نے یہ قیاس ظاہر کیا ہے کہ انہوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے

---

[1] صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے فرمایا، کہ خیال رکھنا اس عورت کا بچہ اگر سرمگیں چشم، پُر گوشت سرین اور موٹی پنڈلیوں والا ہوا تو وہ شریک بن سحماء کا سمجھا جائے گا۔ شریک کا یہی حلیہ تھا جو آپ نے بیان فرمایا۔

قیاس یہ ہے کہ عورت واقعی خطاکار تھی کیونکہ حضرت ہلال رضی اللہ عنہ کے زمانۂ ابتلا میں وہ خود حضور کے سامنے اعتراف کر چکی تھی کہ اس کا شوہر کسی قسم کی حرکت کے قابل نہیں۔

زمانۂ خلافت میں کسی وقت وفات پائی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اگرچہ غزوۂ تبوک کے موقع پر حضرت ہلالؓ بن امیہ سے لغزش سرزد ہوگئی تھی اور ان کو سخت امتحان سے گزرنا پڑا تھا لیکن ان کی جلالتِ قدر پر سب اربابِ سیر کا اتفاق ہے۔ قبولِ اسلام کے بعد ان کو نہ صرف اپنے قبیلے کے بُت توڑنے کی سعادت حاصل ہوئی بلکہ غزوۂ بدر اور غزوۂ اُحد میں شریک ہونے کا عظیم شرف بھی حاصل ہوا۔ انہوں نے غزوۂ تبوک میں شریک نہ ہونے کا کوئی عذر نہ تراشا اور اپنی غلطی کا برملا اعتراف کیا۔ ان کا یہ اعتراف ان کی صداقت شعاری پر دال ہے۔ بیوی کے معاملے میں بھی انہوں نے کسی مصلحت سے کام نہ لیا اور جو واقعہ تھا، صاف صاف بیان کر دیا۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے سُنا کہ تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور ہر ایک سے اپنی رعایا کے بارے میں باز پرس ہوگی پس امام بھی نگہبان ہے اور اس سے اس کی رعیّت کے بارے میں سوال ہوگا اور مرد اپنے گھر والوں کا نگہبان ہے اور اس سے اس کی رعیّت کے بارے میں سوال ہوگا اور عورت اپنے شوہر کے گھر کی نگہبان ہے اس سے بھی اس کی رعیّت کے بارے میں سوال ہوگا اور خادم اپنے آقا کے مال کا نگہبان ہے اس سے اس کی رعیّت کے بارے میں سوال ہوگا۔ (خلاصۂ کلام یہ کہ) تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور ہر ایک سے اس کی رعایا کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔

(صحیح بخاری و مسلم)

(مراد یہ ہے کہ تم میں سے ہر ایک کسی نہ کسی چیز کا نگہبان بنایا گیا ہے اور ہر ایک سے اس چیز کے بارے میں سوال ہوگا جس کا اُسے نگہبان بنایا گیا)

حضرت ہندؓ بن ابی ہالہ
(وصّاف النبیّ صلّی اللہ علیہ وسلّم)

(۱)

اُمّ المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے فرزند اور سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ربیب (پروردہ، سوتیلے بیٹے) تھے۔ وہ اُمّ المؤمنینؓ کے پہلے خاوند ابوہالہ تمیمی کی صلب سے تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:

ہندؓ بن ابوہالہ نباش بن زرارہ بن وقدان بن حبیب بن سلامہ بن غوی بن جردہ بن اسید بن عمرو بن تمیم۔

ابوہالہ کے نام میں اختلاف ہے جمہور اربابِ سِیَر نے نباش بن زرارہ لکھا ہے مگر بعض نے مالک بن زرارہ بن نباش یا مالک بن نباش بن زرارہ لکھا ہے۔

(۲)

حضرت ہندؓ کے قبولِ اسلام اور شرفِ صحابیت پر سب کا اتفاق ہے۔ علامہ ابن اثیرؒ نے "اُسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ" میں لکھا ہے کہ وہ غزوۂ بدر اور غزوۂ اُحد میں شریک تھے لیکن جمہور اہلِ سِیَر نے "اصحابِ بدر" کی جو فہرست دی ہے اس میں حضرت ہندؓ کا نام شامل نہیں ہے۔

کُتُبِ سِیَر میں ان کے حالاتِ زندگی بہت کم مذکور ہوئے ہیں البتہ ان کی فصاحت و بلاغت کی سب نے تعریف کی ہے۔ رسول اکرم صلّی اللہ عَلَیہٖ وسلّم کا حلیۂ مبارک نہایت خوبی اور صحت سے بیان کیا کرتے تھے اسی لیے وصّاف النبیّ صلّی اللہُ عَلَیہٖ وسلّم کے لقب سے مشہور ہو گئے تھے۔

حضرت ہندؓ نے سرورِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّم کا حُلیۂ مبارک اس طرح بیان کیا ہے :-

"رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّم نہایت خوبصورت اور بارعب تھے۔ آپ کا چہرہ اس طرح چمکتا تھا جیسے چودھویں رات کا چاند۔ آپؐ کا قد پست قامت آدمی سے لمبا اور دراز قد آدمی سے چھوٹا تھا (یعنی درمیانہ) سر بڑا تھا۔ بال ایسے تھے کہ اگر درمیان سے مانگ نکالی جاتی تو علیحدہ علیحدہ رہتے ورنہ نہیں۔ بال بڑھ جاتے تو کانوں کی لوؤں تک پہنچ جاتے۔ رنگ سفید تھا اور پیشانی کشادہ تھی بھویں لمبی اور درمیان میں پیوستہ نہ تھیں۔ دونوں بھوؤں کے درمیان ایک رگ تھی جو غصے کی حالت میں پھڑکنے لگتی۔ ناک سیدھی اور موزوں تھی جس سے نور کی شعاع نکلتی ہوئی معلوم ہوتی۔ ریش مبارک گھنی۔ رخسار ہموار۔ دہانہ ذرا چوڑا اور ہونٹ ایک دوسرے سے ملے ہوئے دندانِ مبارک میں (ذرا سا) فاصلہ تھا۔ گردن لمبی اور چاندی کی طرح سفید تھی۔ بدن گٹھا ہوا۔ پیٹ اور سینہ ہموار تھے۔ کندھے چوڑے تھے (یعنی دونوں کندھوں کے درمیان کافی فاصلہ تھا)۔ آپ کے جوڑ مضبوط تھے۔ سینے سے ناف تک بالوں کی ایک پتلی سی لکیر تھی۔ پیٹ اور پستانوں پر بال نہیں تھے۔ بازوؤں اور کندھوں پر کافی بال تھے۔ سینہ اٹھا ہوا تھا۔ بازو لمبے، ہتھیلیاں چوڑی ہاتھ اور پاؤں نرم تھے۔ پاؤں کے تلوے زمین سے اٹھے ہوئے نہ تھے دونوں یکساں تھے اور ان سے پانی بہہ جاتا۔ آپ آہستہ چلتے تو یوں معلوم ہوتا کہ اونچان سے نیچے کی طرف اتر رہے ہیں (عموماً) آپ تیز قدم اٹھاتے تھے۔ جب مڑتے تو پوری طرح مُڑتے۔ نگاہیں اکثر زمین پر لگی رہتیں۔"

(اُسدُ الغابہ)

(۳)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے عہدِ خلافت کی ابتداء میں جنگ جمل پیش آئی تو حضرت ہندؓ حضرت علیؓ کی طرف سے لڑائی میں شریک ہوئے اور اسی لڑائی میں شہادت پائی۔ انہوں نے اپنے پیچھے ایک فرزند چھوڑا۔ ان کا نام بھی ہند تھا اور ان کو بھی شرفِ صحابیت حاصل تھا۔ انہوں نے بصرہ میں سکونت اختیار کرلی تھی۔

حافظ ابن عبدالبرؒ نے "الاستیعاب" میں لکھا ہے کہ حضرت ہندؓ بن ہندؓ بن ابی ہالہ کا انتقال بصرہ میں ہوا۔ ان دنوں طاعون کی وبا پھیلی ہوئی تھی اور کثرتِ اموات کی وجہ سے لوگ اپنے اپنے مُردوں کی تجہیز و تکفین میں مشغول تھے۔ ایک روایت کے مطابق حضرت ہندؓ بن ہندؓ بھی طاعون کے عارضہ سے فوت ہوئے۔ اُن کے جسم پر کُرتا نہ تھا اور سبز رنگ کی چادر سے ان کی میت ڈھانپی گئی تھی۔ ان کی چارپائی اُٹھانے والے صرف چار آدمی تھے۔ ان کو جاننے والی ایک خاتون نے یہ دیکھا تو اس نے دہائی دی، لوگو! یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ربیب کے فرزند کا جنازہ ہے۔ لوگوں نے اس کی آواز سنی تو سب اپنے اپنے مُردوں کو چھوڑ کر ان کے جنازے کے ساتھ ہولیے اور دن بھر تمام بازار بند رہے۔ حضرت ہندؓ بن ہندؓ لاولد فوت ہوئے اس لیے حضرت ہندؓ بن ابی ہالہ کا سلسلۂ نسل ان کے بیٹے پر ہی ختم ہوگیا۔



حضرت ہندؓ بن حارثہ

اصحاب صُفّہ کی مقدس جماعت کے مستقل رکن تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:-

ہندؓ بن حارثہ بن سعید بن عبداللہ بن غیاث بن سعد بن عمرو بن عامر بن ثعلبہ بن مالک بن افصیٰ۔

مالک بن افصیٰ کا بھائی اسلم بن افصیٰ تھا۔ اس نے عرب میں بڑی شہرت پائی اور اس کی اولاد اس کے نام کی نسبت سے اسلمی کہلائی۔ مالک بن افصیٰ کی اولاد بھی اسلم بن افصیٰ کی شہرت کی بناء پر اپنے آپ کو اسلمی کہلانے لگی۔ چنانچہ حضرت ہند بن حارثہ کو بھی اسلمی کہا جاتا ہے۔

حضرت ہندؓ بن حارثہ کے سات بھائی تھے ان سب کو قبول اسلام اور صحابیت کا شرف حاصل ہوا۔ بھائیوں کے نام یہ ہیں: - حضرت اسماءؓ، حضرت خراشؓ، حضرت ذویبؓ، حضرت حمرانؓ، حضرت فضالہؓ، حضرت سلمہؓ، حضرت مالکؓ۔

حضرت ہندؓ اور ان کے یہ ساتوں بھائی صلح حدیبیہ (۶ ہجری) سے پہلے حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر آٹھوں بھائی سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے اور آٹھوں نے بیعت رضوان کا عظیم الشان شرف حاصل کیا۔ اس کے بعد ان میں سے دو بھائی حضرت ہندؓ اور حضرت اسماءؓ اصحاب صُفّہ میں شامل ہو گئے اور اپنے وقت کا بیشتر حصہ فیضانِ نبویؐ سے بہرہ یاب ہونے اور حضورؐ کی خدمت کرنے میں گزارنے لگے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ میں طویل عرصے تک ہندؓ اور اسماءؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گزاری میں مصروف دیکھتا رہا اس لیے ان دونوں کو حضورؐ کے خادم سمجھتا تھا۔ وہ اکثر حضورؐ کے دروازے پر رہا کرتے تھے اور آپؐ کی بہت خدمت کرتے تھے۔

ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ہندؓ بن حارثہ کو بنو اسلم کی طرف یہ حکم دے کر روانہ کیا کہ آج عاشورہ کا دن ہے اس لیے سب لوگ روزہ رکھیں اور جن لوگوں نے صبح کچھ کھا پی لیا ہے انہیں چاہیے کہ اس کے بعد کچھ نہ کھائیں پئیں۔

حضرت ہندؓ بن حارثہ نے امیر معاویہؓ کے عہدِ خلافت میں وفات پائی۔

حضرت ہُوَیحبہؓ بن بجیر الضبیؓ

(۱)

ان کا تعلق بنو ضبہ سے تھا۔ نسب نامہ یہ ہے:

ہُوَیحبہؓ بن بجیر بن عامر بن سفیان بن اسید بن زائدہ بن حصین بن عیاش بن شبیب بن عبد قیس بن علباء بن قیس بن عائذہ بن مالک بن بکر بن سعد بن ضبۃ الضبیؓ۔

ایک روایت کے مطابق وہ بطور وفد (سنہ ۸ ہجری سے پہلے) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کر کے مدینہ منورہ ہی میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ (المشاہد)

ایک اور روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے وطن ہی میں اسلام قبول کر لیا اور پھر ہجرت کر کے مدینہ مُنَوَّرہ آ گئے۔

(۲)

قبول اسلام کے موقع پر (یا کسی اور موقع پر) حضرت ہُوَیحبہؓ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ یا رسول اللہؐ! مجھے کوئی نصیحت فرمائیے۔

آپؐ نے فرمایا: ———

" انصاف کی بات اور لوگوں سے بھلائی کر۔

انہوں نے کہا، یا رسول اللہ! مجھے اس کی استطاعت نہیں ہے۔

(یعنی میں لوگوں کی کچھ زیادہ مدد نہیں کر سکتا)۔

آپؐ نے پوچھا، کیا تمہارے پاس کچھ مال ہے؟

انہوں نے عرض کیا، ہاں، یا رسول اللہؐ! میرے پاس اونٹ ہیں۔

حضورؐ نے فرمایا، ان اونٹوں میں سے ایسا اونٹ جو پانی لا سکے تو اسے ایسے خاندان کے سپرد کر دے جنہیں پینے کا پانی تیسرے دن میسر آتا ہے۔

تمام اربابِ سِیَر کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضرت ہُوَیجہؓ غزوۂ مُوتہ (جمادی الاولیٰ ۸ھ ہجری) میں شریک تھے۔ انہوں نے یہ صراحت نہیں کی کہ اس کے علاوہ انہیں کسی اور غزوے میں بھی شریک ہونے کا موقع ملا یا نہیں۔ حضرت ہُوَیجہؓ نے غزوۂ مُوتہ ہی میں مردانہ وار لڑتے ہوئے شہادت پائی۔ ابن عساکرؒ اور بعض دوسرے سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ ان کی لاش میدانِ جنگ سے غائب ہو گئی تھی بالفاظِ دیگر باوجود تلاش کے مسلمانوں کو دستیاب نہ ہوئی جبکہ دوسرے تمام شہداء کی لاشیں مل گئیں۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نیک ساتھی کی مثال کستوری بیچنے والے کی سی ہے اور بد ساتھی کی مثال بھٹی دھونکنے والے کی سی ہے۔ پس کستوری اٹھانے والا یا تو تمہیں کستوری دے دے گا، یا تو اُسے اس سے خرید لے گا (اور اگر یہ دونوں باتیں نہ ہوں گی تو کم از کم) تو کستوری کی خوشبو ہی کو حاصل کرے گا، اور بھٹی دھونکنے والا یا تو تمہارے کپڑے جلائے گا (اور اگر یہ نہ ہوگا تو کم از کم) تو اس کی بدبو (تو ضرور) ہی محسوس کرے گا۔

(اس حدیث میں جو کچھ ذہن نشین کرانا مقصود ہے وہ یہ ہے کہ نیک انسان کی صحبت ضرور فائدہ پہنچاتی ہے اور بُرے انسان کی صحبت لازماً نقصان پہنچا جاتی ہے)

(صحیح بخاری و مسلم)

حضرت یعلیٰؓ بن امیہؓ تمیمی

(۱)

ان کا شمار قرنِ اوّل کی نامور شخصیات میں ہوتا ہے۔ والد کا نام امیہؓ اور والدہ کا نام مُنیہ تھا۔ والد اور والدہ دونوں کے نام کی نسبت سے مشہور ہیں یعنی ان کا نام یعلیٰؓ بن امیہ اور یعلیٰ بن مُنیہ دونوں طریقوں سے لیا جاتا تھا۔ ابوصفوان یا ابوخالد کنیت تھی۔ خاندانی تعلق بنوتمیم سے تھا۔ نسب نامہ یہ ہے :

یعلیٰؓ بن امیہؓ بن ابی عبیدہ بن ہمام بن حارث بن بکر بن زید بن مالک بن حنظلہ بن مالک بن زید بن مناۃ بن تمیم التمیمی حنظلی۔

مُنیہ حضرت عتبہؓ بن غزوان کی ہمشیرہ تھیں جو سابقینِ اسلام میں سے ہیں۔ اس نسبت سے وہ حضرت عتبہؓ بن غزوان کے بھانجے تھے۔

والدہ کا نسب نامہ یہ ہے :۔

مُنیہ بنت غزوان بن جابر بن وہب بن زید بن مالک بن حارث بن مازن بن منصور بن عکرمہ بن خصفہ بن قیس بن عیلان بن مضر۔

والد اور والدہ دونوں کے خاندان بنی نوفل بن عبدِ مناف کے حلیف تھے۔

(۲)

حضرت یعلیٰؓ اور ان کے والد امیہؓ دونوں فتح مکّہ (رمضان ۸ھ) کے موقع پر شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہوئے۔ حضرت یعلیٰؓ کا بیان ہے کہ میں فتح مکّہ کے دوسرے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا :

"یارسول اللہؐ ! میرے والد سے آپ ہجرت پر بیعت لیجئے۔"

آپؐ نے فرمایا، "ہجرت پر نہیں میں تو جہاد پر بیعت لوں گا۔ ہجرت فتحِ مکّہ

کے بعد ختم ہو گئی۔ (بیہقی)

ایک اور روایت میں اس طرح ہے: ـــــ

"میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! ہم سے ہجرت پر بیعت لیجئے۔ آپ نے فرمایا، ہجرت اہلِ ہجرت کے ساتھ چلی گئی۔" (حیاۃ الصحابہ)

ابن مندہ نے لکھا ہے کہ حضرت یعلیٰ بن امیہ غزوۂ بدر میں شریک تھے لیکن ابنِ اثیر نے اس کی تردید کی ہے۔

قبولِ اسلام کے بعد حضرت یعلیٰ غزوۂ حنین اور غزوۂ طائف میں شریک ہوئے۔ غزوۂ حنین کے بعد سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم جعرانہ میں تشریف فرما ہوئے تو حضرت یعلیٰ نے حضرت عمر فاروق سے درخواست کی کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نزولِ وحی کی کیفیت کا مشاہدہ کرنا چاہتا ہوں۔ جب آپ یہ کیفیت دیکھیں تو مجھے بھی دکھائیں۔ چنانچہ جب حضور پر وحی کا نزول شروع ہوا تو حضرت عمر نے انہیں بلایا۔ اس وقت حضور ایک بڑے کپڑے کے اندر تھے۔ حضرت عمر نے حضرت یعلیٰ کو اس کپڑے کے اندر کر دیا۔ انہوں نے دیکھا کہ ثقلِ وحی کی وجہ سے چہرۂ انور متغیر ہے اور جسمِ اطہر سے پسینہ چھوٹ رہا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد یہ کیفیت ختم ہو گئی۔ (بذل القوۃ)

غزوۂ تبوک کے پُر صعوبت سفر میں بھی رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ہمرکاب تھے ـــــ انہی دنوں کا واقعہ ہے کہ حضرت یعلیٰ بن امیہ کے خادم کا کسی صاحب سے جھگڑا ہو گیا۔ ان صاحب نے خادم کے ہاتھ کو دانتوں میں دبا لیا۔ خادم نے ہاتھ کھینچا تو ان صاحب کے سامنے کے دونوں دانت ٹوٹ گئے۔ وہ صاحب شکایت لے کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور قصاص دلانے کی درخواست کی۔ حضور نے فرمایا، تجھے کوئی معاوضہ نہیں مل سکتا۔ کیا وہ اپنا ہاتھ تیرے منہ میں چھوڑ دیتا کہ تو اسے اونٹ کی طرح چباتا رہتا؟ (بذل القوۃ)

حضرت یعلیٰ بڑے کریم سخی اور لائق آدمی تھے۔ سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نگاہِ مردم شناس نے ان کی صلاحیتوں کو بھانپ لیا اور

انہوں نے اپنے عہدِ خلافت میں ان کو یمن کے ایک حصے کا حاکم مقرر فرمایا۔ وہ اپنے فرائضِ منصبی بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیتے رہے۔ حضرت عمرؓ فاروق وقتاً فوقتاً انہیں خط لکھ کر مناسب ہدایات بھیجتے رہتے تھے جن پر وہ سختی سے عمل کرتے تھے۔ اہم معاملات اور مسائل میں وہ خود بھی خط لکھ کر امیر المومنینؓ سے رہنمائی حاصل کرتے تھے۔ یمن میں کئی خوشبودار چیزیں ملتی تھیں جن میں سے ایک عنبر تھا۔ یہ عدن اور مخا کے درمیانی ساحل پر سمندر سے نکل کر آ جمع ہوتا تھا۔ ایک دفعہ ایک شخص کو کثیر مقدار میں عنبر ملا۔ حضرت یعلیٰؓ کو علم ہوا تو وہ کوئی فیصلہ نہ کر سکے کہ اس پر محصول لیا جائے یا نہیں۔ انہوں نے اس معاملے میں حضرت عمرؓ فاروق سے استصواب کیا تو امیر المومنینؓ نے یہ جواب بھیجا:۔

"عنبر تحفۂ خداوندی ہے اس پر اور سمندر سے جو کچھ برآمد ہو، پانچواں حصہ محصول لیا جائے۔"

یہ کتاب الخراج (قاضی ابو یوسفؒ) کی روایت ہے۔ قاسم بن سلامؒ نے "کتاب الاموال" میں لکھا ہے کہ امیر المومنین حضرت عمرؓ فاروق نے حضرت یعلیٰؓ کو خط میں لکھا تھا کہ "سمندر سے جو عنبر اور موتی برآمد ہوں ان پر دسواں حصہ محصول لیا جائے۔"

(۳)

ایک مرتبہ یمن کے دارالحکومت صنعا کی ایک عورت کا خاوند سفر پر گیا مگر طویل مدت گزر گئی نہ وہ واپس آیا اور نہ اس کا کوئی اتہ پتہ چلا۔ عورت نے اس کی غیر حاضری میں بعض غیر محرموں سے ملنا جلنا شروع کر دیا۔ اس کا ایک بیٹا بھی تھا، اس خوف سے کہ کہیں وہ لڑکا خفیہ ملاقاتوں کا راز افشا نہ کر دے، اس کے ملاقاتیوں نے لڑکے کو قتل کر ڈالا اور اس کی لاش صنعاء کے ایک کنوئیں میں ڈال دی۔ عورت نے حضرت یعلیٰ بن امیہؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر شکایت کی کہ میرا بیٹا کہیں گم ہو گیا ہے۔ حضرت یعلیٰؓ نے ایک اجتماعِ عام کا اہتمام کیا اور اس میں لوگوں سے اپیل کی کہ اس لڑکے کو تلاش کریں۔ ایک شخص کا گزر اتفاق سے اس کنوئیں کی طرف

ہوا تو اس نے بہت سی نیلی مکھیاں کنوئیں میں آتی جاتی دیکھیں۔ اسے کچھ شک ہوا اور اس نے کنوئیں میں جھانکا تو وہاں سے سخت بدبو آرہی تھی۔ وہ حضرت یعلیٰؓ کے پاس گیا اور ان سے کہا کہ غالباً گمشدہ لڑکے کو قتل کر دیا گیا ہے اور اس کی لاش اس کنوئیں میں پھینک دی گئی ہے۔

حضرت یعلیٰؓ نے کچھ لوگوں کو کنوئیں میں اتارا تو لڑکے کی لاش مل گئی۔ تحقیق کے بعد قاتلوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ انہوں نے اعتراف جرم کر لیا اور یہ بھی بتایا کہ لڑکے کی ماں بھی اس کے قتل کی سازش میں شریک تھی۔ حضرت یعلیٰؓ نے اس واقعہ کی تفصیل امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق کو لکھ کر بھیجی، انہوں نے حکم بھیجا:

"ان سب کی گردن مار دو اور ان کے ساتھ عورت کو بھی قتل کر دو۔ اگر صنعاء کے سب لوگ اس قتل میں شریک ہوتے تو میں ان سب کو قتل کرا دیتا۔"

(دار قطنی)

حضرت عمر فاروقؓ نے نجران (یمن کے ایک ضلع) کے عیسائیوں کو بعض وجوہ کی بناء پر شام اور عراق کی طرف جلا وطن کر دیا۔ انہوں نے جو زمینیں چھوڑیں، حضرت یعلیٰؓ کو ان کے بارے میں الجھن پیش آئی انہوں نے امیر المؤمنینؓ کو اس موضوع پر خط لکھا تو جواب آیا:

"وہ تمام زمینیں سرکاری نگرانی میں لے لو جن کے مالک جلا وطن کر دیئے گئے ہیں۔ جن زمینوں پر اب تک زراعت نہ ہوئی ہو اور جن کی سینچائی باڑھ یا بارش سے ہو سکتی ہو، ان میں کھجور وغیرہ کے جو باغ ہوں وہ نجرانی مسلمانوں کو دے دو تاکہ وہ ان کی نگہداشت کریں۔ باغوں کی پیداوار کا دو تہائی حصہ مرکزی بیت المال کے لیے وصول کیا جائے اور ایک تہائی کاشت کاروں کے پاس چھوڑ دیا جائے۔ اگر باغوں کی سینچائی ڈول سے ہو تو ان کی پیداوار کا دو تہائی باغ والے لیں گے اور ایک تہائی مرکزی بیت المال کو دیں گے۔ باغوں کی پیداوار کے علاوہ

دوسری زرعی پیداوار پر بھی یہی اصول لاگو ہوگا۔ (کتاب الخراج)

"مصنف عبدالرزاق" میں ہے کہ ایک دفعہ ایک شخص حضرت یعلیٰؓ بن امیہ کے پاس آیا اور مطالبہ کیا کہ میرے بھائی کا قاتل میرے حوالے کر دیا جائے۔ حضرت یعلیٰؓ نے قاتل اس کے سپرد کر دیا۔ اس شخص نے اس کے تلوار ماری اور یہ سمجھ لیا کہ اسے قتل کر دیا مگر اتفاق سے اس میں زندگی کی رمق باقی تھی اس کے وارث آئے اور اسے اٹھا کر لے گئے۔ پھر انہوں نے اس کا علاج کیا اور وہ ٹھیک ہوگیا۔ پہلا شخص پھر حضرت یعلیٰؓ کے پاس آیا اور قاتل کا مطالبہ کیا۔ حضرت یعلیٰؓ نے فرمایا، قاتل تو میں نے تمہارے حوالے کر دیا تھا۔ اس نے حضرت یعلیٰؓ کو سارا واقعہ سنایا۔ چنانچہ حضرت یعلیٰؓ نے اس قاتل کو طلب کیا۔ دیکھا تو وہ چلا آرہا ہے اور اس کے زخم بھر چکے ہیں اس پر حضرت یعلیٰؓ نے فیصلہ دیا کہ اگر تم اسے پھر قتل کرنا چاہتے ہو تو اس کی دیت ادا کرو اور قتل کر دو ورنہ اسے چھوڑ دو۔ وہ شخص اس فیصلے سے مطمئن نہ ہوا۔ سیدھا امیرالمؤمنین حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس فیصلے کے خلاف اپیل کی۔ حضرت عمرؓ نے حضرت یعلیٰؓ کو طلب کیا، وہ حاضر ہوئے اور صورتِ واقعہ بیان کی۔ حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ سے مشورہ کیا تو انہوں نے حضرت یعلیٰؓ کے فیصلے کے مطابق مشورہ دیا۔ حضرت عمرؓ نے بھی ان سے اتفاق کیا اور حضرت یعلیٰؓ کے فیصلے کی تحسین کرتے ہوئے ان سے فرمایا، بلاشبہ تم قاضی ہو پھر انہیں واپس ان کی ذمہ داریوں پر بھیج دیا۔

ایک دفعہ حضرت یعلیٰؓ حج کے موقع پر مکہ معظمہ آئے۔ حج میں حکم ہے کہ مُحرِم پراگندہ حال اور غبار آلود ہو تاکہ اللہ کے حضور اس کا عجز و انکسار ظاہر ہو البتہ مُحرِم کے لیے سادہ پانی سے نہانا ناجائز نہیں بشرطیکہ وہ ایسی چیزیں استعمال نہ کرے جو نظافت کے لیے برتی جاتی ہیں مثلاً صابن وغیرہ۔

اس رخصت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے امیرالمؤمنین حضرت عُمر فاروقؓ نے حالتِ احرام میں ایک اونٹ کی آڑ میں غسل کیا۔ حضرت یعلیٰؓ کہتے ہیں کہ میں بھی وہاں موجود تھا اور ایک چادر سے پردہ کر رکھا تھا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا، اے یعلیٰ!

میرے سر پر پانی ڈال دو، میں نے کہا، اے امیرالمؤمنین! کیا آپ یہ بوجھ مجھ پر ڈال رہے ہیں؟ اگر آپ حکم دیتے ہیں تو میں ڈال دیتا ہوں۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا: "واللہ (صرف) پانی سے تو سر کے بالوں کی پراگندگی میں اضافہ ہی ہوگا۔"

پس میں نے بسم اللہ پڑھی اور حضرت عُمرؓ کے سر پر پانی دیا۔

(المؤطا- ١/٣٢٣، سنن البیہقی ٥/٦٣)

ایک دفعہ حضرت یعلیٰؓ بن امیہ کو حالتِ امن کے سفر میں قصر نماز کے بارے میں شبہ پیدا ہوا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ سے پوچھا کہ قرآنِ کریم میں قصر کے بارے میں یہ حکم ہے:

فَلَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوۃِ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ یَّفْتِنَکُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا (النسآء- ١٠١)

(تو کوئی مضائقہ نہیں اگر تم نماز میں اختصار (قصر) کردو (خصوصاً) جب کہ تمہیں اندیشہ ہو کہ کافر تمہیں ستائیں گے۔)

اور اب لوگ امن کی حالت میں ہیں۔ اس پر حضرت عُمرؓ نے فرمایا، جس بات پر تمہیں تعجب ہوا ہے اس پر مجھے بھی تعجب ہوا تھا چنانچہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ علیہ وسلّم سے اس کے بارے میں استفسار کیا تو آپؐ نے فرمایا، یہ اللہ سبحانہٗ کی ایک عنایت ہے سو اس کی عنایتوں کو قبول کرو۔ (مُسندِ احمد ١/٢٥، سنن بیہقی ٣/١٣۴)

(۴)

سـ٢۴ـہ ہجری میں حضرت عُمر فاروقؓ کی شہادت کے بعد حضرت عثمان ذوالنورینؓ سریر آرائے خلافت ہوئے تو انہوں نے بھی حضرت یعلیٰؓ کا اعزاز و اکرام برقرار رکھا اور انہیں اپنی طرف سے صنعاء کا والی مقرر کیا۔ وہ کبھی کبھی صنعاء سے مدینہ منورہ حضرت عثمانؓ سے ملاقات کے لیے آیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ مدینہ منورہ آئے تو امیرالمؤمنین حضرت عثمانؓ کے ساتھ مل کر بیت اللہ کا طواف کیا۔ یہ واقعہ انہوں نے خود اس طرح

بیان کیا ہے کہ :—

"میں نے حضرت عثمانؓ کے ساتھ طواف کیا اور ہم نے حجرِ اسود کو بوسہ دیا۔ میں اس جانب تھا جو بیت اللہ کے متصل ہے۔ جب ہم رکن غربی پر پہنچے جو حجرِ اسود کے قریب ہے تو میں نے حضرت عثمانؓ کے ہاتھ کو کھینچا تاکہ وہ اس گوشہ کو بوسہ دیں۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا، میرا ہاتھ کیوں کھینچ رہے ہو؟ میں نے عرض کیا، کیا آپ اس گوشہ کا استلام نہیں کریں گے؟ حضرت عثمانؓ نے فرمایا، کیا تم نے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ساتھ طواف نہیں کیا ہے؟ میں نے عرض کیا، ہاں کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا، کیا تم نے آپؐ کو دیکھا کہ آپؐ نے ان دونوں مغربی جانب کے کونوں کا استلام کیا ہے؟ میں نے عرض کیا، نہیں۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا، کیا تمہارے لیے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی اقتداء کرنا بہتر نہیں ہے؟ میں نے کہا، کیوں نہیں۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا تو اپنے آپ کو اس گوشہ سے پرے کرو۔" (مُسندِ احمد ج ا ص ۷۸)

علّامہ ابنِ اثیرؒ نے "اُسدُ الغابہ" میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ حضرت یعلیٰؓ بن امیہؓ امیر المؤمنین حضرت عثمانؓ سے ملنے مدینہ آئے۔ اتفاق سے حضرت علیؓ کا شانۂ خلافت کے قریب سے گزرے تو وہاں ایک عمدہ خچر بندھا دیکھا۔ لوگوں سے پوچھا، یہ خچر کس کا ہے؟ انہوں نے بتایا کہ یعلیٰؓ بن منیہ کا۔ حضرت علیؓ نے تعجب سے فرمایا، بلا شبہ یعلیٰؓ کو خلیفۃ المسلمین کا تقرب خاص حاصل ہے۔

سیّدنا حضرت عثمانؓ کے خلاف شورش نے زور باندھا اور باغیوں کے جتھے مدینہ منورہ میں آ گھسے تو حضرت یعلیٰؓ امیر المؤمنینؓ کی مدد کے لیے فوج لے کر صنعاء سے روانہ ہوئے۔ لیکن ابھی وہ راستے ہی میں تھے کہ سیدنا حضرت عثمانؓ کو باغیوں نے شہید کر ڈالا۔ مزید المیہ یہ ہوا کہ اثنائے سفر میں حضرت یعلیٰؓ اونٹ سے گر پڑے اور ران کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ وہ بعد از ایامِ حج وارد مکہ ہوئے تو لوگ ان سے ملنے آئے۔ انہوں

نے اعلان کیا کہ جو شخص بھی حضرت عثمانؓ کے خونِ ناحق کا انتقام لینے کے لیے روانہ ہوگا، اس کے سازوسامان کی فراہمی ان کے ذمے ہوگی۔ چنانچہ انہوں نے سیدنا حضرت زبیرؓ بن العوام کو چار سو اونٹ دیئے۔ ان کے علاوہ قریش کے ستر آدمیوں کو اونٹ فراہم کیے اور اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں ایک اونٹ پیش کیا جس کا نام عسکر تھا۔ وہ اسی پر سوار ہو کر بغرضِ اصلاح مکہ معظمہ سے روانہ ہوئیں۔ جنگِ جمل میں حضرت یعلیٰؓ، اُمّ المؤمنینؓ کے لشکر میں شامل تھے۔ اس کے بعد وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حامیوں میں شامل ہو گئے اور جنگِ صفین میں حضرت علیؓ کی طرف سے دادِ شجاعت دی۔

اہلِ سیر نے حضرت یعلیٰؓ کا سالِ وفات بیان نہیں کیا۔ قیاس غالب یہ ہے کہ انہوں نے حضرت امیر معاویہؓ کے عہدِ خلافت میں وفات پائی۔

(۵)

حضرت یعلیٰؓ بن امیہؓ سے متعدد احادیث مروی ہیں ان میں سے کچھ یہ ہیں:

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ حرم میں غلّہ کو بند کر کے رکھنا الحاد ہے (یعنی احتکار یا ذخیرہ اندوزی کج روی اور بے دینی ہے) (سُنن ابی داؤد)

(۲) ہم (غزوۂ حنین کے بعد) مقام جعرانہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے کہ ایک دیہاتی آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا جو کرتا پہنے ہوئے اور خلوق میں لتھڑا ہوا تھا (خلوق ایک قسم کی خوشبو ہے جو زعفران وغیرہ سے بنتی ہے) اس نے کہا، یا رسول اللہؐ! میں نے عمرہ کا احرام اس حال میں باندھا ہے کہ یہ کرتا میرے جسم پر تھا۔ آپؐ نے فرمایا، خوشبو جو تیرے جسم پر لگی ہوئی ہے اس کو تین مرتبہ دھو ڈال اور کرتے کو جسم سے اتار دے پھر عمرے کے احرام میں بھی ایسا ہی کر جیسا کہ حج کے احرام میں کرتا ہے (یعنی ان ...... سے اپنے آپ کو بچا جو مُحرِم پر حرام ہیں)۔ (مشکوٰۃ بحوالہ بخاری و مسلم)

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ کا طواف کیا اور سبز چادر کے ساتھ اضطباع کیا۔ یعنی چادر کو دائیں بغل کے نیچے سے نکال کر بائیں کندھے پر ڈال لیا)۔ (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی)

(۴) رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ایک غزوہ میں چلنے کا اعلان کیا، میں ضعف کی وجہ سے غزوہ میں حصہ لینے سے معذور تھا اور میری خدمت کرنے والا بھی کوئی نہ تھا، میں نے اُجرت پر چلنے والا ایک آدمی تلاش کیا اور اجرت یہ ٹھہرائی کہ اپنے حصے کا مالِ غنیمت اسے دے دونگا جب کوچ کا وقت قریب آیا تو اس آدمی نے مجھ سے آکر کہا کہ میں نہیں جانتا سہم کیا چیز ہے اور میرا حصہ کیا ہوگا، تم میرے لیے کوئی چیز مقرر کردو کیا پتہ مالِ غنیمت ملے یا نہ ملے۔ میں نے اس کے لیے تین دینار مقرر کر دیئے۔ جب میں نے غنیمت لے لی تو میں نے ارادہ کیا کہ اپنا حصہ اس شخص کو دے دوں، پھر مجھے یاد آیا کہ میں نے اس کے لیے تین دینار مقرر کیے تھے۔ میں نے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں حاضر ہو کر اس آدمی کا ذکر کیا (اور سارا واقعہ عرض کیا) آپؐ نے فرمایا، میں اس آدمی کے لیے اُس کے اس جہاد میں، دنیا اور آخرت میں سوائے ان تین دیناروں کے جو اس نے مقرر کیے تھے اور کچھ نہیں پاتا۔ (بیہقی)

(۵) رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی نظر ایک شخص پر پڑی جو کھلے میدان میں (برہنہ) غسل کر رہا تھا تو آپؐ نے منبر پر خطبہ دیا جس میں (معمول کے مطابق) پہلے تو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی اس کے بعد فرمایا کہ:

اللہ تعالیٰ خود حیا فرمانے والا اور پردہ دار ہے۔ جب تم میں سے کوئی غسل کیا کرے تو پردہ کر لیا کرے۔ (لوگوں کی نگاہوں کے سامنے بے پردہ کھڑا نہ ہو جایا کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ پردہ داری اور حیا داری کو پسند کرتا ہے اور اس کا حکم دیتا ہے۔)

(سُنَنِ ابی داؤد، سُنَنِ نسائی)



حضرت یعلیٰ رضؓ بن مرّہ ثقفی

(۱)

ان کا شمار بڑے جلیل القدر صحابہ میں ہوتا ہے۔ خاندانی تعلق بنو ثقیف سے تھا۔
سلسلۂ نسب یہ ہے:

یعلیٰؓ بن مرّہ بن وہب بن جابر بن مالک بن کعب بن عمرو بن سعد بن عوف بن ثقیف۔

کنیت ابوالمرازم تھی۔ والدہ کا نام سیابہ تھا۔ کبھی انہیں ماں کے نام کی نسبت سے یعلیٰ ابن سیابہ بھی کہتے تھے۔

صلح حدیبیہ (سنہ ۶ھ) سے پہلے شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہوئے۔ پھر بیعتِ رضوان کی عظیم الشان سعادت حاصل کی اور اصحاب الشجرہ میں شمار ہو کر بارگاہِ الٰہی سے کھُلے لفظوں میں جنّت کی بشارت پائی۔ اس کے بعد غزوۂ خیبر، فتح مکہ، حُنین اور طائف کے معرکوں میں سرورِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا۔ علّامہ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ غزوۂ طائف میں رسولِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے انہیں انگور کاٹنے کا حکم دیا تھا۔ (بعد میں حضورؐ نے اپنا یہ حکم واپس لے لیا تھا)

(۲)

خلفائے راشدینؓ کے زمانے میں ان کی کسی سرگرمی کا سراغ نہیں ملتا۔ ابن اثیرؒ نے صرف اتنا لکھا ہے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حامیوں میں تھے۔
انہوں نے کوفے یا بصرے میں سکونت اختیار کر لی تھی اور وہاں اپنا مکان بنا لیا تھا۔
ارباب سیر حضرت یعلیٰؓ بن مرہ کے سالِ وفات کے بارے میں خاموش ہیں۔
قیاس یہ ہے کہ انہوں نے حضرت امیر معاویہؓ کے دورِ خلافت میں کسی وقت وفات پائی۔

(۳)

حضرت یعلیٰؓ بن مرہ کا شمار فضلاء صحابہ میں ہوتا ہے۔ ان سے مروی چند احادیث کتبِ احادیث میں موجود ہیں۔ رواۃ میں ان کے فرزند عبداللہؒ کے علاوہ ابوحفص بن عمر اور سعید بن ابو راشد شامل ہیں۔ ان سے مروی دو حدیثیں یہ ہیں:

(۱) رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ایک دعوت میں تشریف لے جا رہے تھے کہ راستے میں حضرت حسینؓ بن علیؓ کو دیکھا جو دوسرے بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ حضورؐ نے ساتھیوں سے الگ ہو کر اپنا ہاتھ حضرت حسینؓ کو پکڑنے کے لیے پھیلایا۔ حضرت حسینؓ کبھی اِدھر اور کبھی اُدھر بھاگ رہے تھے آخر آپؐ نے انہیں پکڑ لیا اور فرمایا، اے اللہ! میں اس بچے سے محبت کرتا ہوں اور جو اس سے محبت کرے اس سے بھی محبت کرتا ہوں۔ حسین میرے بیٹوں میں ایک بیٹا ہے۔ (اُسدُ الغابہ)

(۲) رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں ایک شخص پھٹے پرانے (میلے کچیلے) کپڑے پہنے حاضر ہوا۔ آپؐ نے اسے دیکھ کر (صحابہ سے) فرمایا، جاؤ اور اسے نہلاؤ۔ (اُسدُ الغابہ)



کتابیات

اس کتاب کی ترتیب وتدوین میں جن کتابوں سے خاص طور پر براہِ راست یا بالواسطہ استفادہ کیا گیا ہے ان کے نام یہ ہیں:

(۱) صحیح بخاری ——— امام بخاریؒ
(۲) صحیح مسلم ——— امام مسلمؒ
(۳) سُنَن ابی داؤد ——— امام ابوداؤد سجستانیؒ
(۴) جامع ترمذی ——— امام ابوعیسیٰ ترمذیؒ
(۵) مؤطا امام مالک ——— امام مالکؒ
(۶) مُسندِ ابی داؤد ——— امام ابوداؤد طیالسیؒ
(۷) مُسندِ احمدؒ بن حنبل ——— امام احمدؒ بن حنبل
(۸) سُنَن ابنِ ماجہ ——— امام ابنِ ماجہؒ
(۹) المُصَنَّف ——— امام عبدالرزاقؒ
(۱۰) المُصَنَّف ——— امام ابنِ ابی شیبہؒ
(۱۱) اَلمُستدرک ——— امام ابوعبداللہ حاکم نیشاپوریؒ
(۱۲) مشکوٰۃ المصابیح ——— شیخ ولی الدین محمدؒ بن عبداللہ خطیب عمریؒ
(۱۳) البدایہ والنّہایہ ——— حافظ ابنِ کثیرؒ
(۱۴) الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ——— حافظ ابنِ عبدالبرؒ اندلسی
(۱۵) الاصابہ فی تمییز الصحابہ ——— حافظ ابنِ حجر عسقلانیؒ
(۱۶) الطبقات الکبیر ——— ابنِ سعدؒ
(۱۷) تاریخ الرُّسُل والملوک ——— ابنِ جریر طبری
(۱۸) السیرۃ النّبویہ ——— ابنِ ہشام
(۱۹) اُسدُ الغابہ فی معرفۃ الصحابہ ——— علامہ ابنِ اثیرؒ
(۲۰) فتوح البُلدان ——— علامہ بلاذریؒ
(۲۱) الاخبارِ الطّوال ——— ابوحنیفہ احمد بن داؤد دِینوری

(۲۲) تاریخ الکامل ——— علامہ ابن اثیرؒ
(۲۳) معارف الحدیث (۷ حصے) ——— مولانا محمد منظور نعمانی
(۲۴) تاریخ اسلام جلد اوّل و دوم ——— شاہ معین الدین احمد ندویؒ
(۲۵) رحمۃ للعالمین ——— قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوریؒ
(۲۶) مشاہیر عالم ——— عبدالحلیم شرر مرحوم
(۲۷) سیرۃ کبریٰ ——— مولانا ابوالقاسم رفیق دلاوری مرحوم
(۲۸) اصحاب بدر ——— قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری مرحوم
(۲۹) المشاہد ——— حکیم رحمان علی مرحوم
(۳۰) حیاۃ الصحابہؓ ——— مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ
(۳۱) غلامان اسلام ——— مولانا سعید احمد اکبر آبادی مرحوم
(۳۲) الفاروق ——— علامہ شبلی نعمانیؒ
(۳۳) حضرت عمر فاروقؓ کے سرکاری خطوط ——— خورشید احمد فارق
(۳۴) مکتوبات حضرت علیؓ ——— حکیم نبی احمد خاں رامپوری
(۳۵) عہد نبوت کے ماہ و سال ——— مخدوم محمد ہاشم سندھیؒ ترجمہ اردو مولانا محمد یوسف لدھیانوی
(۳۶) جزیرۃ العرب ——— مولانا محمد رابع ندوی
(۳۷) سیر انصار (جلد اوّل و دوم) ——— مولانا محمد سعید انصاری مرحوم
(۳۸) مہاجرین حصہ دوم (سیر الصحابہ جلد سوم) ——— مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی مرحوم
(۳۹) خلفائے راشدینؓ ——— مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی مرحوم
(۴۰) سیر الصحابہ جلد ہفتم ——— مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی مرحوم
(۴۱) اہل کتاب صحابہ و تابعین ——— مولانا حافظ مجیب اللہ ندوی
(۴۲) سیرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم (جلد دوم) ——— مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ
(۴۳) رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی ——— ڈاکٹر محمد حمید اللہ
(۴۴) عرب کا ارتداد اور اس کا یزدور تیغ انسداد ——— خواجہ حسن نظامی دہلوی مرحوم
(۴۵) اردو دائرۂ معارف اسلامیہ (مختلف جلدیں) ——— دانشگاہ پنجاب لاہور

طالب ہاشمی کی چند دیگر تالیفات



- حکایاتِ سعدی : شیخ سعدیؒ کی گلستان و بوستان کی چیدہ حکایات کا اردو ترجمہ
- حکایاتِ رومی : مولانا رومؒ کی مثنوی کی منتخب حکایات کا دلآویز اردو ترجمہ۔
- حکایاتِ صوفیہ : صوفیہ کرامؒ کی خوب صورت حکایات کا انتخاب۔
- اخلاقِ پیمبری : سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور اسوۂ حسنہ کا مرقع۔
- معجزاتِ سرورِ کونینؐ : حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کا خوب صورت مجموعہ۔
- ارشاداتِ دانائے کونینؐ : روزمرہ زندگی میں کام آنے والی ۱۶۲۳ احادیث کا مجموعہ۔
- سفرنامۂ آخرت : مرنے کے بعد کیا ہوگا؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں۔
- تذکرہ مولانا جامی : مولانا جامیؒ کی سوانح مع فارسی نعت و ترجمہ کے ساتھ۔
- سلطان نور الدین محمود زنگی : تاریخِ اسلام کے بطلِ جلیل کے روح پرور حالاتِ زندگی۔
- الملک الظاہر بیبرس : مصر کے مملوک فرمانروا کے حیرت انگیز نقوشِ حیات۔
- تاریخِ اسلام کی چار سو باکمال خواتین : تاریخ اسلام کی ۴۰۶ ایسی خواتین کے تذکرے جن میں کمال کا کوئی نہ کوئی پہلو موجود ہے۔
- تذکرہ سیدنا غوثِ اعظم : پیرانِ پیر کے حالاتِ زندگی پر مشتمل کتاب
- تذکرہ بابا فرید گنج شکرؒ : حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کے تذکرے
- تذکرہ خواجہ اجمیریؒ : سرکار غریب نواز حضرت معین الدین چشتی کے حالات
- تذکرہ موج دریا بخاریؒ : سید میراں محمد شاہ موج دریا بخاریؒ کی سوانح حیات

تمام کتب خوب صورت سرورق، سفید کاغذ، عمدہ طباعت سے آراستہ ہیں